حق و باطل کا معرکۃ الآراء

مُقدّمہ مرزائیہ بہاولپور

رُوداد ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء

جس میں

جناب جج محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

نے مرزائیت کو اِرتداد قرار دے کر مسماۃ غلام عائشہ کا نکاح

عبدالرزاق مرزائی سے فسخ فرمایا

جلد دوم

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان۔ 061-4783486

حق وباطل کا معرکۃ الآراء

مقدمہ مرزائیہ بہاول پور

روداد ۱۹۲۶ءلغایت ۱۹۳۵ء

جناب جج محمد اکبر خان صاحب بی.اے، ایل.ایل.بی

ڈسٹرکٹ جج بہاول پور

نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بحث

مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ و عبدالرزاق مدعا علیہ

مدخلہ

عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاول پور

جلد دوم

ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : روداد مقدمہ مرزائیہ بہاول پور ۱۹۳۵ء (جلد دوم)

صفحات : ۳۵۶

قیمت : ۲۵۰ روپے

اشاعت اوّل : اکتوبر ۱۹۸۸ء / ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ

اشاعت دوم : اپریل ۲۰۰۶ء / ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

اشاعت سوم : نومبر ۲۰۲۰ء / ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

تفصیلی فہرست

بحث مدعیہ از ۹؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	۱۱
فریقین اوران کے مختارحاضر ہیں	۱۳
۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	۱۵
فریقین اوران کے مختارحاضر ہیں......بحث مدعیہ	۱۵
۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	۱۸
فریقین اوران کے مختارحاضر ہیں......تتمہ بیان مدعیہ	۱۸
جرح ...... ۲۸؍مارچ ۱۹۳۳ء	۲۰
۱۲؍اکتوبر ۱۹۳۳ء	۲۴
فریقین اوران کے مختاران حاضر ہیں......تتمہ بحث مدعیہ	۲۴
انتباہ	۳۲
برائے حضرات قارئین کرام	۳۲
بحث تحریری مدعاعلیہ ...... مدخلہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۳۳ء لغایت ۵؍مارچ ۱۹۳۴ء	۳۳
عقائد جماعت احمدیہ	۳۳
(۱) مختارمدعیہ کا اعتراض	۳۵
حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات پراعتراضات	۳۸
خالق الارض والسماء ہونے کا دعویٰ	۴۳
(۳) اللہ تعالیٰ کوتیندوے سے تشبیہ دی	۴۶
(۴) ربنّاعاج	۴۸
(۵) انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی	۴۸
(۶) انت اسمی الاعلیٰ	۴۹
(۷) انت منی بمنزلۃ لایعلمھا الخلق	۴۹
(۸) انّما امرک اذا اردت شیًا ان تقول لہ کن فیکون	۵۰
(۹) میکائیل جس کے معنی عبرانی زبان میں خداکی مانند ہیں	۵۲
(۱۰) کأنّ اللہ نزل من السمآء	۵۴
(۱۱) کشف	۵۵

(۱۲) انت منی بمنزلۃ ولدی	۵۶
(۱۳) ایک ضمنی اعتراض کا جواب	۵۷
(۱۴) اسمع ولدی	۵۸
(۱۵) اخطی واصیب	۵۹
(۱۶) الارض والسماء معک کماھو معی	۶۰
(۱۷) اصلی واصوم، اسھر وانام، واجعل لک انوار القدوم، واعطیک مایدوم ان اللّٰہ مع الذین اتقوا	۶۱
(۱۸) اعطیت صفۃ الافناء والاحیاء من الرب الفعّال	۶۳
(۱۹) نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نبیا ہو	۶۳
(۲۰) متشابہات	۶۴
محمد رسول اللہ ﷺ	۶۷
(۱) آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں	۶۸
(۲) خاتم النّبیین کے معنی!	۷۰
(۳) معراج جسمانی کا انکار	۷۰
(۴) معجزۂ شق القمر	۸۰
(۵) اثرک اللّٰہ علی کل شیئی	۸۳
(۶) آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا	۸۴
(۷) اتانی مالم یؤت احداً من العالمین	۸۶
(۸) علم میں مقابلہ	۸۶
(۹) انا فتحنالک فتحاًمبینا	۸۹
آنحضرت ﷺ کی خصوصیات	۹۰
(۱) ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ	۹۳
(۲) انا اعطینک الکوثر	۹۴
(۳) عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا	۹۴
(۴) وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین	۹۵
(۵) قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ	۹۶
(۶) مارمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ	۹۶

(۷) وماینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحیٌ یوحٰی	۹۷
(۸) وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم	۹۷
(۹) سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ	۹۸
(۱۰) لولاک لماخلقت الافلاک	۹۸
(۱۱) عینیت کادعویٰ	۹۹
(۱۲) شعر	۱۰۰
حضرت مسیح موعودکا جواب	۱۰۱
دوسراجواب	۱۰۲
تیسراجواب	۱۰۴
(۱) ملائکہ	۱۰۷
(۲) نزول ملائکہ	۱۱۰
(۳) نجوم کی تاثیر	۱۱۲
(۴) ’’پاک تثلیث‘‘	۱۱۴
قرآن مجید کی توہین	۱۱۵
(۱) قرآن شریف خدا کی کتاب اورمیرے منہ کی باتیں ہیں	۱۱۵
(۲) فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون	۱۱۶
(۳) تحدی	۱۱۷
(۴) کیاقرآن گالیوں سے پرہے؟	۱۱۹
(۵) بشارت احمد	۱۲۱
(۶) قرآن اوراحادیث اوروحی مسیح موعود	۱۲۵
(۷) حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ	۱۳۲
پہلی بات کا جواب	۱۳۳
دوسری بات کا جواب	۱۳۴
مختارمدعیہ کی پہلی جرح	۱۳۵
مختارمدعیہ کی دوسری جرح	۱۳۶
تیسری بات کا جواب	۱۴۱

ورسلہ	۱۴۲
قیامت کے متعلق	۱۴۸
علم قیامت صرف خدا کو ہے	۱۴۸
عقیدہ	۱۴۹
اوتار و تناسخ	۱۴۹
بحث متعلق وحی	۱۵۳
(۱) وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں	۱۵۳
(۲) آنحضرت ﷺ کے بعد باب وحی غیر تشریعی مسدود نہیں ہے	۱۵۵
(۳) دلائل بقائے وحی غیر تشریعی از روئے قرآن شریف	۱۵۷
(۴) دلائل بقائے وحی از روئے احادیث نبویہ	۱۶۲
دوسری حدیث	۱۶۳
تیسری حدیث	۱۶۳
(۵) عقیدہ سلف صالحین بقائے وحی غیر تشریعی کے خلاف نہیں	۱۶۴
حوالہ فتوحات مکیہ	۱۶۴
(۶) حضرت مسیح موعود کے نزدیک صرف تشریعی وحی بند ہے	۱۶۸
(۷) کیا حضرت مسیح موعود کے نزدیک آپ کی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے	۱۶۹
دوسری وجہ تکفیر کا رد	۱۷۳
(۱) جماعت احمدیہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین یقین کرتی ہے	۱۷۳
بحث خاتم النّبیین	۱۷۳
(۲) جمیع مسلمان آنحضرت ﷺ کے بعد ایک نبی کا آنا مانتے ہیں	۱۷۳
خاتم النّبیین سے کیا مراد ہے	۱۷۴
(۳) آنحضرت ﷺ لفظ خاتم سے کیا سمجھے	۱۷۴
صحابہ رضی اللہ عنہم خاتم النّبیین سے کیا سمجھے	۱۷۹
سلف صالحین خاتم سے کیا معنی سمجھے	۱۸۰
موضاعات کبیر کا حوالہ	۱۸۰
مکتوبات کا حوالہ	۱۸۳
صوفیاء کے حوالے	۱۸۳

تشریع کے معنی	۱۸۵
حوالہ تحذیر الناس	۱۸۹
سلف صالحین کا عقیدہ دربارہ وحی	۱۹۴
(۶) سیاق وسباق کے لحاظ سے آیت کے معنی	۱۹۵
(۷) خاتم النّبیین کے صحیح معنی	۱۹۵
خاتم کے معنی آخر	۱۹۷
(۸) خاتم النّبیین کے معنوں کا ضروریات دین سے ہونا	۱۹۸
(۹) کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہوسکتا ہے	۱۹۹
حضرت مسیح موعود کے نزدیک خاتم النّبیین کے معنی	۲۰۲
(۱۰) انقطاع نبوۃ پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب	۲۰۷
(۱۱) پیش کردہ احادیث کا صحیح مطلب	۲۰۹
(۱۲) علماء نے لا نبی بعدی کے کیا معنی کئے	۲۱۰
(۱۳) اجماع کی بحث	۲۱۴
(۱۴) مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی وجہ	۲۱۶
(۱۵) اسلامی بادشاہوں کے فیصلے	۲۱۶
(۱۶) مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا	۲۱۶
(۱۷) علماء نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے	۲۱۶
(۱۸) علماء کے نزدیک رسول اور نبی کی تعریف	۲۱۹
(۱۹) ظلّی ...... بروزی	۲۲۰
(۲۰) کیا حضرت مسیح موعود تناسخ کے قائل تھے	۲۲۰
(۲۱) کیا حضرت مسیح موعود نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے	۲۲۰
(۱) جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے	۲۲۶
(۲) حضرت مسیح موعود کا مذہب جہاد بالسیف کے بارہ میں	۲۲۷
انبیاء اقدسین کا طرز عمل	۲۲۷
حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا مذہب	۲۲۸
قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل	۲۲۹
احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت	۲۳۶

تیسری وجہ تکفیر کا رد	۲۳۷
چوتھی وجہ تکفیر ...... توہین انبیاء علیہم السلام	۲۴۱
حضرت مسیح موعود نے کسی نبی کی توہین نہیں کی	۲۴۱
سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ اور مسیح موعود	۲۴۹
(۲) عینیت کا دعویٰ	۲۵۰
(۳) حقیقی خاتم	۲۵۱
(۴) معجزات کی تعداد	۲۵۳
(۵) حضرت مسیح موعود کا نبی ہونا	۲۵۳
حیات مسیح	۲۵۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲۵۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۲۶۰
(۱) مسیح علیہ السلام کی پیش گوئیاں	۲۶۰
(۲) صداقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۲۶۱
(۳) حضرت مسیح علیہ السلام اور شراب کا استعمال	۲۶۲
(۴) دافع البلاء کا حوالہ	۲۶۳
پہلا اعتراض	۲۶۳
دوسرا اعتراض	۲۶۴
تیسرا اعتراض	۲۶۴
چوتھا اعتراض	۲۶۵
ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ	۲۷۰
حضرت مسیح موعود کے بعض حوالہ جات کہ فرضی یسوع مراد ہے حضرت عیسیٰ نہیں	۲۷۲
حضرت مسیح نبی اللہ ہیں	۲۷۴
لازم مذہب، مذہب نہیں ہوتا	۲۷۵
توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا الزام اور اس کا جواب	۲۷۸
اہل بیت کی توہین	۲۷۸
امام حسین کی توہین	۲۷۹
اولیاء کی توہین	۲۸۱

اے بدذات فرقہ مولویاں	۲۸۲
ذریۃ البغایا	۲۸۴
ازواج مطہرات کی توہین	۲۸۶
حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی توہین	۲۸۶
بیت اللہ کی توہین	۲۸۸
حج کی توہین	۲۹۰
مقبرہ بہشتی	۲۹۰
کیا تکفیر وجہ ارتداد وفسخ نکاح ہوسکتی ہے؟	۲۹۱
کیا غیر احمدی اہل کتاب نہیں	۲۹۳
کیا مدعیہ مشرکہ ہے؟	۲۹۳
احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند	۲۹۴
اصولی اختلاف	۲۹۷
کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے	۲۹۸
مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک وجہ	۲۹۸
فسخ نکاح کی ایک اور وجہ	۳۰۰
مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ	۳۰۱
۵/ مارچ ۱۹۳۴ء گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب	۳۱۰
(۲) دربار معلّٰی کی توہین	۳۱۱
(۳) گواہ مدعا علیہ نمبر کی معلومات پر بحث کا جواب	۳۱۲
گواہ مدعا علیہ نمبر ا کے جوابات میں تعارض کا رد	۳۱۳
گواہ مدعا علیہ نمبر ا کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب	۳۱٦
گواہ مدعا علیہ نمبر ۲ پر تبصرہ	۳۱۸
مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیاں	۳۲۰
الزام خیانت کا رد	۳۲۳
تحذیر الناس کا حوالہ	۳۲۳
حجج الکرامہ کا حوالہ	۳۲۳
البحر الرائق کا حوالہ	۳۲۴

تفسیروں کے متعلق	۳۲۵
آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام	۳۲۷
مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق	۳۲۹
شیخ محی الدین ابن عربی	۳۲۹
امام عبدالوہاب شعرانی	۳۳۰
امام ربانی مجدد الف ثانی	۳۳۰
مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی	۳۳۰
علامہ ابن تیمیہ	۳۳۰
مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید	۳۳۰
مثیل مسیح اور مسیح موعود	۳۳۲
حضرت مسیح موعود کا دعویٰ	۳۳۸
گواہان مدعیہ کی شہادتیں	۳۳۸
گواہان مدعیہ کے صریح کذب	۳۴۱
(۱) پہلا کذب صریح	۳۴۱
(۲) دوسرا کذب صریح	۳۴۱
(۳) تیسرا کذب	۳۴۱
(۴) چوتھا کذب صریح	۳۴۱
(۵) پانچواں کذب صریح	۳۴۱
(۶) چھٹا کذب صریح	۳۴۲
(۷) ساتواں کذب صریح	۳۴۲
(۸) آٹھواں کذب صریح	۳۴۲
(۹) نواب کذب صریح	۳۴۲
(۱۰) دسواں کذب صریح	۳۴۲
(۱۱) گیارہواں کذب صریح	۳۴۳
(۱۲) بارہواں کذب صریح	۳۴۳
(۱۳) تیرہواں کذب صریح	۳۴۴
(۱۴) چودہواں کذب صریح	۳۴۴
خلاصہ بحث	۳۵۳

بحث مدعیہ

۹/لغایت ۱۲/اکتوبر ۱۹۳۳ء

مدعیہ کی جانب سے مدعا علیہ کے گواہان کے کذب وفریب سے بھرپور بیانات وجرح کا دلائل وبراہین احمدیہ سے نہایت باطل شکن جواب دیا گیا جس کا اندازہ مدعیہ کی پیش کردہ بحث کے پڑھنے سے ہوسکتا ہے۔

ادارہ

بحث مدعیہ از ۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اوران کے مختار حاضر ہیں

مدعا علیہ کے احمدی ہونے سے قبل مدعیہ اور مدعا علیہ دونوں احمدی اعتقاد کے مطابق کافر تھے۔ ان میں سے مدعا علیہ نے جب مذہب احمدیت قبول کیا تو وہ مسلمان ہوگیا اور مدعیہ بدستور کافر رہی۔ اس لئے ایک کافر اور مسلمان کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا اور فسخ ہوگیا۔

اہل کتاب کا نکاح مسلمان کے ساتھ اس لئے جائز ہے کہ قرآن شریف میں ہے کہ ان امتوں کی عورتیں اور مرد باہمی نکاح کر سکتے ہیں جن کو قرآن مجید سے پہلے کتاب عطاء کی گئی۔ یہ مذکور نہیں کہ قرآن کے بعد یا کسی دوسری کتاب کے نازل ہونے والی امت پر یہ آیت حاوی ہوگئی۔

آئینہ صداقت میں مرزا صاحب بشیر الدین محمود تحریر فرماتے ہیں کہ: ''مرزا صاحب جس اسلام کو پیش کرتے ہیں وہ اوراسلام ہے۔'' (ملخص آئینہ صداقت ص ۵۳، انوار العلوم ج ۶ ص ۱۲۵)

مدعا علیہ مرزا صاحب کا معتقد ہونے کی وجہ سے مسلمان ہوگیا اور مدعیہ یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مشرک ہوئی کہ عیسیٰ زندہ ہیں اور نازل ہوں گے۔ اس لئے مشرک کے ساتھ مسلمان کا نکاح کسی صورت میں بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

ختم النبوۃ کے متعلق سال ۱۸۹۹ء تک بقول مرزا محمود صاحب، مرزا غلام احمد صاحب کا یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اب مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت اس وقت قابل سماعت ہوگا۔ جب کہ یہ آیت: ''ختم النبوۃ'' منسوخ ہوجائے اور کسی حکم شرعی اور ضروریات دین کا منسوخ ہونا یا اس کا دعویٰ کرنا کفر وارتداد ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں: ''امتی نبی نہیں ہوسکتا اور نبی امتی نہیں ہوسکتا۔'' آگے لکھتے ہیں کہ: ''جس مذہب میں امتی نبی نہ ہوسکے وہ شیطانی مذہب ہوا۔'' اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ حضور ﷺ سے قبل جو انبیاء علیہم السلام تھے اور جو اپنی امتوں کو نبی نہ بنا سکتے تھے، ان کے مذاہب شیطانی ہوئے اور سابقہ نبیوں کے مذاہب کو شیطانی کہنے والا کافر ہی سمجھا جائے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے تمام کمالات کا ظل ہوں اور دوسرے انبیاء ایک ایک صفت کے ظل تھے۔ اس لئے تمام انبیاء کو اپنے آپ سے کم تر کہنا تمام انبیاء کی توہین ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے بقول مرزا صاحب چونکہ اسلام میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس سے معلوم آیا کہ اس سے زیادہ کمال والے نبی کے آنے سے زیادہ خرابی کا احتمال ہوگا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی متواتر ہے اور متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب چونکہ اس کے منکر ہوئے اس لئے کافر ہوئے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حسب تصریح قرآن مجید رسول اسے کہتے ہیں کہ جس نے احکام وعقائد دین جس پر عمل کرکے درجہ حاصل کئے ہوں۔ رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حاصل کرے۔ اس لئے جب تک جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ احکام نہ پہنچیں خود مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں۔ خود مرزا صاحب بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں اور ایک دفعہ عیسیٰ علیہ السلام کا اور ظلی آئے گا۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۴،۳۴۵، خزائن ج۵ ص ایضاً)

رسول اللہ ﷺ کو عیسیٰ علیہ السلام کا ظل کہنے سے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے اعلیٰ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مرزا صاحب اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل کہتے ہیں۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ مرزا صاحب رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں اور یہ کفر کی حد تک پہنچے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ازل سے خاتمیت دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت سے مفہوم ختم نبوۃ سے ہے اور وہ اپنے لئے ختم حقیقی ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ خاتم مجازی ہوئے۔ یہ صریح کفر اور توہین ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حقیقت کا حلول کئی دفعہ ہوا اور ان لوگوں میں ہوا جن کے نام احمد اور محمد ﷺ تھے لیکن انہوں نے دعویٰ نبوت نہ کیا۔ اس لئے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوۃ بھی اس وجہ سے درست نہیں سمجھا جا سکتا کہ ان میں حقیقت محمد ﷺ کا حلول ہوا اور کہ ان کا نام احمد تھا۔ مرزا صاحب کے کلام میں بہت سے متناقض اقوال ہیں۔ مدعیہ کی طرف سے جو قول مرزا صاحب کے خلاف پیش کیا گیا اس کے جواب میں مدعا علیہ کی طرف سے دوسرے اقوال جو اہل اسلام کے موافق ہیں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

اس لئے مرزا صاحب کا عقیدہ قائم کرنے کے لئے مخالف اقوال کو زیادہ ترجیح دی جائے گی۔ موافق اقوال کی نسبت سمجھا جائے گا کہ وہ پہلے کے ہیں اور صحیح عقیدہ مخالف اقوال کے مطابق ہے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا اور ٹھیک متعین نہیں ہوا کہ ان کا دعویٰ کیا تھا؟ ان کے اپنے علماء میں اختلاف ہے۔

اہل تصوف کے حوالہ جات ہمارے مقابلہ میں پیش کئے جانے درست نہیں کیونکہ متعدد وجوہ ہیں۔ تصوف کا سوال نہیں بلکہ شریعت کا ہے۔ تصوف کا کوئی حوالہ اگر شریعت کے مخالف ہو تو وہ قابل اعتماد نہیں۔ مفتی سے غلطی ہونی ممکن ہے۔ ''تحذیر الناس'' کے حوالے سے جو یہ کہا گیا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب بھی ختم زمانی کے منکر ہیں۔ اس عبارت کے بعد اس کا رد موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (ص۳ سطر۱۷) (ص۱۰) کی عبارت بھی اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جس کا ایک جھوٹ ثابت ہو گیا اس کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ ''بحر الرائق'' کے حوالہ سے جو فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ علماء معمولی معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں۔ اس کتاب کی جلد خامس کے (ص۳۵) پر یہ عبارت ہے کہ کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے کہ اس پر اتفاق ہو اور متکلم کے کلام کی تاویل نہ ہو اور متفقہ علیہ ہو۔

نبوۃ تشریعی کے یہ معنی ہیں کہ جس کی وحی میں تبلیغ ہو، امر ہو، نہی ہو۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ نبوۃ تشریعی کے یہ معنی ہیں کہ نبوۃ مستقلہ ہو۔ یعنی بدوں توسل حضور ﷺ ہو۔ صاحب کتاب ہو اور شریعت سابقہ کا ناسخ ہو۔ ملّا علی قاری کا قول ختم النبوۃ کے متعلق عام عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات کل کا اطلاق جزو پر کیا جاتا ہے۔ ملّا علی قاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل تھے اور جو قول ان کا فریق ثانی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے ان کے کل مضمون کو دیکھنے پر ان کی مراد عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کا قول بھی تمام عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ ان کی آگے کی عبارت دیکھی جاوے، وہ خود اس کی وکالت کرتی ہے۔ کمالات نبوۃ ملنے سے یہ مراد نہیں کہ جس شخص میں کمالات ہیں وہ نبی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو (مکتوبات ص۲۴۸، حصہ چہارم ص۴۹،۵۰)

حجج الکرامۃ میں جو دجالوں کے متعلق حوالہ دیا گیا ہے، اس میں تیس کے آگے زیادہ کے الفاظ ہیں۔ لیکن حوالہ میں یہ الفاظ نہیں دیئے گئے۔

(شرح فصوص الحکم ص۱۱۴) پر ولایت کو بھی اصطلاحاً نبوۃ کہا گیا ہے۔ اس حوالہ کی رو سے نبی متبع نہیں ہوسکتا تھا۔

مرزا صاحب نے (اربعین نمبر۴ ص۶، خزائن ج۱۷ ص۴۳۵) پر جو کچھ لکھا ہے اس سے اپنے آپ کو تشریعی نبی ثابت کرتے ہیں۔

کتاب (حقیقت النبوۃ ص۶،۷، انوار العلوم ج۲ ص۳۵۰،۳۵۱) کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے اندر کسی لفظ کے حقیقی معنی پائے جاویں، وہ اس لفظ کا حقیقی مصداق تھا تو مرزا صاحب نے جب صاحب شریعت کے حق بیان فرمائے اور بتلایا کہ یہ معنی ان میں پائے جاتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مدعی صاحب شریعت نبوۃ کے ہیں۔

۱۰/اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں...... بحث مدعیہ

کفر ثابت کرنے کے لئے صرف ایک بات کفریہ ثابت ہوجانے سے کفر عائد ہوجاتا ہے۔ اسلام ثابت کرنے کے لئے تمام جزئیات اسلام کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ گواہ نمبر۱ مدعا علیہ نے کہا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے سب لٹریچر میری نظر میں سے نہیں گزرے، جو اس وقت تک شائع ہوچکے ہیں۔ فتوحات مکیہ کی نسبت گواہ نمبر۱ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کو مکمل طور پر نہیں دیکھا۔ گواہ نمبر۱ نے شرح فقہ اکبر کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ شرح فقہ اکبر کس کی مصنفہ ہے۔ ''بحر الرائق'' کے اصول تکفیر کے متعلق بھی گواہ نمبر۱ نے لاعلمی بیان کی ہے۔ ''اشارات فریدی'' سالم کتاب کے مطالعہ سے بھی انکار کیا ہے۔ منصب رسالت کے متعلق بھی گواہ نے کہا ہے کہ میں نے سالم کتاب نہیں پڑھی۔ کتاب محیط کے پورے مطالعہ سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ ہدیہ مجددیہ کے مصنف کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ علم نہیں ہے اور نہ اس کا مصنف معلوم ہے۔ ''جوامع الشواہد'' کے مصنف سے بھی لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ ''بھونچال بر لشکر دجال'' کے مصنف سے بھی لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ ''ہدیہ مجددیہ'' دونوں فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ مگر اس کا حوالہ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ جوامع الشواہد، بھونچال بر لشکر دجال، حجج الکرامہ، شہاب علی البیضاوی، انوار احمدیہ، حیات جاوید۔ ہر دو فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق ہے۔ محض مسلمان ہونے سے کسی کی تحریر مسلم قرار نہیں دی جاسکتی۔ اجماع کے متعلق گواہ نمبر۱ نے جرح ۹/مارچ ۱۹۳۳ء میں کہا ہے کہ بلاکسی استثناء کے تمام امت کسی مسئلہ پر اجماع کرے تو اس کو اجماع کہا جائے گا اور اسی جرح میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام امت کے مسلمہ بزرگ اور اکابر اسے مانتے ہوں۔ اشارات کے متعلق ایک جگہ یہ بتلایا گیا ہے کہ خواجہ صاحب نے خواجہ محمد بخش صاحب سے سبقاً سبقاً سنی اور ایک جگہ ہے کہ مولانا رکن الدین سے سنی۔ حالانکہ کتاب خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب ہوئی۔ ۱۱/مارچ کی جرح میں یہ مانا گیا ہے کہ جو چندہ نہ دے وہ بیعت سے خارج ہے۔ لیکن احمدی رہے گا۔ ''آئینہ صداقت'' (ص۳۵، انوار العلوم ج۶ ص۱۱۰) میں ہے کہ جو بیعت میں داخل نہیں وہ کافر ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ نبی کسی مشرکانہ عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ۱۲سال تک حیات مسیح کے مسئلہ کے قائل رہے اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا اور یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب ''صحیح بخاری'' ہے۔ گواہ نمبر۱ نے بیان کیا ہے کہ اس کتاب میں بعض احادیث غیر معتبر ہوسکتی ہیں اور جرح ۱۱/مارچ ۱۹۳۳ء میں گواہ نمبر۱ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابیں مسلم ہیں۔

گواہ نے ۷؍مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ کہا ہے کہ احکام جو بذریعہ جبرئیل نازل ہوں تو کوئی امر نہیں۔ مرزا صاحب کے قول مندرجہ ’’ازالہ اوہام‘‘ (حصہ دوم ص ۵۷۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۱) کے خلاف ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ: ’’جہاں جبرئیل علیہ السلام ایک حکم بھی لاویں ختم النبوۃ کے خلاف ہے۔‘‘ گواہ نے کہا کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کو جو وحی ہوتی ہے وہ ایک ہے۔ حالانکہ علم الکتاب جس کا حوالہ خود گواہ نے دیا ہے (ص ۱۱) پر درج ہے کہ لفظ وحی کا اطلاق اولیاء اللہ کے الہام پر نہیں ہوسکتا۔ گواہ نے مرزا صاحب کی وحی کے متعلق کہا ہے کہ وہ کوئی قرآن کے معارض نہیں۔ حالانکہ صحیح احادیث کے متعلق بھی یہ کہا گیا ہے کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہوں گی تو مانی جائیں گی ورنہ نہیں۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ نمبر۱ نے گواہ نمبر۲ سے مختلف بیان کی۔ گواہ نمبر۱ کہتا ہے کہ جن کو کتاب ملی ہو۔ گواہ نمبر۲ کہتا ہے کہ جن کو پہلے کتاب مل چکی۔ گواہ نمبر۱ نے بیان کیا کہ ابن مسعود جلیل القدر صحابی تھے۔ کتاب (ازالہ اوہام ص ۵۹۶، خزائن ج ۳ ص ۴۲۲) میں ہے کہ ’’ابن مسعود معمولی آدمی تھا۔‘‘ گواہ نمبر۲ نے بیان ہے کہ قرآن مجید کی مطابقت کے لئے اس کے واسطے اس کے واجب الاطاعت اماموں یا اس کی دینی مطابقت مسلم ہے۔ آگے کہا ہے کہ میرے نزدیک مرزا صاحب اور خلیفہ اوّل خلیفہ ثانی کے اقوال مستند ہیں۔ اس کے علاوہ اور میرے نزدیک اور کوئی شئے مستند نہیں۔ گواہ نمبر۵ نے تفسیر صاوی ایسی کتاب کا حوالہ دیا ہے جو فریقین کی غیر مسلمہ ہے۔ اس طرح کتب ذیل کواکب دریہ، اقراب الساعۃ، فتح البیان، شہاب انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، حیات جاوید۔ فریقین کی غیر مسلم کتابیں ہیں جو گواہ نمبر۲ نے پیش کیں۔ اس طرح گواہ نمبر۲ نے کہا ہے کہ شرح شفاء کل نہیں پڑھی۔ ہدیہ مجددیہ کا مصنف نامعلوم ہے۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ نمبر۲ نے ۲۱؍مارچ ۱۹۳۳ء کو یہ بیان کی کہ وہ لوگ جن کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور سوال مکرر میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتاب ہیں۔

گواہان فریق ثانی نے ایمان کی تعریف میں چند باتیں بیان کی ہیں۔ اس سوال پر یہ کہا ہے کہ یہ باتیں مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہیں، کافی نہیں۔ ان کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے سے ایک شخص کافر ہوجاتا ہے۔ ہماری طرف سے کہا جاتا ہے کہ باوجود ایک شخص کے ایمان میں ان باتوں کا موجود ہونا جو گواہان نے بیان کی ہیں، اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے، وہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوۃ سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفریہ الزام لگائے گئے ہیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۷ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن خلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے کہ تفاسیر المتقدمین ’’مملوء غث وسمین‘‘ یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں، بلکہ الفاظ یہ ہیں: ’’الا ان کنتم ومقولاته مشتمل علی الغث والسمین‘‘

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ تردید کے لئے ہیں، تائید کے لئے نہیں ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ معتبر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں، یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں اس عبارت کے آگے جو Quote کی گئی ہے، درج ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر معتبر سمجھتے تھے نہ کہ تفسیر کو۔

’’تفسیر اتقان‘‘ کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کا مقدم مؤخر حذف کیا گیا ہے اور وہ اس موقع پر تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے وہ مقدم مؤخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز۔ ’’بحر الرائق‘‘ کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے، کبھی ان کے متعلق یہ درج ہے کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی

فتویٰ نہیں۔ جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جوان کی طرف منسوب کئے، جا کران پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ برأت ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مؤرخہ ۱۵؍مارچ ۱۹۳۳ء اسے تسلیم کرلیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور معذور ہیں۔ جو کتاب ''حسام الحرمین'' اس غرض کے لئے پیش کی گئی اس میں سب سے پہلے مرزاصاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔ ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزاصاحب کے نام خط لکھا، یہ درست نہیں۔ کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزاصاحب پیش کی گئیں اور حکیم نورالدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہوسکا کہ خواجہ صاحب نے مرزاصاحب کی ان کتابوں کو جوان کے پاس پہنچیں، کل کا مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کی دوسری اشاعتوں کی تائید مرزاصاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یارسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے ''اشارات فریدی'' (حصہ سوم ص۴۲) پر مرزاصاحب کے مکاشفات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کتابیں مرزا صاحب کی پیش ہوئیں، ان میں مرزاصاحب نے محدثیت کا دعویٰ کیا ہوا ہے نبوۃ کا نہیں۔ یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیاگیا ہے کہ اس وقت تک مرزاصاحب اپنے آپ کو محدث کہتے تھے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لئے مدعاعلیہ کے حق میں نہیں ہوسکتی کہ اس وقت تک مرزاصاحب کے وہ اقوال کفریہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا، شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ نمبر۲ نے یہ بیان کیا ہے کہ مرزاصاحب کے کسی مرید کے قول وفعل کا اعتبار نہیں، تاوقتیکہ مرزاصاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو۔ اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''اشارات فریدی'' میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب ''اشارات فریدی'' حسب تسلیم گواہ نمبر۲ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ملاّ رکن الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مؤلف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب ''فوائد فریدی'' (ص۲۹،۳۰) قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا؟ فرقہ احمدیہ کوناری فرقہ قرار دیا اور گواہ نمبر۲ نے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہوچکا تھا۔ خواجہ صاحب سال ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا کہ ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا، ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کیا جاوے، اگر مطابق ہوتو قبول کیا جاوے ورنہ نہیں۔ اس کے متعلق خطاب، حقائق اور یحییٰ ابن جعفر ائمہ دین کے لئے ہیں کہ یہ حدیث بے دینوں نے گھڑی ہے۔

حدیث بلاسند معتبر نہیں۔ فریق ثانی نے کہا ہے کہ حدیث بلاسند معتبر ہے۔ لیکن جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ کہیں نہیں کہ حدیث بلاسند معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو (نخبۃ الفکر ص۱۲،۱۳) ''منصب امامت'' کے حوالہ سے یہ غلط کہا گیا ہے کہ جو نکاح اور دوسرے معاملات

میں ہر ایک شخص سے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، ویسے ہی معاملہ ہوگا جیسے تمام مسلمانوں سے۔ ’’منصب امامت‘‘ میں دراصل یہ بات درج ہے کہ جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں کفر اس کا چھپا ہوا ہے، اسلام ان کا ظاہر ہے۔ دعویٰ کی تصدیق شعائر اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دست بردار نہیں ہیں۔ ان سے یہ معاملہ ہوگا۔ (ملاحظہ ہو ص۹۴)

کسی اہل کتاب مرد سے مسلمان لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی احمدی لڑکی کسی غیر احمدی سے نکاح کرے تو وہ نکاح فسخ نہیں کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی رو سے شریعت اسلامیہ کا یہ نیا حکم سمجھا جائے گا کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں جا سکتی ہے اور نیا حکم شریعت میں پیدا کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ مرتد ہونے کے مسئلہ سے جدا ہے۔ یعنی اگر مسلمان عورت عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح قائم نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ مرتد سمجھی جائے گی اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مرزا محمود صاحب کی کتاب (ملائکۃ اللہ ص۴۶، انوار العلوم ج۵ ص۴۴۰) پر ہے کہ واضح ہو کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لئے احمدی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے کرنے سے روکتے ہیں۔ (دستخط بحروف اردو صاحب جلیس محمد اکبر)

بقیہ کارروائی کے لئے مسل کل پیش ہو۔ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

(دستخط بحروف اردو صاحب جلیس محمد اکبر)

۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں...... تتمہ بیان مدعیہ

مفسرین کے اقوال میں جو رطب و یابس درج ہے وہ قصص کے متعلق ہے، اصل احکام کے متعلق نہیں۔ یعنی اصل احکام کی تفسیر میں رطب و یابس نہیں صرف قصص میں ہے۔ جس کی صحت کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یہی رائے ابن خلدون کی ہے۔ ملاحظہ ہو (مقدمہ ابن خلدون ص۳۸۳،۳۸۴) اقتباس اور اقسام میں فرق ہے۔ جن اولیاء اللہ کے متعلق آیات قرآن کے مکاشفات بیان کئے گئے ہیں، انہوں نے اپنی عبارتوں میں ان آیات سے اقتباس کیا ہے۔ ان میں الہام ظاہر نہیں کیا۔ علم الکتاب میر درد سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں ان کے متعلق اس کتاب کے (ص۶۱، ۶۵) پر درج ہے کہ وہ ان آیات سے اقتباس کر رہے ہیں۔ گواہ نمبر۱ نے اپنی جرح مؤرخہ ۹؍مارچ ۱۹۳۳ء میں تسلیم کیا ہے کہ کسی خصوصی مسئلہ پر تمام کی تمام امت اجماع کرے تو اس کی تسلیم ضروری ہے۔

’’ارشاد الفحول‘‘ کا جو حوالہ اجماع کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے ان میں ان الفاظ کی بحث ہے کہ جو اجماع پر دلالت کرتے ہیں، اس میں الفاظ: ’’**لا اعلم خلافاً محالا خلاف فهم**‘‘ کے ہیں۔ ان کو اجماع کے الفاظ شمار نہیں کیا گیا۔ مسئلہ ختم النبوۃ میں الفاظ: ’’**اجمعت الامته**‘‘ اور ’’**اجماع**‘‘ کا لفظ پیش کیا گیا ہے جس سے اجماع ثابت سمجھا جا سکتا ہے۔ متواتر مضمون کے متعلق امام رازی کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے، مسلم الثبوت سے اس کی تردید، اس کے نیچے (فواتح الرحمت ص۴۹۷،۴۹۵) پر دی گئی ہے۔ مرزا صاحب نے متواتر مضمون کو زبردست دلیل قرار دیا ہے۔ (شہادت القرآن ص۲،۳، خزائن ج۶ ص۲۹۸)

گواہ نمبر۲ نے اجماع کے متعلق جو حوالہ جات پیش کئے ہیں ان کی مقدم مؤخر عبارت پوری نہیں پڑھی۔ مسئلہ ختم النّبوۃ میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں:

آیات قرآن، احادیث، آثار صحابہ، اقوال بزرگان، فیصلہ مفسرین، فیصلہ ائمہ لغت، فیصلہ ائمہ فقہاء مجتہدین۔ مدعیہ کی طرف سے سات آیات ’’خاتم النّبیین‘‘ کی تفسیر میں پیش کی گئی ہیں۔ مدعاعلیہ کی طرف سے کوئی آیت اس کی تفسیر میں پیش نہیں ہوئی۔ مدعیہ کی طرف سے ایک گواہ نے دوسو سے زائد احادیث اس کے ثبوت میں بتلائی ہیں اور ۱۷ احدیثیں مختلف بیانات میں صاف اور صریح طور پر پیش کی گئی ہیں۔

مدعاعلیہ کی طرف سے گواہ نمبر۱ نے صرف ایک حدیث اور وہ بھی ضعیف درجہ کی پیش کی ہے اور گواہ نمبر۲ نے دوحدیثیں بیان کی ہیں۔ بزرگان کے اقوال کے متعلق گواہ نمبر۱ مدعاعلیہ نے بیان کیا ہے کہ قرآن اور حدیث کے خلاف کسی قول یا بزرگ کا قول معتبر نہیں ہے۔

آثار صحابہ میں ابن جریر کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں اور وہاں ۶۴ حوالوں سے اسے ثابت کیا گیا ہے اور تمام صحابہ کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

مدعاعلیہ کی طرف سے دو اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ پہلا قول حضرت عائشہ ﷞ کا بلاسند کے ہے۔ دوسرا قول حضرت علی ﷜ کا ہے جو ’’درمنثور‘‘ سے نقل کیا گیا ہے۔ ’’درمنثور‘‘ کے متعلق گواہ نمبر۱ کا یہ بیان ہے کہ وہ تفسیر کی کتاب ہے اور اس میں گواہ کے نزدیک رطب ویابس ہیں جو ماننے کے قابل نہیں۔

اقوال بزرگان کی فہرست میں مدعیہ کی جانب سے ۱۲۶ اقوال پیش کئے گئے ہیں اور مدعاعلیہ کی جانب سے ۸ حوالہ جات دیئے گئے ہیں، جن میں سے دو حوالہ ’’حجج الکرامہ‘‘ اور ’’اقتراب الساعۃ‘‘ سے ہیں، جو فریقین کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ مفسرین کے فیصلہ جات کے تحت میں مدعیہ کی طرف سے ۱۵ فیصلے پیش کئے گئے ہیں اور مدعاعلیہ کی طرف سے ان معنی کے تعیّن کے لئے پیش کئے گئے ہیں اور مدعاعلیہ کی طرف سے اس معنی کے تعیّن کے لئے کوئی بھی حوالہ نقل نہیں کیا گیا۔ لفظ ’’خاتم‘‘ کے لغوی معنی ثابت کرنے کے لئے تین حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہاب کا حوالہ فریقین کا غیرمسلم ہے۔

ائمہ لغت کے ۸ حوالہ جات مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں جن میں سے ایک کتاب مفردات کے متعلق صاحب اتقان لکھتے ہیں کہ قرآن کے متعلق اس سے بہتر رائے زنی پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مدعاعلیہ کی طرف سے صرف ایک حوالہ منجد کا پیش کیا گیا ہے۔

احکام فقہاء کے تحت ۶ حوالہ جات منجانب مدعیہ پیش ہوئے ہیں، جن میں سے ’’بحرالرائق‘‘ کو گواہ نمبر۱ مدعاعلیہ نے مسلم اور مستند مانا ہے۔ مدعاعلیہ کی طرف سے کوئی حوالہ فقہاء کا پیش نہیں ہوا۔ گواہ نمبر۲ مدعاعلیہ نے اپنے بیان مؤرخہ ۲۶؍مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن اور مرفوع متصل حدیث کے خلاف کوئی اور دلیلیں مسموع نہیں ہوں گی۔ حدیث: ’’لوعاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیا‘‘ جو مدعاعلیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہے، سند کے اعتبار سے غیرصحیح لفظوں کے اعتبار سے مثبت کی گئی ہے۔

صحیح معنوں کے لحاظ سے ہمارے موافق ہے۔ سند کے لحاظ سے میزان الاعتدال، تقریب تہذیب، مدارج النبوۃ...... گواہ نمبر۱، نمبر۲ کی جرح میں پیش کی گئی ہیں۔ میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب جرح وتعدیل کی کتابیں ہیں اور اس کے مصنف امام فن حدیث مانے جاتے ہیں۔

مرزاصاحب نے اپنی کتاب (برکات الدعاص۱۲ حاشیہ، خزائن ج۶ ص۱۵) میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ میزان الاعتدال کے مصنف نے یحییٰ ابن معین اور یحییٰ بن معین جرح کے امام ہیں۔ اس کے قول کے حوالہ سے انہوں نے کہا

ہے کہ ابن ماجہ ٹھیک راوی نہیں ہیں، غیر معتبر ہے۔’’لو عاش ابراھیم …… الخ! ‘‘ابن ماجہ سے نقل کی گئی ہے۔اس طرح حدیث مجروح ہوگئی۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۵۷، خزائن ج۳ ص۴۰۰) پر لکھا ہے کہ حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو، معتبر ہوگی۔

ملّا علی قاری، حافظ حدیث اصطلاحاً نہیں ہیں، نہ امام جرح اور مقتدمین میں گواہ نمبر۱ نے اسے تسلیم کیا ہے۔ملّا علی قاری نے بھی حدیث مذکورہ بالا کو صحیح نہیں کہا۔حدیث کے شروع میں لفظ’’لو‘‘ استعمال ہوا ہے اور’’لو‘‘ جس جگہ داخل ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا۔گواہ نمبر۱ نے اس اصول کو جرح ۸؍مارچ ۱۹۳۳ء میں تسلیم کیا ہے۔ بخاری جلد نمبر۲ صفحہ ۹۱۴ پر اس حدیث کے متعلق یہ درج ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے ہیں تو نبی ہوتے۔مگر اللہ کے علم میں یہ تھا کہ حضورﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ان کا انتقال ہوگیا۔ابن ماجہ کے جن حوالہ جات سے حدیث:’’لو عاش ابراھیم ‘‘نقل کی گئی ہے۔اس سے پہلے متصل حدیث مذکورہ بالا اجماع ابن ابی اوفی سے نقل ہے۔کنز العمال سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی کہ’’یاعم انت خاتم المهاجرين فى الهجرة …… ‘‘لیکن اس کتاب میں صحیح اور غیر صحیح دونوں حدیثیں ہیں۔اس کی صحت اور سند کے متعلق کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔مضمون کے اعتبار سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں۔ کیونکہ مکہ سے مدینہ کی طرف جو ہجرت تھی فرض تھی اور اس کے آخری مہاجر حضرت عباسؓ تھے۔اس کے بعد وہ ہجرت بند ہوگئی۔اس لئے حضرت عباسؓ ’’خاتم المہاجرین‘‘ شمار کئے جاسکتے ہیں۔حضرت رسول اللہﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں اور گواہ نمبر۲ نے اس کے یہ معنی بتلائے ہیں کہ کسی قسم کی ہجرت مکے سے مدینے کی طرف باقی نہ رہی۔

جرح …… ۲۸؍مارچ ۱۹۳۳ء

آثار صحابہ میں حضرت عائشہؓ کا قول:’’قولوا خاتم النّبيين ولا تقولوا لانبى بعدى ‘‘فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی مستند اور معنی کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ حوالہ تکملہ مجمع البحار سے جو لغت کی کتاب ہے پیش کیا گیا ہے۔کوئی سند پیش نہیں کی گئی اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب سے اسے پیش کیا گیا ہے۔ یہ قول رسول اللہﷺ کے قول کے مخالف ہے اور جب کسی صحابی کا قول رسول اللہﷺ کے قول کے مخالف ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں۔کیونکہ حدیث:’’لانبى بعدى ‘‘سے اس کا تعارض ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کی سند سے رسول اللہﷺ کی حدیث کے مطابق ایک قول نقل کیا گیا ہے۔معنی کے لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ یہ فرماتی ہیں کہ کہو تم’’خاتم النّبيين ‘‘نہ کہ’’لانبى بعدى ‘‘یعنی مقام مدح میں’’خاتم النّبيين ‘‘ کا لفظ استعمال کرو۔’’لا نبى بعدى ‘‘ کا لفظ نہ کہو۔کیونکہ اس سے دونوں مطالب آپ کا بالذات افضل ہونا اور آپ کے بعد دوسرے کسی نبی کا نہ آنا پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے جس قول کا حوالہ گواہ نمبر۲ نے دیا ہے اس کی سند میں اور کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔ بزرگان کے اقوال کے سلسلہ میں گواہ نمبر۱ نے بیان کیا ہے کہ صحیح احادیث جہاں ظنی ہیں اور اعتقادیات میں قطعی کا اعتبار ہوتا ہے،ظنیات کام نہیں آتے۔کتاب’’حجج الکرامۃ‘‘ ہمارے مسلمات سے نہیں ہے اس لئے ہم پر حجت نہیں ہوسکتی۔ایک شخص کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام تصانیف صحیح اور معتبر ہوں،جس میں اس قسم کا التزام نہ ہو، وہ معتبر نہیں ہوگی۔موضوعات ملّا علی قاری میں ان کی رائے اور عقیدہ ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ موضوع حدیثوں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ملّا علی قاری کی دوسری کتابیں عقائد کے متعلق جیسے شرح شفا،شرح

فقہ اکبر وغیرہ ان میں عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق ظاہر کیا ہے۔ (فتوحات مکیہ ج۲ ص۵۶) کا حوالہ غیر متعلق ہے۔ (شامی ج۲ ص۲۹۴) میں محی الدین ابن عربی سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے اور گواہ نمبر۲ نے تسلیم کیا ہے کہ ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کے خلاف مطلب لینا درست نہیں ہے۔ (یواقیت ص۱۱) پر ہے کہ صوفیائے کرام کی عبارت پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کے الفاظ کی اصطلاح جاننے کے بعد پھر اگر اس کے بعد شریعت کے مخالف ہو تو اسے پھینک دیں گے۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح سمجھنے کے لئے یہی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گواہ نمبر۲ نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے صوفیائے کرام کی کوئی کتابیں نہیں دیکھیں اور گواہ نمبر۲ نے یہ کہا کہ فصوص الحکم اور فتوحات مکمل پڑھنے کا موقعہ اسے نہیں ملا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاحات کے لئے مستقل تصنیف کبریت احمر ہے اور نبوۃ کے معنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں خبر دینے کے ہیں۔ اس کو وہ باقی بتلاتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح والی نبوۃ کو ختم بتلاتے ہیں۔ (کبریت احمر ص۱۱۸) اور اس کے شیخ کے نزدیک رسالت کے معنی تبلیغ کے ہیں اور نبوت ولایت کے مقابلہ پر ہے۔ (فتوحات ج۳ باب ۳۸) شیخ کی اصطلاح میں مشرح ہوتا ہے اور نبی اور رسول ہونا ایک چیز ہے۔ (فصوص الحکم ص۴۲۷) پر ہے کہ کسی قسم کی نبوت چاہے تشریعی یا غیر تشریعی باقی نہیں رہی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے کتاب (یواقیت ج۲ مبحث ۳۵ ص۳۸) پر لکھا ہے کہ نبوۃ کا دعویٰ کرنے والا حضور ﷺ کے بعد خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف اگر وہ مکلّف ہے تو اس کی گردن ماردیں گے۔ ورنہ اس سے گریز کریں گے۔ عبدالکریم جس کا جو حوالہ کتاب ''انسان کامل'' سے پیش کیا گیا ہے وہ بھی صوفیائے کرام کی اصطلاح معلوم ہونے کی بعد بحق مدعاعلیہ مفید نہیں ہوسکتا۔ اس کتاب کے (ص۶۸،۶۹) پر ہمارے موافق عبارت موجود ہے۔

کتاب (تحذیر الناس ص۳) کی عبارت تاخر زمانی کے بند ہونے کی تصریح کر رہی ہے۔ (ص۲۸) پر بالفرض کا لفظ قابل لحاظ ہے۔ اس کتاب کے (ص۱۰) پر خاتم النّبیین بمعنی آخری نبی کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی کتاب مناظرہ عجیبہ شرح (تحذیر الناس ص۱۰۳) پر لکھا ہے کہ: ''اپنا دین ایمان ہے کہ بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے۔ اس کو کافر سمجھتا ہوں۔''

مثنوی مولانا روم کا یہی ایک شعر پیش کیا گیا ہے کہ نبوۃ حاصل ہوسکتی ہے۔ اس شعر میں نبوت کا جو لفظ استعمال ہوا، اس سے کمالات نبوت مراد ہے نہ کہ نبوۃ فی نفسہ۔ حوالہ تفہیمات الٰہیہ میں بھی لفظ تشریح اس معنی میں استعمال ہوا ہے جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ کواکب دریہ حکیم محمد حسن صاحب امروہہ ہماری غیر مسلم ہے۔ اس میں بھی لفظ تشریع اسی معنی میں استعمال ہو رہے ہے جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ اس مصنف نے اپنی دوسری کتاب ''تاویل الحکم'' میں لکھا ہے کہ تشریعی اور غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوت بند ہے۔ (ص۴۲۷،۴۲۸) کتاب ''اقتراب الساعۃ'' ہماری مسلم نہیں ہے۔ اس لئے اس کا حوالہ ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ خود نواب صدیق حسن خان صاحب نے کتاب ''فتح البیان'' (ص۲۸۷) پر ''خاتم النّبیین'' کی تفسیر ہمارے مطابق کی ہے۔ فیصلہ مفسرین فریق ثانی کی طرف سے کوئی پیش نہیں کیا گیا۔ کتاب ''سراج منیر'' میں لفظ ''خاتم'' کے معنوں میں پہلا معنی اخیر کا لکھا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرا معنی زینت دینے والا لکھا ہے۔ اسی مفسر کا آخری فیصلہ تفسیر ''ختم النّبوۃ'' میں مدعیہ کے موافق ہے۔ کتاب ''سراج المنیر'' لغت کی کتاب نہیں بلکہ تفسیر کی کتاب ہے۔ شہاب ہمارے نزدیک غیر مسلم ہے۔ اس لئے کہ فن کے کوئی امام نہیں اور نہ ان سے کوئی سند پکڑی جاتی ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے بھی ''ختم النّبوۃ'' کے معنی بھی آخری نبی لکھے ہیں۔ روح المعانی کا حوالہ بھی ہمارے موافق ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ''ختم النّبوۃ'' کے معنی آخری نبی کئے گئے

ہیں۔ اس کتاب (روح المعانی ص۶۰) پر ایک عبارت جو ’’والمراد‘‘ سے شروع ہوتی ہے، وہ اس کا پورا حل کرتی ہے۔ اس ضمن میں (ص۶۵) قابل ملاحظہ ہے۔

مدعاعلیہ کی جانب سے منجد کا جو حوالہ مہر یا انگوٹھی کے معنی کے لئے پیش کیا گیا ہے وہ لفظ مفرد خاتم کا پیش ہوا ہے۔ حالانکہ اسی کتاب کے اندر مضاف ہوکر آخری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہٰذا یہ حوالہ غیر متعلق ہے۔ (ص۱۶۴)اس کے سوا اور سب متعارف لغتیں خاتم کے معنی مدعیہ کے موافق بیان کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالب شاعرانہ تخیلات کے تحت میں مبالغہ کے طور پر بعض الفاظ بمثل ’’خاتم المحدثین‘‘، ’’خاتم المفسرین‘‘ کے استعمال سے حل نہیں کئے جاسکتے۔ عربی کا جو شعر معنی بیان کرنے کے لئے نقل کیا گیا ہے، اس میں بھی قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ کا معنی حل نہیں ہوتا۔ گواہ نمبر۲ نے اسے تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شعر شرع میں حجت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ مابعد کے زمانہ کے شاعر کا ہے۔

مرزاصاحب نے سال ۱۹۰۱ء کے بعد خاتم النّبیین کا لفظ استعال کیا ہے۔ لیکن پہلے معنی بدل دیئے ہیں۔ ظلی اور بروزی نبوۃ کی اصطلاح صرف مرزاصاحب کی قائم کردہ ہے۔

مرزاصاحب نے کتاب (ایام الصلح ص۱۴۶، خزائن ج۱۴ ص۳۹۲) پر ختم النبوۃ کے مسئلہ کو پورے طور حل کیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جو آیات خاتم النّبیین کے معنی میں پیش کی گئی ہیں۔ ان کا جواب فریق ثانی کی طرف سے تاویلات سے دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی مراد حدیث اور تفسیر سے متعیّن کی گئی تھی۔

مرزاصاحب نے ایام الصلح کے حوالہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے کہ: ’’لا نبی بعدی‘‘ میں نفی عام ہے۔ وحی رسالت سوائے نبیوں کے اور دوسرے کسی کی نسبت استعمال نہیں کی گئی۔ انبیاء کرام پر جو وحی اترتی ہے وہ وحی نبوۃ کہلاتی ہے۔ مرزاصاحب نے (ایام الصلح ص۱۴۶، خزائن ج۱۴ ص۳۹۳) پر وحی نبوۃ کی یہ تعریف کی ہے کہ: ’’کیونکہ جس میں شان نبوۃ باقی ہے۔‘‘ اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوۃ ہے۔ دوسری جگہ (سراج المنیر ص۴، خزائن ج۱۲ ص۶) پر ہے کہ: ’’نبی کی وحی، وحی نبوۃ کہلائے گی۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۵۳۴، خزائن ج۳ ص۳۸۷) پر لکھا ہے کہ وحی رسالت وہی ہے جو بتوسط جبرئیل ہو۔ گواہ نمبر۱ نے ۷؍مارچ کی جرح میں تسلیم کیا ہے کہ جس میں نئے حکم ہوں، وحی تشریعی ہے۔ مرزاصاحب نے تحریر کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔

مرزاصاحب (ازالہ اوہام ص۵۳۴، خزائن ج۳ ص۳۸۷) پر لکھتے ہیں کہ وحی نبوۃ پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی۔

مدعیہ کے گواہان نے یہ نہیں کہا کہ وحی مطلق بند ہے۔ بلکہ وحی رسالت بند ہے اور گواہ نمبر۱ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ گواہان فریق مخالف کہتے ہیں کہ وحی اب کسی پر نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ ہمارے گواہ نمبر۲ نے کہا ہے کہ ادّعائے نبوۃ اور ادّعائے وحی نبوت بھی کفر ہے۔

آیت: ’’وما کان لبشر …… الخ! (الشوریٰ:۵۱)‘‘ سے یہ مراد ہے کہ انسان کا خدا سے ہم کلام ہونا تین طریق پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وحی نبوۃ انبیاء سے مخصوص ہے یا نہیں یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت جاری رہ سکتی ہے۔ یہاں لفظ ’’لبشر‘‘ سے مراد نبی ہی ہے۔ عام بشر نہیں۔ اگر وحی سے مراد وحی نبوت لی جاوے تو عام بشر مراد نہیں ہوگا۔

’’واوحینا الٰی ام موسٰی …… (القصص:۷)‘‘ کی آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی نبوۃ نہیں۔ کیونکہ ام موسیٰ عورت تھیں۔ عورت نبی نہیں ہوسکتی۔ حضرت مریم کے متعلق جو آیات پیش ہوئی ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے۔

ذوالقرنین کے متعلق جو آیت ہے: اس سے بھی یہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ان کو جو وحی ہوئی وہ وحی نبوت تھی۔ کیونکہ ان کے متعلق دوقول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نبی تھے۔ دوسرا یہ کہ نبی نہ تھے۔ راجح یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر نبی تھے تو وحی نبوت سمجھی جائے گی۔ اگر نبی نہ تھے تو جو وحی انہیں ہوئی وہ وحی نبوۃ نہ تھی۔ اسی طرح حوارین کی طرف وحی بھی وحی نبوت نہ تھی۔ حضرت ابراہیم کی اہلیہ کی طرف بھی بوجہ عورت ہونے کی وحی نبوت نہیں ہوسکتی تھی۔ صوفیائے کرام کے متعلق یواقیت میں جس وحی کا ذکر ہے وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوۃ نہیں ہے۔ ''مستجیب لہٗ'' کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں بلکہ دعا قبول کرنے کے ہیں۔ گواہ نمبرا نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ اگر جواب نہ دے اور کلام نہ کرے تو وہ اور معبودان باطلہ کے مرید ہوجائیں گے۔

اجیب کے معنی قبول کرنے ہیں، کلام کرنے کے نہیں ہیں اور نہ کسی نے مراد لی ہے۔ اس آیت میں ''**واذا سألک عبادی عنی فانی قریب...... الخ!** (البقرۃ:۱۸۶)'' میں اجیب کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت: ''**ان الذین قالوا ربنا اللہ...... الخ!** (حم السجدۃ:۳۰)'' اس سے مراد موت کے فرشتوں سے ہے۔ اس سے وحی نبوۃ کا اجراء ثابت نہیں ہوتا۔ آیت: ''**رفیع الدرجات ذوالعرش...... الخ!** (المؤمن:۱۵)'' میں یہ بتلایا گیا ہے کہ فرشتے کا اترنا وحی الٰہی لے کر اللہ کی نظر استجاب پر ہے، نہ کسی اور دنیوی جاہ وجلال پر۔ آیت: ''**کنتم خیر امۃ...... الخ!** (آل عمران:۱۱۰)'' بھی اجراء نبوت کے لئے غیر متعلق ہے۔

آیت: ''**تنزل الملٰئکۃ والروح**'' کا بھی اجراء نبوۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان آیات سے احمدیہ جماعت کے وجود سے پہلے کسی صحابی، تابعی یا مفسر نے ان آیات سے اجراء نبوۃ پر دلیل نہیں پکڑی۔ اسے تفسیر بالرائے کہا جائے گا جو غیر معتبر سمجھی جائے گی۔ اسی طرح جو احادیث نقل کی گئی ہیں ان سے بھی اجراء نبوۃ ثابت نہیں ہوتی۔

بزرگان کی زبان پر فرشتوں کا گفتگو کرنا اور چیز ہے اور ان سے فرشتوں کا کلام کرنا اور چیز۔ حدیث: ''**واوحی اللہ علی عیسٰی**'' کو مرزاصاحب نے کتاب (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۲۲۰، خزائن ج۳ ص۲۰۹،۲۱۰) میں اسے مجروح قرار دیا ہے اور اگر حدیث تسلیم کرلی جاوے تو یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔

فتوحات مکیہ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے کہ اس میں وحی تشریعی کو محققین نے انبیاء کے ساتھ بتلایا ہے جو ہمارے مدّعا کے موافق ہے۔ (کبریت احمر ص۱۰) پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وحی تشریعی جو وحی نبوت ہے وہ بند ہوچکی اور عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی جدید وحی نہ ہوئی اور اولیاء پر جو وحی ہوتی ہے وہ بھی الہام ہے اور وحی الہام بند نہیں بلکہ جاری ہے۔

مجدد صاحب نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے وہ وحی ہے جو محدثین پر ہوتی ہے اور وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں ہے۔

مولانا روم کے جو اشعار اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں وہاں وحی ولی کا ذکر ہے۔ وحی نبوت کا نہیں۔

منصب امامت سے جو حوالہ اس غرض کے لئے پیش کیا گیا ہے کہ وحی نبوۃ جاری ہے۔ وہاں صرف یہ اصطلاح بتلائی گئی ہے کہ انبیاء اللہ پر جو الہام ہوتا ہے اسے مجازاً وحی کہتے ہیں اور قرآن کے سوا کسی کے لئے ثابت ہوتو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الہام جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے اسے وحی کہتے ہیں اور اگر ان کے سوا کسی اور کو ثابت ہوتو اسے تحدیث کہتے ہیں اور کبھی کتاب اللہ مطلق الہام کو خواہ انبیاء اللہ سے ثابت ہو۔ خواہ اولیاء اللہ سے وحی کہتے ہیں۔ امام غزالی کا جو حوالہ (الیواقیت ج۲ ص۷۵) سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ وہاں تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے استدلال نہیں پکڑا جاسکتا ہے۔

’’روح المعانی‘‘ کا جو حوالہ اجراء نبوۃ کے متعلق پیش کیا گیا ہے اس کا دارومدار حدیث نواس ابن سمعان پر ہے۔ جسے خود مرزا صاحب نے مجروح قرار دیا ہے۔ ’’حجج الکرامہ‘‘ کے مصنف کوئی بہت بڑے عالم نہیں۔ اس لئے ہمارے لئے ان کا کوئی قول حجت نہیں۔ وہ غیر مقلد ہیں اور ان کے ساتھ مقلدین کی لڑائی رہی ہے۔ اس لئے ’’حجج الکرامہ‘‘ ہمارے لئے مسلم نہیں ہے۔

انسداد وحی کے متعلق مدعیہ کی طرف سے چھ آیات پیش کی گئیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی نبوت مسدود ہے اور اس کے متعلق ۲۵ یا ۲۶ احادیث بیان کی گئی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وحی نبوت مسدود ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ’’بے شک وحی منقطع ہوچکی ہے۔‘‘ (بخاری ج۱ ص۳۶۰)

حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ: ’’وحی منقطع ہوچکی اور دین پورا ہوگیا۔‘‘ (مشکوٰۃ ص۵۴۸)

(علم الکتاب ص۱۱) پر ہے کہ اختتام وحی کہ آن نیز بمثل الہام دو قسم است...... ومنقطع شدند کارخانہ وحی بعد خاتم الانبیاء۔ مسیلمہ کذاب کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے تاریخ خمیس بخاری، اشارات فریدی کے حوالہ جات ۹؍مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کو صرف دعویٰ نبوۃ کی وجہ سے کافر سمجھا گیا اور صحابہ نے اجماع کیا کہ وہ کافر ہے۔

ذریۃ البغایا کے معنی لغت کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جرح گواہ نمبر۱ مؤرخہ ۱۲؍مارچ ۱۹۳۳ء میں مرزا صاحب کی کتب ذیل (لجۃ النور ص۳۱، خزائن ج۱۶ ص۱۷۱،۳۰ دیگر صفحات) سے ثابت کیا گیا ہے کہ ذریۃ البغایا حرامی یا حرام زادہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان حوالہ جات میں بغیہ یا بغایا کے تحت معنی بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب لغت (فائق ج۱ ص۶، منتہی الارب ج۱ ص۳۹) سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ بغیہ کے معنی زانیہ کے ہیں۔ دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی...... محمد اکبر

عدالت: بقیہ کارروائی کے لئے مسل کل پیش ہو۔ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی...... محمد اکبر

۱۲؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختاران حاضر ہیں...... تتمہ بحث مدعیہ

مرزا صاحب نے فتوحات کی عبارات سے جن میں یہ ذکر ہے کہ نبوۃ تشریعی بند ہے۔ یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبوۃ کے ساتھ شریعت کا دعویٰ کرے، یہ نبوت خاتم النّبیین کے خلاف ہے اور اس کے نبی ہوسکتا ہے۔ تشریعی کے معنی صاحب شریعت ہونا جو مرزا صاحب نے مراد لیا ہے کہ اس کے ساتھ کتاب مستقل ہو۔ احکام نئے ہوں۔ بعض پہلے احکام کا فسخ ہو۔ یہ معنی تشریعی کے نہ کسی لغت کی کتاب میں ہیں اور نہ حدیث اور تفسیر اور نہ قرآن شریف میں، نہ مرزا صاحب نے اور گواہان مدعا علیہ نے کہیں اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبوۃ تشریعی کی تعریف خود شیخ مصنف فتوحات کے کلام سے کردی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نبوت کی ہم نے تفسیر کی ہے ایک نبی محض ایک رسول محض اور ایک نبی اور ایک رسول دونوں اس سے ہماری مراد نبوت تشریعی ہے کہ جو اولیا کے لئے نہیں ہوتی۔ اس عبارت میں تشریعی کے معنی بیان کردیئے کہ اولیاء کے مقابل ہے کہ جس کو شریعت اور عرف اور اصطلاح اسلام میں نبوت کہتے ہیں۔ اس کو شیخ نے نبوت تشریعی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اب نبوت تشریعی سے وہ معنی جو مرزا صاحب نے لئے، مراد نہیں لئے جاسکتے۔

گواہ مدعیہ نے مرزاصاحب کے مدعی شریعت ہونے پر جو تریاق القلوب کی عبارت پیش کی ہے، اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ مرزاصاحب کی مراد نبی صاحب شریعت اور ملہم اور محدث کا حکم بیان کرنا ہے، نہ کہ نبی غیر صاحب شریعت کا۔ یہ جواب صحیح نہیں۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک مرزاصاحب کے نزدیک نبی تشریعی وہی تھا جو نبی صاحب شریعت ہو۔ یہ جدید اصطلاح سال ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا تریاق القلوب جو سال ۱۹۰۱ء سے قبل کی ہے۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں ہوسکتے۔ دوسرا مرزاصاحب نے خود یہ جواب نہیں دیا بلکہ وہ مکفر اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے گواہان کا جواب متکلم کی اپنی مراد کے خلاف ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے تین آیات اجراء وحی اور نبوت رسالت کے باقی ہونے کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ معنی کسی ایک محدث اور مفسر یا صحابہ سے منقول نہیں۔ یہ معنی خود انہوں نے ایجاد کئے ہیں۔ اگر ان معنی کو صحیح مان لیا جاوے تو پھر وہ نبوۃ کہ جس کے ساتھ کتاب مستقل ہو اور شریعت مستقل ہو اور پہلی شریعت کے کل یا بعض احکام کا فسخ ہو جو مرزاصاحب کے نزدیک بھی یہی ہے اور اس کا مدعی کافر ہے۔ اس کا باقی ہونا بھی ان آیات سے ثابت ہو جائے گا۔

کسی نبی کی توہین باتفاق کفر ہے۔ مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزاصاحب نے انبیاء کی توہین کی ہے۔ منجملہ ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے یہ ایک فرضی مسیح کے متعلق ہے اور بطور الزام کے کہا گیا ہے۔ گواہان کا یہ جواب درست نہیں ہے کہ یہ الفاظ جن کو توہین قرار دیا گیا ہے بطور الزام کے استعمال کئے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ گواہان مدعا علیہ نے ازالہ اوہام مولانا رحمت اللہ صاحب اور استفسار مولوی آل حسن صاحب امروہی اور ہدیۃ الشیعہ مولانا محمد قاسم صاحب کی بہت سی عبارت نقل کی ہے اور خود بھی اپنے بیانات میں ان مصنّفین کی یہ عبارت بھی نقل کر دی ہے کہ یہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے الزام کے طور پر لکھا ہے جو عیسائیوں کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ ہم ایسا نہیں لکھ سکتے۔ مرزاصاحب انجام آتھم میں یہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ بھلا برا کیا ہے وہ یسوع کو کہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہا۔ مرزاصاحب کی کتاب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزاصاحب کے نزدیک یسوع اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی ہیں۔ چنانچہ گواہان کی جرح میں بھی یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یسوع مسیح ایک ہیں۔ مرزاصاحب نے ایک جواب (ضمیمہ تریاق القلوب ص ب، خزائن ج۱۵ ص۴۹۰) پر یہ دیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ توہین کی ہے، بدنیتی سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے۔ اس سے یہ الزام نہیں آتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی جاتی۔ مرزاصاحب نے قبول کیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ اس کی وجہ سے یہ بیان کی کہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا ہو جائے اور نقض امن نہ ہو۔ یہ توہین باعث کفر و ارتداد ہے جو مرزاصاحب کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے۔

مرزاصاحب (اعجاز احمدی ص۳۸، خزائن ج۱۹ ص۱۴۹) پر لکھتے ہیں کہ: ’’میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا یہ انسانی کارروائی نہیں۔ خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راست بازوں پر زبان درازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے راست باز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔‘‘ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا باذن الٰہی ہے۔

جن جن باتوں سے گواہان مدعیہ نے جو الفاظ توہین کے بیان کئے ہیں نہ اس میں فرضی عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دی گئی ہیں نہ الزام ہے۔ بلکہ مرزاصاحب اپنی تحقیق بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہر ہر فقرہ مرزاصاحب کے کفر و ارتداد کا باعث ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۷، خزائن ج۱۱ ص۲۹۱) کے حوالہ سے جو توہین کے الفاظ مدعیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں ان سے صریح گالیاں ثابت ہوتی ہیں۔ ان گالیوں کو مرزا

صاحب نے اتنا مدلل اور محقق کر کے بیان کیا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے۔ خدا علیم وخبیر کے نزدیک بھی معاذ اللہ! یہ تمام عیوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھے۔ (دافع البلاء اندرون ٹائٹل، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹، ۲۲۰) کی جو عبارت مدعیہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے یہ دیا ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حصور کا لفظ نہیں فرمایا۔ یہ وجہ توہین کی ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ مرزاصاحب یہ جواب دے رہے ہیں۔ عیسائیوں کا اور ان مسلمانوں کا جو عیسیٰ علیہ السلام کو سب نبیوں سے افضل سمجھتے ہیں یہ دونوں جواب بالکل غلط ہیں۔ یہ وجہ کہ استدلال لفظ حصور نہ ہونے سے ہے۔ یہ گواہان نے خود اپنی طرف سے پیش کر کے اس کو رد کیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ کا ہرگز منشاء نہیں۔ دوسرا جواب بھی بالکل غلط ہے۔ اس واسطے کہ مسلمان میں ایسا کسی کا عقیدہ ہی نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء سے افضل ہیں۔ عیسائی قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ مرزاصاحب حوالہ مذکورہ بالا میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں انہیں بے شک ایک راست باز آدمی جانتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے۔ ورنہ راست بازی کا وصف کافر میں بھی پایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ایک موجب توہین ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ اس کے آگے خدا معلوم وہ بھی درست ہے یا نہ۔ اس کی تصریح آگے حاشیہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ درج ہے کہ یہ جو ہم نے یہ کہا...... ہمارا ایمان محض نیک نیتی کے طور پر ہے...... افضل اور اعلیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ورنہ کے استعمال سے ماقبل عبارت کی تردید نہیں ہوتی بلکہ یہاں ماقبل اور مابعد کا ایک معنی نکلتا ہے۔ آگے کی عبارت میں الفاظ ذیل کہ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور کہا، مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے...... سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزاصاحب قرآن کی تفصیل فرماتے ہیں اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو حصور نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ سے صرف یہی ناپاک قصے تھے تو گویا خدا کے علم میں بھی مرزاصاحب کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ان ناپاک قصوں سے ملوث تھے۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حصور نہ کہا۔ اس عبارت سے چند نتیجہ نکلتے ہیں۔ خدا خدائی کے قابل نہیں عیسیٰ علیہ السلام نبوۃ کے قابل نہیں۔ نبوۃ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ! بدمعاش اور رنڈی بازوں کو مل جاتا ہے اور اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتبہ نبوۃ کی کھلی توہین ہے۔ اس سے مرزاصاحب کافر اور مرتد ہوئے۔ لفظ حصور کے عدم استعمال کے متعلق جو اعتراض گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ پر کیا تھا وہ خود مرزاصاحب پر وارد ہوتا ہے۔

مرزاصاحب نے (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص۱۴، خزائن ج۱۹ ص۱۲۱) میں یہ کہا ہے کہ: ’’عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔‘‘ اور پھر (کشتی نوح ص۵، خزائن ج۱۹ ص۵) میں لکھتا ہے کہ: ’’ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں ٹل جائیں۔‘‘ آگے (ازالہ اوہام ص۷، خزائن ج۳ ص۱۰۶) کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ: ’’عیسیٰ علیہ السلام کی جھوٹی پیش گوئیاں زیادہ تھیں اور سچی کم۔‘‘ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی نہ تھے۔

(اعجاز احمدی ص۱۳، ۱۴، خزائن ج۱۹ ص۱۲۱) کی عبارت کے الفاظ مذکورہ بالا سے بھی تحت میں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف قرآن کے اعتبار پر سچا مانا گیا۔ ورنہ یہودیوں کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ (حاشیہ کتاب کشتی نوح ص۶۶، خزائن ج۱۹ ص۷۱ حاشیہ) کی عبارت سے عیسیٰ علیہ السلام کی صاف توہین ظاہر ہوتی ہے جو کفر کی حد تک پہنچتی ہے۔ اس عبارت میں مخاطب بھی مسلمان ہیں۔

جب مرزاصاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے سے انکار کیا اور خود اس منصب کو اپنے لئے تجویز فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے آپ کو شان میں اعلیٰ اور افضل بتلایا تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ معجزات کہاں ہیں جو ہر شان میں بڑھے ہوئے ہوں۔

اس وجہ سے مرزا صاحب کو اس کی ضرورت پڑی کہ ان تمام معجزات کا بالکلیہ انکار کیا۔ کہیں ان کو مسمریزم بتلایا، کہیں شعبدہ بازی بتلایا، کہیں بڑھیوں کے کھلونوں سے تشبیہ دی، کہیں قابل نفرت بتلایا۔ حالانکہ یہ تمام معجزات قرآن شریف میں مذکور ہیں اور امت کا اس اعتقاد پر ہے۔

مگر مرزا صاحب نے سب کا انکار کر دیا اور اس توہین سے سب کافر ہوئے اور ان چیزوں کو مشرکانہ خیال فرما کر ساری امت کو بھی مشرک کہا جو ایک دوسری وجہ کفر کی ہے۔

مرزا صاحب نے نہ صرف دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے بلکہ خود حضور سرور عالم ﷺ کی بھی توہین کی ہے۔ مثلاً تحریر کیا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص۴۰، خزائن ج۱۷ ص۱۵۳) کہ ''رسول اللہ ﷺ کے تین ہزار معجزات تھے۔'' اور ان کے اپنے تین لاکھ۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے لئے معجزات کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ نشان کیا ہے۔ معجزہ خارق عادت کو کہتے ہیں۔ مرزا صاحب (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۶، خزائن ج۲۱ ص۷۲) پر لکھتے ہیں کہ: ''ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں وہ اس قدر مثالوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اوّل درجہ پر خارق ہیں۔''

مرزا صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی عینیت کا دعویٰ کیا ہے اور عینیت کا دعویٰ کرنا صریح کفر ہے۔ گواہان فریق ثانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عینیت جسمانی نہیں تھی۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جسم دو تھے اور روح ایک تھی تو یہ عین تناسخ ہے جو سب کے نزدیک باطل اور موجب کفر ہے اور اگر مرزا صاحب میں دو روحیں تھیں تو کون سی روح تھی۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی تھی تو نبوۃ اس روح کے ساتھ رہی۔ مرزا صاحب کو پھر نبی کہنا کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس ضمن میں فریق ثانی کی طرف سے فتوحات مکیہ اور مکتوبات وغیرہ سے جو صوفیائے کرام کے اقوال پیش کئے گئے ہیں، وہ بالکل بے محل اور مدعا علیہ کے کفر اور مدعیہ کے لئے مفید ہیں۔ اس لحاظ سے کہ جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض کی پہلے کی عبارت حذف ہے۔ بعض کی مابعد کی عبارت حذف ہے۔

اور بعض جگہ یہ مطلب لیا گیا ہے جو مصنف کی تصریح کے بالکل خلاف ہے۔ بعض جگہ ترجمہ میں غلطی کی ہے۔ اس کے علاوہ کلیتاً تمام حوالوں کا جواب یہ ہے کہ جس قدر عبارات صوفیائے کرام کی نقل کی ہیں، ان میں سے ایک شخص بھی مدعی نبوت نہیں ہے۔ نہ مدعی رسالت ہے، نہ مدعی وحی نبوت ہے، نہ مدعی وحی رسالت ہے۔ ان کی تصریحات بھری ہوئی ہیں کہ کوئی ولی اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ہو، اور امت محمدیہ میں سب سے افضل ہو۔ جیسا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نبیوں کی جماعت میں سے جو سب سے کمتر نبی ہیں، ان کا سر ان کے قدم کے نیچے رہتا ہے۔ یعنی کوئی ولی کتنے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ہو وہ نبیوں میں ادنیٰ مرتبہ کے نبی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس سے نیچے رہتا ہے۔ برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ افضل تو کیسے ہوسکتا ہے۔ مقام نبوۃ میں کوئی ولی جا نہیں سکتا۔ فوراً فنا ہو جائے گا۔ اعلیٰ درجہ کے جو بھی اولیاء ہیں، ان کی حالت ایسی ہے کہ جیسے ہم نیچے سے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ مقام نبوت سے کسی ولی کو کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کسی کے کلام میں کوئی ایسی بات ہو، مثلاً کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا یا کہہ دے کہ میں مقام محمود میں گیا، تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہوسکتا ہے کہ میں نے ان مقامات کی دور سے زیارت کی یا جیسے کسی خاص تقریب کے وقت کسی خاص شاہی مکان کے دیکھنے کی عام رعایا کو اجازت ہو جاتی ہے اور اس مکان کو جا کر دیکھتا ہے تو یہ کہنا اس کا صحیح ہے کہ میں اس مکان میں گیا۔ اس مکان میں بیٹھا۔ مگر اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مکان کا مالک ہے یا وہ اس کی جگہ ہے یا وہ اس کا مدعی ہے یا وہ اس مرتبہ کے لائق ہے۔

جیسا حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سرور عالم ﷺ کے دسترخوان کے شریک اور ہم جلیس ہیں۔ اگرچہ سب آپ کے طفیلی ہیں۔ مگر دوسرے اولیاء اللہ کل وہ پس خوردہ اور بقیہ کھانے والے ہیں۔ مرزاصاحب مقام نبوت کے مدعی ہیں۔ وہ جس چیز کو اپنے لئے ثابت کرتے ہیں، بطریق استحقاق اور بطریق منصب ثابت کرتے ہیں۔ مرزاصاحب کے کلام میں اگر کوئی ایسی چیز ہوگی تو بے شک مرزاصاحب کا اس سے کفر وارتداد ثابت ہوگا۔ بخلاف دوسرے اولیاء کے مرزاصاحب کے بھی بظاہر یہ الفاظ ہیں کہ میری کوئی وحی قرآن کے مخالف نہیں۔ مگر مرزاصاحب کے یہ الفاظ ہی الفاظ ہیں کہ جن کے اندر معنی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ (ایام الصلح ص۸۶، خزائن ج۱۴ ص۳۲۲) پر مرزاصاحب فرماتے ہیں کہ: ''قرآن اور حدیث کے معنی بیان کرتے ہیں۔ بہرحال ان کا کلام معتبر ہوگا۔'' لہٰذا جتنے حوالے فریق ثانی کی طرف سے مدعیہ کے خلاف پیش کئے ہیں ان میں ایک بھی حوالہ ان کے لئے مفید نہیں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک صفت میں ظل تھے اور مرزاصاحب تمام صفات میں ظل ہیں۔ جو کمالات کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ مرزاصاحب میں مجتمعاً پائے جاتے ہیں۔ یہ عبارت قول فیصل سے نقل کی گئی تھی۔ اب (تشحیذ الاذہان ج۱۰ ص۱۳) پر بھی یہی عبارت ہے۔

(خطبہ الہامیہ ص۱۹۳، خزائن ج۱۶ ص۲۸۸) پر مرزاصاحب ''**انا فتحنا لک فتحاً مبینا**'' اور آیت: ''**سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ...... الخ!**''

(ص۱۹۴، خزائن ج۱۶ ص۲۸۸، ۲۸۹) پر اپنے لئے ثابت فرما کر معنی یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے فتح سے مرزاصاحب کے زمانہ کی فتح بہت بڑی اور ظاہر ہے۔ مسجد حرام میں نور کامل نہ تھا اور مسجد اقصیٰ یعنی مرزاصاحب کی مسجد کے گرداگرد نور اس درجہ کامل ہوگیا ہے کہ اس کے اوپر ترقی ممکن نہیں۔ (حاشیہ درحاشیہ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص الف، ت، خزائن ج۱۶ ص۳۰۸ تا۳۱۲) کی عبارت سے آدم علیہ السلام کی توہین ہوئی ہے۔ گواہ مدعیہ نمبر۳ نے (تریاق القلوب ص۳۷۷) سے یہ ثابت نہیں کیا کہ مرزاصاحب اس کے تناسخ کے قائل ہیں۔ بلکہ اس سے اور (قول فیصل ص۷) کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزاصاحب جو اپنے آپ کو ظلی بروزی نبی کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرزاصاحب کی نبوت، نبوت محمدیہ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ یہ بالکل لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ دوسرا رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔

اور خاتم النّبیین آپ ہوئے۔ اس عبارت پر گواہ مدعاعلیہ نے جو یہ کہا ہے کہ اس سے تناسخ ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کوئی تناسخ ثابت نہیں ہوتا اور نہ گواہ نمبر۳ نے تناسخ ثابت کیا ہے۔ جب عبارت مذکورہ بالا سے حضور سرور عالم ﷺ کی توہین اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ان کی توہین بھی بہ ضرورت ثابت ہوگی تو اب جس قدر اشعار گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء علیہم السلام میں مرزاصاحب کے پیش کئے ہیں، ان سب کے معنی بجز توہین کے اور کچھ نہیں ہوئے۔ ۱۵آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، نفخ صور ہوگا۔

مرزاصاحب نے ان تمام چیزوں کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ یہ لفظ بے شک کہا ہے کہ حشر اجساد ہے۔ مگر جب جنتی جنت میں رہیں گے اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے تو قبر سے پھر کون نکلے گا اور نفخ صور سے جمع کس کو کیا جائے گا۔ اس بحث کو مرزاصاحب نے ازالہ میں مفصل بیان کیا ہے۔ لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مسلم ضروریات دین سے ہے اور ایسا مسلم ہے کہ مرزاصاحب اور ان کے متبعین اور گواہان مدعاعلیہ بھی اس کا انکار نہ کر سکے۔

مگر محض الفاظ ہیں معنی کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح سے اگر اور تمام ضروریات دین کا کوئی شخص انکار کردے اور لفظ وہی کہتا رہے تو اسلام کا ایک رکن باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اسلام چند الفاظ کا نام رہ جاتا ہے اور یہ باتفاق کفر وارتداد ہے۔ چونکہ حشر اجساد تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے اور ایک آیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لہٰذا کم سے کم ایک وجہ یہ مرزا صاحب کے کفر کی ہے اور چونکہ قبروں سے اٹھنا بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کروڑوں کیا، اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک کا قبر سے اٹھنے کا انکار کیا۔ لہٰذا بے شمار اس وجہ سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت سے انکار ہے تو حوض کوثر بھی ندارد۔ ''انا اعطینک الکوثر '' سے بھی انکار ہوا اور یہ بھی کفر ہے۔ اس سے شفاعت کبریٰ کے انکار کا بھی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس عقیدہ سے پل صراط بھی ندارد سمجھی جائے گی۔

(شہادت القرآن ص۶۴، خزائن ج۶ ص۳۶۰) پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: ''قرآن میں نفخ صور سے مراد قیامت نہیں بلکہ اسلامی طاقت کا کم ہونا اور امواج فتن کا اٹھنا۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی مہدی اور مجدد کو لے جاوے۔'' (ص۲۴، خزائن ج۶ ص۳۲۰) پر ہے کہ: ''لڑائیوں اور مباحثات کے شور اٹھنے پر نفخ صور ہوگا۔'' (چشمہ معرفت ص۷۷، خزائن ج۲۳ ص۸۵) پر ''صور سے مراد مسیح موعود لیا گیا ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۳، خزائن ج۲۱ ص۱۰۹) پر بھی یہی عبارت ہے۔

مدعا علیہ نے اپنے اقرار سے احمدی یا مرزائی مذہب کو قبول کیا ہے اور مرزا صاحب کو ویسا ہی نبی سمجھتا ہے، جیسے اور انبیاء علیہم السلام ہیں۔ نکاح کے وقت وہ اس مذہب پر نہیں تھا۔ گواہان مدعیہ اور بحث سے یہ امر قرآن، حدیث، اجماع امت سے ثابت ہوگیا کہ مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے فسخ ہوگیا۔ امکان نبوۃ کے سلسلہ میں جو آیات فریق ثانی کی طرف سے بیان کی گئی ہیں، ان سے صحابہ کرام سے لے کر مرزا صاحب کے وقت تک کسی نے امکان نبوۃ کا استدلال نہیں کیا۔ قرآن کے محاورات میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لوگوں کو ''یٰآیھا الذین آمنوا '' اور ''یآیھا الذین کفروا '' اور ''یآیھا الناس '' سے خطاب کیا گیا ہے اور ''یٰبنی آدم '' سے تمام اولاد آدم مراد ہے۔ اس میں امت محمدیہ ﷺ کی تخصیص نہیں ہے۔ آپ ﷺ پر اس آیت کا نازل ہونا، اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اس میں آپ ﷺ کے بعد کے انبیاء کا ذکر ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات بطور حکایت حال ماضیہ کے نازل ہوتی رہیں۔ پہلی آیت فریق ثانی کی طرف سے سورہ اعراف کی پیش کی گئی ہے اور یہ قصہ آدم علیہ السلام کی ابتداء آفرینش سے شروع کیا گیا ہے۔

اور امت محمدیہ ﷺ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی واقعہ دوسرے پیرایہ میں سورۃ طٰہٰ میں نقل کیا گیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ یہ حکم لگا دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت خود فریق ثانی سے ذریۃ آدم مراد ہے۔ نہ کہ امت محمدیہ ﷺ، نہ اس کے متعلق کوئی سند فریق ثانی کی طرف سے پیش کی گئی۔ ''یٰبنی آدم '' کا حکم جو رسولوں کے متعلق تھا۔ وہ آیت خاتم النّبیین سے ختم ہو چکا۔ اس کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ابن جریر جو بہ تسلیم مرزا صاحب رئیس المفسرین ہیں، انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے کہ یہ عہد جو آیت محولہ میں ہے بعالم ارواح ذریۃ لیا گیا ہے۔ (ابن جریر ج۸ ص۱۲۴) یہ آیت مکی ہے۔ خاتم النّبیین والی آیت مدنی ہے جو یقیناً اس کے بعد کی ہے۔ اس لئے اس دوسری آیت کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو ختم کر دیا۔

دوسری آیت: ''اللہ یصطفی ...... الخ! (الحج:۷۵)'' کے استدلال میں فریق ثانی کی طرف سے حال اور استقبال دونوں مراد لئے گئے ہیں جو درست نہیں اور گواہ نے تسلیم کیا ہے کہ دونوں معنی حقیقی ہیں اور مشترک میں دو معنی حقیقی مراد نہیں ہو سکتے۔ مضارع حقیقتاً استمرار کے لئے نہیں آتا۔

اختلاف کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا یہ کوئی نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ اس وقت میری اور میرے خلفاء کی سنت پر عمل کرنا۔ یہ حدیث جرح میں فریق ثانی نے تسلیم کی ہے۔گواہ نمبرا نے ''صراط الذین انعمت علیھم'' کہا۔ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔یعنی یہ کہ اے خدا تو ہمیں ان لوگوں سے بنا، جن پر تیرا انعام ہوا۔اس آیت سے اجراء نبوۃ کو کوئی تعلق نہیں۔ ذریۃ کا لفظ جسمانی نسل پر بولا جاتا ہے، روحانی پر نہیں۔اس لئے مرزا صاحب کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہ ہونے کی وجہ سے اس آیت کا اجراء نبوۃ پر کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے جو ظالم ہوں گے، ان کو عہد نہیں پہنچے گا۔اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قیامت تک حضرت ابراہیم کی اولاد سے نبی ہوتے رہیں گے، بلکہ ان کی اولاد میں ہوں گے۔ چنانچہ ہوئے اور خاتم النّبیین پر ختم ہوگئے۔ جو بھی آیت میثاق کی پیش کی گئی ہے اس آیت کے اندر رسول کے لفظ سے صرف رسول اللہ ﷺ مراد لئے گئے ہیں۔ جو نبی آخر الزمان ہیں اور یہی خبر (حقیقت الوحی ص۱۳۰، خزائن ج۲۲ ص۱۳۳،۱۳۴) میں درج ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس عہد میں داخل نہیں ہوئے۔اس لئے اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اس امت میں کوئی نبی آئے گا۔

اس ضمن میں جو دوسری آیت رسول اللہ ﷺ سے عہد لینے کی پڑھی گئی ہے، اس سے یہ عہد مراد نہیں بلکہ دوسرا عہد مراد ہے جو عہد تبلیغ رسالت ہے۔ پہلا عہد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہے۔

آیت:''فاولٰئک مع الذین...... الخ! (النساء:۶۹)''میں معیّت اور رفاقت کا ذکر ہے۔درجہ اور منصب ملنے کا ذکر نہیں ہے۔اس کی تائید میں ایک حدیث سچے تاجروں کے متعلق پیش کی گئی۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ معیّت سے مراد نبوت نہیں بلکہ صرف رفاقت ہے۔اس آیت کا آخری حصہ''وحسن اولٰئک رفیقا''دلالت کرتا ہے کہ معیّت سے مراد رفاقت ہے نبوت نہیں۔رسول اللہ ﷺ نے بھی اس قسم کی معیّت سے رفاقت ہی مراد لی ہے۔شان نزول اس آیت کا بتلاتا ہے کہ معیّت سے رفاقت ہی مراد ہے۔آیت: ''ماکان اللہ لیذر المؤمنین...... الخ! (آل عمران:۱۷۹)''سے یہ نہیں نکلتا کہ خبیث اور طیب کی تمیز کے لئے نبی کی ضرورت ہے۔اس میں''علی ما انتم علیہ''سے صحابہ مراد ہیں اور یہ آیت انہیں کے زمانہ کے متعلق ہے۔

آیت:''کلا ھدینا...... الخ! (الانعام:۸۴)''میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آئندہ ایسا ہی ہدایت دیا کرے گا جس کو چاہے گا۔ اپنے بندوں میں سے یہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔اس میں بھی آئندہ نبوۃ اور رسالت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

آیت:''وعداللہ الذین اٰمنوا منکم...... الخ! (النور:۵۵)''میں''منکم''سے مراد صحابہ ہیں اور دوسرا خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں ہیں۔خلافت ارضی کا لفظ ان نبیوں کے متعلق ہے جو زمین میں حکمران بھی تھے۔

فریق ثانی نے داؤد علیہ السلام کو غیر تشریعی نبی کہا ہے، حالانکہ وہ تشریعی ہیں۔ان پر زبور نازل ہوئی تھی۔جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ اس آیت میں ان لوگوں کو تشبیہ دی گئی اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے، نبوۃ وغیرہ نہیں۔لہٰذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہوگی جو صحابہ کی خلافت سے پوری ہوچکی۔رسول اللہ ﷺ کی نبوت عام ہے۔سورت زمر کی آیتوں سے جو اجراء نبوت کا استدلال کیا گیا ہے اس کے جواب کے لئے یہ کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت آخر وقت تک قائم ہے اور جدید نبی کی ضرورت نہیں۔گواہ مدعا علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر نہیں مرزا صاحب (سراج منیر ص۳، خزائن ج۱۲ ص۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ''ایسے ہی وہ نبی کہہ کر پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔وہ بھی

اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ دوسری حدیث جو حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت میں نقل کی ہے اس سے ’’الا ان یکون نبیٌ‘‘ سے مراد وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حقیقی طور پر نبی بلکہ بحثیت مجدد امتی ہوکر آئیں گے۔ دوسری حدیث جو حجج الکرامہ سے پیش کی گئی ہے وہ مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ اس میں نبوت سے مراد حضورﷺ کی نبوت ہے۔ بعد کے آنے والی نبوت نہیں۔ مشکوٰۃ والی حدیث میں تبلیغ النبوۃ سے مراد خلافت نبوت کے طریق پر ہے نہ کہ خود نبوت پر۔ یعنی نبی ہوں گے۔ دوسری حدیث جو مشکوٰۃ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت میں نقل کی گئی ہے اس میں یہ ہے کہ جنت کے تمام اوّلین وآخرین سے یہ دونوں افضل ہوں گے سوائے نبیین اور مرسلین کے۔ یہاں دنیا میں نبی آنے کا کوئی ذکر نہیں۔

فریق ثانی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ جہاں کوئی مسئلہ قرآن اور حدیث میں مصرح نہ ملے، وہاں فقہ حنفی پر عمل ہوگا اور دوسرے گواہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مسئلہ فسخ نکاح قرآن حدیث کا مصرحہ نہیں تو یہ مسئلہ ان مسائل سے ہوا جن میں فقہ حنفی پر عمل ہوگا اور فقہ حنفی کی عبارت شامی سے جرح میں بھی پیش ہوچکی ہے اور گواہان نے بھی پیش کیا کہ مرتد کے احکام میں سے نکاح کا فسخ ہونا ہے۔ گواہ نمبرا نے اپنی جرح یکم؍مارچ ۱۹۳۳ء میں تسلیم کیا ہے کہ اگر مرتد ہو جائے تو عام فتویٰ یہی ہے کہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ دوسرے گواہ نے ۲۱؍مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں یہ کہا ہے کہ تعامل یہ ہے کہ فسخ سمجھا جائے گا۔　　دستخط صاحب جلیس بحروف اردو، محمد اکبر

عدالت۔ بحث مدعیہ ختم ہے۔ مدعاعلیہم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ وہ بحث کے لئے تیار نہیں، انہیں مہلت دی جاوے۔ کیونکہ بہت سی نئی باتیں ایسی پیش کی گئی ہیں، جن کے لئے جدید حوالہ جات کی ضرورت ہے اور وہ حوالہ جات اس وقت ان کے ہمراہ نہیں۔ وہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ انہیں مہلت دی جاوے۔ اس غرض کے لئے مسل پرسوں پیش ہو۔ ۱۲؍اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

دستخط صاحب جلیس بحروف اردو، محمد اکبر

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتباہ

برائے حضرات قارئین کرام

حضرات قارئین! ہم بطور انتباہ یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس بحث کو پڑھنے کے بعد جواب الجواب کا حصہ جو مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری کی طرف سے پیش کیا گیا اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اگر آپ صرف یہ حصہ پڑھ کر جواب الجواب کا حصہ نہیں پڑھیں گے تو آپ علمی اقدار اور ایمانی جذبات پر بڑا ہی ظلم کریں گے اور عقلی وفطری تقاضوں کو پائمال کریں گے۔ کیونکہ اس قسم کی تحریرات کا مطالعہ کرنے والے کو عقلاً وفطرۃً لازم ہو جاتا ہے کہ دونوں پہلوؤں کو دیکھے اور ان کا تقابل کرے اور پھر فیصلہ کرے۔

ہم اجمالاً یہ بتادینا چاہتے ہیں۔ یہ ساری بحث ایک فریب اور دھوکہ کا مرقع ہے۔ اس کو پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ تلبیس ومکر کا ایک جال ہے۔ اس میں نہ دلائل ہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ اور نہ ہی ان باتوں کو اصل بیانات پر بحث کہا جاسکتا ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کے بعد دعویٰ نبوت کو علماء ربانیین نے پہاڑوں کی طرح بلند ومضبوط دلائل سے کفر ثابت کیا تھا۔ اس تمام بحث میں اس کا ذرہ برابر بھی جواب یا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکا۔ محض اپنے خیالات واوہام کو اس انداز کے ساتھ پیش کیا ہے کہ عوام کو یہ تاثر دیں کہ علماء کی جماعت نے مرزائیت کا جو کفر ثابت کیا ہے ہم نے اس کا رد کر دیا اور جواب دے دیا ان کی یہ روش بالکل قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے۔

''ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ (الحج:۸،۹) '' ﴿اور آدمیوں سے بہت سے آدمی سے بھی ہیں جو اللہ کے بارہ میں بغیر کسی علم کے خصوصیت اور جھگڑا کریں۔ جن کے پاس نہ علم ہے نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب ودلیل، وہ اپنی جانب کو پھیرے ہوئے (مسخ وتحریف میں مبتلا ہے) تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔﴾ اللہ رب العزت امت کو گمراہی سے بچائے، حق کو سمجھنے اور اس کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ رب العزت ہر شر اور فتنہ سے اور بالخصوص فتنۂ مسیح الدجال سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین!

ناچیز نے اپنی پوری ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ حضرات قارئین کو اس بات پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا اور دیانت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مقدمہ میں فریق مخالف نے جو کہا، ادارہ کو اس کی اشاعت کی تاکید کی، تاکہ لیل ونہار کا فرق دیکھ لیا جائے۔ حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری کی بحث کو پڑھ کر یہ فرمان خداوندی ذہن ودماغ میں رچ جائے:''بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذاھوا زاھق (الانبیاء:۱۸) '' ﴿کہ بلکہ ہم تو اسی طرح حق کو باطل کے اوپر دے مارتے ہیں پھر وہ حق (اپنی صرف سے) باطل کا بھیجا نکال ڈالتا ہے اور ناگہاں (ہر ایک دیکھ لیتا ہے کہ) باطل مٹ چکا اور نیست ونابود ہوگیا۔﴾

تو یہ جواب الجواب الحمدللہ! حق وصداقت اور ایمان وتوحید کا ایک بھاری اور مضبوط گرز ہے جس سے باطل کی قائم کی ہوئی چٹانیں پاش پاش ہوگئیں۔''اللّٰھم ارنا الحق حقّا وارزقنا اتباعہٗ اللّٰھم ارنا الباطل باطلاً وارقنا اجتنابہ ربّنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃً انک انت الوھاب وصلّی اللہ علٰی صفوۃ البریۃ خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمدوعلٰی اٰلہٖ واصحابہ اجمعین''

احقر محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ لاہور، سرپرست اعلی اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لاہور

بحث تحریری مدعا علیہ

مدخلہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۳۳ء لغایت ۵؍مارچ ۱۹۳۴ء

عقائد جماعت احمدیہ

گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بالوضاحت یہ ثابت کردیا ہے کہ مدعا علیہ پکا مسلمان اور مؤمن ہے اور ضروریات دین سے کسی ضرورت حقہ کا قطعاً منکر نہیں ہے۔ اس طرح اس کے مطاع ومقتداء حضرت مسیح موعود اور آپ کی تمام جماعت شریعت کی رو سے کسی اسلامی عقیدہ کی منکر نہیں ہے اور شریعت کی رو سے جن باتوں کو ماننے اور کرنے سے ایک انسان مسلمان اور مؤمن ہوتا ہے وہ سب باتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور بقول مسیح موعود وہ بابانگ دہل اعلان کرتے ہیں ؎

مامسلمانیم از فضل خدا	مصطفیٰ مارا امام و مقتدا
اندریں دیں آمدہ از مادریم	ہم بریں از دار دنیا بگذریم
آں کتاب حق کہ قرآن نام اوست	بادہ عرفان ما از جام اوست
آں رسول کش محمدؐ ہست نام	دامن پاکش بدست مادمام
اقتدائے قول او در جان ماست	ہرچہ زو ثابت شود ایمان ماست

(سراج منیر مطبوعہ ص (ح) ۱۸۹۷ء وضرورۃ الامام ٹائٹل، خزائن ج۱۲ ص۹۵)

جن امور کے ماننے یا کرنے سے شریعت اسلامی کی رو سے کوئی انسان مسلمان ومؤمن ہوسکتا ہے وہ گواہان مدعا علیہ نے قرآن مجید اوراحادیث وفقہ کی رو سے بالتفصیل اپنے بیانات میں ذکر کردیئے ہیں۔ خلاصہ کے طور پر ان امور کا ذکر کرتا ہوں (۱) خداتعالیٰ پر ایمان۔ (۲) ملائکہ پر ایمان۔ (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان۔ (۴) اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان۔ (۵) آخرت پر ایمان۔ (۶) قضاء وقدر پر ایمان۔ (۷) کلمہ شہادتین کا اقرار۔ (۸) نماز کا قیام۔ (۹) زکوٰۃ کی ادائیگی۔ (۱۰) روزہ ماہ رمضان۔ (۱۱) بشرط استطاعت حج بیت اللہ۔

اور یہ امور مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے ثابت ہیں:

۱...... ’’والذین یؤمنون بالغیب ...... المفلحون (بقرۃ:۳تا۵)‘‘

۲...... ’’اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کلٌ اٰمن باللّٰہ وملائکتہٖ و کتبہٖ ورسلہٖ لانفرق بین احد من رسلہٖ (بقرۃ:۲۸۵)‘‘

۳...... ’’عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ بنی الاسلام علٰی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الّا اللّٰہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزّکوٰۃ والحج وصوم رمضان (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم کتاب الایمان)‘‘

۴...... حضرت عمرؓ سے ایک لمبی حدیث بخاری ومسلم میں مروی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر حضور ﷺ سے چندسوال کئے اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ جبرئیل علیہ السلام کے چلے جانے کے

بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے ’’جاء یعلمکم دینکم‘‘ جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ ان کے سوالوں میں سے ایک سوال ایمان کے متعلق اور ایک اسلام کے متعلق بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کے سوال ’’ما الایمان‘‘ پر فرمایا: ’’ان تؤمن باللہ وملائکتہٖ وکتبہ ورسلہٖ والیوم الاٰخر تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ‘‘ اور سوال: ’’ماالاسلام‘‘ کے جواب میں فرمایا: ’’الاسلام ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا (مشکوٰۃ ص ۱۱، مطبوعہ مجتبائی دھلی کتاب الایمان)‘‘

چنانچہ گواہ مدعیہ نمبر۳ جرح کے جواب میں ان کو تسلیم کر چکا ہے۔

اور کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے: چنانچہ فقہ اکبر مع شرح طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کے (ص۳،۴) پر ہے۔ اصل توحید: ’’ومایصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول اٰمنت باللہ وملائکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والبعث بعدالموت والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالٰی والحساب والمیزان والجنۃ والنار حق کلہ‘‘

پھر اس کے (ص۳۴) پر اس کی شرح میں جو ابومنصور محمد بن محمد حنفی ماتریدی سمرقندی نے کی ہے، لکھا ہے: ’’فمن اراد ان یکون من امۃ محمد ﷺ فقال بلسانہ لاالٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ وصدق بقلبہ معناہ فھو مؤمن وان لم یعرف الفرائض والمحرمات‘‘ چنانچہ یہ سب باتیں بفضلہٖ تعالیٰ جماعت احمدیہ میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں اور احمدی ان پر عامل ہیں اور یہی عقائد واعمال بانی جماعت احمدیہ علیہ التحیۃ کے تھے اور اپنے انہی کے ماننے اور کرنے کی اپنی جماعت کو تلقین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) ’’اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ غیظ وغضب میں آ کر حد سے مت بڑھو۔ میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تھام لو۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔‘‘

اٰمنت باللہ وملائکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والبعث بعدالموت واشھد ان لآالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ فاتقوا اللہ ولا تقولوا لست مسلماً واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون‘‘

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۲، خزائن ج۳ ص۱۰۲)

(۲) ’’اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ ’’لآالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ‘‘ کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔‘‘ (آسمانی فیصلہ ص۴، خزائن ج۴ ص۳۱۳)

(۳) پھر فرماتے ہیں: ’’ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے: ’’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آمنا باللہ وملآئکتہ ورسلہ وکتبہ والجنۃ والنار والبعث بعدالموت‘‘ یعنی ہم ایمان لائے ہیں خدا تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور جنت ونار پر اور حشر ونشر۔‘‘ (انوار الاسلام ص۳۴، خزائن ج۹ ص۳۵)

(۴) فرماتے ہیں: ’’التعلیم للجماعۃ لایدخل فی جماعتنا الا الذی دخل فی دین الاسلام واتبع کتاب اللہ وسنن سیدنا خیر الانام وآمن باللہ ورسولہ الکریم الرحیم وبالحشر والنشر والجنۃ والجحیم ویعد ویقربانہ لن یبتغی دیناً غیر دین الاسلام ویموت علیٰ ھذا الدین دین الفطرۃ متمسکا بکتاب اللہ العلام. ویعمل بکل ماثبت من السنۃ والقرآن واجماع الصحابۃ الکرام‘‘ (مواہب الرحمٰن ص۹۶، خزائن ج۱۹ ص۳۱۵)

یعنی ہماری جماعت میں سے وہی ہوسکتا ہے جو دین اسلام میں داخل ہوا اور خداتعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول کریم ورحیم پر ایمان لائے اور ایمان لائے حشر ونشر اور جنت ونار پر اور وعدہ کرے اور اقرار کرے کہ وہ بجز اسلام کے کسی اور دین کو ہرگز اختیار نہ کرے گا اور مرے گا اسی دین پر مضبوط پکڑتے ہوئے خدائے علیم کی کتاب کو اور کہ عمل کرتا رہے گا ہر اس چیز پر جو ثابت ہو، سنت نبوی ﷺ اور قرآن پاک سے اور صحابہ کرام کے اجماع سے۔

(۵) اور آپ تقدیر کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’(خدا کی) قضاء قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی آگے قدم رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے۔‘‘ (کشتی نوح ص۱۱، خزائن ج۱۹ ص۱۱)

پھر فرماتے ہیں: ؎

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا!　　پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

ان حوالوں کے علاوہ دیگر حوالہ جات کے لئے جن میں عام عقائد واعمال کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو (نورالحق حصہ اوّل ص۵، خزائن ج۸ ص۷) اور (کشتی نوح ص۱۴، خزائن ج۱۹ ص۱۵) اور (تبلیغ رسالت ج۲ ص۲۱، مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۳۱) اور (التبلیغ آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۷، ۳۸۸، خزائن ج۵ ص۳۸۷، ۳۸۸) اور کتاب (مواہب الرحمٰن ص۶۸، خزائن ج۱۹ ص۲۸۷) اور (ایام الصلح ص۸۶، ۸۷، خزائن ج۱۴ ص۳۲۲ تا ۳۲۴) ان سب حوالہ جات کے لئے دیکھنا چاہئے مطبوعہ بیان گواہ نمبر ا مدعا علیہ (ص۴ تا ۷)

جب حضرت مسیح موعود کے اقوال اس امر میں بالکل واضح ہیں کہ آپ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ از روئے شریعت اسلام کسی مسلمان مؤمن میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ جماعت احمدیہ اور بانی جماعت میں من کل الوجوہ پائی جاتی ہیں تو اس سے احمدی مدعا علیہ کا قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہے۔

(۱) مختار مدعیہ کا اعتراض

مختار مدعیہ نے حوالہ جات منقولہ بالا کے متعلق ۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۳ء کی بحث میں یہ اعتراض کیا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہوں نے مرزا صاحب کے بعض حوالہ جات جن میں اسلامی عقائد ماننے کا اقرار ہے۔ کل نو پیش کئے ہیں جن سے بتایا ہے کہ مرزا صاحب کے عقائد بھی مسلمانوں کے ہیں۔ یہ ہمارے لئے مفید ہیں کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے۔ لیکن بعد میں ان عقائد سے پھرے۔ جب تک مرزا صاحب کے دماغ میں نبوت کا خیال نہیں تھا اور دعویٰ نہیں کیا تھا، اس وقت تک یہ اسلامی عقائد کے بڑھ چڑھ کر دعاوی ہیں۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں دعویٰ نبوت کیا اور پیش کردہ کتب ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں۔

سو یہ مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنی جہالت کا اعتراف۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے جن کتب کے حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کے حوالے بھی درج ہیں۔ جب کہ بقول گواہ مختار مدعیہ نمبر۲ حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ۲۴؍اگست کو بجواب سوال عدالت تسلیم کیا ہے کہ ازالہ اوہام کی تالیف تک مرزا صاحب مسلمان تھے اور ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے۔ اس لئے ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کا حوالہ جب کہ گواہ مدعیہ نمبر۲ کے نزدیک حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ نیز ان حوالہ جات میں ایک حوالہ (مواہب الرحمٰن مطبوعہ ۱۹۰۳ء) کا اور ایک حوالہ (کشتی نوح مطبوعہ ۱۹۰۲ء) کا بھی ہے جو سال ۱۹۰۱ء کے بعد لکھی گئی ہیں۔ جب کہ بقول مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود نے دعویٰ نبوت کر دیا تھا اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن حق برزبان جاری مختار مدعیہ کو بھی یہ

تسلیم کرنا پڑا ہے کہ ان حوالہ جات میں جن عقائد کا ذکر ہے ان سے واقعی طور پر حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کا مسلمان ہونا ثابت ہے اور یہ اسلامی عقائد ہیں۔ مگر یہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے ہیں، اس لئے ان سے استدلال کرنا درست نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ کا استدلال اسی صورت میں غلط ثابت ہوسکتا ہے کہ مختار مدعیہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتابوں سے ان کی تردید دکھا دیتا۔ مگر چونکہ وہ کوئی تردید پیش نہیں کرسکا۔ اس لئے یہ حوالہ جات بدستور قائم ہیں اور گواہان مدعا علیہ کا ان سے استدلال کرنا بالکل صحیح اور برمحل ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے: مدعا علیہ کی طرف سے (مواہب الرحمٰن مطبوعہ ۱۹۰۳ء) پیش کی گئی ہے۔ لیکن مدعیہ کی طرف سے کفریہ عقائد ثابت کرنے کے لئے (بدر ۵؍مارچ ۱۹۰۸ء) کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ (یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ شمس) اور توحید کے خلاف ۱۵؍مئی ۱۹۰۷ء (یعنی حقیقۃ الوحی۔ شمس) کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی کوئی تحریر مدعا علیہ کی طرف سے پیش نہیں کی گئی جس میں ایمان کا اقرار اور عقائد کفریہ سے انکار ہو۔

گواہان مدعا علیہ جو حوالے پیش کئے ہیں، ان میں جن عقائد کا ذکر ہے انہی پر حضرت مسیح موعود آخر تک قائم رہے اور ان کی تردید مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی کسی کتاب سے پیش نہیں کی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ آخر تک آپ کے وہی عقائد رہے جو اپنی پہلی کتابوں میں لکھ چکے تھے۔ اس بات کو عقلمند بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص اپنے عقائد، اپنی کسی کتاب میں بیان کردے اور پھر اس کے بعد کی کسی کتاب میں ان کی تردید نہ کرے تو اس کے وہی عقائد سمجھے جائیں گے جو اس نے اپنی پہلی کتاب میں لکھے تھے۔ لیکن اس واضح جواب کے ہوتے ہوئے بھی مختار مدعیہ کی تسلی نہ ہو تو اس کے لئے میں حقیقۃ الوحی جو ۱۹۰۷ء میں چھپی ہے اور چشمہ معرفت جو ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی، چند تحریریں ذیل میں لکھ دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ آیت: ''الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ'' سے لے کر ''مفلحون'' تک لکھ کر فرماتے ہیں: ''خدا ان آیات میں فرماتا ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں کہ جو پوشیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور قرآن شریف اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، وہی ہدایت کے سرپر ہیں اور وہی نجات پائیں گے۔ ان آیات سے یہ تو معلوم ہوا کہ نجات بغیر نبی کریم پر ایمان لانے اور اس کی ہدایت نماز وغیرہ کے بجالانے کے نہیں مل سکتی اور ''جھوٹے ہیں وہ لوگ جو نبی کریم کا دامن چھوڑ کر محض خشک توحید سے نجات ڈھونڈتے ہیں۔'' (حقیقت الوحی ص۱۳۴، خزائن ج۲۲ ص۱۳۵ تا ۱۳۷)

اور فرماتے ہیں: ''اللہ وہ ہے جس نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے، تب ہی اس کا ایمان معتبر اور صحیح سمجھا جائے گا۔ جب کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لاوے۔'' (حقیقت الوحی ص۱۴۲، خزائن ج۲۲ ص۱۴۶)

اور فرماتے ہیں: ''میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا پیارا بنادیتا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۶۵، خزائن ج۲۲ ص۶۷)

اور فرماتے ہیں: ''پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لئے جس امر کو تلاش کرنا چاہئے وہ محض اسلام میں موجود ہے۔'' (چشمہ معرفت ص۲۹۸، خزائن ج۲۳ ص۳۱۲)

اور فرماتے ہیں: ''اس نے (یعنی خدا نے۔ شمس) محض اپنے فضل سے نہ میری کسی ہنر سے مجھے یہ توفیق دی ہے کہ میں اس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاقت کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے جو ربانی طاقتوں کا مظہر ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔'' (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص۴۰، خزائن ج۲۳ ص۴۱۰)

اور فرماتے ہیں: ’’ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خداتعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خداتعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر سے اسی ذریعہ سے فیض یاب ہیں۔‘‘ (چشمہ معرفت ص۱۲۰، خزائن ج۲۳ ص۲۱۸،۲۱۹)

اور آیت: ’’امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ‘‘ جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے اور جسے گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں قرآن مجید سے ایمانیات ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود مضمون ملحقہ (چشمہ معرفت ص۶، خزائن ج۲۳ ص۳۷۷) میں مع ترجمہ تحریر فرمایا ہے اور ہندوؤں کو اسلام کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔

ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لائیں کہ ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘

(مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص۱۳، خزائن ج۲۳ ص۳۸۴)

اور حقیقت الوحی سے جو امور مختار مدعیہ نے اپنی کمال نادانی سے خلاف توحید سمجھ کر پیش کئے ہیں، اکثر ان سے براہین احمدیہ میں موجود ہیں۔ جب کہ گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے نزدیک بھی آپ مسلمان تھے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کی طرف سے بدر ۵؍مارچ ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جس میں دعویٰ نبوت کا ذکر ہے۔ لیکن مدعا علیہ کی طرف سے اس کے بعد کوئی تحریر پیش کی گئی، صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ مدعا علیہ کی طرف سے اخبار عام ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے اور یہ ایک خط ہے جو اپنے ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو اپنی وفات سے تین دن قبل ایڈیٹر اخبار عام کے نام تحریر فرمایا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں: ’’میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلامیہ کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت ﷺ کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں، یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خداتعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوں اور میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو، دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں، اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کس کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ سو صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشین گوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے۔ ان معنوں سے میں بھی نبی ہوں اور امتی بھی ہوں...... تاکہ ہمارے سید وآقا کی وہ پیش گوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح امتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۹۸،۵۹۷)

یہ آخری مکتوب ہے جو اپنی وفات سے تین دن پیشتر آپ نے تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے: ’’میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔‘‘ اور آنحضرت ﷺ کو اپنا سید و آقا بیان فرمایا اور ہر ایک بات سے جس کی وجہ سے اسلام سے قطع تعلق ہو، بیزاری کا اعلان فرمایا۔ پس اس آخری تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں تھا اور مدعاعلیہ کو بھی اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ جیسا کہ جواب دعویٰ سے ظاہر ہے۔ اس لئے دعویٰ مدعیہ خارج ہونا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات پر اعتراضات

مذکورہ بالا حوالہ جات سے حضرت مسیح موعود کا عقیدہ توحید باری کے متعلق بالکل واضح ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آپ اسلامی توحید کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک اور اس کی مانند ٹھہراتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو ایسی صفات سے متصف مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان نہیں ہیں۔

(۱)

’’میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔‘‘　　(کتاب البریہ ص۷۸، خزائن ج۱۳ ص۱۰۳)

مختار مدعیہ نے اس کشف سے یہ استدلال کیا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کے مدعی ہے۔

کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہوسکتی ولی ہو یا نبی اور ایسا شخص جو یہ کہتا ہو وہ اگر کروڑ مرتبہ بھی ’’لا الہ الا اللہ‘‘ کہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ اس لئے مرتد ہوا اور اس کا نکاح فسخ ہونا چاہئے۔

حالانکہ حضرت مسیح موعود نے اس کشف اور رؤیا سے یہ کبھی نہیں سمجھا کہ آپ خدا بن گئے ہیں اور نہ کبھی آپ نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ ایک نہایت رکیک اور ذلیل مغالطہ ہے جو روز روشن میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس امر کو مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ آپ کا عقیدہ نہیں بلکہ وہ ایک رؤیا ہے۔ چنانچہ جو الفاظ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام سے پڑھے ہیں ان میں بھی یہ امر موجود ہے کہ ’’میں نے خواب میں دیکھا اور خواب میں ہی میں نے یقین کیا کہ میں خدا ہوں۔‘‘ کیا یہ عبارت صاف طور پر نہیں بتاتی کہ اس سے پہلے کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اپنی خدائی کا دعویٰ کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ ایک کشف اور رؤیا ہے جو تعبیر طلب ہے اور دنیا جانتی ہے کہ جو امر خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقت پر محمول کیا جانا ضروری نہیں۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چاند، سورج، ستارے مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: ’’یٰآبت انی رأیت احد عشر کوکباً والشمس والقمر رأیتهم لی ساجدین (یوسف:۴)‘‘ اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا اور آیت: ’’الم تر انّ اللہ یسجدله من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم (الحج:۱۸)‘‘ سے ثابت ہے کہ ستارے اور سورج و چاند صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کسی کے لئے نہیں تو کیا مختار مدعیہ یہاں بھی یہ نتیجہ نکالے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو رؤیا میں سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا تو انہوں نے درحقیقت خدائی کا دعویٰ کیا۔

(۲) اصل بات یہ ہے کہ رؤیا میں ایسے نظارے دکھلائے جاتے ہیں جو عالم اعیان میں اگر ہوں تو شریعت کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا رؤیا میں دیکھنا کہ آپ کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ (بخاری کتاب الرؤیا، مسلم الجزء الثانی ص ۲۷۸ کتاب الرؤیا) حالانکہ سونے کا پہننا مرد کے ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

(۳) اسی طرح ارشاد رحمانی میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق ان کے مرید دیوبندیوں کے مسلم مقتداء مولوی محمد علی مونگیری لکھتے ہیں: ''کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اپنی والدہ سے صحبت کی اور اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر ہم بہت گھبرائے۔ حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا ولی ہوگا۔ ماں کی صحبت سے اشارہ خاکساری ہے اور بھائی کے قتل سے مراد نفس کا مار ڈالنا ہے۔ صوفیہ نے لکھا ہے کہ تا از مادر خود جفت نشود و برادر خود نہ کشد کامل نشود۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت (اعلیٰ حضرت سے مقصود شاہ محمد آفاق قدس سرہ ہیں۔ (ارشاد رحمانی ص ۴۸)) عرصہ ہوا والدہ سے صحبت کرتے ہوئے تو میں نے بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا مگر بھائی کا قتل کرنا مجھے یاد نہیں پڑتا فرمایا کہ اتنی ہی کسر ہے۔'' (ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص ۵۷)

(۴) اور بھی ایسی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''رأیت ربی فی صورۃ شاب امرد قطط له وفرۃ من شعر وفی رجلیه نعلان من ذهب (الحدیث)'' (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۶۳)

نیز (احادیث المصنوع فی احادیث الموضوع ص ۱۳، مطبع فاروقی دہلی) کہ میں نے اپنے رب کو ایک بے ریش جوان کی شکل میں دیکھا جس کے بال کان کی لو تک پہنچے ہوئے تھے اور اس کے پاؤں میں سونے کا جوتا تھا اور اس کے متعلق ''المصنوع فی احادیث الموضوع الامام العلامة نورالدین علی بن سلطان القاری الهروی مطبوعه مجتبائی'' (ص ۱۳) میں لکھا ہے کہ: ''حدیث ابن عباس صحیح لاینکرہ الامعتزلی'' کہ ابن عباس ؓ کی یہ حدیث صحیح ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا اور علامہ محمد طاہر بھی فرماتے ہیں کہ حدیث: ''رأیت ربی فی صورۃ شاب له وفرۃ صحیح''

(تذکرۃ الموضوعات برحاشیہ المصنوع فی احادیث الموضوع ص ۷ یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

کیا مختار مدعیہ حضرت یوسف علیہ السلام اور خاص کر آنحضرت ﷺ کے رؤیا کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ نبیوں کا خواب چونکہ وحی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا حقیقت پر محمول ہونا چاہئے اور وہ یہ تسلیم کرے گا کہ اللہ تعالیٰ بے ریش نوجوان کی صورت میں ہے اور سونے کے جوتے پہنا کرتا ہے۔ یہی رسول کریم ﷺ کا اعتقاد تھا۔ (نعوذ باللّٰہ من ذلک) ''ایسے کشوف اور حالات دوسرے پر بھی گزرے ہیں۔'' حضرت مسیح موعود نے صرف یہی ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ خواب ہے بلکہ آئینہ کمالات اسلام میں اس رؤیا کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''رأیتنی فی المنام عین اللّٰہ'' کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو خدا دیکھا: ''واعنی بعین اللّٰہ رجوع الظل الٰی اصلهٖ وغیبوبتهٖ فیه کما یجری مثل هٰذهٖ الحالات فی بعض الاوقات علی المحبین'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴، خزائن ج ۵ ص ۵۶۴)

یعنی اپنے آپ کو عین اللہ دیکھنے سے ظل کا اپنے اصل کی طرف رجوع اور اس میں غائب اور محو ہو جانا مراد ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے حالات بعض اوقات عاشقان الٰہی پر طاری ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے مقربان بارگاہ الٰہی بھی اس سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جیسے آپ نے اس رؤیا میں یہ دیکھا ہے کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں یا اس شئے کی طرح جسے کسی دوسری

شئے نے اپنی بغل میں دبایا ہوا اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہوگئی اور میرے جسم پر مستولی ہوکر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ میرا کوئی بھی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا کہ میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہوگیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی اور اس کی ربوبیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ (عربی الفاظ) ''وضربت حول قلبی سرادقات الحضرة ودقق نفسی سلطان الجبروت'' سو نہ تو میں میں رہا اور نہ میری کوئی تمنا باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی۔

(عربی عبارت) ''انهدمت عمارة نفسی کلها وترأت عمارات رب العالمین وانمحت اطلال وجودی وعفت بقایا انانیتی ومابقیت ذرة من هویّتی''

میں اس وقت یقین کرتا تھا کہ میرے اعضاء میرے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ میں اپنے سارے وجود سے معدوم اور اپنی ہویّت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو پہلے تو میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشائے حق کے موافق اس کی ترتیب وتفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا کہ: ''انّا زینّا السمآء الدنیا بمصابیح'' (کتاب البریہ ص۷۹، خزائن ج۱۳ ص۱۰۵)

یہ وہ کشف ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے دیکھا ہے ایسا ہی حضرت سید عبدالکریم جیلی اپنی کتاب (الانسان الکامل ج۱ ص۴۴) میں فرماتے ہیں: ''وعنهم ای من اهل تجلی الصفات من تجلی الله علیه بفصة القدرة وتکونت الاشیاء بقدرته فی العالم الغیبی وکان علٰی انموذجه فی العالم العینی وفی هٰذا التجلی سمعت صلصلة الجرس فانحل ترکیبی واضمحل رسمی وانمحی اسمی فکنت لشدة مالاقیت مثل الخرقة البالیة المعلقة فی الشجرة العالیة تذهب بهاالریح الشدیدة شیًا فشیًا لاابصر شهوداً الابرقاً ورعوداً وسحاباً یمطربالانواروبحاراً تموج بالنار والتقت السماء والارض وانا فی الظلمات بعضها فوق بعض فلم تزل القدرة تخترع بی ماهوا الاقوی وتخترق بی ماهو ی فالاهوی الٰی ان ضرب الجلال علیّ سرادق المتعال وولج جمل الجمال فی سم الخیال ففتق فی المنظر الاعلٰی تق الید الیمنٰی فحینئذ تکوّنت الاشیاء وزوال العماء ونودی بعد ان استوی الفلک علی الجودیّ ایها السماء والارض ائتیا طوعاً وکرهاً قالتا اتینا طائعین''

ترجمہ: اور ان کاملین میں سے جن پر الٰہی صفات کو تجلی ہوئی وہ بھی ہیں۔ جن پر خدا تعالیٰ نے صفت قدرت کی تجلی فرمائی۔ جس سے اشیاء عالم خارجی کے نمونہ پر عالم غیبی پر ہو یدا ہوئیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جب مجھ پر تجلی ہوئی تو میں نے گھنٹی کی آواز سنی۔ پس میرے جسم کی ترکیب وبناوٹ جاتی رہی اور میں اپنے سارے وجود سے معدوم ہوگیا۔ میرا نام ونشان باقی نہ رہا اور اس دباؤ کی شدت کے سبب میں ایک بلند درخت میں لٹکے ہوئے چیتھڑے کی طرح ہوگیا۔ جس کو تند ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے اڑائے لے جارہی تھی۔ میں ظاہر میں سوائے چمکوں

اور گرجوں کے کوئی چیز نہ دیکھتا تھا اور بادل انوار برسا رہا تھا اور سمندر آگ میں موجیں مار رہا تھا اور آسمان اور زمین میں ایک دوسرے میں داخل ہوکر ملیں گے اور میں سخت اندھیروں میں ہوگیا۔ پس قدرت میرے ذریعہ سے اقویٰ چیز بناتی گئی اور محبوب سے محبوب سے چیزوں کو پھاڑتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عزت وجلال کے خیمے مجھ پر لگائے گئے...... پس اس وقت اشیاء پیدا ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہوگیا اور بعد اس کے جو کشتی جودی مقام پر ٹھہر گئی۔ آواز دی گئی کہ اے آسمان اور زمین تم دونوں طوعاً یا کرہاً میری اطاعت کرو تو انہوں نے کہا کہ ہم بخوشی خاطر اطاعت کرتے ہیں۔

یہ کشف حضرت اقدس مسیح موعود کے اس کشف سے جس مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے بالکل ہی مطابق ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس پر بھی یہی استدلال کرے گا کہ حضرت سید عبدالکریم جیلی نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

اور حضرت اقدس نے اس کشف کے آخر میں یہ بھی فرمادیا ہے: ''**لانعنی بھذہ الواقعۃ کما یعنی فی کتب اصحاب وحدۃ الوجود وما نعنی بذالک ماھو مذھب الحلولییّن بل ھذہ الواقعۃ توافق حدیث النبی ﷺ اعنی بذالک حدیث البخاری فی بیان مرتبتہ قرب النوافل لعباداللہ الصالحین**'' (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۶، خزائن ج۵ ص۵۶۶)

ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں۔ جیسا کہ وحدۃ الوجود کی کتب میں مراد لی جاتی ہے اور نہ ہی ہماری مراد قائلین حلول کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ واقعہ تو آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے موافق ہے جو بخاری میں اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے لئے مرتبہ قرب نوافل میں بیان ہوئی ہے۔

اور وہ بخاری کی حدیث یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا**''

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ج۴ ص۹۳)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں کہ پس جب میں اس سے محبت کروں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ گواہ مدعیہ تو اس رؤیا اور کشف سے دعویٰ الوہیت نکالتا ہے اور حضرت مسیح موعود کتاب البریہ میں یہی کشف بیان کر کے اس سے مسیح کی الوہیت کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

آپ حضرات پادری صاحبان سوچیں اور غور کریں اور ان الہامات کا یسوع مسیح کے الہامات سے مقابلہ کریں اور پھر انصافاً گواہی دیں کہ کیا یسوع کے وہ الہامات جن سے وہ اس کی خدائی نکالتے ہیں۔ ان الہامات سے بڑھ کر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر کسی کی خدائی ایسے الہامات سے نکل سکتی ہے تو میرے الہامات سے نعوذ باللہ! میری خدائی یسوع کی نسبت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور سب سے بڑھ کر ہمارے سید ومولیٰ رسول اللہ ﷺ کی خدائی ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی وحی میں صرف یہی نہیں کہ جس نے تجھ سے بیعت کی اس نے خدا سے بیعت کی۔ صرف یہ کہ خداتعالیٰ نے آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور آپ کے ہر ایک فعل کو اپنا فعل ٹھہرایا ہے اور یہ کہہ کر کہ: ''**وماینطق عن الھویٰ ان ھوالّا وحی یوحی**'' آپ کے تمام کلام کو اپنا کلام ٹھہرایا ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو تمام لوگوں کو آپ کے بندے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: ''**قل یعبادی**'' یعنی کہہ دو کہ اے میرے بندو۔'' (کتاب البریہ ص۷۹،۸۰، خزائن ج۱۳ ص۱۰۵)

اور دیو بندیوں کے مسلم مقتداء اور پیشوا جناب مولانا محمد اسماعیل شہید اسی کے قریب قریب فرماتے ہیں: ’’اور بفحوائے حدیث: انا عندظن عبدی بی وانامعہٗ اذاذکرنی‘‘

(میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے) بعوض قلق اور اضطراب کے کہ جدائی میں اٹھایا تھا۔خلعت مکالمہ اور سرور اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی وحشت انس سے بدل جاتی ہے اور مقامات فناء اور بقاء کے پردۂ اختفاء سے ظاہر ہوجاتے ہیں۔اس وقت دریائے وحدت میں ڈوب کر اس کی عجب حالت ہوجاتی ہے اور کلمہ ’’انا الحق‘‘ (یعنی میں خودخدا ہوں) اور ’’لیس فی جبتی سوی اللّٰہ‘‘ (یعنی میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے) کہنے لگتا ہے۔چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈالتے ہیں اور آگ چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے تو اجزائے لطیفہ آگ کے نفس وجوہر لوہے میں اثر کر کے اس کو اپنا ہم شکل اور ہم رنگ اور ہم صفت بنالیتے ہیں۔تب جلانا اور بھوننا جو آگ کی خاصیت میں سے ہے۔اس لوہے کو حاصل ہوجاتا ہے اور ظاہر میں بھی وہ لوہا آگ کے اتصال سے سرخ ہوکر مثل آگ کے بن جاتا ہے۔اگرچہ دراصل وہ لوہے کا لوہا ہی ہے۔لیکن بسبب ہجوم آگ کے صرف آثار اور احکام آگ کے اس کو حاصل ہوگئے ہیں۔گووہ آثار اور احکام ابھی تک بھی آگ ہی کے ہیں۔لیکن اگر لوہے کو اس وقت زبان ہوتی تو وہ ضرور پکار اٹھتا کہ میں وہ آگ ہوں جس سے کاروبار طباخوں اور لوہاروں اور سناروں وغیرہ ارباب صنائع کے انجام پاتے ہیں۔پس اسی طرح پر جذب کوشش رحمانی نفس کاملہ اس طالب کو بحر احدیت کی طرف کھینچتی ہے تو پھر یہ مشت خاک مثل پارۂ آہن اپنی اصلیت کو فراموش کر کے کلمہ ’’انا الحق‘‘ وغیرہ کہنے لگتا ہے۔کیا تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ ’’ما فعلتہ عن امری‘‘ یعنی (کشتی کا توڑنا وغیرہ) میں نے خود نہیں کیا اور جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں اس وقت اپنے بندے کے کان ہوجاتا ہوں کہ سنتا ہے مجھ سے اور میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں کہ بولتا ہے مجھ سے۔مگر یہ بات بہت باریک اور مسئلہ نہایت نازک ہے۔اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہئے۔لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو وہ اس سے انکار بھی نہ کرے۔کیونکہ جب وادی مقدس میں آگ نے کہا تھا: ’’انی انااللّٰہ رب العالمین‘‘ (یعنی میں رب جہانوں کا ہوں) اگر نفس کاملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الٰہی کا ہے۔کلمہ ’’اناالحق‘‘ کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔‘‘ (سوانح احمدی ص۷۸،۷۹)

(۱) چنانچہ شیخ فرید الدین صاحب عطار سرخیل صوفیاء حضرت بایزید بسطامی کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: ’’جو شخص حق میں محو ہوجاتا ہے۔وہ حقیقت میں سرتاپا حق ہی ہوتا ہے اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجیب ہوتا۔‘‘

(تذکرۃ الاولیاء ص۱۴۹)

(۲) کتاب (خزائن اسرار الکلم شرح فصوص الحکم کے مقدمہ ص۲۳،۲۴) میں لکھا ہے: ’’آیت: ’’ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ یداللّٰہ فوق ایدیھم‘‘ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ عین اللہ تھے اور صحابہ کرام وقت اس بیعت کے مشاہد حق تعالیٰ کے تھے۔بیچ رسول اللہ ﷺ کے کہ مظہر اکمل اس کے ہیں۔پھر تاکید فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس معنی کی اور کہا کہ ہاتھ اللہ کے اوپر ہاتھ صحابہ مبایعین کے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عین اللہ ہیں۔مشاہدے میں صحابہ مبایعین کے اور ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہے۔اس مشاہدے میں۔‘‘

سلف صالحین کے اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں۔لیکن اختصار کی غرض سے انہی پر اکتفاء کرتا ہوں اور اب میں اس رؤیا کی جو حضرت مسیح موعود نے دیکھی حکمت بتلاتا ہوں۔

اس رؤیا میں درحقیقت اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جو اس مقدمہ میں پیش ہے کہ آیا۔ حضرت مسیح موعود مسلمان اور صراط مستقیم پر تھے یا نعوذ باللہ! صراط مستقیم سے برگشتہ اور کافر۔ سو یہ رؤیا جواب ہے۔ اس سوال کا کہ آپ صراط مستقیم پر تھے اور پکے مسلمان تھے۔ چنانچہ آج سے چھ سو سال پیشتر علامہ عبدالغنی النابلسی اپنی کتاب تعطیر الانام فی تعبیر الاحلام میں لکھتے ہیں: ''من رأی کانہ صار الحق سبحانہ وتعالیٰ اھتدی الی صراط المستقیم '' (تعطیر الانام ج۱ ص۹) جو شخص دیکھے کہ گویا وہ خود خدا ہو گیا ہے تو وہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا۔ یعنی وہ صراط مستقیم پر ہوگا۔ یہ تعبیر حضرت مسیح موعود نے خود نہیں کی بلکہ آپ کے وجود سے کئی سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے اور اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ خواب میں انسان اپنے آپ کو خدا دیکھ سکتا ہے ؎

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

یہ تو ایک کشف تھا اب ہم حضرت مسیح موعود کا عقیدہ دربار توحید الٰہی درج کرتے ہیں۔ آپ اپنا الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''یعنی تو کہہ دے کہ اے لوگو! میں تمہاری مانند ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اور تمام خیر قرآن میں ہے۔'' (دافع البلاء ص۷، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷ حاشیہ)

اور فرماتے ہیں: ''اے سننے والو سنو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اس کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں...... وہ وہی ''وحدہ لاشریک'' ہے۔ جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں۔''

(الوصیت ص۹، خزائن ج۲۰ ص۳۰۹،۳۱۰)

اور فرماتے ہیں: ''تمام دینا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی، جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے، جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا، اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔'' (کشتی نوح ص۱۸،۱۹، خزائن ج۱۹ ص۲۰)

خالق الارض والسماء ہونے کا دعویٰ

مختار مدعیہ کے علاوہ گواہ مدعیہ نمبر الف نے اس کشف کے آخری حصہ پر جس میں زمین وآسمان کے خلق کا ذکر ہے۔ یہ اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خالق جانا اور اگر کوئی شخص خدائی کا دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو خالق جانے وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خواب ہے۔ کیونکہ گواہ مذکور نے (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴، خزائن ج۵ ص۵۶۴) کے الفاظ: ''رأیتنی فی المنام '' لکھوا کر یہ ترجمہ لکھوایا ہے کہ: ''میں نے خواب میں دیکھا۔'' اور جو معاملہ خواب میں دکھائی دے اس کو واقعہ پر محمول کرنا اور خواب دیکھنے والے کا عقیدہ قرار دینا حد درجہ کی سفاہت ہے یا پرلے درجہ کی شرارت۔ مختار مدعیہ کے اس کشف پر اعتراض کے جواب میں اوپر بتا دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس جگہ ہمیں صرف تین باتوں پر غور کرنا باقی ہے۔

(۱) کیا خواب میں آپ نے موجودہ زمین وآسمان کے بنانے کا ذکر کیا ہے؟

(۲) اگر نئے زمین وآسمان بنانے کا ذکر ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

(۳) کیا آپ اپنے آپ کو موجودہ زمین وآسمان کا خالق سمجھتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو؟

پہلی بات کے متعلق تو خود کشف کے الفاظ سے ثابت ہے کہ اس میں موجودہ زمین وآسمان کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔''

اب دوسری بات کے معلوم کرنے کے لئے کہ آپ نے نئی زمین اور نئے آسمان سے کیا مراد بیان فرمائی ہے۔ میں حضرت اقدس کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں، جس میں آپ نے اس کشف پر مولویوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:''ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔'' (چشمہ مسیحی ص ۵۸ حاشیہ، خزائن ج ۲۰ ص ۳۷۵،۳۷۶)

اور فرماتے ہیں:''خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بناوے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے ان کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی۔'' (کشتی نوح ص ۷، خزائن ج ۱۹ ص ۷)

اور فرماتے ہیں:''ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔''

(حقیقت الوحی ص ۹۹، خزائن ج ۲۲ ص ۱۰۲ حاشیہ در حاشیہ)

اور فرماتے ہیں:''مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر ان کو جنبش دینے کے لئے کچھ آسمانی کارروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ تب لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے جس کی نبیوں نے خبر دی ہے اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں سے وہ مسیح ہو کر آئے گا جو عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کہلائے گا۔ تب جس کے دل میں ذرہ بھی سعادت اور رشد کا مادہ ہے، خدا تعالیٰ کے غضبناک نشانوں کو دیکھ کر ڈرے گا اور طاقت بالا اس کو کھینچ کر حق کی طرف لے آئیں گی اور اس کے تمام تعصب اور کینے جل جائیں گے۔ جیسا کہ ایک خشک تنکا بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر بھسم ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہے۔ نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلے اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ میں نے ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنایا۔ ایسا ہی یہ عنقریب ہونے والا ہے اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لئے مجھے بھیجا ہے۔ لہٰذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۳، خزائن ج ۲۱ ص ۱۰۹)

اور نئے آسمان اور نئی زمین کا محاورہ حضرت اقدس ہی کے کشف میں موجود نہیں۔ بلکہ ایک عظیم الشان تغیر کے لئے پہلی کتابوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پطرس حواری کا قول ہے:''اس کے وعدے کے مطابق ہم ایک نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راست بازی لبی رہے گی۔ (پطرس ۳/۱۳) اور عہد نامہ قدیم میں یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے۔ دیکھو میں نئے آسمان اور نئی زمین کو پیدا کرتا ہوں اور جو آگے تھے، ان کا پھر ذکر نہ ہوگا اور وہ خاطر میں پھر نہ آویں گے۔ تم میری اس نئی خلقت سے ابدی خوشی اور شادمانی کرو۔'' (یسعیاہ ۶۵/ ۱۷،۱۸)

اور علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں ؎

اب چرخ کی ہیں نئی ادائیں　　چلنے لگیں اور ہی ہوائیں
چھیڑے جو گئے نئے افسانے　　نغمہ وہ رہا نہ وہ ترانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں　　اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے　　وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک و دیں نئی ہے　　افلاک نئے زمین نئی ہے

(مثنوی صبح امید ص۵)

ان تصریحات کی موجودگی میں ہر ایک عقل مند بخوبی جان سکتا ہے کہ شاہد نے جو نتیجہ اس رؤیا سے نکالا ہے وہ حضرت اقدس کی تحریروں کے بالکل برعکس ہے اور آپ کے منشاء کے صریح خلاف ہے۔ یہ اس نے صرف عدالت کو مغالطہ دینے کے لئے کیا ہے۔ ورنہ آئینہ کمالات اسلام میں اسی رؤیا کے آخر میں حضرت مسیح موعود کا یہ صریح ارشاد بھی موجود ہے: ’’**والقی فی قلبی ان هٰذا الخلق الذی رأیته اشارة الٰی تائیدات سماویة وارضیة وجعل الاسباب موافقة للمطلوب وخلق کل فطرة مناسبة مستعدة للحلوق بالصالحین الطیبین والقی فی بالی ان اللّٰه ینادی کل فطرة صالحة من السماء ویقول کونی علی عدة لنصرة عبدی واحلوا الیه مسارعین**‘‘　(آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۶، خزائن ج۵ ص۵۶۶)

اور میرے قلب میں یہ القاء کیا گیا کہ رؤیا میں نئے آسمان اور نئی زمین کے خلق کو جو میں نے مشاہدہ کیا ہے اور یہ سماوی اور ارضی تائیدات اور اسباب کو مطلوب کے موافق بنانے کی طرف اشارہ ہے اور ہر فطرت جو پاکباز صالحین کے ساتھ ملنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اس کو طیار کرتا ہے اور میرے دل میں یہ بھی ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نیک فطرت کو آسمان سے آواز دے گا اور کہے گا کہ تو میرے بندے کی نصرت کے لئے تیار ہو جا اور اس کی طرف تیزی سے جاؤ۔

’’پس شاہد مدعیہ کا اس تشریح کو عمداً نظرانداز کر کے عدالت کو مغالطہ دینا اسے ایک ثقہ شاہد کی حیثیت سے بالکل گرا دیتا ہے۔‘‘

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کی کتب اس اقرار سے بھری پڑی ہیں کہ زمین وآسمان ’’**وما فیها**‘‘ کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ آپ آئینہ کمالات اسلام ہی میں جس سے شاہد نے حوالہ دیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ: ’’**انی اعتقد من صمیم قلبی انّ للعالم صانعا قدیراً واحداً قادراً کریماً مقتدراً علٰی کل ماظهر و اختفٰی**‘‘　(آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۴، خزائن ج۵ ص۳۸۴)

میں صمیم قلب سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہاں کا ایک واحد صانع ہے جو ہر ایک ظاہری اور پوشیدہ چیز پر مقتدر اور قادر ہے۔

اور فرماتے ہیں: ’’جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست ونابود کر دیا ہو۔‘‘　(کشتی نوح ص۱۸، خزائن ج۱۹ ص۲۰)

اور فرماتے ہیں: ’’یعنی ہمارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا۔ یعنی اوّل اس نے اس دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھٹے دن میں سب کو بنایا (چھ دن سے مراد ایک بڑا زمانہ ہے) اور پھر عرش پر قرار پکڑا۔ یعنی تنزہ کے مقام کو اختیار کیا۔‘‘　(چشمہ معرفت ص۱۱۱، خزائن ج۲۳ ص۱۱۹)

اور فرماتے ہیں ؎

اے خالق ارض و سما برمن در رحمت کشا — دانی تو آں درد و مراکز اں پنہاں کنم

(درثمین فارسی ص۶۰، براہین احمدیہ ص۵۱۴، خزائن ج۱ص۶۱۳)

اور فرماتے ہیں ؎

اے قدیر و خالق ارض و سما — اے رحیم و مہربان و رہنما

(حقیقت المہدی ص۱، خزائن ج۱۴ص۴۳۴)

پس حضرت مسیح موعود نے نہ تو اپنے آپ کو اس رؤیا کی بناء پر موجودہ زمین وآسمان کا خالق کہا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ''خالق السماء والارض'' ہونے سے انکار کیا۔ پھر باوجود اس کے شاہد کا آپ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کرنا نرا افتراء اور بہتان ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی

گواہ مدعیہ نمبر۲ نے اپنے بیان میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ ''لیس کمثلہ شیٔ...... '' کے مطابق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''وہ وہی وحدہ لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں اور وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی اہتمام نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔''

(الوصیت ص۹، خزائن ج۲۰ص۳۱۰)

اور فرماتے ہیں: ''خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تشریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: ''لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر'' یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔'' (چشمہ معرفت ص۲۶۱، خزائن ج۲۳ص۲۷۳، مطبوعہ ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء)

اور فرماتے ہیں: ''پس سمجھانے کے لئے پہلی صفت کا نام غضب اور دوسری صفت کا نام محبت رکھا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت انسانی محبت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: ''لیس کمثلہ شیٔ'' یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔'' (چشمہ معرفت ص۳۸، خزائن ج۲۳ص۴۶،۴۷)

ان حوالہ جات سے جو ۱۹۰۱ء کے بعد کے ہیں ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جزاوسزا کی کیفیت سمجھانے کے لئے غضب اور محبت کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور فرمایا ہے: ''اذکروا اللہ کذکرکم اٰبآئکم'' جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو ویسے اللہ کو یاد کرو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں تصرف کی حقیقت سمجھانے کے لئے تخیل اور فرض کے طور پر ایک مثال دی ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: ''اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھانے کے لئے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ ''قیوم العالمین'' ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہاء عرض وطول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی

کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔''

(توضیح المرام ص ۷۵، خزائن ج ۳ ص ۹۰)

آگے فرماتے ہیں: ''پس یہی ایک عام فہم مثال اس روحانی امر کی ہے جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر ایک جزو خداتعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی ہے اور کمال درجہ کی اطاعت سے اس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔''

(توضیح المرام ص ۷۶، خزائن ج ۳ ص ۹۰)

اور حدیث میں آتا ہے: ''ان اللّٰہ یقبل الصدقۃ فیربیھا کما یربی احدکم فلوہ'' (متفق علیہ تفسیر مظہری ص ۳۱۳)

کہ خداتعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو ایسے بڑھاتا ہے۔ جیسا کہ تم سے کوئی بچہ شتر کی پرورش کر کے اسے بڑھاتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے یہاں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ ایک اونٹ کے بچے کے مربی سے دی ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ ...... الخ!'' کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور اس کے نور کی کیفیت سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ پھر شیشہ میں جو چمکیلے ستارے کی مانند ہے اور احادیث میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ: ''نور انی اراہ'' کہ وہ تو نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں اور حضرت مسیح موعود نے تو مثال بیان کرتے ہوئے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ یہ مثال تخیلی طور پر اور فرض کر کے بیان کی گئی ہے۔ پس اس مثال دینے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت اقدس خداتعالیٰ کے لئے مانند اور بے مثل ہونے کے منکر ہیں، ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنی سفاہت سے یہ کہہ دے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بچہ شتر کے مربی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کسی کا یہ کہنا لغو و باطل ہوگا، ویسا ہی گواہ مدعیہ کا اور مولانا محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں کہ: ''اولیاء خدا اور مقربان الٰہی کی محبت وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ایک ٹکڑا ہے۔ کوئی غیر شئے نہیں۔'' (ہدیۃ الشیعہ ص ۶۳) تو کیا مختار مدعیہ مولانا محمد قاسم پر بھی کفر کا فتویٰ دے گا کہ انہوں نے خدا کو بندے کی مانند قرار دیا اور اس کی محبت کو خدا کی محبت۔

اس سے زیادہ اور سنئے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ ''ویدہ التی یبطش بھا'' اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ''ورجلہ التی یمشی بھا'' اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

اور ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہے گا ''یابن آدم مرضت فلم تعدنی'' کہ اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی تو ابن آدم کہے گا۔ ''کیف اعودک وانت رب العالمین'' کہ میں تیری کیونکر عیادت کر سکتا ہوں۔ حالانکہ تو رب العالمین ہے تو خداتعالیٰ جواب دے گا کہ تجھے میرے فلاں بندے کی مرض کا علم ہوا تھا۔ مگر تم نے اس کی تیمارداری نہ کی۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا، مگر تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ ابن آدم کہے گا اے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے فلاں بندے نے کھانا طلب کیا اور تو نے اسے کھانا نہ دیا۔ اگر تو اسے کھانا دیتا تو آج وہ کھانا میرے پاس دیکھتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پینے کے لئے پانی مانگا مگر تو

نے نہ دیا تو وہ کہے گا۔اے رب میں تجھے کیسے پلاتا اور تو رب العالمین ہے۔فرمایا: تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تو نے اسے نہ پلایا اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس بھی پاتا۔ (مسلم)

اب دیکھو کہ اس حدیث میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اپنے بندے کے قائم مقام ٹھہرا کر اپنے حق میں بیمار، بھوکا اور پیاسا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔اب کیا شاہد مدعیہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بھی فتویٰ کی مشین گن کا رخ پھیر دے گا۔

(۴) ربّنا عاج

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۵۵، بقیہ حاشیہ نمبر۴، خزائن ج۱ص ۶۶۲)

مختار مدعیہ نے اس الہام کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شرک فی الصفات لازم آتا ہے اور اس امر کے اثبات کے لئے اس نے فارسی شعر پڑھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ عاج بتوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور یہ لفظ فارسی ہے۔حالانکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان سے کچھ بھی مس رکھتا ہو، جانتا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور حضرت مسیح موعود نے تو اس کے کوئی معنی نہیں کئے۔مختار مدعیہ نے خود یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت اقدس نے اس کے کوئی معنی نہیں کئے۔پس ایسی حالت میں مخالف کو کوئی حق نہیں کہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنی کر کے ملہم پر اعتراض کرے۔مختار مدعیہ کا یہ اعتراض بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ مخالفین اسلام مکر اور خدع اور استہزاء کے معنی اپنی طرف سے لے کر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) مکار اور دھوکا باز اور مسخرہ قرار دیتے ہیں۔لیکن عقل مند سمجھتا ہے کہ مخالفین قرآن الفاظ کے جو معنی کرتے ہیں صحیح نہیں۔بلکہ وہی معنی صحیح ہیں جو معتقدین حقیقت قرآن کریں۔اس طرح مذکورہ بالا الہام کے معنی وہی صحیح ہو سکتے ہیں جو ملہم یا ملہم کے پیرو کریں۔چنانچہ اس کے معنی عربی زبان کی رو سے یہ ہیں۔عاج کا مادہ عجوۃ ہے اور اس کے معنی منتہی الارب میں ''شیر یکہ طفل یتیم راخوراند'' اور یہی معنی منجد میں لکھے ہیں۔اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہماری یتیمی کی حالت میں ہم کو خاص دودھ پلانے والا ہے۔یعنی جب کہ ایمان ثریا پر چلا گیا اور زمینی کوئیں علماء اور صوفیہ کے خشک ہو چکے تھے۔ہمارے رب نے اس کسمپرسی کی حالت میں ہمارا ہاتھ پکڑا اور آسمانی دودھ سے سیراب فرمایا۔چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ؎

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے　　گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیرخوار

دوسرا مادہ عاج کا عج ہے جس کے متعلق صراح اور منتہی الارب میں لکھا ہے: ''عج عجاً وعجیجا برداشت آواز راو بانگ کردومنہ الحدیث افضل الحج العج والثج یعنی برداشتن آواز بتلبیہ وقربان کردن ہدیہ را۔'' یعنی ہمارا خدا آواز بلند کرنے والا ہے۔یعنی اس کے دین اور اس کے احکام کا ہی غلبہ ہوگا۔عاج کو فارسی لفظ قرار دے کر غلط معنی بیان کرنا دوسرا مغالطہ ہے جو عدالت کو دیا گیا۔

(۵) انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی

(اربعین نمبر۳ص ۲۵، خزائن ج۱۷ص ۴۱۳)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی توحید اور تفرید میں شریک ٹھہراتے ہیں۔حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط اور ملہم کی تشریحات کے خلاف ہے۔بمنزلہ توحید سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے تو میرے لئے بمنزلہ فرزند ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ درحقیقت اس کا فرزند ہے؟ ہرگز نہیں۔بلکہ اس کا مطلب صرف یہ سمجھا جائے گا کہ میں تجھ سے ایسی محبت رکھتا ہوں، جیسی کہ فرزند سے رکھی جاتی ہے۔چنانچہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو اس

وقت جب کہ آپ کے مخالف آپ کو مٹانے کے درپے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کا کسی جگہ خیر کے ساتھ ذکر نہ ہو اور آپ کی تباہی کے لئے ہر قسم کے منصوبے اور تدابیر سوچ رہے تھے۔ ان الفاظ میں بشارت دی کہ ''انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی'' کہ تو مجھے ایسا ہی پیارا ہے۔ جیسا کہ مجھے اپنی توحید پیاری ہے اور جب تو مجھے اس حد تک محبوب ہے تو پھر تجھے کون تباہ کر سکتا ہے۔ دشمنوں کی ساری کوششیں عبث اور حاسدوں کے تمام منصوبے لاحاصل ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود الہام مذکور کی تشریح میں خود بھی فرماتے ہیں: ''تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں۔ ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کر دوں گا اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائے گا تو تیرا نام بھی ساتھ ہوگا۔　(اربعین نمبر۳ ص۲۵ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۴۱۳)

اور ایسا ہی ہوا دنیا کے مخالفین باوجود اپنی انتہائی مخالفتوں کا خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کو روک نہ سکے۔ پس ملہم کی تشریح کے خلاف الہام کے معنی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ حضرت اقدس توحید کے قائل ہیں اور آپ نے اپنی جماعت کو توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندے کو جو یہی لکھنے والا ہے، بھیجا تا اس کے نبی کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دنیا میں پھیلا وے۔''　(نسیم دعوت ص۴، خزائن ج۱۹ ص۳۶۶،۳۶۷)

اور آپ جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔''
(کشتی نوح ص۱۱، خزائن ج۱۹ ص۱۱)

اور فرماتے ہیں: ''خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا کہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔''　(الوصیت ص۸، خزائن ج۲۰ ص۳۰۸)

اور توحید کو حقیقی مدار نجات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نجات دو امر پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ کامل یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے۔ دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہ کہ اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلاء اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحت جان ہو، جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اس کے محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پائمال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے۔''　(حقیقت الوحی ص۱۱۶، خزائن ج۲۲ ص۱۲۰)

(۶) انت اسمی الاعلٰی

(اربعین نمبر۳ ص۳۴، خزائن ج۱۷ ص۴۲۳)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم قرار دیا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم بتائے، وہ مشرک ہے اور مختار مدعیہ کی خیانت ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود کی اس الہام کی تشریح کو نظر انداز کر دیا ہے جو یہ ہے۔ ''تو میرے اسم اعظم کا مظہر ہے۔ یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ ہوگا۔''　(تریاق القلوب ص۸۱، خزائن ج۱۵ ص۳۱۵)

پس اسمی الاعلیٰ سے یہی مراد ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے اسم اعلیٰ کے مظہر ہوں گے۔ آپ کو دشمنوں پر ہر مقام میں غلبہ حاصل ہوگا۔

(۷) انت منی بمنزلة لایعلمها الخلق

(اربعین نمبر۳ ص۲۳، خزائن ج۱۷ ص۴۱۰)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کے مرتبہ کو کوئی نہیں جانتا۔

حالانکہ اس کا ترجمہ حضرت اقدس نے اربعین میں یہ کیا ہے۔ ’’اور مجھ سے تو وہ مقام اور مرتبہ رکھتا ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔‘‘ اس سے خدا کے ساتھ شرکت کا دعویٰ نکالنا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھا رستہ دکھائے اور حضرت مسیح موعود کے اس مقام اور مرتبہ کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس الہام میں خبر دی ہے کہ دنیا اس مقام اور مرتبہ تقرب کو جو تجھے مجھ سے حاصل ہے نہیں جانتی۔

(۸) انّما امرک اذا اردت شیًا ان تقول له کن فیکون

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۵، خزائن ج۲۱ ص۱۲۴، استفتاء ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۷۱۴)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ! حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ آپ کے الہامات اس بات کی بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آپ کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے۔ چنانچہ (استفتاء ص۸۶) میں یہ الہام درج ہے اور اس کے ماقبل کے الہامات کے ساتھ ملا کر اگر یہ الہام پڑھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود بخود باطل ہو جاتا ہے اور یہی بات استفتاء کے حوالہ کی بناء پر گواہ مدعا علیہ نمبرا نے جرح کے جواب میں کہی تھی۔ جسے مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کا مغالطہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ خود مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس وقت پہلے گواہ کے سامنے استفتاء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں گواہ نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کو ہے اور یہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ وہاں الہامات کی وہی ترتیب ہے جو (حقیقت الوحی ص۱۰۴، خزائن ج۲۲ ص۱۰۷) میں ہے اور وہ یہ ہے: ’’رب انی مغلوب فانتصر، فسحقهم تسحیقا‘‘ زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔ ’’انما امرک اذا اردت شیًا ان تقول له کن فیکون‘‘ جن کا تحت اللفظ ترجمہ (حقیقت الوحی ص۱۰۵، خزائن ج۲۲ ص۱۰۷) میں یوں درج ہے: ’’اے میرے خدا میں مغلوب ہوں۔ میرا انتقام دشمنوں سے لے۔ پس ان کو پیس ڈال کہ وہ زندگی کی وضع سے دور جا پڑے ہیں تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔‘‘ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں جو ضمائر خطاب ہیں، وہ جناب الٰہی کے متعلق ہیں۔ پھر انہی الفاظ میں آپ کو یہ بھی الہام ہوا۔ ’’انما امرنا اذا اردنا شیًا ان نقول له کن فیکون‘‘ یعنی ہمارے امور کے لئے ہمارا یہ قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ (تریاق القلوب ص۹۱، خزائن ج۱۵ ص۳۴۳، البشریٰ ج۲ ص۵۰)

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود کی تمام تحریریں یہی بتاتی ہیں کہ ’’کن فیکون‘‘ کے ایسے کامل اختیارات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے۔ صرف خدا تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’حکم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو، پس ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے۔‘‘ (جنگ مقدس ص۱۸، خزائن ج۶ ص۱۰۱) اور فرماتے ہیں: ’’نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ ’’له ملک السمٰوت والارض‘‘ یعنی زمین پر خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ ’’انما امره اذا اراد شیًا ان یقول له کن فیکون‘‘ یعنی تمام زمین وآسمان اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ جب ایک کام کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے۔ (کشتی نوح ص۳۵، خزائن ج۱۹ ص۳۸)

ہاں! آپ نے (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۵، خزائن ج۲۱ ص۲۴) میں یہ تحریر فرمایا ہے: ’’افسوس بعض نادانوں نے عبودیت کے اس تعلق کو جو ربوبیت کے ساتھ ہے جس سے ظلی طور پر صفات الٰہیہ بندے میں پیدا ہوتی ہے۔ نہ سمجھ کر میری اس وحی میں اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ ’’انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون ‘‘یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو ایک بات کو کہے کہ ہو جا تو وہ جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا۔ یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق اکابر صوفیاء اسلام کر چکے ہیں۔ جیسا کہ عبدالقادر جیلانی نے بھی فتوح الغیب میں لکھا ہے اور عجیب تر یہ کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ افسوس لوگوں نے صرف اسمی ایمان پر کفایت کر لی ہے اور پوری معرفت کی طلب ان کے نزدیک کفر ہے۔‘‘

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: ’’قال اللہ تعالٰی فی بعض کتابه یا ابن آدم انا اللہ لااله الاانا اقول للشئ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشئ کن فیکون وقدفعل ذالک بکثیر من انبیاۂ واولیاۂ وخواص عبادہ‘‘ (مقالہ نمبر۱۳ فتوح الغیب) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتب میں کہا ہے کہ اے ابن آدم میں خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ایک چیز کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو میری اطاعت کر میں تجھ سے ایسا کروں گا کہ تو ایک چیز کو کہے گا ہو تو وہ ہو جائے گی اور ایسا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے انبیاء اور اولیاء اور خواص بندوں سے کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں: ’’قال اللہ عزوجل واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ ثم یرد علیک التکوین...... متکون بالاذن الصریح الذی لاغبار علیه‘‘ (فتوح الغیب مقالہ نمبر۱۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ تم کو سکھائے گا پھر تجھے تکوین سپرد کی جائے گی۔ پس تو اذن صریح سے جس پر کوئی غبار نہ ہوگا، تکوین یعنی پیدا کرے گا۔

پس جو بات حضرت مسیح موعود نے بیان کی ہے، اس کے متعلق سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ ایسی تکوین تو بہت سے مقربین بارگاہ الٰہی کو حاصل ہوئی۔ پس کیا مختار مدعیہ عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے خدا کے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس لئے وہ ’’لاالٰه الا اللہ‘‘ سے منکر اور مرتد تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جو تکوین کشتگان محبت الٰہی سے صادر ہوتی ہے۔ اس میں اور خدا تعالیٰ کی تکوین میں فرق ہے۔ ایسے انسان کا کن کہنا ہمیشہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کا بلکہ ایسے لوگوں کا کن کہنا اس وقت منتج ہوتا ہے جب کہ وہ لقاء کی حالت میں ہوتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں، جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ان کی تموج کے وقت کی حرکات اپنی نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’لقاء کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آجاتا ہے تو اس مرتبہ کے تموج کے اوقات میں الٰہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے شخص کی گہری محبت میں جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ یہ اقتداری خوارق مشاہدہ کرے گا۔ کیونکہ اس تموج کی حالت میں کچھ الٰہی صفات کا رنگ ظلی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر دیکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلاتخلف پیدا کرتا ہے۔ ایسا ہی اس کا کن بھی اس تموج اور مد کی حالت میں خطا نہیں جاتا اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ شخص شدت اتصال کی وجہ سے خدائے عزوجل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہو جاتا ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۶۸،۶۹، خزائن ج۵ ص۶۸،۶۹) اور

اسی حالت کی مثالیں مختلف انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونٹا مارنے سے سمندر پیچھے ہٹ گیا اور آنحضرت ﷺ نے بدر میں ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی جو ایک آندھی کی شکل بن گئی اور آپ نے ایک برتن میں انگلیاں رکھیں اور اس سے پانی نکلنے لگا۔ تھوڑا سا پانی اتنا بڑھا کہ سینکڑوں آدمیوں نے پیا اور پھر بھی وہ باقی رہا۔ اسی طرح کھانا بڑھانے کے خوارق احادیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ پس یہ تکوین اس تموج اور مد کی حالت میں ہوتی ہے جس کی طرف مذکورہ بالا عبارت میں آپ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہ جائے اعتراض نہیں ہے۔ چنانچہ (حکمۃ الاشراق مطبوعہ ایران ص۷) میں لکھا ہے: ’’**الم تران الحدید الحامیة تتشبه بالنار لمجاورتها وتفعل فعلها فلا تتعجب من نفس استشرقت واستضائت بنور اللہ فاطاعها الاکوان طاعتها للقد سیین فتؤمی فیحصل الشیٔ بایماء بها وتصور میقع الشیٔ بحسب تصورها ومثل هٰذا فلیعمل العاملون**‘‘

یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ گرم لوہا آگ کی مجاورات میں آگ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور آگ کا کام کرتا ہے پس تو اسی طرح اس نفس سے تعجب نہ کر کہ جو خداتعالیٰ کے نور سے روشن ہو کر چمک اٹھا ہے اور مخلوقات اس کی ویسی اطاعت کریں، جیسی کہ عالم قدسی میں رہنے والوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے نور سے منور نفس اشارہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے اشارہ سے موجود ہو جاتی ہے اور تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کے مطابق وہ چیز واقع ہو جاتی ہے اور عمل کرنے والے کو ایسا ہی عمل کرنا چاہئے۔ پھر یہ حالت صرف اسی صفت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری صفات علم وغیرہ کا بھی ایسے کامل نفس سے ظہور ہو جاتا ہے۔

اور اذا اردت سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہر وقت مقربان بارگاہ الٰہی کو یہ مقام دیا جاتا ہے اور یہ قضیہ شرطیہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ مہملہ ہے جو قوت قضیہ جزئیہ کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ (صحیح مسلم شرح اکمال ج۷ ص۱۷) میں بذیل حدیث: ’’**اذا احب اللہ عبداً وضع له القبول فی الارض**‘‘ لکھا ہے: ’’**انما هی المهملة فی قوة الجزئية فالمعنی قد يكون اذا احب اللہ عبداً وضع له القول فی الارض وانما كانت مهملة لان اذا وان اهمال فی الشرطية علٰی ماتقرر فی المنطق**‘‘ یعنی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی قبولیت زمین میں کر دیتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ یہ قضیہ مہملہ قوت جزئیہ میں ہے۔ پس اسی طرح کامل انسان کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ پیدا نہیں کرتا بلکہ تموج اور مد کی حالت میں جو انسان کی لقاء کے مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے، جس کی طرف آیت: ’’**ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی**‘‘ میں یہی اشارہ پایا جاتا ہے اور اس وقت بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا بلکہ الٰہی طاقت اس کے اندر کام کر رہی ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ روحانیت کے مراتب عالیہ سے محروم اور معرفت الٰہی سے نابینا لوگ ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ افسوس کہ جو امور انسانی کمال کا ثبوت سمجھے جاتے تھے اور کتب بزرگان جس کے تذکرہ سے معمور ہیں۔ آج ناواقفی اور بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بڑے بڑے مدعیان علم انہی پر معترض ہیں۔ اگر مختار مدعیہ کا قول صحیح سمجھا جائے تو مذکورہ بالا تمام بزرگ مشرک قرار پاتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من ذالک!**

(۹) میکائیکل جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کی مانند ہیں

(اربعین نمبر۳ ص۲۵ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۴۱۳)

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی اس عبارت پر کہ: ’’دانیال نبی نے میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند‘‘ یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا اپنے متعلق ایسا یقین کرنا ’’**لیس کمثله شیٔ**‘‘ کے خلاف ہے اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک

مغالطہ ہے۔ کیونکہ جس جگہ سے اعتراض کیا گیا ہے اسی جگہ اس کی تشریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ آپ اس پیش گوئی کا ذکر کرتے ہیں یہ نہیں فرماتے ہیں کہ میں خدا کی مثل ہوں۔ بلکہ آپ نے اس کی توضیح یہ بیان فرمائی ہے: ’’دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اورعبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے، جو براہین احمدیہ میں درج ہے: ’’انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی وحان ان تعان وتعرف بین الناس ‘‘یعنی تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں، جیسا کہ اپنی توحیدی اور تفرید کو سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں۔ ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کروں گا اور ہر ایک جگہ جو میرا نام جائے گا تیرا نام بھی ساتھ ہوگا۔‘‘ (اربعین نمبر۳ ص۲۵، خزائن ج۱۷ ص۴۱۳)

پھر آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آپ کو آدم کا مثیل اور آدم کے رنگ میں ظاہر ہونے والا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’خدا نے آدم کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا۔‘‘ جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے: ’’اردت ان استخلف فخلقت آدم‘‘ اور نیز یہ الہام: ’’خلق آدم فاکرمه‘‘ اور آدم کی نسبت توریت کے پہلے باب میں یہ آیت ہے۔ تب خدا نے کہا کہ ہم نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں۔ دیکھو (تورات ب:۱ آیت:۶) اور پھر کتاب (دانیال ب:۱۲) میں لکھا ہے اور اس وقت میکائیل (جس کا ترجمہ ہے خدا کی مانند) وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے۔ اٹھے گا (یعنی مسیح موعود آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا) پس میکائیل یعنی خدا کی مانند درحقیقت تورات میں آدم کا نام ہے اور حدیث نبوی میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ہوگا۔‘‘ (تحفہ گولڑویہ ص۱۰۶، خزائن ج۱۷ ص۲۷۵،۲۷۴ حاشیہ) اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے میکائیل نام سے صرف یہ مراد لی ہے کہ مسیح موعود آدم کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔

اور حدیث میں بھی آیا ہے: ’’خلق اللہ آدم علی صورته‘‘ (مسلم ابواب البرج۲ ص۳۹۷) کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید بھی فرماتے ہیں: ’’اگر نفس کاملہ اس اشرف موجودات کا نمونہ ذات الٰہی کا ہے۔ کلمہ ’’انا الحق‘‘ کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔‘‘ (سوانح احمدی ص۷۹) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مخلوقات میں سے صرف آدم علیہ السلام ہی ایسی مخلوق تھی جو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن سکتی تھی۔ دوسری مخلوقات تمام صفات الٰہیہ کا مظہر نہیں بن سکتی تھی۔

اس لئے آدم علیہ السلام ہی کو ’’خلیفة اللہ فی الارض‘‘ کا خطاب ملا اور اگر ایسے نام کا اپنے آپ کو مصداق قرار دینے سے شرک لازم آتا ہے یا یہ ’’لیس کمثله شیٔ‘‘ کے خلاف ہے تو جمیع مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ میکائیل فرشتہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت: ’’من کان عدواً للہ ملئکته ورسله وجبرئیل ومیکال‘‘ پارہ نمبر سورہ بقرہ میں ہے اور میکائیل کے معنی عربی ڈکشنری میں خدا کی مانند لکھے ہیں۔ جیسا کہ (اقرب الموارد ج۲) میں لکھا ہے۔ ’’میکائیل اسم ملک عبرانیه مرکب معناها من مثل اللہ‘‘ میکائیل ایک فرشتے کا نام ہے اور یہ نام عبرانی زبان کا لکھا ہے اور یہ مرکب ہے جس کے معنی ہیں خدا کی مانند۔ لہٰذا فرشتے کا نام میکائیل (خدا کی مانند ماننا) آیت: ’’لیس کمثله شیٔ‘‘ کے خلاف نہیں ہیں تو حضرت مسیح موعود کا نام کسی نبی کی کتاب میں میکائیل آجانا ’’لیس کمثله شیٔ‘‘ کے خلاف کیونکر ہونے لگا؟ اور اگر ’’لیس کمثله شیٔ‘‘ کے خلاف ہے تو پھر تمام مسلمان جو قرآن شریف کی رو سے میکائیل فرشتے پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ مشرک قرار پائیں گے اور اس کی نوبت جہاں تک پہنچتی ہے قابل غور ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح رہے کہ پیش گوئیوں میں آنحضرت ﷺ کا آنا خدا کا آنا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ (استثناء ب:۳۳) کی پیش گوئی کہ خدا فاران پر

سے ظاہر ہو آنحضرت ﷺ پر لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے مقبول و مسلم مسلمان اور سر سید احمد خان نے خطبات احمدیہ اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں اور دیگر اکثر علماء نے اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ تو حضرت اقدس نے اپنے آپ کو خدا کی مانند قرار دیا نہ کسی جگہ اس کے ''لیس کمثلہ شیٔ'' کے برخلاف کچھ لکھا ہے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بلکہ علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے:''لیس کمثلہٖ شیٔ وھو السمیع البصیر'' یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔'' (چشمہ معرفت ص ۲۶۱، خزائن ج ۲۳ ص ۲۷۳)

(۱۰) کأنّ اللّٰہ نزل من السمآء

(استفتاء ص ۸۵، خزائن ج ۲۲ ص ۷۱۲)

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے الہام ''مظھر الحق و العلا کأنّ اللّٰہ نزل من السماء'' غلط مفہوم لے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے لڑکے کو جس کے متعلق یہ الہام ہے، خدا ماننا پڑتا ہے اور یہ بھی مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس الہام سے قطعاً یہ مراد نہیں جو مختار مدعیہ نے لی ہے اور حضرت مسیح موعود اپنی متعدد کتب میں خود اس کی تفسیر فرما چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے جلال کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: (۱)''مظھر الحق و العلا کان اللّٰہ نزل من السماء'' جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور، خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد از جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔''

(اشتہار فروری ۱۸۸۶ء، تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۶۰، مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

(۲)''مظھر الحق و العلا کان اللّٰہ نزل من السماء یظھر بظھورہ جلال رب العالمین یاتیک نور ممسوح بعطر الرحمان'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸، خزائن ج ۵ ص ۵۷۸) یعنی ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا۔ گویا آسمان سے خدا اترے گا اور خدا کے آسمان سے اترنے کو رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایام اللہ سے خدا کے غضب کے دن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت:''وذکرھم بایام اللّٰہ (ابراھیم)'' میں مراد ہے اور حدیث میں آتا ہے:''ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل (الٰی آخر الحدیث، بخاری ومسلم مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۱۰۹)''

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے تیسرے پہر سمائے دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات اجسام سے منزہ اور نزول اور ہبوط اور صعود وغیرہ سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ...... نزول صعود اجسام کا خاصہ ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اسی وجہ سے شارحین نے لکھا ہے:''المراد نزول الرحمۃ وقربہ تعالٰی بانزال الرحمۃ وافاضۃ الانوار واجابۃ الدعوات واعطاء المسائل ومغفرۃ الذنوب'' (حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی دہلی ص ۱۰۹) خدا تعالیٰ کے اترنے سے رحمت کا نزول ہے اور خدا تعالیٰ کے رحمت اتارنے اور انوار کے عطاء کرنے اور دعاؤں کے قبول کرنے اور مانگی ہوئی چیزوں کو دینے اور گناہوں کو بخشنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ پس حضرت مسیح موعود کے اس الہام میں:''گویا کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اترا۔'' یہی مراد ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا اور اس کا جلال چمکے گا اور حق ظاہر ہوگا۔''

(۱۱) کشف

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے اس کشف پر جس میں خدا کو دیکھنے اور خدا کے کاغذ پر دستخط کرنے کا ذکر ہے۔ یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کو جسمانی ماننا پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہے اور اس کی تشبیہ کسی سے نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ایسے کشف کو صحیح ماننے والا کیونکر ''لاالہ الا اللہ'' کا معتقد ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود نے صاف طور پر لکھا ہے کہ میں نے تمثیلی طور پر خدا تعالیٰ نے دیکھا اور بطور تمثل خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا، ہرگز قابل اعتراض نہیں اور اس سے کسی طرح خدا تعالیٰ کا تشبہ بالجسمانیات ثابت نہیں ہوتا اور تمثل کے طور پر خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا، اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: ''رأیت رب العزة فی المنام علیٰ صورة امی'' کہ میں نے اپنے رب کو اپنی ماں کی صورت پر دیکھا۔ مختار مدعیہ کے قول کی رو سے حضرت سید عبدالقادر جیلانی ''نعوذ باللہ من ذالک'' مشرک، کافر، مرتد ٹھہراتے ہیں۔ (بحرالمعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیر الدین جعفری المکی الحسینی ص۶۴) مختار مدعا علیہ نے زبانی بحث کی بعد یہ تحریر پیش کی کہ اسے شامل مسل کیا جاوے۔ فریق ثانی کو اس پر اعتراض ہے۔ اس کے متعلق کل فریقین کی بحث سن کر اسے طے کیا جائے مسل کے ساتھ ہے۔

۱۷/دسمبر ۱۹۳۳ء، محمد اکبر

مجھے علماء دیوبند کے متعلق اس اعتراض جو حنفی سنی علماء نے ان پر کیا تھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ بزرگوں کی وقعت وعظمت نہیں کرتے۔ لیکن مختار مدعیہ کے ان اعتراضات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اعتراض بے حقیقت نہیں ہے۔ اندھیر کی بات ہے کہ اکابر علماء امت جن امور کو لکھتے اور انسانی کمالیت میں شمار کر لیتے ہیں۔ انہی کو دیوبندی علماء نے شرک وکفر اور ارتداد قرار دیا ہے۔ میں اس موقعہ پر بیسیوں بزرگوں کا خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا پیش کرسکتا ہوں۔ لیکن بخیال اختصار ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں جس کی بزرگی سے مختار مدعیہ اور اس کے کسی ہم خیال کو انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی اور وہ مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند ہیں۔ جن کے غلام غلامان ہونے پر مختار مدعیہ نمبر۲ نے عدالت کے روبرو فخر ومباہات کا اظہار کیا ہے۔ سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب مؤلفہ مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے (ص۳۰) میں لکھا ہے کہ: ''جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھتا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا جی نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطاء فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہوگے اور نہایت شہرت حاصل ہوگی۔'' مختار مدعیہ کے مسلک کی رو سے یہ خواب ان کے آقا مولانا محمد قاسم صاحب کو مشرک کافر ومرتد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے بقول مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ شانہ کی گود کے الفاظ اس کا جسمانیات سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خود مانتے ہیں کہ ہر شب کے آخری حصہ میں خدا تعالیٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ (بخاری مسلم مشکوٰۃ ص۱۰۹ وترمذی ج۱ ص۵۹) پھر ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی ممکن ہے۔ (مسلم ج۱ ص۹۲ باب اثبات الشفاعۃ، ابن ماجہ ج۱ ص۳۹) اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ننگی کرے گا۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اور خدا تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے۔ لیکن اگر محال اور خدا کی شان کے منافی ہے تو اسے حضرت مسیح موعود کا تمثلی طور پر کشف میں دیکھنا! معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ نے غالباً اس فتویٰ کی رو سے جو فقہ کی مشہور ومعروف کتاب (البحرالرائق ج۵) میں لکھا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں رب العزت کو خواب میں دیکھا وہ کافر ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود کو کافر قرار دینے کے شوق میں یہ اعتراض کیا تھا اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ خیر سے مولوی محمد قاسم بھی خواب دیکھ چکے

ہیں۔ افسوس پھر علماء اور اولیاء ہی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا جس کے بال کانوں کی لو تک تھے اور پاؤں میں سونے کا جوتا تھا اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔　(الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۶۳)

اور بحرالمعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن نصیرالدین کے (ص۷۵) میں یہ روایت لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’رأیت ربی لیلۃ المعراج علی صورۃ شاب امرد ‘‘ کہ معراج کی رات میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوانوں کی شکل پر دیکھا۔ معلوم نہیں مختار مدعیہ اپنے اس مسلک کے لحاظ سے کہ خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے والا مشرک کافر مرتد ہے اور اگر وہ کروڑ مرتبہ بھی کلمہ پڑھے تو قابل قبول نہیں۔ اس حدیث کو دیکھنے کے بعد کیا فتویٰ دے گا۔

(۱۲) انت منی بمنزلۃ ولدی

مختار مدعیہ نے اس الہام سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس الہام کو درج کر کے حضرت مسیح موعود نے اس کی تشریح بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ (دافع البلاء ص۷ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷) میں یہی الہام: ’’انت منی بمنزلہ ولدی ‘‘ درج فرما کر حاشیہ میں فرماتے ہیں: ’’یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا: ’’یداللہ فوق ایدیھم ‘‘ ایسا ہی بجائے ’’قل یا عباد اللہ ‘‘ کے ’’قل یعبادی ‘‘ کہا اور یہ بھی فرمایا کہ: ’’فاذکروا اللہ کذکرکم اٰبائکم ‘‘ پس خدا کی اس کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین کرو کہ خدا ’’اتخاذ ولد ‘‘ سے پاک ہے، تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے: ’’قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد والخیر کلہ فی القرآن‘‘　(دافع البلاء حاشیہ ص۶،۷، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷)

کیا اس تشریح کو دیکھنے کے بعد کوئی امانت و دیانت سے حصہ رکھنے والا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت اقدس نے اس الہام کی رو سے فرزند خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حضرت اقدس تو اس تشریح میں فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کفر ہے اور مختار مدعیہ اس سے عدالت کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر حضرت اقدس (حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۸۹) میں یہی الہام مذکورہ درج کر کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ: ’’خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سے پاک ٹھہرا رکھا ہے۔ اس لئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے نسبت استعمال کرے۔ تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس امت میں بھی ایک ہے۔ جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔‘‘ اور (حقیقت الوحی ص۶۳، خزائن ج۲۲ ص۶۵ تا ۶۶) میں فرماتے ہیں: پہلی کتابوں میں جو کابل راستبازوں کو خدا کے بیٹے کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے یہ بھی معنی نہیں ہیں کہ وہ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کفر ہے اور خدا بیٹے اور بیٹیوں سے پاک ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان کامل راستبازوں کے آئینہ صافی ہیں۔ عکسی طور پر خدا نازل ہوا تھا اور ایک شخص کا عکس جو

آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ استعارہ کے رنگ میں گویا وہ خدا کا بیٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی عکس اپنے اصل سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایسے دل میں جو نہایت صافی ہے اور کوئی کدورت اس میں باقی نہیں رہی۔ تجلیات الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے تو وہ عکسی تصویر استعارہ کے رنگ میں اصل کے لئے بطور بیٹے کے ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر توریت میں کہا گیا ہے کہ یعقوب میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا بیٹا ہے۔ اگر عیسائی لوگ اسی حد تک کھڑے رہتے ہیں کہ جیسے ابراہیم اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور یوسف اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام وغیرہ خدا کی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ ایسا ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ استعارہ کے رنگ میں ان نبیوں کو پہلے نبیوں کی کتابوں میں بیٹا کر کے پکارا گیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کو بعض پیش گوئیوں میں خدا کر کے پکارا گیا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ نہ تو وہ تمام نبی خداتعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ خدا ہیں۔ بلکہ یہ تمام استعارات ہیں۔ محبت کے پیرایہ میں ایسے الفاظ خداتعالیٰ کی کلام میں بہت ہیں۔'' اور آپ (تتمہ حقیقت الوحی ص۱۴۴، خزائن ج۲۲ ص۵۸۲) اس بناء پر خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کلمہ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے۔ بلکہ اس لئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچے کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف قرآن میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے: ''فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰبائکم او اشد ذکرا'' یعنی خدا کو ایسے محبت اور دلی جوش سے یاد کرو، جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں باپ یا بیٹا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے۔ سو اولیاء اللہ کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں، یہ صرف استعارہ ہے۔ ورنہ خدا اطفال سے پاک اور ''لم یلد ولم یولد'' ہے۔

(۱۳) ایک ضمنی اعتراض کا جواب

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو مجازی طور پر اطفال اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ولد کا لفظ مجازی طور پر بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ خداتعالیٰ کو آیت قرآنی: ''فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰبائکم'' میں مجازی طور پر اب یعنی باپ کے قائم مقام رکھ کر اسے باپوں کی طرح یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے تو یاد کرنے والوں کو استعارہ کے رنگ میں ولد اور ابن کے قائم مقام نہ ہونے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ علاوہ اس کے حضرت اقدس نے اپنے الہام میں ولد کے معنی طفل ہی کے کئے ہیں۔ چنانچہ اطفال حق کے الفاظ حق کے الفاظ جو اولیاء کے حق میں استعمال کئے گئے ہیں ان کو استعارہ کے طور پر قرار دے کر آپ نے فرمایا ہے کہ خداتعالیٰ اطفال سے پاک ہے اور ''لم یلد ولم یولد'' ہے۔ مختار مدعیہ کو جاننا چاہئے کہ ابن اور ولد کا لفظ ہم معنی ہیں۔ قرآن مجید میں جیسے حقیقی معنوں میں مسیح کو ابن اللہ کہنے کی مذمت کی گئی ہے ویسے ہی ولد اللہ کہنے کی اور جیسے ابن کا لفظ مجازی طور پر پیارے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ویسے ولد کا لفظ بھی۔ چنانچہ (الیواقیت ج۲ ص۱۳۹) میں لکھا ہے: ''کمایقول الشخص لاجنبی انت اخی او ولدی علی طریق التقریب والاکرام ثم لایرثہ اذ مات ولایحرم علی بناتہ واخواتہ'' یعنی جیسے کوئی شخص ایک اجنبی کو اپنا بھائی یا اپنا بچہ تقریب اور اکرام کی خاطر کہہ دے تو پھر وہ شخص نہ تو اس کے مرنے پر اس کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس پر اس کی بیٹیاں اور بہنیں حرام ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے معلوم ہوگیا کہ ولد استعمال مجازی طور پر ہو سکتا ہے۔ اب اگر ابن اللہ کے الفاظ کا مجازی طور پر استعمال کسی نبی کے لئے دکھا دیا جائے تو مختار مدعیہ کے لئے گنجائش چون وچرا نہیں رہ سکتی۔ پس ہم تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء پیشوا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۸) سے پیش کرتے ہیں: ''وازاں جملہ آنیست کہ خداتعالیٰ در ہر ملت انبیاء وتابعان

ایشاں را بہ لقب مقرب ومحبوب تشریف دادہ است ومنکر آں ملت را بصفت مغوضیت نکر ہیدہ است ودرین باب بہ لفظے شائع در ہر قوم تکلم واقع شداگر لفظ ابناء بجائے محبوباں ذکر شد چہ عجب۔'' اگرچہ شاہ صاحب کا حوالہ ہی کافی ہے۔لیکن میں ایک حوالہ دیوبند کے شیخ الہند مولانا رحمت اللہ مہاجر بیت اللہ کا بھی پیش کرتا ہوں۔آپ اپنی کتاب (ازالۃ الاوہام ص۵۲۰) میں فرماتے ہیں:''فرزند عبارت از عیسیٰ علیہ السلام ہست کہ نصاریٰ آنجناب راحقیقۃ ابن اللہ میدانند واہل اسلام آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز وبرگزیدۂ خدا میشمارند۔'' اگرچہ اس حوالہ نے بات انتہاء تک پہنچادی۔لیکن مختار مدعیہ کو اچھی طرح اس کو گھر دکھانے کے لئے میں ایک حوالہ مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی پیش کئے دیتا ہوں، جن کے غلامان غلام ہونے کا مختاران مدعیہ کو فخر حاصل ہے فرماتے ہیں:''خدا تعالیٰ کا تعدد محال ہے۔اس لئے خدا کے لئے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بے شک منجملہ محالات ہوگا۔البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہیں اور بادشاہ اور حاکم ان کو فرزندی کا خطاب دے دیا کرتے ہیں۔ایسے ہی اگر گہ وبیگاہ کسی بزرگ ولی نے خدا تعالیٰ کو باپ کہہ دیا ہو یا خداوند تعالیٰ نے کسی اچھے بندے کو جیسے انبیاء یا اولیاء فرزند کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے۔حقیقی ابوت یا بنوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی باپ اور ان کو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بے جا ہوگا۔''

(حجۃ الاسلام مطبوعہ مجتبائی ص۱۱)

میں نہیں سمجھتا کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کو بیٹے کے لفظ سے مخاطب کرنا ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں کی تحریروں سے اس شدومد کے ساتھ جائز ثابت ہوتا ہے تو پھر مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا الہام پر اعتراض کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴) اسمع ولدی

(البشریٰ ج۱ص۴۹)

مختار مدعیہ نے اس کو الہام قرار دے کر حضرت مسیح موعود کی طرف ولد اللہ ہونے کا دعویٰ منسوب کیا ہے اور مختار مدعیہ کا ایک نہایت ہی رکیک مغالطہ ہے۔کیونکہ جرح کے جواب سے گواہ نمبرا نے اصل حقیقت ظاہر کردی تھی۔باوجود اس کے مختار مدعیہ نے پھر اسے پیش کیا ہے جس سے اس کی نیت نہایت صفائی سے ظاہر ہورہی ہے۔درحقیقت یہ حضرت مسیح موعود کا کوئی الہام نہیں ہے۔اصل الہام ''اسمع واری '' ہے۔اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ منقول عنہ کتاب میں''اسمع ولدی ''نہیں بلکہ''اسمع واری '' ہے اور ظاہر ہے کہ جب اصل کتاب میں وہ الفاظ نہیں جو نقل میں ہیں تو نقل صحیح نہیں سمجھی جاسکتی۔چنانچہ اگر کوئی مسلم شخص قرآن مجید کی آیت نقل کرنے میں غلطی کر جائے تو کسی مخالف کا اس غلط نقل کو قرآن مجید کی آیت قرار دینا کسی عقل مند انسان کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔اصل صحیح اور نقل غلط قرار دی جائے گی۔یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔چنانچہ''البشریٰ'' میں''اسمع ولدی '' کا حوالہ یہ دیا گیا ہے۔منقول از (مکتوبات احمدیہ ج اوّل ص۲۳) اب مکتوبات احمدیہ جس سے یہ حوالہ دیا گیا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے:''آج قبل تحریر اس خط کے یہ الہام ہوا:''کذب علیکم الخبیث کذب علیکم الخنزیر، عنایت اللہ حافظک انی معک اسمع واری الیس اللہ بکاف عبدہ فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عنداللہ وجیھا ''ان الہامات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی ناپاک طبع آدمی اس عاجز پر کوئی جھوٹ بولے گا یا بولا ہے۔مگر عنایت اللہ حافظ ہے۔''اب صاف ظاہر ہے کہ (البشریٰ ج اوّل ص۴۹) میں کاتب کی غلطی سے''اسمع واری '' کی جگہ

’’اسمع ولدی‘‘ لکھا گیا ہے اور چونکہ اصل میں اس کا ترجمہ یہ نہ تھا۔ غلطی سے مؤلف نے ترجمہ بھی ظاہری کتاب کے مطابق کر دیا اور اس کے مؤلف بابو منظور الٰہی ملازم محکمہ تار ریلوے نے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی عربی دان نہیں ہیں۔ انہوں نے جمع الہامات کا کام محض اپنے شوق اور ثواب کی نیت سے کیا تھا اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات میں کثرت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ’’اتخاذ ولد‘‘ سے پاک ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱...... ’’خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبے پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی اور رسول ہے۔ بے شک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہیں، نہایت درجہ کے عزت دار ہیں۔ اسی میں کھوئے گئے اور اسی کا روپ بن گئے اور خدا تعالیٰ کا جلال ان سے ظاہر ہوا۔ خدا ان میں اور وہ خدا میں، مگر تاہم ان میں سے ہم حقیقتاً نہ کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا۔‘‘

(اشتہار ملحقہ کتاب شہادۃ القرآن ص ب، خزائن ج۶ ص ۳۷۹)

۲...... اور فرماتے ہیں: ’’وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر معتبر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔‘‘ (کشتی نوح ص۱۰، خزائن ج۱۹ ص ۱۰، ۱۱)

۳...... اور فرماتے ہیں: ’’یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔‘‘ (دافع البلاء ص ۷ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص ۲۲۷)

(۱۵) اخطی و اصیب

(حقیقت الوحی ص ۱۰۳، خزائن ج۲۲ ص ۱۰۶)

مختار مدعیہ کے پیش کردہ الہامات کے علاوہ دو الہام گواہ نمبر ا الف نے اپنے بیان میں پیش کئے ہیں اور ان کے پیش کرنے میں گواہ نے وہی مغالطہ کا طریق اختیار کیا ہے جو مختار مدعیہ نے کیا۔ چنانچہ اس نے سے الہام: ’’اخطی و اصیب‘‘ ذکر کر کے یہ نتیجہ لکھوایا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کی رو سے خدا تعالیٰ کو غلطی کرنے دینے والا قرار دیا ہے اور نتیجہ نکالنے میں اس نے دیدہ دانستہ عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور اس کی ایسی تشریح کی ہے جو ملہم کے منشاء کے بالکل برخلاف ہے اور یہ نتیجہ نکالنے کے شوق میں اس نے اس الہام کا وہ ترجمہ اور تشریح جو حضرت مسیح موعود نے خود فرمائی ہے بالکل نظر انداز کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اور وہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا، جو گواہ مدعیہ نے نکالا ہے اور ترجمہ اور تشریح حقیقت الوحی کے اسی صفحہ پر جہاں سے گواہ نے یہ الہام نقل کیا ہے مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اس الہام کا ترجمہ یہ نہیں کیا کہ: ’’میں غلطی کرتا ہوں۔‘‘ بلکہ آپ نے ترجمہ یوں کیا ہے: ’’اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا اور کبھی ارادہ پورا کروں گا۔‘‘ اب دیکھنا چاہئے کہ اس الہام کو ان معنوں میں لے کر کون سا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔

اور حضرت اقدس اس الہام کی تشریح میں اسی صفحہ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں: اس وحی الٰہی کے ظاہر الفاظ یہ معنی رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔ یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔ میرا ارادہ پورا ہوگا اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کے کلام میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مؤمن کی قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک

ہے۔اسی طرح یہ وحی الٰہی کہ کبھی میرا ارادہ خطاء جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے۔اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۰۳ حاشیہ،خزائن ج۲۲ص۱۰۶)

اور حضرت اقدس نے عبارت بالا میں جس حدیث کا ذکر فرمایا،اس کے الفاظ یہ ہیں:''عن ابی هريرة قال رسول اللہ ﷺ ان الله تعالىٰ قال من عاد لی وليا فقد آذنته بالحرب الى قوله تعالىٰ وما ترددت شئ انا فاعلهٔ ترددی عن نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره مسائته'' (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو کسی کام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں (پس وپیش) نہیں ہوتا۔ جتنا اپنے مسلمان بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔وہ تو موت کو (بوجہ تکلیف جسمانی کے) برا سمجھتا ہے اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

اور یہ حدیث قدسی ہے۔یعنی آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔اب اگر اس حدیث کو بھی گواہ مدعیہ کے طرز پر لیا جائے تو خدا تعالیٰ کا متردد ہونا لازم آئے گا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ تردد سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعود کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ کبھی غلطی نہیں کرتا۔چنانچہ آپ کا الہام ہے:

۱...... ''ان ربى لايضل ولاينسى'' کہ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (اربعین نمبر۲ص۳۶،خزائن ج۱۷ص۳۸۴)

۲...... ''لايخفى على الله خافية'' کہ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ (البشریٰ ج۱ص۳۳)

۳...... ''وانه يعلم السر واخفى لااله الا هو يعلم كل شئ ويرى'' اور اللہ جانتا ہے سر کو اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو۔ کوئی معبود نہیں بجز اس کے اور وہ ہر شئے کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے۔ (البشریٰ ج۲ص۵۸)

پس''اخطى واصيب'' کے ایسے معنی لینا جو ملہم کے ترجمہ اور تشریح اور دیگر الہامات کے خلاف ہوں،ایک ایسی جسارت ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے۔

(۱۶) الارض والسماء معک کماھو معی[1]

(سراج منیر ص۷۴،خزائن ج۱۲ص۸۳)

گواہ مدعیہ نمبر۱ نے اس الہام سے حضرت مسیح موعود پر یہ بہتان باندھا ہے کہ گویا مرزاصاحب نے اس الہام سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر جانا ہے۔حالانکہ نہ تو حضرت مسیح موعود کا عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر ہیں اور نہ آپ کی جماعت آپ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتی ہے اور نہ آپ نے اس الہام سے کبھی یہ مطلب کیا ہے اور آپ نے خود جو مطلب اس الہام کا بیان فرمایا ہے وہ آپ کی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں درج ہے،جو یہ ہے۔فرماتے ہیں:یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہوگی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی فرشتے ساتھ ہوں گے۔جیسا کہ کل ظہور میں آیا۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۱،خزائن ج۲۱ص۷۸)

---

[1] ھو تاویل سے واحد ہے کہ اس کا مرجع مخلوق ہے۔ (سراج منیر حاشیہ ص۷۴،خزائن ج۱۲ص۸۳)

[2] ھو کا ضمیر واحد بتاویل مافی السموٰت والارض ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۸۷،خزائن ج۱ص۵۸۰ حاشیہ در حاشیہ)

اور بطور قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں: جو شخص بڑا صدق لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ اس کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمین وآسمان کو اس کے لئے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے۔''اس کے منشاء کے مطابق دنیا میں تصرف کرتا ہے۔''　(ضمیمہ چشمہ معرفت ص۵۱، خزائن ج۲۳ ص۴۲۰)

اور جاننا چاہئے کہ زمین وآسمان کی معیت سے یہ مراد ہے کہ زمین وآسمان سے آپ کی تائید کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں اور وہ آپ کی صداقت اور سچائی کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ؎

آسمان بارد نشان میگوند زمین　　این دوشاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۵۸، خزائن ج۵ ص۳۵۸)

اور فرماتے ہیں ؎

آسمان میرے لئے تو نے بنایا اک گواہ　　چاند اور سورج ہوئے میرے لئے تاریک وتار

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کے لئے　　تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

آسمان پر دعوت حق کے لئے اک جوش ہے　　ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح　　نیز بشنو از زمین آمد امام کامگار

(درثمین اردو ص۱۲۵،۱۳۰، براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷،۱۰۲، خزائن ج۲۱ ص۱۲۷،۱۳۲)

اور اس قسم کی معیت سے شرک مراد لینا حد درجہ کی نادانی ہے۔ کیونکہ اگر زمین وآسمان کی معیت سے جو خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے شرک لازم آتا ہے تو جو خدا تعالیٰ کی معیت کا مدعی ہو وہ زیادہ مشرک ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس معیت سے نہ تو گواہان مدعیہ یہ مراد لیتے ہیں اور نہ مختار مدعیہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''**وھو معکم اینما کنتم** (الحدید:۴)'' کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''**ان اللہ مع الذین اتقوا** (النحل ۱۲۸)'' کہ خدا تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔''**ان اللہ معنا** (توبہ ۴۰)'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا ہمارے ساتھ ہے اور حدیث میں تو''**اللہ ثالثھما**'' فرما کر خدا اپنے کا تیسرا ٹھہرا ہے۔ پس معیت کے لفظ سے حاضر وناظر ہونا لازم نہیں آتا اور لفظ کما مشابہت تامہ کا مقتضی نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت:''**انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا** (المزمل:۱۵)'' اور درود شریف''**کماصلیت علی ابراھیم**'' میں کما سے مراد مشابہت تامہ نہیں۔ بلکہ الہام میں کما سے صرف اتنی مشابہت مقصود ہے کہ جیسے زمین وآسمان خدا تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں۔ ویسے ہی وہ بوجہ ان نشانات اور تائیدات کے جو خدا کی طرف سے تائید مسیح موعود ان میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی صداقت پر شاہد ہیں اور اس الہام سے حضرت مسیح موعود کی طرف خدا کی طرح حاضر وناظر ہونے کا دعویٰ منسوب کرنا بعید از عقل ہی نہیں پرلے درجہ کی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

(۱۷) اصلی واصوم، اسھر وانام، واجعل لک انوار القدوم، واعطیک مایدوم ان اللہ مع الذین اتقوا

(البشریٰ ج۲ ص۷۹)

مختار مدعیہ نے اس الہام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کی گئی ہیں جو خدا کی شان کے بالکل مخالف

ہیں اور آیت: ’’لا تاخذہ سنة ولا نوم‘‘ کے مخالف ہیں اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ الہام میں مذکورہ امور خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں بلکہ ملہم کی شان کا اظہار کر رہے ہیں اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے متعلق ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تجلی کے نور تجھ میں دکھلاؤں گا اور تجھے وہ نعمت دوں گا جو ہمیشہ رہے گی۔ تحقیق خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔ اس دوسرے حصہ میں جن انعامات کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ پہلے حصہ الہام میں ملہم کی حالت ذکر کر کے بیان کی گئی ہے کہ آپ شریعت اسلامیہ کے پابند اور آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ حدیث بخاری میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان اشخاص کی باتیں پہنچیں جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں تو ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت ہی کرتا رہوں گا اور سوؤں گا نہیں اور دوسرے نے یہ کہا تھا کہ میں کبھی نکاح ہی نہیں کروں گا اور ایک نے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا تو آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ میں نے نکاح بھی کیا ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہئے۔ (بخاری ج۳ کتاب النکاح)

تو اس بات کا الہام کے پہلے حصہ میں ملہم کی زبان پر ذکر کیا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں خدائی کا دعویدار نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والا ایک مسلمان بندہ ہوں۔ یہاں قل محذوف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد جگہوں میں قل محذوف ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی انہی میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ کہیں ’’الحمد للہ رب العالمین الٰی آخر سورۃ الفاتحہ‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۵۵)

جیسے مختار مدعیہ نے ملہم کے صریح اقوال کے خلاف الہام کا مطلب لے کر عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ویسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مدعیہ کے چار گواہوں کے علاوہ دو گواہوں میں سے نمبر الف نے عدالت کو مغالطہ دینے کی سعی کی ہے اور اس الہام کے لئے (البشریٰ ج۲ ص۷۹) کا حوالہ دے کر مطلب یہ لکھوایا۔ ’’اور جس طرح میں قدیم اور ازلی ہوں، اسی طرح تیرے لئے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔‘‘ حالانکہ نہ یہ الہام کا مطلب ہے اور نہ ہی البشریٰ میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ درج ہے۔ ’’اور تیرے لئے اپنے آنے کے نور عطاء کروں گا اور وہ چیز تجھے دوں گا جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ خدا ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۷۹)

کیا ایسے گواہ جو بات کو اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے سے نہیں ڈرتے، وہ اس قابل ہیں کہ ان کی شہادت قبول کی جائے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر نیند آئی ہے۔ آپ کی تحریرات کے صریح مخالف ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

۱…… ’’خدا تعالیٰ ہر ایک نقصان سے پاک ہے۔ جس پر کبھی موت اور فناء طاری نہیں ہوئی۔ بلکہ اونگھ اور نیند سے بھی جو فی الجملہ موت سے مشابہ ہے پاک ہے۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۳۱، خزائن ج۱ ص۵۱۶ حاشیہ در حاشیہ)

۲…… اور فرماتے ہیں: ’’جیسا کہ موت اس پر (یعنی خدا تعالیٰ پر) جائز نہیں۔ ایسا ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے۔ نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔‘‘

(چشمہ معرفت ص۲۶۱، ۲۶۲، خزائن ج۲۳ ص۲۷۳)

(۱۸) اعطیت صفة الافناء والاحیاء من الرب الفعّال

(خطبہ الہامیہ ص۲۳، خزائن ج۱۶ص۵۵،۵۶)

حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا اقوال سے مختار مدعیہ نے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اس قول سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی صفت محیی وممیت میں شریک مانا ہے اور اپنی تائید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے احیاء میت کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دیکھو مسیح نے صاف کہا ہے کہ میں یہ خلق اور احیاء باذن اللہ کرتا ہوں، مگر مرزا صاحب نے یہ بھی ذکر نہیں کیا۔

میں عدالت پر مختار مدعیہ کے اس مغالطہ دہی کو واضح کرتا ہوں جو عمداً کی گئی ہے اور بتانا چاہتا ہوں کہ اسی عبارت میں ''من الرب الفعال'' کے الفاظ موجود ہیں جو مختار مدعیہ نے بالقصد ترک کر دیئے ہیں۔

اور تو اس عبارت میں ''اعطیت'' کے لفظ سے ہی یہ بات ظاہر تھی کہ حضرت اقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صفات کے پانے کا اظہار فرمارہے ہیں۔ مگر آپ نے ''من الرب الفعال'' کے لفظ سے اس مفہوم کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ لیکن مختار مدعیہ نے مغالطہ دینے کی غرض سے دانستہ الفاظ ''من الرب الفعال'' ترک کر کے اعتراض کر دیا اور اس فقرہ کا وہ مفہوم لینا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے، قائل کی منشاء کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے اس قول کی تشریح (خطبہ الہامیہ ص۲۸، خزائن ج۱۶ص۶۱،۶۲) میں ان الفاظ سے کر دی ہے۔

''وبیدی حربةٌ ابید بها عادات الظلم والذنوب وفی الاخری شربة اعبد بها حیاة القلوب فأس الاخفاء ونفاس للاحیاء'' اور میرے ہاتھ میں ایک حربہ ہے جس کے ساتھ میں ظلم اور گناہوں کی عادات کو ہلاک کرتا ہوں اور دوسرے ہاتھ میں شربت ہے جس سے میں قلوب دوبارہ زندہ کرتا ہوں۔ ایک کلہاڑی فناء کرنے کے لئے ہے اور دم زندہ کرنے کے لئے مجھے دیئے گئے ہیں۔

انہی دونوں باتوں کا مذکورہ بالا قول میں ذکر ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی صفت احیاء اور افناء میں شریک ہونے کا۔

(۱۹) نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو

(ضمیمہ تریاق القلوب ص س، خزائن ج۱۵ص۴۹۷)

اس عبارت سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعود نعوذ باللہ! خدا تعالیٰ کو متغیر ومتبدل مانتے ہیں اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کو ازلی ابدی اور غیر متغیر ومتبدل مانتے ہیں اور نیا خدا ہونے سے ہرگز آپ کی یہ مراد نہیں کہ خدا پرانا ہوگیا تھا اور اب نیا ہوگیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اور ایک نیا رنگ عبودیت کا اختیار کرتا ہے۔ جس کو نئی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر نئے رنگ کی تجلی فرماتا ہے اور بندہ سے اس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آئے تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر

ظاہر ہوتا ہے اور ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ (کشتی نوح ص۱۰، خزائن ج۱۹ ص۱۰،۱۱)

اور فرماتے ہیں: ’’خدا تعالیٰ نے اپنے پاک الہام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے نہ اس میں حدوث ہے، نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔‘‘

(اشتہار ملحقہ کتاب شہادۃ القرآن ص ب۲، خزائن ج۶ ص۳۷۹)

پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں بالکل لغو اور قطعاً لغو و باطل ہے اور ایسی صاف باتوں پر ایسے فضول اعتراضات ہر مصنف مزاج کے لئے باعث افسوس ہیں۔

(۲۰) متشابہات

ان اعتراضات کا جواب دینے کے بعد جو مختار مدعیہ نے اس امر کے ثبوت پیش کئے تھے کہ حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتے اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے شان کے شایان نہیں ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الٰہی کلام ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک محکم، دوسرا متشابہ اور خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ’’**والذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة** ‘‘ کہ جن کے دلوں میں زیغ اور کجروی کا مادہ ہوتا ہے وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ برپا ہو اور لوگ حق سے منحرف ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی دونوں قسم کا کلام پایا جاتا ہے اور بعض کوتاہ اندیش متشابہات کو ظاہری معنوں میں لے جا کر جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے اور خدا تعالیٰ کو بھی ایک مجسم چیز کی طرح سمجھنے اور اس کے لئے ہاتھ، آنکھ وغیرہ ماننے لگے اور یہ سمجھا کہ وہ واقعی عرش پر ایک بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور عارفان الٰہی نے ایسے کلمات کو محکمات کے تابع کیا اور ان کے ایسے معنی کئے جو محکمات کے مخالف نہ تھے اور آنحضرت ﷺ کی اتباع میں کاملین امت محمدیہ کو بھی متشابہات ورثہ میں ملے جن پر خشک ملاؤں نے جہالت و نادانی سے اعتراضات کئے اور ان کے موردوں کو کافر اور مرتد اور واجب القتل ٹھہرایا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ’’قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل ’’**یدو استواء علی العرش** ‘‘ وغیرہ واقع ہیں کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ تعالیٰ کا جسم ثابت کیا اور گمراہ ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا۔ بلکہ ان کلمات کے سرزد ہونے میں متابعت سنت پیغمبر ﷺ بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت خاتمیت مآب ﷺ نے بھی فرمایا: ’’**ضحک الله، وان الله خلق آدم علی صورته ورایت ربی فی سکک المدینة علی صورة امرد شاب، ووضع الله یده علی کتفی فوجدت بردها** ‘‘ حالانکہ انبیاء خصوصاً جناب سید المرسلین ﷺ کمال صحو (ہوش) میں تھے۔‘‘ (مقامات امام ربانی ص۵۰)

اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال کو صحیح سمجھا جائے تو امام ربانی مجدد الف ثانی کی اس منقولہ حدیث سے خدا کا مجسم ہونا، اس سے بہت بڑھ کر ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس مسیح موعود کے متشابہات الہامات سے آپ کے منشاء اور کھلی کھلی تشریحات کے خلاف معنی لے کر ثابت کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں ’’ضحک اللہ‘‘ کے لفظ ہیں، جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنسا اور مختار مدعیہ کی طرز استدلال کے لحاظ سے ہنسنے کے لئے ان چیزوں کی جن سے ہنسنے کا فعل منحصر ہے۔ یعنی رخسار اور لب وغیرہ کی ضرورت ہے اور جس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ اس کے مجسم ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا

اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی صورت پر پیدا کرے۔ اس کے خدا کے مشابہ ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے اور اسی کے صورت میں خدا کی مانند ہونے سے کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے اور مختار مدعیہ کے نزدیک یہ سب امور موجب کفر وشرک وارتداد ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو مدینہ کی گلیوں میں ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا اور اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور یہ تمام باتیں بھی مختار مدعیہ کے عجیب وغریب مگر خلاف اہل اسلام طرز استدلال کی رو سے خدا کو مجسم ٹھہراتی ہیں۔ کیونکہ بے ریش نوجوان اس کا ہاتھ اور اس کی ٹھنڈک وغیرہ امور سب تجسم کو چاہتے ہیں اور صرف مجدد الف ثانی ہی کو جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ نعوذ باللہ! مشرک کافر اور مرتد نہیں ٹھہراتی بلکہ نعوذ باللہ! دور دور اور بہت دور تک نوبت پہنچاتی ہے۔ دیوبندی مولوی بظاہر تو حضرت مجدد الف ثانی کو بڑے شدومد سے اپنا قبلہ وکعبہ بتاتے ہیں۔ مگر جب دوسروں کو کافر کہنے کا شوق زور کرتا ہے تو ان پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔

یہ تو حدیث تھی اگر قرآن شریف کو بھی دیکھا جائے تو مدعیہ کے طرز استدلال کے لحاظ سے اس کی آیات سے بھی مختار مدعیہ کا چلایا ہوا سلسلہ کفر بہت دور تک پہنچتا ہے۔ مثلاً اس میں ’’استویٰ علی العرش ‘‘یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور آیت: ’’یحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ ‘‘یعنی اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے اور ’’یداہ مبسوطتان ‘‘یعنی خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں اور ’’ید اللہ فوق ایدیھم ‘‘یعنی آنحضرت ﷺ کی بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے اور آنحضرت ﷺ کا سعد بن معاذ ؓ کی وفات پر فرمانا: ’’اھتزلہ عرش الرحمن ‘‘کہ اس وفات سے خدا کا عرش ہل گیا۔ اگر ان آیات اور احادیث کے معنی کرنے میں بھی وہی طرز استدلال اختیار کیا جائے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے متشابہ الہامات اور مبہم ومجمل عبارات کے لئے اختیار کی ہے تو احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ سے بھی خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے اور جس طرز استدلال کی یہ حالت ہو اس کے باطل ہونے کے متعلق کسی اور امر کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

آخر میں اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود کے الہامات میں بھی محکم اور متشابہ دونوں قسم کا کلام ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ حسب قاعدہ متشابہ کو محکم کے تابع کرنا چاہئے۔ یعنی متشابہ کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جو محکم کے خلاف نہ ہوں اور ملہم نے اپنے کسی متشابہ الہام کے معنی خود بیان کر دیئے ہوں تو کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ ان معنوں کے خلاف کوئی اور معنی نکالے۔ متشابہ تو الہام ہے۔ کسی مبہم یا ذوالوجوہ عبارت کے معنی بھی منشأ متکلم کے خلاف نہیں نکالے جاسکتے اور یہ وہ اصل ہے جس سے دنیا میں کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ حتیٰ کہ دیوبندیوں کے ابن شیر خدا علی المرتضیٰ دربھنگی سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند مختار مدعیہ نمبر۲ بھی بضرب دہل جس کی تصدیق وتائید کا اعلان فرمارہے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ: ’’آپ اپنی طرف سے خلاف منشأ متکلم کلام کے معنی تجویز فرماتے ہیں: ’’انا للہ وانا الیہ راجعون ‘‘(السحاب المدرار ص۴۳) پھر اور لکھتے ہیں: ’’علاوہ ازیں تصنیف را مصنف نیکو کند بیان، جب مصنف خود فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے تو اب کسی کو چون وچرا کی گنجائش کیا ہے۔‘‘ (السحاب المدرار ص۵۵)

اور مفتی دیوبندی مولوی محمد شفیع صاحب گواہ مدعیہ نمبر۱ نے بھی ۲۰؍اگست کو جرح کے جواب میں اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ اگر مختلف اقوال مذکور ہوں تو مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ پس اس اصل مسلمہ فریقین کے مطابق کسی متشابہ الہام یا مجمل ومبہم عبارت کے وہی معنی درست سمجھے جائیں گے جو منشأ ملہم ومتکلم کے موافق ہوں نہ وہ جو اس کے شدید ترین دشمنوں نے اس کے منشأ اور کھلی کھلی

تشریحات کے خلاف اس پر غلط وباطل اتہام لگانے کے لئے گھڑے ہوں اور ملہم یا متکلم ومصنف کے بیان کردہ معنی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے معنی قابل التفات نہیں ہوں گے۔خواہ وہ معنی کرنے والے دیوبند کے کوئی فاضل ہوں یا کسی اور مقام کے کوئی نا قابل اور اسی اصل کے لحاظ سے حضرت اقدس کی وہ تشریح بھی درج کرتا ہوں جو حضور نے الہام:''انت منی بمنزلة اولادی ''(دافع البلاء ص۶، خزائن ج۱۸ص۲۲۷) کے متعلق بیان فرمائی ہے تا اصل حقیقت واضح سے واضح تر ہو جائے اور وہ یہ ہے۔

''یادرہے کہ خداتعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرتﷺ کے ہاتھ کو ہاتھ قرار دیا اور فرمایا:''یداللہ فوق ایدھم ''ایسا ہی بجائے''قل یاعباداللہ'' کے''قل یٰعبادی '' بھی کہا اور یہ بھی فرمایا: ''فاذکرو اللہ کذکرکم اٰبائکم ''پس خدا کی اس کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا''اتخاذ ولد '' سے پاک ہے۔تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ اور میری نسبت بیّنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے:''قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد والخیر کلہ فی القرآن''

(دافع البلاء حاشیہ ص۷،خزائن ج۱۸ص۲۲۷)

یہ ہے مختار مدعیہ کے اعتراضات کی حقیقت اور انہی اعتراضات کی بنیاد پر کچھ عقائد خود وضع کر کے اس نے حضرت اقدس کی طرف منسوب کئے اور عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار اس امر کو دہرایا تھا کہ یہ اعتقاد رکھنے والے اگر کروڑ مرتبہ بھی''کلمہ لاالہ الا اللہ'' پڑھیں تو وہ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔لیکن مندرجہ بالا بیانات سے کالشّمس فی نصف النہار ظاہر ہو گیا ہے کہ مختار مدعیہ کے اعتراضات سراسر مغالطہ وہی پر مبنی تھے اور توحید الٰہی کے خلاف جو عقائد اس نے حضرت اقدس کی طرف منسوب کئے تھے، وہ حضرت اقدس کے عقائد نہیں تھے بلکہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے منشاء کے خلاف اپنے باطل استدلال سے خود پیدا کر کے حضرت اقدس کی طرف منسوب کر دیئے تھے۔جب یہ ثابت ہو گیا تو حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کے کلمہ توحید کے مطابق ایمان رکھنے میں شک کرنے کی سرمو بھی گنجائش نہیں رہی۔

محمد رسول اللہ ﷺ

مختار مدعیہ نے کلمہ کے دوسرے جزو یعنی محمد رسول اللہ سے بھی حضرت مسیح موعود کو اسی طرح منکر قرار دینا چاہا ہے جس طرح پہلے جزو کے متعلق چاہا تھا۔ اس امر میں بھی عدالت کو اسی طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ پہلے کی تھی۔ اس لغو و باطل امر کو ثابت کرنے کے لئے کہ نعوذ باللہ! آپ کلمہ کے جزو دوم یعنی محمد رسول اللہ کے بھی منکر ہیں۔ جو بحث اس نے عدالت کے سامنے کی ہے وہ اس کے پہلے جزو کی بحث سے بھی زیادہ مخدوش ولغو اور باطل ہے۔

قبل اس کے میں اس کے ایک ایک اتہام کے متعلق علیحدہ علیحدہ کلام کروں۔ عدالت سے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی خصوصیت سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی شخص کا عقیدہ اس کے صاف الفاظ سے معلوم کیا جاسکتا ہے نہ کہ اس کے مخالفوں کے۔ ان معانی سے جو انہوں نے اس کی کسی متشابہ یا مجمل ومبہم عبارت سے اس کی منشاء اور اس کی کھلی کھلی تصریحات کے بالکل ہی خلاف نکالے ہوں۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ اس شخص کے کفر واسلام کا مسئلہ زیر بحث ہو۔ لیکن مختار مدعیہ نے نہ تو پہلے جزو کے متعلق حضرت مسیح موعود کی کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ میں انکار توحید باری موجود ہو اور نہ دوسری جزو کے متعلق کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے الفاظ سے انکار رسالت نکلتا ہو۔ بلکہ متشابہ الہامات کا تشریحات ملہم کے خلاف مفہوم لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ! آپ کو کلمہ کے دونوں جزوں سے انکار ہے۔ اس کارروائی سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ باوجود بہت بڑی کوشش کے مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کی ایسی عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار توحید ورسالت موجود ہو۔ یہ دونوں خبروں کے متعلق اس نے جو الہامات یا عبارات پیش کی ہیں، ان کے غلط مفہوم سے نتیجہ کے طور پر یہ بات نکالی ہے اور یہ امر قطعاً قابل التفات نہیں ہے۔ اس سے کسی طرح کسی کا کفر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کی ایسی ایک عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار رسالت وتوحید موجود ہو۔ لیکن آپ کی ایسی بے شمار عبارتیں موجود ہیں جن کے الفاظ میں اقرار رسالت وتوحید موجود ہے۔ اس کے منکر کو کافر کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے اور اس پر مختار مدعیہ نمبر۲ نے بھی بہت زور دیا ہے کہ جو عبارات جس مفہوم میں انہوں نے پیش کی ہیں، انہی کا دیکھ لینا کافی ہے۔ دیگر عبارات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو صحیح قرار دینے سے امان اٹھ جاتا ہے۔ کوئی شخص بھی کفر کے فتویٰ سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ کسی شخص کی متشابہ اور مجمل عبارات کے خود ساختہ معنی لے کر اور اس کی منشاء تصریحات اور دیگر عبارات کو نظر انداز کر کے فتویٰ دیا جائے تو بڑی آسانی سے کفر کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کفر کا فتویٰ درحقیقت اس پر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کفر کا فتویٰ دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جائے، اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو۔ متشابہ ومبہم اور ذو الوجوہ عبارت پر کسی طرح کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ ایسی عبارتوں سے وہی معنی لئے جاتے ہیں اور لئے جانا چاہئیں جو صاحب عبارت کے منشاء اور اس کی تشریحات اور اس کی دوسری محکم وبیّن عبارتوں کے خلاف نہ ہوں۔

چنانچہ ۲۰؍اگست ۱۹۳۲ء کو گواہ مدعیہ نمبر۱ نے جرح کے جواب میں یہ اصل تسلیم کیا ہے۔ ’’ایک مصنف کے قول کا ماقبل ومابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کیا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کردینا عقیدہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔‘‘ اور ۲۱؍اگست کو بجواب مکرر جرح اس نے اس قول کی یہ تشریح کی ہے کہ: ’’اگر مصنف کے ایک

ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکورہ ہوں۔ ان میں سے ایک قول مبہم ہے تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔‘‘ اسی طرح گواہ نمبر۴ نے بھی ۳۱ر اگست کو بجواب جرح اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ: ’’متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا۔‘‘ چونکہ مختار مدعیہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود کے متشابہ الہامات اور مجمل عبارات کے جو معنی اس نے خود گھڑے ہیں وہ آپ کے منشاء وتشریحات کے بالکل خلاف ہیں اور صرف نہیں بلکہ ان کے خلاف آپ کی بے شمار عبارتیں بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس نے حضرت مسیح موعود کی عبارتوں کے متناقض ومتعارض ہونے پر بڑا زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر امر کے متعلق آپ کے کلام میں تناقض موجود ہے اور کوئی ایسا قول نہیں جس کے خلاف دوسرا قول بھی موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اس کا سراسر مغالطہ ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے متشابہ الہامات ومجمل اقوال کے جو غلط معنی اس نے گھڑے ہیں۔ وہ صحیح قرار پائیں اور آپ کے جو اقوال اس کے ان گھڑے ہوئے غلط معنی کے خلاف پیش کئے جائیں وہ تناقض ومتعارض متصور ہوکر نظر انداز ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض وتعارض نہیں ہے۔ آپ کا ہر قول اپنے محل میں چسپاں اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ جیسا کہ اس بحث میں ظاہر ہوگا۔ اب میں مختار مدعیہ کے ایک ایک قول کو لیتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔

(۱) آنحضرتﷺ آخری نبی ہیں

مختار مدعیہ نے پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ آخری نبی ہو، نا آنحضرتﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور حضرت مرزا صاحب نے آپ کے آخری ہونے سے انکار کیا ہے۔ لہٰذا آپ کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج۔

جاننا چاہئے کہ قرآن مجید واحادیث کی رو سے آنحضرتﷺ کا جن معنوں کی رو سے آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے ان معنوں کے لحاظ سے آپ نے کبھی آنحضرتﷺ کے آخری ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: ’’نوع انسان کے لئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں۔ مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیﷺ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔‘‘ (کشتی نوح ص۱۳، خزائن ج۱۹ ص۱۳) اور فرماتے ہیں۔ ’’نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد رسولﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ (کشتی نوح ص۱۳، خزائن ج۱۹ ص۱۴)

اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے ان معنی سے کہ آنحضرتﷺ آخری شرعی نبی ہیں اور آپ کی اتباع کے بغیر انسان کسی روحانی مقام پر فائز نہیں ہوسکتا۔ کبھی انکار نہیں کیا اور حضورﷺ کی یہ خصوصیت بحیثیت آخری نبی ہونے کے قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔

میں مختار مدعیہ کے اس مغالطہ کو کہ (حضرت مرزا) صاحب نے آنحضرتﷺ کے آخری نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ ظاہر کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کا یہ ارشاد کہ ؎

اوّل آدم آخر شاں احمد است　　اے خنک آنکس کہ بیند آخری

(درثمین فارسی ص۷، خزائن ج۱ ص۲۰)

اور یہ ارشاد کہ ؎

احمد آخر زمان کو اوّلین راجائے فخر آخرین رامقتداؤ ملجاؤ کہف وحصار

(درثمین فارسی ص۸۸، آئینہ کمالات اسلام ص۲۴، خزائن ج۵ ص۲۴)

اور آپ کا یہ ارشاد: ''ملائک یعنی جبرئیل آخر الرسل ﷺ پر یہی ظاہر ہوا کہ ملائک کے اس فعل رمی شہب سے علت غائی رمی شیاطین ہے۔'' (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ ص۱۲۶، خزائن ج۵ ص۱۲۶) پیش نہیں کرتا۔ جو مختار مدعیہ کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ پہلا شعر براہین احمدیہ کا اور دوسرا آئینہ کمالات اسلام کا ہے اور یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں۔ جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ نے کوئی کفریہ دعویٰ نہیں کئے تھے۔ یعنی براہین احمدیہ ۱۸۸۵ء کی ہے اور آئینہ کمالات اسلام ۱۸۹۳ء کی ہے۔ بلکہ حقیقت الوحی کا حوالہ پیش کرتا ہوں جو ۱۹۰۷ء میں آپ کی وفات سے صرف ایک سال پہلے کی شائع شدہ کتاب ہے اور جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ تمام کفریہ دعویٰ کر چکے تھے تا مختار مدعیہ کی مغالطہ اندازی عام وخاص سب پر الم نشرح ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''تمام نبیوں نے جو بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ اس پیش گوئی کے یہی معنی سمجھے تھے کہ وہ آخرالزمان نبی بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا۔ مگر وہ نبی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہوگیا۔''

(حقیقت الوحی ص۴۴، خزائن ج۲۲ ص۴۷)

اور (ص۴۶، خزائن ج۲۲ ص۴۹) پر فرماتے ہیں: ''سو تقویٰ کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھو۔ کیا جیسا کہ یہود نے اور ان کے نبیوں نے سمجھا تھا آخری نبی، بنی اسرائیل میں سے آیا؟ یا الیاس نبی دوبارہ زمین پر آ گیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہود نے دونوں جگہ غلطی کھائی۔''

اور فرماتے ہیں: ''اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمٰن اور رحیم ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول اللہ بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔''

(حقیقت الوحی ص۱۴۱، خزائن ج۲۲ ص۱۴۵)

یہ بیان کر دینے کے بعد کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے آقا ومولانا افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری نبی مانا ہے کہہ دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ جس حدیث میں آخرالانبیاء آیا ہے وہ کوئی زیادہ قوی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ جسے امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے اور دارقطنی وغیرہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی تمام احادیث میں تأمل ہے۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۹)

اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمٰن المحاربی کے متعلق ابن معین نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں اور غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا سچا تو ہے، لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام احادیث خراب ہو جاتی ہیں اور وکیع نے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ مدلس ہے۔ (میزان الاعتدال ج۲ ص۱۰۴)

باوجود یہ یہ روایت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ یقینی طور پر صحیح مان لی جائے۔ تاہم اس کے معنی بالکل واضح ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اس کی تخریب میں ساعی ہوگا۔ اپنے آپ کو آخرالانبیاء فرمایا ہے اور ساتھ ہی اپنی امت کو آخرالامم یعنی آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو مستقبل امت بنانے والا ہو۔ پس احمدیہ جماعت مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کی خصوصیت کو تسلیم کرتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ کلمہ میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرنا ضروری ہے اور مختار مدعیہ آخری نبی ہونے کے اقرار کو کلمہ کی جزو میں داخل کررہا ہے۔ حالانکہ نہ تو قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے لئے آخری نبی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور نہ کسی مشہور متواتر حدیث میں بلکہ جس حدیث میں آخرالانبیاء کا لفظ آیا ہے۔ وہ بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے جس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جاسکتی۔ کیونکہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر باور نہ ہو تو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اپنے مسلم عالم کا قول پڑھ لیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں: ’’اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات صحاح کا چہ جائیکہ ضعاف اور موضوعات کا۔‘‘ (البراہین القاطعہ ص ۸۹)

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعاعلیہ نے جرح کے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیات پر ایمان لانے کو ضروری مانا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعاعلیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو خصوصیات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہوں اور نہ کسی حدیث متواتر سے، بلکہ لوگوں نے اپنی طرف سے چند مفروضات گھڑ کر ان کو نام خصوصیات رکھ لیا ہو، ان پر بھی ایمان لانا ضروریات مؤمن میں سے شمار کیا جائے۔

(۲) خاتم النّبیین کے معنی!

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے کلمہ کے جزو ثانی کی انکار کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ خاتم النّبیین کے معنی کے منکر ہیں۔ چونکہ خاتم النّبیین کے معنی کے متعلق گواہان مدعاعلیہ نے مفصل طور پر اپنے بیانوں میں بحث کردی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کو بصدق دل یقین کرتے ہیں اور اس کے جو معنی قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ اور ائمہ اور لغت عرب کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس مختار مدعیہ کا یہ ادّعا کہ احمدی خاتم النّبیین کے معنی کے منکر ہونے کی وجہ سے کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہیں لغو اور بے ہودہ ہے۔

(۳) معراج جسمانی کا انکار

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کے کلمہ کی جزو ثانی سے منکر ہونے کی ایک وجہ یہ قرار دی ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ کو عرش تک معراج جسمانی ہوئی تھی، جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ دوسری معراجوں کا یہاں ذکر نہیں اور اگر کوئی اپنے لئے یا کسی اور کے لئے ویسی معراج مانے تو شرک فی الرسالۃ ہوگا اور مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک کشف تھا اور ایسے کشوف میں خود مؤلف بھی صاحب تجربہ ہے۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے لئے ایک نہیں بلکہ کئی معراج ثابت کئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ اس لئے آپ کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔ کیونکہ معراج نبوی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور اس انکار کی وجہ سے کافر و مرتد ہوئے۔ لہٰذا مدعیہ کا نکاح فسخ ہونا چاہئے۔

مختار مدعیہ کے اس اعتراض میں تین باتیں قابل غور ہیں۔

۱...... کیا رسول اللہ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف صالحین اور تمام صالحین اور تمام علماء اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔

۲...... کیا پہلے انبیاء میں سے یا اولیاء امت میں سے کسی کو آنحضرت ﷺ کی طرح معراج ہوئی۔

۳...... کیا حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی معراج کی طرح معراج ہوئی۔

پہلی بات کے متعلق خود مختار مدعیہ نے سرسید احمد خان صاحب کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ کا فقرہ استعمال کرتے ہوئے جو بزرگان دین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اقرار کیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی کے منکر تھے اور اسے رؤیا مانتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صریح طور پر لکھا ہے: ''اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عین کا لفظ رؤیا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ رؤیا سے ''رؤیت'' یا ''تعین فی الیقظہ'' مراد ہے تو وہ بھی من جملہ اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی الیقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کی حالت خواب میں تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے۔ (تفسیر سرسید ص۱۰۷)

جب مختار مدعیہ کے نزدیک سرسید معراج جسمانی کے منکر ہو کر مسلمان ہی نہیں بلکہ ایک بزرگ مسلمان ہیں جو خطاب علیہ الرحمۃ کے مستحق ہیں تو وہ اسی بناء پر کسی اور کو دائرہ اسلام سے خارج اور کلمہ شہادتین کے منکر کس طرح قرار دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اس تفریح وتخالف کی اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو کہ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور قدیم نوشتوں کی بناء پر ضروری تھا کہ اس زمانہ کے مولوی حسد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کافر و مرتد قرار دیں۔

دوسری بات کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ فریق مخالف کے ایک مسلم عالم کی تحقیق بیان کر دوں۔ علامہ سید سلمان ندوی (سیرۃ النبی ج۳ص۲۹۳) میں بذیل عنوان: ''معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری'' تحریر فرماتے ہیں: ''اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت ''وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس (بنی اسرائیل:۶۰)'' کہ میں نے جو رؤیا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ رؤیا عربی زبان میں ''دکھاوا'' کو کہتے ہیں۔ یعنی ''جو دیکھنے میں آئے'' اور عام طور پر سے اسی کے معنی ''خواب'' کے ہیں۔ اس لئے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے۔ وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ان کی تصریح ہے کہ رؤیا آنکھ کا دیکھنا تھا جو معراج میں آنحضرت ﷺ کو دکھایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہو محض خواب نہ تھا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان روایتوں کے الفاظ تو خواب و بیداری دونوں پہلوؤں سے خاموش ہیں۔ یعنی ان میں مطلقاً اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ خواب تھا یا بیداری اور پایہ کہ ان میں خواب منام اور رؤیا کی تصریح ہے۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے۔ یہ تصریح تمام مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی دو مقامات میں ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ''سمعت عن انس بن مالک یقول لیلة اسری برسول اللہ ﷺ حتی اتوہ لیلة اخری فیما یری قلبه وتنام عینه ولاینام قلبه وکذالک الانبیاء تنام اعینهم ولاتنام قلوبهم'' (کتاب التوحید)

انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا...... یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ (تین شخص) آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوئی ہوئی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا اور اس طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں۔مگر ان کے دل نہیں سوتے۔

اسی معنی کا دوسری حدیث جو باب صفۃ النبی ﷺ میں آئی ہے درج کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں: ''بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے۔ کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس کا یہ فقرہ روایت کیا ہے: ''**فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام**'' پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ: ''آپ مسجد حرام میں سوتے تھے۔'' اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ: ''شریک نے اس روایت کو گھٹا بڑھا دیا ہے اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔'' اس لئے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے شریک کی یہ تنہاء زیادت قبول نہ ہوتی، مگر وہ اس بات میں تنہاء اور مفرد نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت ﷺ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''**بینما انا عندالبیت بین النائم والیقظان**'' (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ وصحیح مسلم باب الاسراء) کہ میں کعبہ کے پاس خواب وبیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''**بینما انا فی الحطیم مضطجعاً**'' اسی اثناء میں کہ خانہ کعبہ کے مقام حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔

اس کے بعد ان روایتوں میں معراج کے تمام واقعات مذکور ہیں۔ بیچ اور آخر میں بیداری کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدری ؓ کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا (جبرائیل) آیا اور اس نے مجھے آکر اٹھایا اور میں اٹھا۔'' اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔ لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا، دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے اور اس میں جو منکر اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سرتاپا لغو ہیں ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر (سورہ اسراء) میں حضرت حسن بصری سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ جبرائیل نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں بڑھتا۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ صحیح روایتوں میں یا تو مطلق خواب وبیداری کی تفصیل نہیں اور یا خواب وبیداری کی درمیانی حالت کی تصریح ہے۔

سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت معاویہ ؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رؤیائے صادقہ کہتے ہیں۔ (ص۲۹۳-۲۹۶) جو لوگ معراج کو بیداری کا واقعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے متعلق لکھتے ہیں وہ قرآن مجید کی کسی نص یا حدیث کے کسی صحیح متن سے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ زیادہ تر عقلی استدلال کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر سے لے کر امام رازی تک سب نے یہی کہا ہے۔ اس فرقہ کے عقلی دلائل چار ہیں۔

۱...... قرآن مجید میں ہے کہ: ''**سبحان الذی اسریٰ بعبدہ**'' پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ''بندہ'' کو لے گیا۔ بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم وروح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہاء روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

۲...... واقعہ معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔ سوار ہونا، پینا یہ سب جسم کے خاص ہیں۔ اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔

۳...... اگر واقعہ معراج رؤیا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے۔ محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقع بن کر نظر آتی ہے۔

۴...... خداتعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ: ''**وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس** (بنی اسرائیل:۶۰)'' سواس مشاہدہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے جسمانی اور واقعہ بیداری ہونے پر یہ دلائل حد درجہ کمزور اور بے بنیاد ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مجرد روح پر بندہ اور عبد کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ جسم انسانی تو ہر لحظہ اور ہر آن بکھر رہا ہے اور فنا ہورہا ہے۔ بندہ ازل اور عبد مطلق تو یہی جان بے جسم اور روح بے جسد ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت پاک تم کو یاد ہوگی۔ ''**یآیتھا النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** (الفجر:۲۷تا۳۰)'' اس آیت میں دیکھو کہ نفس وجان وروح کو صاف بندہ اور عبد کہا گیا ہے۔ (اسی طرح سورہ مائدہ:۱۱۸) میں ہے: ''**ان تعذبهم فانهم عبادک**'' اس آیت میں قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے متعلق عباد کا لفظ فرمائیں گے۔ حالانکہ اس دن خاکی جسد نہ ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی مؤمن بندے کی روح نکال کر فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اگلے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کون سی ہے۔ ''**فیقولون فلان بن فلان**'' وہ کہتے ہیں یہ فلاں بیٹا فلاں ہے۔ آخرکار جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔

''**فیقول اللّٰہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیّین**'' خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس ''بندہ'' کے اعمالنامہ میں یہ لکھ دو کہ اس کی جگہ علیّین میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۲)

اس میں بھی صرف روح کے لئے لفظ عبد کا استعمال ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان خواب کا ذکر کرے تو صیغہ وہی استعمال کیا جاتا ہے جو روح مع الجسد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (شمس)

یہ کہنا کہ سوار ہونا اور دودھ پینا جسم کے خواص ہیں۔ اس لئے معراج جسمانی تھی۔ سرتاپا مغالطہ ہے یہ تو جب کہا جاسکتا ہے جب کوئی یہ کہے کہ براق اور دودھ بھی ہماری اس دنیا کی مادی سواری اور ایک جوہر سیال تھا۔ اگر یہی اعتراض کرنا ہے تو تم یہی کیوں نہیں کہتے کہ نفس آنا جانا کہنا سننا بھی خواص جسمانی ہیں۔ اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔ لیکن تم کو معلوم ہو کہ جس عالم کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں نہ ہم ان پاؤں سے چلتے ہیں نہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، نہ ان کانوں سے سنتے ہیں، نہ اس جسم سے سوار ہوتے ہیں اور نہ اس منہ سے کھاتے اور پیتے ہیں...... اسی طرح جس طرح آپ کا یہ سفر روحانی تھا، براق، دودھ اور معراج کے دیگر مناظر ومشاہد بھی روحانی تھے۔

تیسرا استدلال کہ: ''اگر یہ خواب ہوتا تو کفار تکذیب کیوں کرتے۔'' بھی صحیح نہیں۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:

۱...... اگر آنحضرت ﷺ، صحابہ اور مسلمان (نعوذ باللہ) اس رؤیا کو محض خواب وخیال کا رتبہ دیتے تو کفار کو تکذیب کی حاجت نہ تھی۔ مگر چونکہ ان کو معلوم تھا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ اس عالم میں دیکھتے ہیں وہ اس کو واقع اور حقیقت جانتے ہیں۔ اس لئے ان کو اعتراض تھا اور واقعات معراج میں سیر بیت المقدس کے سوا اور تمام باتیں دوسرے عالم کی تھیں۔ جن کے صدق وکذب اور حق وبطلان کی کوئی صورت ان

کے پاس نہ تھی۔ اس بناء پر انہوں نے معراج کے تمام واقعات اور مناظر میں سے بیت المقدس کا حال پوچھا۔ اگر آپ اس کو (نعوذ باللہ) غلط بتاتے تو اور باتوں کو بھی وہ لوگوں میں اسی طرح غلط، باطل اور بے حقیقت ثابت کرتے۔

۲...... دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش خدا کی عظمت وتقدس کو مانتے تھے۔ فرشتوں پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ پیغمبروں کی نیکی اور بڑائی بھی انہوں سے سنی تھی اور اپنے خیال میں وہ آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ! جھوٹا، کاذب اور دروغ گو، لامذہب اور بے دین جانتے تھے۔ اس لئے ان کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ ایسا آدمی ایسا مقدس، ایسا باعظمت، ایسا روحانی اور ایسا پاکیزہ خواب دیکھ سکتا ہے۔

۳...... اور اصل بات یہ ہے کہ یہ مشاہدہ جس کو خواب کہہ کر تعبیر کر رہے ہوں، حقیقت کی رو سے خواب نہ تھا۔ بلکہ جسم سے منقطع ہوکر روح کی سیر تھی اور قریش کے لئے اس کا سمجھنا آسان تھا۔ آخری استدلال تو تمام تر طرف داران رؤیا کے حق میں ہے کہ خود خداوند تعالیٰ اس کو رؤیا سے تعبیر کرتا ہے۔

’’وماجعلنا الرؤیاالتی اریناک الا فتنة للناس ‘‘ ہم نے جو رؤیا تجھ کو دکھایا اس کو لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔ کسی چیز کو ایمان واعتراف کی آزمائش کا معیار بنانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بظاہر اس پر ایمان لانا مشکل اور حیرت انگیز ہی ہو۔ مدینہ جاکر قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ ہوجاتا ہے۔ یہ کوئی عجوبہ اور عقل کے خلاف چیز نہیں۔ تاہم اس کو بھی اللہ تعالیٰ ایمان کی آزمائش کا معیار قرار دیتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام کج بحثیاں اور لفظی نزاعیں اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ لوگوں نے رؤیا کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ وہ انبیاء کے رؤیا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے۔ ورنہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ یہ وہ ’’رؤیا‘‘ ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں، مگر دل بیدار ہوتا ہے۔ کیا یہی عام رؤیا کی حقیقت ہے۔ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہوشیاری، بلکہ مافوق ہوشیاری ہے بلکہ عام خواب اور اس میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے۔ لیکن عالم ارواح اور کائنات ملکوت میں پہلے کو دخل نہیں تو دوسرے میں سراپا ہوشیاری، بیداری، حقیقت بینی، ہمسری ناموس، سیر سماوات، لقائے ارواح، رویت حق سب کچھ ہے۔ اس لئے صحابہ یا راویوں میں سے جن لوگوں نے اس کو ’’منام‘‘ یا ’’رؤیا‘‘ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، وہ درحقیقت مجاز واستعارہ ہے۔ ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانین طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔ اس آیت پاک کو ’’وماجعلنا الرؤیا التی اریناک ‘‘ ہم نے جو رؤیا (معراج) تجھ کو دکھایا لوگ رؤیا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے صحاح میں روایت ہے کہ یہ آیت معراج کے متعلق ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ یہ بھی اس روایت میں کہتے ہیں کہ یہ رؤیائے چشم تھا۔‘‘

اصل الفاظ روایت کے بیان کر کے لکھتے ہیں: ’’اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رؤیا لغت میں ’’آنکھ کے دیکھنے‘‘ کو نہیں کہتے۔ فریق مخالف کہتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہوسکتا ہے۔ جب وہ رؤیائے عین[1] کہتے ہیں تو کس کو انکار

---

[1] رؤیا کا لفظ لغتاً عالم خواب کے ساتھ مخصوص ہے جس میں جسد عنصری حرکت نہیں کرتا۔ چنانچہ مفردات راغب میں جس کے متعلق مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر قرآنی مشکل الفاظ کے حل کرنے کے لئے اور کوئی لغت نہیں لکھا ہے کہ رؤیا وہ ہے جو خواب دیکھا جاتا ہے۔ لسان العرب میں ہے:

ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں راعی اور متنبّی بعض شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اوّل تو راعی اور متنبّی لغت کے لئے سند نہیں ہیں اور اگر ہوں بھی تو اس کے شعر سے یہ سمجھنا کہ رؤیا کا لفظ رویت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی خواب اور خیالی دیدار اور دکھاوے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر کا مطلب جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں، ایک بلیغ اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مشاہدات معراج کو ''رؤیا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ رؤیا کے معنی عام طور سے ''خواب'' کے ہیں جو محض تخیّل بھی ہوسکتا ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے اور رؤیا یا معراج کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے انہوں نے ''رؤیا'' کو رؤیائے عینی کہہ کر اس کی تفسیر کی۔ یعنی یہ معراج صرف ظاہری حیثیت سے آنکھ کا خواب تھا۔ ورنہ درحقیقت وہ قلب کا مشاہدہ تھا اور اسی حد تک واقعی اور قطعی تھا جس حد تک ظاہری آنکھوں کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔'' (ص۲۹۷ تا ص۳۰۱)

پھر لکھتے ہیں: ''حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے: ''**وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة ؓ ومعاویة ؓ انهما قالا انما کان الاسراء بروحه ولم یفقد جسده ونقل عن الحسن البصری نحو ذالک...... الخ!** ''یعنی ابن اسحاق نے حضرت عائشہ ؓ ومعاویہ ؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا۔ (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہئے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خوب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے...... اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو آسمان پر چڑھایا گیا، ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح وبدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا۔ (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ خواب تھا۔ بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی۔'' (ص۳۰۳)

پھر لکھتے ہیں: ''علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے اور محدث اور متکلم بھی، یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، آپ حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ''**واسریٰ به**'' سے لے کر ''**واللہ اعلم**'' تک (ترجمہ) آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا۔ پھر ''**سدرة المنتهیٰ**'' اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لئے جسم پر روح کے احکام جاری ہوئے اور روح پر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ''**الرؤیا ما رائیته فی المنام**'' کہ رؤیا کے معنی خواب میں دیکھنے کے ہیں اور شہاب علی (الشفاء ج۲ ص۲۵۷) پر رؤیا کے معنی لکھے ہیں: ''**مایری فی المنام من الاحلام مصدر یختص بذالک ویقال فی غیره رویة بالتاء ورأی**'' کہ رؤیا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے سوا میں ''**رویت یارائ**'' استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہر جگہ خواب کے معنوں ہی میں آیا ہے۔ پارہ۱۲ ع۱۱،۱۶ اور پارہ۱۳ ع۵ وپارہ۲۳ ع۷ وپارہ۲۶ ع۱۲+ ایک فاضل دیوبندی فرماتے ہیں: ''**الرؤیا یستعمل فی المنام خاصة**'' کہ رؤیا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ (تسہیل البیان ص۳۰۴ مصنفہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی) مجمع البحار میں ہے: ''**الرؤیا مایری فی المنام**'' کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے اسے رؤیا کہتے ہیں اور امام ابومحمد القاسم ابن علی الحریری نے رؤیا کو بمعنی ''**رویت فی الیقظه**'' استعمال کرنا غلط بتایا ہے اور متنبّی کے شعر پر اعتراض کیا ہے: ''**وقد انکره الحریری تبعاً لغیره وقالوا انما یقال رؤیا فی المنام واما التی فی الیقظة فیقال رویة**'' کہ حریری کے سوا اور بہت سے علماء نے بھی اس استعمال سے انکار کیا ہے اور رؤیا کو خواب ہی سے مخصوص مانا ہے اور جب بیداری میں ہو تو اسے ''رویت'' کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج۸ ص۲۷۸) پس رؤیا کا لفظ اگر کشف پر جو بیداری میں ہوتا ہے۔ بولا گیا ہے تو اس کا استعمال مجازاً ہے۔

معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اوراس لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اوراسی طرح کے واقعات حضرت حز قیل اورموسیٰ علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوئے تھے اوراولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رؤیا میں ان کو معلوم ہوئی۔ و اللہ اعلم!

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے۔ خود احادیث صحیحہ اورمعتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اورشراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ تم نے فطرت کو اختیار کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو تمہاری تمام امت گمراہ ہو جاتی۔ اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اورضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کر دیا گیا ہے۔ (ص ۳۰۳،۳۰۶)

مذکوہ بالا عبارت سے امام ابن القیم اورحضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا مذہب معلوم ہوگیا بلکہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا کہ روح کے ساتھ تھا اورانہیں دونوں بزرگوں کو بمنزلہ شاہدین عادلین ٹھہرا کران کی عبارت کو مولوی ثناء اللہ صاحب (تفسیر ثنائی ج۵ص ۲۶) میں نقل کر کے لکھتے ہیں: ’’پس ان بزرگوں کے کلام سے جواز ثابت ہوتا ہے۔‘‘ پھر لکھتے ہیں: ’’غالباً اس رائے کو اختیار کرنے کے وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ ان بزرگوں کو پیش آئی ہوگی کہ آسمانی سیر کی حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ پھر اگر آپ اس جسم مطہر کے ساتھ تھے تو وہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ حالانکہ ان کا اس جسم خاکی کو چھوڑ دینا شہادت تواتر کے علاوہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے۔ فافھم و لاتعجل!‘‘

پھر لکھتے ہیں: ’’بڑا اعتراض تو آسمانی سیر جسمانی پر تھا جس کا حل شاہ ولی اللہ صاحب اورحافظ ابن القیم نے کر دیا۔ کیونکہ ان حضرات کی تقریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ عنصری جسم آنحضرت ﷺ کا آسمان پر نہیں گیا۔‘‘ (ص ۲۶)

اس عبارت سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا مذہب معراج کے متعلق واضح ہے کہ جسم عنصری کے ساتھ معراج نہیں ہوا۔ لیکن صفحہ اوّل میں جلی حروف سے لکھتے ہیں: ’’اسراء اورمعراج دو واقعہ الگ الگ ہیں اور یہ دونوں بیداری میں بجسدہ الشریف ہوئے ہیں۔‘‘ پس ابتداء میں تو لکھ دیا کہ جسد کے ساتھ معراج ہوا تھا لیکن آخر میں جا کر انکار کر دیا اورکہا کہ میرا مذہب تو معراج کے متعلق وہی ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب اورحافظ ابن القیم کا ہے۔ بہرحال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے۔ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اورائمہ نے معراج کو اس جسم عنصری سے تسلیم نہیں کیا۔

اورعلامہ زمخشری نے بھی تفسیر کشاف میں یہ اختلاف نقل کیا ہے: ’’**واختلف فی انہ کان فی الیقظۃ ام فی المنام، فعن عائشۃ** رضی اللہ عنہا **انہا قالت واللہ مافقد جسد رسول اللہ** ﷺ **ولکن عرج بروحہ، وعن معاویۃ انما عرج بروحہ وعن الحسن کان فی المنام رویارأہا** ﷺ‘‘ (کشاف ص ۷۵۸)

یعنی معراج میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ بیداری میں تھا یا خواب میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو یہی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: بخدا آپ کا جسد شریف گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح کا عروج ہوا تھا اوریہی مذہب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا اورامام حسن بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ خواب میں آپ نے رؤیا دیکھی تھی۔

اسی طرح حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ’’**ذالک رؤیا وانہ ما فقد جسد رسول اللہ** ﷺ **وانما اسری بروحہٖ وحکی ھذا القول ایضاً عن عائشۃ ومعاویۃ**‘‘ (تفسیر کبیر ج۵ ص ۳۷۸)

اس سے ثابت ہے کہ حذیفہؓ بھی جسمانی معراج کے قائل نہ تھے۔

نوٹ: حضرت عائشہؓ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ معراج کے وقت تو وہ چھوٹی تھیں تو ان کی شہادت کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک موجود تھا یا غائب۔ چنانچہ (دفع العجاج ص ۲۸) میں مختار مدعیہ نمبر۲ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی بھی حضرت عائشہؓ کا مذہب یہی لکھتے ہیں: ''مافقد جسمہ'' اور (ص ۴۳) میں لکھتے ہیں: جسم مبارک غائب نہیں ہوا اور روحانی اسراء ہوئی۔ پھر وہی اعتراض کرتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کی رات کے قصہ کی نسبت کیسے فرماسکتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک غائب تھا یا موجود، یہ اعتراض بھی قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ مافقد بصیغہ مجہول کہنا صرف عینی شہادت پر ہی محمول نہیں ہوسکتا بلکہ سماع کی صورت میں بھی کہنا صحیح اور درست ہے اور ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے یہ بات سنی ہو۔ چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں: ''فاذالم تشاھدذالک عائشة دل علی انھا حدثت عن غیرھا من الصحابة فحدیثھا من مرسلات الصحابة فھو صحیح ایضاً کماعلیه المحدثون''　(الخفاجی)

یعنی اگر حضرت عائشہؓ نے خود نہیں دیکھا تو ضرور ہے کہ انہوں نے کسی اور سے روایت کی ہے اور وہ صحابی ہوسکتا ہے۔ پس یہ حدیث مرسلات صحابہ میں سے ہو تو بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ محدثین کا مذہب ہے۔　(شہاب علی الشفاء ج۲ ص ۳۰۵)

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ معراج جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں وہ جسمانی ہوا تھا۔ دوسرے معراجوں کے متعلق ہم نہیں کہتے اور یہ قول بھی محققین کے نزدیک مردود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جو متعدد معراج مانتا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھلائی اور لغو کام کیا۔ ''فقد ابعدوا غرب وھرب الی غیر مھرب ولم یتحصل علی مطلب'' (ابن کثیر ج۶ ص ۴۰) اور (زادالمعاد ج اوّل) میں اس قول کو باطل اور خبط محض لکھا ہے۔ نیز علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔　(شرح مواہب ج ا ص ۳۰۸)

بہرحال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو بغیر جسم عنصری کے مانا ہے اور اسی امر کے قائلین میں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حضرت عائشہؓ۔ (۲) حضرت معاویہؓ۔ (۳) حذیفہؓ۔ (۴) امام حسن بصری۔ (۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب۔ (۶) اور سرسید کو خود مختار مدعیہ مان چکا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر تھے اور مسلمان ہیں اور مولوی ثناء اللہ کی مذکورہ بالاعبارت سے بھی ثابت ہے کہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا اور اگر معراج کے واقعات پر بھی غور کیا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالم اعیان کا واقعہ نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

۱...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرج سقف بیتی'' (مشکوٰۃ ص ۵۳۹) کہ فرشتہ چھت پھاڑ کر آپ کے پاس آیا۔ اوّل تو فرشتہ کے آنے کے لئے چھت پھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ نیز وہ پھٹی ہوئی چھت صبح کو دیکھی نہیں گئی اور نہ کسی روایت میں ہی آیا ہے کہ وہ درست کی گئی۔

۲...... پھر تمام فوت شدہ انبیاء کی ملاقات کا ہونا اور آپ کی اقتداء میں نماز کا ادا کرنا سیر روحانی کے ہونے کی دلیل ہے۔

۳...... آپ کا سینہ آب زم زم سے دھو کر پاک کیا گیا ہے اور آپ کا قلب چیر کر ایمان اور حکمت سے بھرا گیا۔ حالانکہ جسم عنصری میں نہ تو سینہ کے چیرے جانے کا کوئی نشان تھا نہ دل کے چاک کئے جانے کا کوئی اثر۔

۴...... ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ غور کرو کیا ایمان اور حکمت مادی چیزیں ہیں، جنہیں برتن میں لانے کی ضرورت پڑی۔

۵...... سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے دو دریا باطنی اور دو ظاہری دیکھے۔ ’’اما الظاھران فالنیل والفرات‘‘ (مشکوٰۃ ص۵۲۷) ظاہری نیل اور فرات تھے۔ حالانکہ نیل اور فرات زمین پر ہیں نہ کہ آسمان پر۔

۶...... دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے اور حضور سرور عالم ﷺ نے دودھ کو اختیار کا تو جرائیل علیہ السلام نے دودھ اور شراب کی تعبیر کردی کہ دودھ سے مراد فطرت اور شراب سے مراد ضلالت ہے۔

۷...... جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کئے تو تمثیلاً بیت المقدس آپ کے سامنے لایا گیا۔ (مشکوٰۃ ص۵۳۰)

۸...... سب ارواح کا پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں دیکھنا۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۹) حالانکہ سب ارواح تو پہلے آسمان پر نہیں ہیں۔

۹...... ’’وسمع فیہ صریف الاقلام‘‘ (مشکوٰۃ ص۵۲۹) قلموں کی آواز بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ جو امور اللہ تعالیٰ کے حضور لکھے جاتے ہیں وہ ہمارے جیسے قلم اور دواتوں سے نہیں لکھے جاتے۔

۱۰...... آپ جنت میں گئے تو آگے کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو وہ بلال رضی اللہ عنہ ہے۔ (مشکوٰۃ ص۵۷۵)

اور پھر براق جس کا قد خچر اور گدھے کے درمیان تھا، منتہائے نظر پر اس کا قدم پڑنا یہ سب امور ایسے ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ کشفی اور روحانی معاملہ تھا اور کوئی نص شرعی ایسی نہیں جو ہمیں مجبور کرے کہ تمام واقعات ظاہر پر حمل کئے جائیں اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان تمام واقعات کی تعبیر اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھی ہے۔

اب جب کہ معلوم ہوگیا کہ متقدمین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا معراج جسم عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں تو اگر کوئی شخص معراج جسم عنصری کے ساتھ ہونے کا قائل نہ ہو تو اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود نے بحیثیت حکم ہونے کے جو معراج کی حقیقت بیان کی ہے، وہ اس امر میں قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ’’ایسا ہی ایک اور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہے وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا۔ سو یہ عقیدہ غلط ہے اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت ﷺ اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔

بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، در آیات بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی، جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ مگر وہی جن پر کیفیت طاری ہوئی ہو۔‘‘

(تقریر احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے ص۱۵، خزائن ج۲۰ ص۴۹۰، ملفوظات ج۸ ص۳۶۳)

اسی طرح فرماتے ہیں: ’’واما معراج رسولنا ﷺ فکان امرا اعجازیامن عالم الیقظۃ الروحانیہ اللطیفۃ الکاملۃ، فقد عرج رسول اللہ ﷺ بجسمہ الی السمآء وھو یقظان لاشک فیہ ولاریب، ولکن مع ذالک مافقد جسمہ من السریر کما شھد علیہ بعض ازواجہ رضی اللہ عنھن وکذالک کثیر من الصحابۃ‘‘

(حمامۃ البشریٰ ص۳۴، خزائن ج۷ ص۲۱۹،۲۲۰)

یعنی آنحضرت ﷺ کا معراج ایک اعجازی امر تھا اور ایک کامل لطیف بیداری کے عالم میں ہوا اور اس میں شک نہیں کہ

آنحضرت ﷺ اپنے جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں آسمان پر چڑھے لیکن باوجود اس کے آپ کے جسم مبارک آپ کی چارپائی سے علیحدہ نہیں ہوا۔ جیسا کہ آپ کی ایک بیوی نے اور بہت سے دیگر صحابہ نے اس امر کی شہادت دی ہے۔

۱…… پس آپ کا مذہب معراج کے بارہ میں وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ معراج کشف میں ہوا۔ جس میں جسم عنصری نہیں ہوتا بلکہ جسم نورانی ہوتا ہے۔

۲…… دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ آیا ایسا معراج دیگر انبیاء یا اولیاء میں سے بھی کسی کو ہوا۔ مولانا سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے…… اور اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ اقدس میں بار پاکر ''قاب قوسین'' (دوکمانوں کا فاصلہ) سے بھی زیادہ نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کا شانۂ آب وخاک میں واپس آجاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ''وکذالک نری ابرھیم ملکوت السموٰت والارض (الانعام:۷۵)'' اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان وزمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہی اسراء اور معراج ہے۔''

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب کا معراج تکوین ب ۲۸ سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر جلوہ حق کا جو پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کا مجموعہ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بتفصیل مذکور ہے اور اس میں آثار قیامت جزا وسزا اور جنت ودوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہوں اور ان کو تمام مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ مجوس اپنے پیغمبر زرتشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں۔ جس میں زیادہ آنحضرت ﷺ کے واقعات معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیروان بدھ بھی نخل حکمت کے سایہ میں بدھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ج۳ ص۲۷۱،۲۷۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیگر انبیاء کو بھی اسی طرح معراج ہوئی جس طرح آنحضرت ﷺ کو۔ فرق مراتب کا ہے لیکن بعض کو ''قاب قوسین اوادنیٰ'' تک بھی معراج ہوئی۔ امت محمدیہ کے اولیاء میں سے بھی بعض نے ایسی معراج کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں۔

گرچو احمد در شب معراج وصل　　از حرم تا صوب اقصیٰ میردم
از زمین تا سدرہ وز سدرہ بعرش　　بر براق برق آسا میردم
از فلک بگذشت واز انس و ملک　　از دنا سوئے تدلیٰ میردم
قاب قوسین است او ادنیٰ حجاب　　بے حجب تا حق تعالیٰ میردم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص۵۴)

اس طرح صفحہ ۶۵ پر فرماتے ہیں۔

گر عروج جان معینے با یدت بر نہ فلک　　در رکاب خواجہ لولاک میباید شدن

کیا مختار مدعیہ خواجہ معین الدین چشتی کے متعلق بھی کہے گا کہ وہ کافر و مرتد تھے۔ اس لئے کہ وہ اپنے لئے آنحضرت ﷺ جیسا معراج ثابت کر کے شرک فی الرسالت کے مرتکب ہو کر کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

تیسری بات کہ کیا حضرت مسیح موعود نے آنحضرت ﷺ کے معراج کی طرح کئی معراجوں کا اپنے لئے دعویٰ کیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے معراج کی طرح معراج ہوئی اور جس عبارت سے غلط استدلال کر کے مختار مدعیہ نے آپ پر یہ افتراء کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے: ’’سیر معراج اس جسم کثیف (عنصری، خاکی۔ شمس) کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجے کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہئے۔ ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت ﷺ کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمورہ عالم کی انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھتا ہوں۔ بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام حاشیہ ص ۴۷، ۴۸، خزائن ج ۳ ص ۱۲۶)

مختار مدعیہ نے اس حوالہ کو ایسے طریق پر پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت مسیح موعود اپنے کشفوں کے مقابلہ پر معراج کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ مختار مدعیہ کا دیدہ دانستہ عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کرنا ہے۔ کیونکہ اس حوالہ کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود آنحضرت ﷺ کا معراج ایسا مانتے ہیں، جس میں آپ کا ذاتی[ا] طور پر کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور یہ کہ آپ کا معراج عرش عظیم تک ہوا تھا۔

اور حضرت مسیح موعود کے اس قول سے کہ اس قسم کے کشفوں میں خود مؤلف صاحب کو تجربہ ہے۔ یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ آپ کو ویسے معراج ہوا جیسے رسول اللہ ﷺ کو۔ بلکہ آپ نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ کشف کی حالت درحقیقت بیداری سے زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوئی ہے۔ اپنے کشوف کا ذکر کیا ہے کہ میں بھی اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ نہ یہ کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے بھی آنحضرت ﷺ کی طرح معراج ہوئی نہ ایک بلکہ کئی۔ جیسا مختار مدعیہ سمجھتا ہے۔

(۴) معجزۂ شق القمر

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے کلمہ کے جزء ثانی کے قائل نہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے:

لہ خسف القمر المنیر وان لی　　غسا القمران المشرقان اتنکر

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)

[ا] ذاتی طور پر کی شرط میں نے اس لئے لگا دی ہے کہ تا وہ اولیاء جو باتباع آنحضرت ﷺ اپنے لئے معراج کو ثابت کرتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین نے لکھا ہے:

عروج جان معینے براوج اوادنی　بجز متابعت مصطفیٰ نے بینم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۴۵)

کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے لئے شق القمر کا معجزہ اقویٰ طور پر ثابت کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے کمزور کر کے دکھایا ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی توہین لازم آتی ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب کافر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج۔ یہاں یہ تاویل نہیں چلی کہ چاند گہن مراد ہے۔ کیونکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا ہی نہیں۔

آخری حصہ کے جواب میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جو شخص علم طبیعیات سے اس درجہ ناواقف ہو اور دورہ ارضیہ کے قانون سے اس قدر غافل ہو اور باوجود ہر سال چاند گہن کا مشاہدہ کرنے کے لئے یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا نہیں، اس کو سمجھانا عقل مندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کی کتب اسلامیہ اور تاریخ سے ناواقفیت ثابت کرنے کے لئے ایک حوالہ دے دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ تفسیر روح المعانی جس کے حوالے گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے اور لکھا بھی وہی ہے جو حضرت مسیح موعود نے بیان فرمایا ہے: ''ویؤید کونه لیلة البدر ما اخرجه الطبرانی وابن مردویه من طریق عکرمة عن ابن عباس قال کسف القمر علی عهد رسول اللہ ﷺ فقالوا سحر القمر فنزلت اقتربت الساعة الی مستمر'' (روح المعانی ج۸ص۲۷۱)

اس بات کی تائید کی کہ شق القمر چودھویں رات کو ہوا۔ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابن عباس سے بطریق عکرمہ طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں چاند گہن ہوا تو انہوں نے کہا کہ چاند پر جادو چل گیا ہے۔ سورۃ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس شعر میں تو آپ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے لئے آسمان پر چاند کا نشان ظاہر ہوا اور میری صداقت ظاہر کرنے کے لئے چاند اور سورج کا نشان۔ اے مخالف! کیا پھر بھی تو میری صداقت کا انکار کرے گا۔ اس شعر میں نہ تو کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے جس سے آنحضرت ﷺ کی توہین لازم آتی ہو اور نہ حضرت مسیح موعود کا افضل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ آپ نے اس شعر سے ماقبل اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اس لئے کہ میں آنحضرت ﷺ کا روحانی فرزند ہوں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

وانی ورثت المال مال محمد　　فما انا الا آله المتخیر

(اعجاز احمدی ص۷۰، خزائن ج۱۹ص۱۸۲)

اور میں محمد ﷺ کے مال کا وارث بنا گیا ہوں، پس اس کی آل برگزیدہ ہوں۔ جس کو ورثہ پہنچے گا۔'' اور فرماتے ہیں ؎

فلا والذی خلق السماء لاجله　　له مثلنا ولد الی یوم یحشر

وانا ورثنا مثل ولد متاعه　　فای ثبوت بعد ذالک یحضر

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا۔ ایسا نہیں کہ اس کی اولاد نہ ہو، بلکہ ہمارے نبی ﷺ کے لئے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہوں گے اور ہم نے اولاد کی طرح وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے۔ جو پیش کیا جائے۔''

اس سے اگلے شعر میں چاند سورج گہن کا ذکر فرماتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نشان بھی آپ کو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے ورثہ میں ملا ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں:

وانی لظل ان یخالف اصله　　فما فیه فی وجهی یلوح ویزهر

اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہوسکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔''

(اعجاز احمدی ص۷۰،۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۲،۱۸۳)

لہٰذا آپ کے لئے جو نشان ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی برکت سے ہیں۔ اگر روایتوں میں یہ خبر نہ ہوتی کہ چاند اور سورج کا گہن مہدی موعود کی صداقت کی دلیل ہوگی تو وہ نشان کیونکر ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے اپنی متعدد کتب میں اس پیش گوئی کا ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی مدح وثنا کی ہے اور درود بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔ چنانچہ آپ کتاب (نورالحق حصہ دوم ص۵۸،۵۹، خزائن ج۸ ص۲۵۶،۲۵۷) میں فرماتے ہیں:

ترجمہ از اشعار عربی ''تیرے پر جان قربان ہو، اے بہتر مخلوقات ہم نے تیری خبر کا نور اندھیرے میں دیکھ لیا۔ ہم نے سورج اور چاند کو دیکھ لیا جیسا کہ تو نے اشارہ کیا تھا۔ بہ تحقیق دونوں کو گرہن لگ گیا، تا خلقت منور ہو، ہمیں خدا تعالیٰ کی مدد تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آئی اور ہم بیٹوں کی طرح وارث ہیں اور بزرگوں کے تمام مال کے وارث ہوگئے ہیں۔

''بخدا میں کافر نہیں۔ میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحب مقام محمود ہے اور میرا دل نبی ﷺ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اپنے دل کو اسی کے لئے سراسیمہ دیکھتا ہوں اور نبی ﷺ کا ذکر میرے دل کے لئے آرام ہے اور میری جان کے لئے مثل طعام کے ہے اور میرا دشمن بے شرمی سے ناحق بدگوئی کر رہا۔''　(نورالحق حصہ دوم ص۶۰، خزائن ج۸ ص۲۵۸)

حضرت مسیح موعود تو کسوف خسوف کو آنحضرت ﷺ کا فرمایا ہوا نشان قرار دیتے ہیں اور اس پر آپ کا شکریہ بجالاتے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو موجب توہین آنحضرت ﷺ قرار دیتا ہے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عربی زبان میں خسوف کا لفظ خرق اور شق کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے: ''خسف الشیئی خرقه، وخرق الثبوت شقه'' اور تاج العروس میں اس استعمال کو مجاز قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: ''ومن المجاز خسف الشیئی یخسفه خسفاً ای اخرقهٗ''

حضرت مسیح موعود نے شعر میں آنحضرت ﷺ کے ذکر کے ساتھ تو خسف القمر فرمایا ہے اور اپنے لئے غسا القمران اور غسا القمران کے معنی سورج اور چاند کا تاریک ہوجانا ہے اور اردو ترجمہ میں خسوف کا لفظ ہی رہنے دیا۔ کیونکہ وہ دونوں پر صادق آتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے معجزہ شق القمر کا ذکر آپ نے متعدد کتب میں کیا ہے۔ سرمہ چشم آریہ میں اس معجزہ کے ثبوت میں ایک لمبی محققانہ بحث کی ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے تحریر فرمایا ہے: ''ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت ﷺ کا شق القمر ہے...... جو اسی الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو ایسی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۶۵،۶۶، خزائن ج۵ ص۶۵،۶۶)

پھر آپ فرماتے ہیں: ''ایسا ہی شق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے۔ یہ سراسر فضول باتیں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے: ''اقتربت الساعة انشق القمر وان یروا اٰیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر''

یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا یہ پکا جادو ہے جس کا آسمان تک اثر چلا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ میرا دعویٰ نہیں بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے جو سخت دشمن تھے اور کفر پر ہی مرے تھے۔ اب

ظاہر ہے، اگر شق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو مکہ کے مخالف لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ وہ بلاشبہ شور مچاتے ہیں کہ ہم پر یہ تہمت لگائی ہے۔ ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا اور عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افتراء خیال کر کے پھر بھی چپ رہتے۔ بالخصوص جب کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا۔ اس حالت میں ان کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے۔ نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر مہر لگا دیتے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا۔'' (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۴۲، خزائن ج۲۳ ص۴۱۱)

اور (چشمہ معرفت ص۲۲۳، خزائن ج۲۳ ص۲۳۲) میں فرماتے ہیں: ''اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشان نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی اور یہ آیتیں بطور پیش گوئیوں کے ہیں۔ اس صورت میں شق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگا۔ کیونکہ خسوف وکسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے ایک استعارہ ہے۔''

پس حضرت مسیح موعود نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لئے بطور استعارہ استعمال کیا ہے اور مراد شق القمر کا معجزہ ہے جس کا یقینی اور قطعی ہونا آپ اپنی متعدد کتب میں ذکر فرما چکے ہیں۔

شق القمر کے معجزہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس کا ذکر سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی (سیرۃ النبی ج۴ ص۳۸۳) میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔''

اس عبارت میں ان لوگوں کو بھی جو عہد نبوی میں شق القمر کے وقوع کے ہی قائل نہیں۔ مسلمان کہا ہے اور (ص۳۸۷) میں لکھتے ہیں: ''بعض متکلمین نے جن میں ایک ولی اللہ شاہ صاحب بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا۔ بلکہ لوگوں کا ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انس ؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''سئل اهل مكه فاراهم القمر فرقتين (صحيح مسلم) ''اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔'' الغرض یہ واقع ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے لئے شق القمر کا نشان کفار کے مطالبہ پر دکھایا گیا اور یہ بھی واقع ہے کہ روایت میں مہدی معہود کی صداقت کا ایک نشان ماہ رمضان میں سورج چاند کا گہن قرار دیا گیا ہے اور وہ گہن ۱۳۱۱ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ پس یہ دو نشان ہیں جو ظاہر ہوئے اور ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انہی دونوں کا آپ نے اپنے شعر ؎

له خسف القمر المنير وان لى　　　غسا القمران المشرقان اتنكر

(اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۳)

میں ذکر کیا ہے اور اس میں نہ تو معجزہ شق القمر کا استخفاف ہے نہ آنحضرت ﷺ کی توہین۔

(۵) آثرک اللہ علی کل شیئی

(اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۳، حقیقت الوحی ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲)

مختار مدعیہ نے اس الہام کو خلاف منشاء ملہم لے کر عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے بھی کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

اس الہام کا اصل ترجمہ جو خود حضرت مسیح موعود نے (حقیقت الوحی ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲) میں یہ کیا ہے: ''خدا نے تجھے ہر ایک چیز میں سے چن لیا۔'' اب ظاہر ہے کہ اس الہام سے مراد صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو ہر ایک چیز میں سے چن لیا ہے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء میں سے چن لیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے: ''**واٰتاکم مالم یوت احداً من العالمین**'' کہ تمہیں وہ کچھ دیا جو کسی کو جہانوں میں سے نہیں دیا اور فرمایا: ''**وانی فضلتکم علی العالمین**'' کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی اور اسی طرح عام بنی اسرائیل کے حق میں فرمایا: ''**ولقد اخترنا ھم علی علم علی العالمین** (دخان)'' یعنی ہم نے ان کو علم کے ساتھ جہان والوں میں سے چن لیا ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور امت محمدیہ پر بھی ان کو فضیلت دی گئی تھی۔ تمام مفسرین ان آیات کی تفسیر میں ''**عالمی زمانھم**'' یعنی ان کے زمانہ کے عالم مراد لیتے ہیں۔ پس اگر مختار مدعیہ انصاف پسند یا تعصب سے خالی ہوتا تو با آسانی سمجھ سکتا تھا کہ اس الہام سے آنحضرت ﷺ پر آپ کی فضیلت نہیں نکلتی۔ کیونکہ اس الہام سے پہلے (حقیقت الوحی ص۸۳، خزائن ج۲۲، ص۸۶) پر یہ الہام درج ہے۔ ''پاک محمد ﷺ مصطفیٰ نبیوں کا سردار۔'' اور اس کے بعد (حقیقت الوحی ص۹۵، خزائن ج۲۲، ص۹۹) پر یہ الہام درج ہے: ''**کل برکة من محمد ﷺ فتبارک من علم وتعلم**'' یہ تو تمام برکت محمد ﷺ سے ہے۔ پس بہت برکتوں والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔'' پہلے الہام سے تو آنحضرت ﷺ کا سید الانبیاء ہونا ظاہر ہے اور دوسرے الہام سے آنحضرت ﷺ کا استاد ہونا اور مسیح موعود کا شاگرد ہونا ثابت ہے اور درمیان میں الہام: ''**اٰثرک اللہ علی کل شیٔ**'' ہے جس سے مختار مدعیہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ گویا آپ نے آنحضرت ﷺ سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نہ تو صرف حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کے ہی خلاف ہے جس کا آپ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ اس الہام سے پہلے اور پچھلے الہام کے بھی خلاف ہے۔

(۶) آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا

(حقیقت الوحی ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲)

اس الہام سے بھی مختار مدعیہ نے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ گویا آپ کو آنحضرت ﷺ سے افضلیت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسی قسم کے فقرات صوفیہ اور دوسروں کی کتابوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان کا مفہوم مختار مدعیہ کی طرز پر لیا جائے تو تمام صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کو انبیاء اور اولیاء کی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ چنانچہ ایسے ہی اقوال کو لے کر بعض سفہاء اور کم علم لوگوں نے بزرگان دین پر اعتراضات کئے ہیں۔ حالانکہ قائلین کا وہ منشاء نہ تھا جو معترضین نے اس سے پیدا کیا۔ چنانچہ مولوی محمد منظور صاحب نے اپنی کتاب ''سیف یمانی'' میں بزرگان دیوبند کے بعض ایسے فقرات کی تشریح لکھی ہے جن کی بناء پر ہندوستان اور عرب کے علماء نے ان کے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب مذکور اپنی کتاب (یمانی ص۱۲۹) میں رسالہ ''عقائد وہابیہ دیوبندیا'' مؤلفہ مولوی نثار احمد صاحب کانپوری سابق مفتی آگرہ کے ایک اعترض کا جواب دینے کی غرض سے لکھتے ہیں: ''آپ (یعنی مفتی نثار احمد صاحب) نے تقویۃ الایمان سے حضرت شہید مرحوم (مولانا اسماعیل شہید) کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ: ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔'' اس کے بعد آپ نے اپنی طرف سے یہ منطق جاری کی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام حضرات انبیاء اولیاء کرام داخل ہیں۔ لہٰذا یہ ان تمام حضرات کی توہین ہے۔''

یہ عبارت لکھ کر مولوی محمد منظور صاحب تقویۃ الایمان کے جملہ کا وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو ان کے خیال میں صحیح ہے۔ لکھتے ہیں: ’’اس وقت ہمارے سامنے سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین کے ملفوظات مسمی بفوائد الفواد ہیں۔ اس کے (ص۱۰۱) پر ہے: ’’ایمان کسے تمام نشود تا ہمہ خلق نزد او ہم چناں نماید کہ پشک شتر۔‘‘ یعنی کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا۔ جب تک ساری مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنی کے برابر نہ ہو اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی (عوارف المعارف ص۴۵) پر ہے: ’’لا یکمل ایمان امرأ حتی یکون الناس عندہ کالاباعر ‘‘یعنی کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح نہ ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کی وہ منطق ان دونوں عبارتوں میں بھی جاری ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟ کیا تمام مخلوق اور تمام لوگوں میں حضرت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام داخل نہیں اور اگر جاری ہوتی ہے تو کیا آسمان ولایت کے یہ دونوں آفتاب وماہتاب بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی کافر ہیں جیسے کہ شہید مرحوم۔ ’’بیّنوا توجروا‘‘

پس باوجودیکہ شہید مرحوم کی عبارت میں ہر مخلوق اور خواجہ نظام الدین صاحب کی عبارت میں ہمہ خلق کے الفاظ موجود ہیں لیکن پھر بھی علماء دیوبند تمام مخلوقات مراد نہیں لیتے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے الہام جس میں سب تخت یا کل یا تمام تختوں کے اترنے کا بھی ذکر نہیں بلکہ کئی تختوں کے اترنے کا ذکر ہے۔ اس سے ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے کل تخت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الہام بھی گزشتہ الہام کی طرح الہام ’’پاک محمد ﷺ مصطفیٰ نبیوں کا سردار‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۳، خزائن ج۲۲ ص۸۶) اور الہام: ’’کل برکۃ من محمد ﷺ فتبارک من علم وتعلم ‘‘(حقیقت الوحی ص۹۵، خزائن ج۲۲ ص۹۹) کے درمیان (ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲) پر ہے: اس کے معنی اوّل وآخر کے الہامات کے خلاف کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ اس سے مراد اولیاء امت محمدیہ کے تخت ہیں اور آپ کا درجہ ان سب سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الاولیاء ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا مقام اور رتبہ سب انبیاء سے بلند تر ہے۔ کیونکہ آپ خاتم النّبیین ہیں۔ بے شک آپ کو نبی کا خطاب دیا گیا ہے لیکن یہ مستقبل نبوت نہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی اتباع سے یہ مرتبہ آپ کو نصیب ہوا ہے۔ اس لئے ان تختوں سے مراد وہی تخت ہیں جو آنحضرت ﷺ کی اتباع میں کاملین امت محمدیہ کو ملے۔ پس انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جیسے انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال سے اس اعتراض کو دور کرنے کے لئے توجیہات کیں، ایسے ہی انہیں چاہئے تھا کہ فریقین مخالف کے بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنے کے بجائے توجیہات کو قبول کرتے۔ جو ان کی ان توجیہات سے جو انہوں نے اپنے بزرگوں کے کلام سے اعتراض دور کرنے کے لئے کیں، بہت ظاہر اور واضح تھیں۔ اس طرح پیران پیر کا ایک یہ ارشاد بھی موجود ہے: ’’قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی ‘‘(مقامات امام ربانی ص۱۰۴) کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے استفسار کیا کہ: ’’پیران پیر صاحب کا قدم سب پیروں کی گردن پر ہے۔ اس کی کوئی اصلیت، طریقت وتصوف میں بھی ہے یا نہیں۔‘‘ مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ پیران پیر کا قدم ہونا سب کی گردن پر۔ اس سے مراد ان کی بزرگی اور بڑائی ہے۔ اس میں کیا حرج ہے جو ان سے بڑے ہیں۔ ان کا قدم حضرت پیران پیر کی گردن پر ہے۔　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل ص۷۷، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی)

حضرت سید عبدالقادر کے قول میں تو کسی کا استثناء نہیں تھا۔ لیکن مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے جواب سے ظاہر ہے کہ جس عبارت میں بظاہر کوئی استثناء نہ بھی ہو تو بھی قائل کے حالات اور اس کے گروہ کے دوسرے افراد کو مدنظر رکھ کر استثناء ہوسکتا ہے۔

(۷) اٰتانی مالم یؤت احداً من العالمین

(حقیقت الوحی ص۱۰۷، خزائن ج۲۲ ص۱۱۰)

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی وہی نتیجہ نکالا ہے جو نمبر۵،۶ سے نکالا کہ اس میں حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ چیز دی ہے جو گزشتہ اور موجودہ زمانوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ اس میں صریح توہین نبی کریم ﷺ کی ہے۔ مختار مدعیہ کا اس الہام سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آیت: ’’انی فضلتکم علی العالمین ‘‘اور آیت: ’’واتاکم مالم یؤت احداً من العالمین ‘‘ سے یہ نتیجہ نکالے کہ بنی اسرائیل کو گزشتہ اور موجودہ تمام اقوام اور انبیاء پر فضیلت ہے۔ ان کو وہ کچھ عطاء ہوا جو غیر اسرائیلی انبیاء کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ ویسے ہی مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا الہام سے توہین انبیاء یا توہین آنحضرت ﷺ کا نتیجہ نکالنا غلط اور باطل۔ مختار مدعیہ نے یہ الہام حقیقت الوحی سے پیش کیا ہے اور حقیقت الوحی میں حضرت مسیح موعود نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ’’اور مجھ کو وہ چیز دی جو اس زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۱۰۷، خزائن ج۲۲ ص۱۱۰)

حضرت مسیح موعود تو العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد لیتے ہیں اور مختار مدعیہ باوجود اس تشریح کے خلاف منشاء ملہم یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس سے گزشتہ اور موجودہ زمانہ کے تمام لوگ مراد ہیں۔‘‘

(۸) علم میں مقابلہ

مختار مدعیہ نے ایک یہ بھی الزام قائم کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے (ازالہ اوہام ص۶۹۰ تا ۶۹۲، خزائن ج۳ ص۴۸۲،۴۸۳) میں لکھا ہے کہ دجال اور خردجال وغیرہ کے متعلق جو پیش گوئیاں ہیں وہ آپ ﷺ پر پورے طور پر منکشف نہیں ہوئیں۔ پس جس نے یہ کہا کہ آنحضور پر منکشف نہ ہوئیں اور مجھ پر ہوئیں تو ایسے شخص کا آنحضرت پر ایمان کیسا؟ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ سے زیادہ علم دیا گیا ہے۔

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے جس حوالہ کی بناء پر اس نے یہ اعتراض کیا ہے۔ اس میں تفاضل علمی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس قضیہ میں علمی فضیلت کا سوال ہی اٹھ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے جو لکھا ہے، وہ احادیث کے بالکل مطابق ہے اور ائمہ اسلام کا بھی وہ مذہب ہے۔ عقائد کی کتب میں لکھا ہے: ’’ان النبی ﷺ قد یجتھد فیکون خطا کماذکرہ الاصولیون وکان النبی ﷺ یشاور الصحابۃ فیمالم یوح الیہ وھم یراجعونہ فی ذالک …… وفی الحدیث ماحدثتکم عن اللہ سبحانہ فھو حق وماقلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشرٌ اخطی واصیب ‘‘(نبراس ص۳۹۲) کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے اور وہ کبھی خطا ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں نے لکھا ہے اور ان امور میں ان کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ آپ صحابہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں وہ تو درست ہوتی ہے۔ یعنی اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔ ہاں! جو بات میں اس وحی الٰہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں۔ اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی ہے اور شرح (فتوح الغیب ص۳۱۴) میں شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: ’’انبیاء را اجتہادات مے باشند وگاہے خطاء نیز مے افتد‘‘ اور علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی انبیاء سے اجتہادی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’حضرت داؤد علیہ السلام سے جو بالاتفاق نبی ہیں اور معصوم ہیں۔ اجتہاد میں غلطی ہوئی۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۴۸)

جو باتیں آئندہ زمانے سے تعلق رکھتی ہوں ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء پر موبموان کا انکشاف کردے۔ بلکہ ایسی پیش گوئیوں میں اکثر ابہام ہوتا ہے اور اس کی اصل حقیقت اور اصل مراد اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اس کا وقوع ہو۔ چنانچہ احادیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود نے (ازالہ اوہام ص ۶۸۸، خزائن ج۳ ص۴۷۱) میں کیا ہے جنہیں مختصراً عرض کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: ''انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو وخطاء ہے۔ مثلاً: اس خواب کی بناء پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لئے موجب ابتلاء کا ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس امید پر کہ اب کے سفر میں طواف میسر آجائے گا۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل درمنزل طے کر کے اس بلاد مبارکہ تک پہنچے۔ مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس رویاء کی تعبیر ظہور میں نہ آئی اور رسول کریم ﷺ کی خواب وحی میں داخل ہے۔'' پس اس کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کئے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لمبے ہاتھ ہیں، وہی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ اس وجہ سے باوجودیکہ آپ کے روبرو ہاتھ ناپے گئے۔ مگر آپ نے منع نہ فرمایا کہ یہ حرکت خلاف منشاء پیش گوئی ہے۔ جیسا کہ (فتح الباری ج۳ ص۳۲۹) میں ایک روایت ہے: ''فلم ینکر علیھن''

اسی طرح ابن صیاد کی نسبت صاف طور وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت ﷺ کا اوّل اوّل یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ (چنانچہ حدیث میں آتا ہے: ''عن نافع کان ابن عمر یقول واللہ ما اشک ان مسیح الدجال ابن صیاد'' (ابوداؤد، مشکوٰۃ) یعنی حضرت ابن عمر خدا کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں ذرا شک نہیں اور بخاری اور مسلم میں محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو اس بات پر قسم کھاتے ہوئے سنا کہ ابن صیاد ہی الدجال ہے تو میں نے کہا کہ تم قسم کھاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا: ''انی سمعت عمر یحلف علٰی ذالک عند النبی ﷺ فلم ینکرہ النبی ﷺ'' کہ میں نے عمر کو اس بات پر آنحضرت ﷺ کے سامنے قسم کھاتے ہوئے سنا اور نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ اے عمر تم غلط کہہ رہے رہو اور مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ قطب الدین فرماتے ہیں: ''حال اس (ابن صیاد) کا مبہم ہے اور آنحضرت ﷺ پر بھی اس بات میں وحی نہیں اتری۔'' اور ایسا ہی نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''حلف عمر نزد رسول خدا ﷺ وغایت مبنی بر ظن او وسکوت آنحضرت ﷺ بجہت آں بود کہ وی دراں وقت متردد بود۔'' (حجج الکرامہ ص۴۱۷)

۴...... ایسا ہی سورۃ روم کی پیش گوئی کے متعلق جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرط لگائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا کہ ''بضع'' کا لفظ لغت عرب میں نوبرس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نوبرس کی حد کے اندر کس سال تک یہ پیش گوئی پوری ہوگی۔

۵...... ایسا ہی وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں: ''فذھب وھلی الٰی انھا الیمامۃ اوھجر فاذاھی المدینۃ یثرب'' صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اپنی اجتہاد سے پیش گوئی کا محل ومصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی (اشاعۃ السنہ جلد نمبر۱۰ ص۲۹۶،۲۹۷) پر مذکورہ بالا حدیث نقل کرتے ہیں: ''عن عائشۃ ان النبی ﷺ قال لھا اریتک فی المنام فی سرقۃ من حریر ویقول ھذہ امرأتک فاکشف عنھا فاذا ھی انت فاقول ان یک ھذا من عند اللہ یمضہ

(بخاری ص ۵۵۱) ’’یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت قبل از نکاح مشاہدہ کرائی گئی اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہوگی۔ آنحضرت کو (باوجودیکہ اصل الہام میں شک نہ تھا اور انبیاء کا الہام منامی ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ یقینی ہوا کرتا ہے) اس الہام کی تعبیر و مراد سمجھنے میں اشتباہ واقع ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہو۔ (یعنی بظاہر معنی کے اس صورت سے عائشہ صدیقہ ہی مراد ہے) تو خدا اس کو سچا کرے گا۔

جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنی سمجھنے میں ’’سید الملہمین و خاتم المرسلین و خاتم النّبیین‘‘ کو شک و اشتباہ واقع ہوا اور الہام دوئم کے معنی سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی خلاف نکلا۔‘‘ اس قسم کی مثالیں پیش کر کے حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیش گوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام کبھی غلطی بھی کھاتے ہیں۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں اس خطاء کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھائے جاتے ہیں۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیش گوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق راز ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔ اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل حقیقت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی۔ صرف امثلہ قریبہ اور صورت متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے، اجمالی طور پر سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت میں کچھ جائے حرف نہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۶۹۰ تا ۶۹۲، خزائن ج ۳ ص ۴۷۲، ۴۷۳)

چونکہ بعض پیش گوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی کیفیت وقوع کا پتہ واقع ہونے پر لگتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود کا یہ تحریر فرمانا کہ اگر آنحضرت ﷺ پر دجال اور خر دجال وغیرہ کی حقیقت موبمو منکشف نہ ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اب اگر حضرت مسیح موعود پر ان کشوف کی حقیقت ان پیش گوئیوں کے مصداق کے ظہور کے بعد ظاہر ہوگئی تو اس سے حضرت اقدس کے علم کا آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اگر یہی چیزیں آنحضرت ﷺ کے وقت ظہور پذیر ہو جاتیں تو سب سے پہلے آپ ہی پر ان کشوف کی حقیقت منکشف ہوتی۔ ہاں! جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قوی ممکن ہے۔ آپ کو سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور آپ جس قدر اپنی فراست سے غیب محض کو سمجھ سکتے تھے اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’ہمارے رسول اللہ ﷺ کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے۔ بلکہ ہمارے بھائی اگر جلدی سے جوش میں نہ آجائیں تو میرا یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فراست اور فہم کے برابر نہیں۔ مگر پھر بھی بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت ﷺ نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔‘‘

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۴۰۰، خزائن ج ۳ ص ۳۰۷)

پس اگر پیش گوئیوں کو سمجھنے میں قبل از وقوع کسی شخص کو غلطی واقع ہو اور اس پر بعد از وقوع اس کی اصل کیفیت وقوع کا انکشاف تام نہ ہو لیکن اس کی وفات کے بعد کسی پر حقیقت منکشف ہو جائے تو جس پر حقیقت منکشف ہوتی ہو، اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس

شخص سے جس پر قبل از وقوع حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی، علم میں زیادہ ہے۔ کیونکہ اگر پیش گوئی کرنے والا شخص بھی اگر وقوع کے وقت زندہ ہوتا تو اس سے پہلے ہی سمجھ لیتا۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ اعتراض ان اشخاص نے کیا ہے جن کے مقتداء اور پیشوا آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ لکھ چکے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔'' (حفظ الایمان ص۷ مؤلفہ اشرف علی تھانوی) بتاؤ یہ کہنا صریح گالی نہیں؟ کیا نبی کریم ﷺ کو صرف اتنا ہی علم غیب دیا گیا ہے جتنا کہ ہر پاگل اور چوپائے کو حاصل ہے؟ اور لکھتے ہیں: ''شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سے نص قطعی ہے۔ (براہین قاطعہ مؤلفہ خلیل احمد انبیٹھوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص۵۱) اس میں ابلیس لعین کا مقابلہ آنحضرت ﷺ سے کر کے شیطان ملعون کا علم آنحضرت ﷺ کے علم سے زیادہ بتلایا ہے۔ کیا اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین نہیں ہے اور یہ عبارت سوء ادبی کی مشعر نہیں ہے۔

(۹) انا فتحنا لک فتحاً مبینا

مختار مدعیہ نے (خطبہ الہامیہ ص۱۹۳، خزائن ج۱۶ ص۲۸۸) کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔ ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اس وقت مسیح موعود کا وقت ہو۔'' اس کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے: ''سبحٰن الذی اسریٰ...... الخ! (الآیۃ)''

اور اس نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ! حضرت مسیح موعود نے آنحضرت ﷺ کی فتح مبین کو استخفاف کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنی فتح کو بتایا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر باطل اور خلاف منشاء متکلم ہے۔

جس فتح مبین کی طرف آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی اور بزرگان امت محمدیہ بھی یہی مانتے چلے آتے ہیں اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایسی فتح اور غلبہ حاصل ہوگا جو پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح اور مہدی دیگر مذاہب والوں سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں ہوگا اسے تلوار کے گھاٹ اتاریں گے اور دنیا میں سوائے مذہب اسلام کے اور کوئی مذہب نہ ہوگا، اگرچہ ہمارے نزدیک دین کے مقابلہ میں جبر کرنا مذہب اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے۔ لیکن اتنا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسلام دلائل قاہرہ اور حجج باہرہ کی رو سے تمام ادیان پر غالب آئے گا اور جن ممالک میں اسلام کی تبلیغ واشاعت نہ ہوتی تھی، وہاں بھی شمس اسلامی طلوع کرے گا۔ ظلمات میں زندگی بسر کرنے والوں کو بھی اپنی شعاعوں سے نورانی بنائے گا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ کرۂ معمور کے لوگ اسلام کو اختیار کریں گے اور دنیا میں دیگر مذاہب کے پیرو اتنی قلیل تعداد میں رہ جائیں گے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہوں گے۔ چنانچہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتداء مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب (منصب امامت ص۵۶) میں لکھتے ہیں: ''قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (الحجرات:۲۸)'' ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین درزمان پیغمبر ﷺ بوقوع آمدہ واتمام آں از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید۔''

اور فرماتے ہیں کہ:’’قل یٰآیھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً (الاعراف:۱۵۸)‘‘ ظاہر است کہ تبلیغ رسالت بہ نسبت جمیع ناس از آنجناب متحقق نگشتہ بلکہ امر دعوت از آنجناب شروع گردیدہ یوماً فیوماً بواسطہ خلفاء راشدین وائمہ مہدیین رو بتزائد کشید تا اینکہ بواسطہ امام مہدی اتمام خواہد رسید۔‘‘

کیا یہاں بھی مختار مدعیہ مولانا شہید کے متعلق وہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے نعوذ باللہ! آنخضرت ﷺ کی توہین کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ظہور دین کی ابتداء تو آنخضرت ﷺ کی طرف منسوب کی۔ لیکن کامل غلبہ اور اتمام ظہور دین مہدی کی طرف منسوب کیا اور اسی طرح کہا کہ آنخضرت ﷺ سے آیت:’’قل یٰآیھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً‘‘ کے حکم کے مطابق تمام لوگوں تک تبلیغ رسالت متحقق نہیں ہوئی۔ بلکہ تبلیغ رسالت بھی مہدی کے ذریعہ سے پوری ہوگی۔ جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی حالت شروع میں ہلال کی مانند تھی۔ پھر خلفاء کے ذریعے سے ترقی پکڑتی گئی۔ یہاں تک کہ مہدی موعود کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچ جائے گی اور بدر کی حالت کے مشابہ ہوگی۔ اگر مختار مدعیہ یہ سمجھ لیتا کہ نبی کے اتباع کے ذریعے جو فتوحات اور دین کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں وہ دراصل اسی نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور اس میں اس نبی کی توہین نہیں، بلکہ تکریم اور اعزاز ہوتا ہے تو وہ یہ اعتراض نہ کرتا۔ بلکہ سمجھتا کہ آنخضرت ﷺ کے ایک امتی کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا آنخضرت ہی کی فتح ہے۔ کیونکہ آنخضرت کے وقت میں جو فتح حاصل ہوتی وہ بھی اسلام کی فتح تھی۔ مسیح موعود کے زمانہ میں جو فتح مقدر ہے وہ بھی اسلام ہی کی فتح ہے جو آنخضرت ﷺ کا دین ہے۔ پس آپ کے دین کی فتح آپ کی ہی فتح ہے جو آپ کے ایک روحانی فرزند کے ہاتھ پر ہوگی۔ اس میں آپ کی توہین نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود اس عبارت کے آگے (ص۲۰۰) پر فرماتے ہیں:’’اور چونکہ مسیح موعود نبی کریم کے وجود کا آئینہ اور برکات کی اشاعت اور تمام دینوں پر اسلام کے غلبہ سے آنجناب کے امر کا تمام کرنے والا تھا۔ لہٰذا نبی کریم نے اس کی کوشش کو پسند کیا۔ جیسا کہ باپ بیٹوں کی کوشش کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ وصیت فرمائی کہ آنجناب کا سلام اس کو پہنچایا جائے اور اس سلام سے یہ اشارہ ہے کہ سلامتی اور بلندی مسیح کے شامل حال ہوگی۔‘‘

مختار مدعیہ ان فتوحات کو جو آنخضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ حاصل ہیں۔ تسلیم کرتا ہے اور اس سے آنخضرت کی کوئی ہتک نہیں سمجھتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی فتوحات سے وہ آنخضرت ﷺ کی ہتک نکالنا چاہتا ہے اور اس کا سبب تعصب کے سواء اور کچھ نہیں۔

آنخضرت ﷺ کی خصوصیات

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے مندرجہ ذیل دس الہامات کا ذکر کیا ہے۔

۱…… ’’ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ‘‘

(براہین احمدیہ ص۲۳۹، خزائن ج۱ ص۲۶۵ حاشیہ در حاشیہ نمبر۱)

۲…… ’’انا اعطینٰک الکوثر‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۱۷، خزائن ج۱ ص۶۱۷ حاشیہ در حاشیہ)

۳…… ’’عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا‘‘ (آسمانی فیصلہ ص۱۹، خزائن ج۴ ص۳۴۲)

۴...... ’’ماارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۶،خزائن ج۱ص۶۰۳)

۵...... ’’قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۵،خزائن ج۱ص۶۰۰)

۶...... ’’مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ‘‘ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۳۸،خزائن ج۱ص۲۶۵ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱)

۷...... ’’ماینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحٰی‘‘ (تذکرہ طبع چہارم ص۳۷۸)

۸...... ’’ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۱۴،خزائن ج۱ص۶۱۳ حاشیہ درحاشیہ)

۹...... ’’سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۵ حاشیہ درحاشیہ،خزائن ج۱ص۶۰۰)

۱۰...... ’’لولاک لماخلقت الافلاک‘‘ (تذکرہ طبع چہارم ص۶۱۲)

ان الہامات کے متعلق مختارمدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان میں جن مقامات اورمراتب کا ذکر ہے وہ آنحضرتﷺ کی خصوصیات ہیں۔ جوان خصوصیات کاانکارکرے،اس کا آنحضرتﷺ پرایمان کیا؟ وہ اگر ہزارمرتبہ بھی’’لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ کہےتو قابل قبول نہیں۔

سوان تمام امور کا جواب گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ کے بیان میں مفصل مذکورہے۔اس میں ائمہ اوراکابرین، اولیاء، امت محمدیہ کے اقوال سے ثابت کیا گیاہے کہ اگرکسی پران آیات کا القاء ہوجن میں خاص آنحضرتﷺ کوخطاب کیا گیاہے تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔اگروہ مرتبہ یامقام بطریق وراثت جس لائق کہ ملہم ہے،’’علی حسب المنزلت‘‘ اس کونصیب ہوگا اوراس امرونہی وغیرہ میں وہ آنحضرتﷺ کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔اس لئے ملاحظہ ہوبیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱۔

ان صفحات میں اس امرکی تائید میں کہ مقام محمودوغیرہ مراتب میں اولیاء اللہ کوحصہ ہے اوراولیاء امت بھی بطریق وراثت ان میں آپ کے شریک ہوسکتے ہیں۔ایک حوالہ مولانا عبدالعلی صاحب بحرالعلوم کا اورایک شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا اورایک شیخ عبدالرزاق صاحب قاشانی کا اورایک سیدعبدالقادر جیلانی اورایک خواجہ معین الدین چشتی کا پیش کیا ہے اورآیات قرآن کریم کے الہام ہونے کے جواز پرایک حوالہ’’اثبات الھام والبیعۃ‘‘ کتاب کا جومولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کی تصنیف ہےاورایک حوالہ فتوح الغیب کا اورایک مقامات امام ربانی مجددالف ثانی کا ایک علم الکتاب کا دیاہےجن کے جواب میں ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں مختارمدعیہ نے یہ کہاہے کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پرآیات نازل ہوئیں۔صرف ایک حوالہ علم الکتاب کا ہی پیش کیا تھا کہ ان پرآیات اتری ہیں اورمصنف کتاب خوداقراری ہے کہ یہ اقتباس ہیں نہ کہ الہام۔گواہ نمبر۱مدعاعلیہ نے بجواب جرح ۱۱؍مارچ یہ تسلیم کیا ہے کہ اقتباس کسی کے کلام کواپنے کلام میں لانے کوکہتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ مختارمدعیہ کوقرآن مجیدکی آیات سے دلچسپی نہیں ہے۔ورنہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ علم الکتاب کے حوالے کےسواآیات قرآنی کے نزول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا۔کیونکہ فتوح الغیب کے حوالہ میں جوجملہ (انک الیوم لدینا مکین امین) ہےاورمقامات امام ربانی کے حوالہ میں’’انا نبشرک بغلام ن اسمہ‘‘ اوراثبات الالہام والبیعۃ (ص۱۴۲،۱۴۳) کے حوالہ میں جوعربی کلام درج ہے: وہ آیات قرآنی ہیں جن کا اولیاء اللہ پرنازل ہونے کا جوازتسلیم کیا گیاہےاوروہ اولیاء اللہ کوالہام ہوئی ہیں اورمختارمدعیہ نے گواہ نمبر۱مدعاعلیہ کی طرف جواقتباس کی تعریف منسوب کی ہے۔اس میں دیدہ دانستہ خیانت سے کام

لیا گیا ہے۔ کیونکہ گواہ نمبرا مدعا علیہ نے اقتباس کا یہ مطلب ''کسی کے کلام کو اپنی کلام میں لانا'' بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اقتباس الہام کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔ جرح ۱۱/مارچ ۱۹۳۳ء

اس قید کے بڑھانے کی وجہ یہ تھی کہ خواجہ میر درد نے جو آیات اقتباس کی ہیں تو وہ اپنی طرف سے نہیں، بلکہ بذریعہ الہام خاص آپ کے قلب پر القاء کی گئی ہیں۔ چنانچہ علم الکتاب کی عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں: ''**وامرنی فی قلبی بالالهام الخاص**'' کہ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں الہام خاص کے ساتھ حکم کیا اور الہام خاص کی تعریف انہوں نے یہ بیان کی ہے۔

''الہام خاص آنست کہ اوسبحانہ، بر بندگان خاص درحالت قرب مع اللہ یا برقلوب ایشان بے دخل فکر واندیشہ وبے توسط حواس دیگر بالقائے رحمانی مے اندازد وورنائی نفوس ایشان کلمات بے صدائی خود میسر آید...... ویا بعض اوقات بوساطت ملائکہ بآواز وصوت ہم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش مے رساند وایں را آواز سروش نیز مے خوانند واحساس ایں سردش گاہ بگوش ظاہری ہم کردہ مے شود واکثر ہمہ گوش باطن مے شنود، ہر جا کہ اولیاء لفظ الہام را بحال خود بیان کردہ اند مراد از آں ہمیں الہام خاص است علم الکتاب ص۸۲'' جب الہام خاص کی تعریف معلوم ہوگئی تو اب ہر انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جن آیات قرآنیہ کے متعلق خواجہ نے ''**امرنی فی قلبی بالالهام الخاص**'' کہا ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان آیات کو آپ کے دل میں الہام کیا ہے۔ اس عبارت کے بعض فقرات خود دلالت کررہے ہیں کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان سے یہ باتیں کی ہیں۔ چنانچہ اسی عبارت کے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے پکارا اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اے خدا کی آیت میں تیری عبودیت کا شاہد ہوں تو میری الوہیت کا شاہد بن۔ بے شک تو میرا عبد اور میرا اور میرے رسول کا مقبول ہے۔ پس جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔ ''الی آخر المکالمۃ'' اسی طرح دوسری عبارت جو (ص۶۴) سے درج کی گئی ہے۔ اس کے بھی ابتداء میں لکھا ہے: ''**وقال بالالهام الشافی**'' کہ خداتعالیٰ نے مجھے الہام شافی کے ذریعہ کہا کہ یہ میری کتاب لے جا اور اپنے قریبی خاندان کے لوگوں کو ڈرا۔ اس عبارت میں فرماتے ہیں:

۱...... ''**وانی لااقول الاما امرنی به ربی**'' اور میں سوائے اس کے جو میرا رب مجھے حکم دیتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔

۲...... ''**ولقد القی الله علیٰ قلبی من آیات بینات مع انی لست حافظ القرآن**''

اور خداوند تعالیٰ نے میرے قلب میں کھلی کھلی آیات القاء کی ہیں۔ حالانکہ میں قرآن کا حافظ نہیں ہوں۔ لفظ القاء جو اس عبارت میں استعمال کیا گیا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ الہام خاص یا از اقسام وحی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وحی کے لئے بھی القاء کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے فرمایا: ''**ویلقی الروح من امره علی من یشآء من عباده**'' کہ وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنے حکم سے کلام القاء کرتا ہے اور یہ بات کہ خواجہ میر درد نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا تو یہ ایک صوفیہ کی اصطلاح ہے۔ جیسے گواہ نمبرا نے اپنے بیان میں ذکر کردیا ہے۔ چنانچہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں: ''فرق مراتب کے لحاظ سے یہ اصطلاح قرار پائی گئی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی کہتے ہیں اور اولیاء کی وحی کو الہام۔'' اور اس کی تفصیل مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں اچھی طرح کی ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں صفائی کے ساتھ پیش کردیا۔

(۱) ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ

یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں دین اسلامی کے دیگر ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور یہی آیت حضرت مسیح موعود پر بذریعہ الہام نازل ہوئی، تا ظاہر ہو کہ اس کامل غلبہ کا وقت آ گیا ہے اور اس کے سامان بھی آپ کو عطاء کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا، اس نے دو امر کے ساتھ اس کو بھیجا ہے کہ ایک تو یہ کہ اس کو نعمت ہدایت سے مشرف فرمایا ہے۔ یعنی اپنی راہ کی شناخت کے لئے روحانی آنکھیں اس کو عطاء کی ہیں اور علم لدنی سے ممتاز فرمایا ہے اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے اور اس طرح پر الٰہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا۔ اس حق کی بجا آوری کے لئے آپ اس کی تائید کی ہے اور اس لئے اس کا نام مہدی رکھا۔ دوسرا امر جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے وہ دین الحق کے ساتھ روحانی بیماروں کو اچھا کرنا ہے۔ یعنی شریعت کے صدہا مشکلات اور معضلات حل کر کے دلوں سے شبہات دور کرنا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسیٰ رکھا...... کیونکہ جب اس کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ اسلام کی خوبی اور فوقیت ہر ایک پہلو سے تمام مذاہب پر ثابت کر دے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ علم محاسن وعیوب مذاہب اس کو دیا جائے اور اقامت حجج اور افحام خصم میں ایک ملکہ خارق عادت اس کو عطاء ہوا اور ہر ایک پابند مذہب کو اس کے قبائح پر متنبہ کر سکے اور ہر ایک پہلو سے اسلام کی خوبی ثابت کر سکے اور ہر ایک طور سے روحانی بیماروں کا علاج کر سکے۔''

(اربعین نمبر۲ ص۹،۱۰، خزائن ج۱۷ ص۳۵۶)

(سراج منیر ص۳۶، خزائن ج۱۲ ص۴۲،۴۳) میں آپ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ ان پر ظلم ہوا اور خدا ان کی مدد کرے گا۔ یہ آیت قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہے اور رسول سے مراد مامور اور فرستادہ ہے جو دین اسلام کی تائید کے لئے ظاہر ہوا۔ اس پیش گوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے، یہ اس لئے تا کہ اس کے ہاتھ سے دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشے اور ابتداء میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو۔ لیکن آخر میں فتح ہوگی اور یہ دین مامور کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب آ جائے گا اور دوسری تمام ملتیں دلائل بینہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی۔ دیکھو یہ کس قدر عظیم الشان پیش گوئی ہے اور یہ وہی پیش گوئی ہے جو ابتداء سے اکثر علماء کہتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے حق میں ہے اور اس کے وقت میں پوری ہوگی اور براہین احمدیہ میں سترہ (۱۷) برس مسیح موعود کے دعویٰ سے پہلے درج ہے: ''تا خدا ان لوگوں کو شرمندہ کرے کہ جو اس عاجز کے دعویٰ کو انسان کا افتراء خیال کرتے ہیں۔'' پس اس آیت کا حضرت مسیح موعود اور مہدی پر الہام ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت کے متعلق تفسیروں میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت کا حقیقی مصداق اور اظہار الدین علی المخالفین مسیح موعود اور مہدی معہود کے وقت میں ہوگا۔ چنانچہ مولانا اسماعیل صاحب شہید منصب امامت میں فرماتے ہیں: ''قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ'' ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین درزمان پیغمبر ﷺ بوقوع آمدہ واتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید۔''

(منصب امامت ص۵۶)

چونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا ہے اور اس آیت میں جس غلبہ کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا کمال اور اتمام مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ میں وقوع پذیر ہونا تھا۔ اس لئے اس آیت کا آپ پر الہاماً نازل ہونا جائے اعتراض نہیں ہوسکتا۔

(۲) انا اعطینک الکوثر

مختار مدعیہ نے اس الہام کی بناء پر اعتراض کیا ہے کہ حوض کوثر جس کی توصیف احادیث میں آتی ہے، جسے آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے مخصوص قرار دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے لئے تجویز کیا۔ مختار مدعیہ کا مقصد اگر عدالت کو مغالطہ دینا نہ ہوتا تو وہ ضرور ایسے اعتراضات سے اجتناب کرتا۔ کیونکہ خود مسیح موعود نے کسی جگہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر دیا ہے۔ بلکہ آپ نے حقیقت الوحی (ص ۲۵۹، خزائن ج ۲۲ ص ۲۷۱) میں کوثر مراد کثرت لی ہے اور اسی الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے: ’’ہم نے کثرت سے تجھے دیا۔‘‘

چنانچہ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ جب کہ آپ کو یہ مولوی مسلمان سمجھتے تھے اور خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ کا ریویو کرتے ہوئے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں اس اعتراض کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔ ’’اور آیت نمبر ۸ کا مخاطب قرآن میں تو وہ (مؤلف براہین احمدیہ۔ شمس) آنحضرت ﷺ ہی کو سمجھتے ہیں اور کوثر سے اس آیت میں حوض کوثر میدان محشر (جس کا آنحضرت ﷺ کو وعدہ دیا ہے اور یہ وعدہ آنحضرت کے سواء کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ چہ جائے ولی) مراد خداوندی سمجھتے ہیں اور جب انہیں الفاظ سے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا تو انہیں (نہ آیت قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھ کر کوثر سے وہ معارف کثیرہ (جو خدا نے ان کو عطاء فرمائے ہیں) مراد خداوندی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ (ص ۵۱۷) کتاب ان الفاظ ملہمہ کا ترجمہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔‘‘

’’ہم نے تجھے معارف کثیرہ عطاء فرمائے ہیں۔ اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے۔‘‘ اور حضرت مسیح موعود نے (انجام آتھم ص ۵۸، خزائن ج ۱۱ ص ۵۸) میں اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے: ’’ہم نے تجھے بہت سے حقائق اور معارف اور برکات بخشے ہیں۔‘‘

(۳) عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود نے اس آیت قرآنی کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے (دافع البلاء ص ۶) کا حوالہ دیا ہے اور (ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۸) پر جو اس کا ترجمہ درج ہے، وہ دانستہ نظرانداز کیا ہے جس پر درحقیقت کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا، اور وہ یہ ہے: ’’وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کروں گا کہ دنیا تیری حمد وثناء کرے گی۔‘‘

حضرت اقدس نے اس کے یہ معنی کئے ہیں، لیکن مختار مدعیہ وگواہان مدعیہ کے مسلم پیشوا شیخ عبدالرزاق قاشانی نے تو مہدی معہود کے لئے بھی مقام محمود تجویز کیا ہے۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں تحریر فرماتے ہیں: ’’فله المقام المحمود‘‘ (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ص ۵۳) کہ مہدی کے لئے بھی مقام محمود ہے۔

اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: ’’وهو المقام المحمود الذی لایشارکه فیه له، من الانبیاء والرسل الا اولیاء امته‘‘ (ہدیہ مجددیہ ص ۷۰) اور مقام محمود میں آنحضرت ﷺ کا انبیاء اور رسولوں سے کوئی شریک اور وارث نہیں ہوتا۔ مگر وہ اولیاء جو کہ آپ کی امت سے ہوں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مقام محمود میں انبیاء مرسلین سابق تو آپ کے شریک نہیں ہوسکتے۔ مگر آپ کی امت کے اولیاء شریک ہیں۔ کیا مختار مدعیہ ان بزرگوں کو بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کا منکر قرار دے کر کلمہ کا منکر، کافر ومرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرائے گا۔

(۴) وما ارسلناک الا رحمة للعٰلمین

اسی الہام سے بھی مختار مدعیہ نے وہی مغالطہ دینا چاہا ہے جو پہلے الہاموں سے۔ گویا حضرت مرزا صاحب نے آنحضرتﷺ کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کر کے کلمہ کی جزو ثانی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ صریح کذب ہے۔ حضرت مسیح موعود قرآنی آیت کا مصداق آنحضرتﷺ کو ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں: ’’پھر دوسری جگہ فرمایا: ’’وما ارسلنک الا رحمة للعٰلمین ‘‘ یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لئے تجھے نہیں بھیجا، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہاں پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہاں کا خدا ہے۔ ایسا ہی آنحضرتﷺ تمام دنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے نہ کہ کسی خاص قوم سے۔‘‘ (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص۱۶، خزائن ج۲۳ ص۳۸۸)

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے اور پہلے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی بھی رسول کریمﷺ کی طرح رحمۃ للعالمین ہوگا۔ چنانچہ علامہ سید محمد شریف محمد بن رسول حسینی برزنجی ثم المدنی اپنی کتاب ’’الاشاعة لاشراط الساعة‘‘ (مطبوعہ مصر ص۱۶۸) میں لکھتے ہیں: ’’فالمهدی کما کان رسول اللهﷺ قال الله تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین، والمهدی یقفوا ثره ولا یخطئ فلابد ان یکون رحمة‘‘ یعنی مہدی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جیسا کہ رسول کریمﷺ خدا کی رحمت تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مہدی آنحضرتﷺ کے نقش قدم پر چلے گا اور خطاء نہیں کرے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ بھی رحمت ہو۔

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تو جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتداء اور پیشوا ہیں۔ علماء اسلام کو بھی رحمۃ للعالمین میں شریک سمجھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ’’لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہﷺ کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء و دیگر علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہﷺ سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کے لئے اس لفظ کو بتاویل بول دے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد!‘‘ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوئم ص۱۲)

اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حق میں جو ان کا مقتداء ہے اور خاتم الاکابر اور خاتم المحدثین ہے (دیکھو مرثیہ شیخ الہند محمود حسن بروفات مولوی رشید احمد صاحب) کافر اور مرتد اور کلمہ کی جزء ثانی کے منکر ہونے کا فتویٰ دے گا۔ کیونکہ مختار مدعیہ جس بات کو آنحضرتﷺ کی صفت خاصہ بتاتا ہے اس کے سب سے بڑے مقتداء نے اس کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ لفظ رحمت للعالمین صفت خاصہ رسول اللہﷺ کی نہیں ہے۔ افسوس کہ مختار مدعیہ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں ہے۔

پس حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا الہام سے آنحضرتﷺ کی توہین لازم نہیں آتی اور نہ آپ کی وہ خصوصیت جو قرآنی آیت میں مذکور ہے، زائل ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود اس الہام کے مصداق آنحضرتﷺ کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ہوئے ہیں اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں وہ بلاریب حسب مراتب رحمۃ للعالمین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ نے اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے: ’’اور ہم نے دنیا پر رحمت کرنے کے لئے تجھے بھیجا ہے۔‘‘ (اربعین نمبر۳ ص۲۵، خزائن ج۱۷ ص۴۱۳) اور دوسرا ترجمہ یہ کیا ہے: ’’میں نے تجھے اس لئے بھیجا ہے تاکہ سب لوگوں کے لئے رحمت کا سامان پیش کروں۔‘‘ (البشریٰ ج۱ ص۳۰)

(۵) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

مختارمدعیہ کے اس الہام پر اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں اس آیت میں آنحضرتﷺ ہی مراد ہیں۔لیکن اس الہام میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے کہ وہ آپ کی پیروی کریں۔کیونکہ آپ آنحضرتﷺ کی پیروہوکر محبوبیت کے درجہ تک پہنچے ہیں۔اس لئے آپ کی پیروی آنحضرتﷺ کی پیروی ہے۔جیسا کہ خواجہ میر درد نے (علم الکتاب ص۶۱) میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:''فمن اطاعک فقد اطاع اللہ والرسول'' کہ جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اور مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں اس الہام کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی''قرآن میں وہ (مؤلف براہین) یہی سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرتﷺ کے خطاب میں ہے اور اس میں آنحضرتﷺ کا اتباع امت پر لازم کیا گیا ہے اور جب ان ہی الفاظ سے خدا نے ان کو ملہم، مخاطب کیا تو ان الفاظ میں (نہ قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہیں اور اپنے اتباع سے اتباع آنحضرتﷺ مراد قرار دیتے ہیں۔چنانچہ (ص۵۰۴) کتاب ان الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ سے فرماتے ہیں کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، یعنی اتباع رسول مقبول کرو تا کہ خدا تم سے بھی محبت کرے۔ (اشاعۃ السنۃ ج۷ص۱۲۹)

پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود اپنے فرمان:

یک قدم دوری ازاں غالی جناب　نزد ما کفر است و خسران و تباب

کے مطابق آنحضرتﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔اس لئے آپ کی پیروی عین نبی کریمﷺ کی پیروی ہے۔چنانچہ فرمایا ہے کہ:''مؤلف کو محض یہ برکت متابعت حضرت خیر البشر وافضل الرسل یہ منصب عطاء ہوا ہے۔'' (اشاعۃ السنۃ ۷ج۷ حاشیہ ص۲۲۰)

نیز فرماتے ہیں:''سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا، اگر میں اپنے سید ومولا فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔''(حقیقت الوحی ص۶۲، خزائن ج۲۲ص۶۴) اور اس الہام میں مولویوں کی تکفیر کا رد بھی ہے۔چنانچہ حضرت مسیح موعود (نشان آسمانی ص۳۵، خزائن ج۴ص۳۹۹) میں اس الہام کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:''اور ایک طرف مولوی لوگ فتویٰ پر فتویٰ لکھ رہے ہیں کہ اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور ایک طرف خدا تعالیٰ اپنے اس الہام پر متواتر زور دے رہا ہے۔'' یعنی مخالفین کو اس الہام میں جواب دیا گیا ہے کہ یہ آنحضرتﷺ کا عاشق صادق اور اس کا شیدائی ہے۔اس لئے اس کی پیروی اور اس کی تقلید انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

(۶) مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی

مختار مدعیہ نے اس الہام پر جو اعتراض کیا ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں یہ آیت آنحضرتﷺ کے ہی حق میں ہے اور جس واقعہ کی طرف آیت قرآنی میں اشارہ ہے، اس الہام میں اس واقعہ کی طرف ہی اشارہ نہیں ہے۔چنانچہ حضرت مسیح موعود قرآنی آیت کے متعلق فرماتے ہیں:''ہمارے سید ومولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاءﷺ نے جنگ بدر میں ایک سنگ ریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی۔مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھلائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو، اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور

ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہوگئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جل شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے: ’’ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمٰی ‘‘یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۵، خزائن ج ۵ ص ۶۵)

اور اپنے الہام کی یہ تشریح فرمائی ہے: ۳؍مئی ۱۹۰۵ء ’’مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمٰی ‘‘(تشریح) حضرت مسیح موعود نے فرمایا: اس سے اشارہ ان اشتہارات کی طرف معلوم ہوتا ہے جو حال میں شائع ہو رہے ہیں۔ (البشریٰ ج ۲ ص ۹۷، بحوالہ بدر ج ۱ نمبر ۴ ص ۱)

پس یہ اعتراض کہ آنحضرت ﷺ کے معجزہ کو اپنی طرف منسوب کر لیا بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔

(۷) وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحٰی

مختار مدعیہ کا اس الہام پر بھی وہی اعتراض ہے جو پہلے الہاموں پر کیا ہے۔ اس لئے ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور حضرت مسیح موعود کے اس الہام سے یہ مراد ہے کہ آپ کے الہامات خدا کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ آپ الہام کا ترجمہ اس سے پہلے دو الہاموں کے ساتھ یہ کرتے ہیں: ’’پس تم قرآن کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے؟ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے۔‘‘

(اربعین نمبر ۳ ص ۳۷، خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۷)

اور اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی توہین لازم نہیں آتی بلکہ آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی اولاد روحانی آپ کے نقش قدم پر چل کر اور آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر ایسے مقام پر پہنچتی ہے اور عالی شان مرتبہ پاتی ہے جس میں ان کی وحی شیطانی دخل اور خواہشات نفسانی سے بالکل منزہ کی جاتی ہے اور یہ مقام علی قدر مراتب آنحضرت ﷺ کے بعد اولیاء کو ملتا رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد فرماتے ہیں: ’’الہام خاص آنست کہ او سبحانہ، بر بندگان خاص درحالت قرب مع اللہ یا قلوب ایشاں بے دخل فکر واندیشہ و بے توسط حواس دیگر بالقائے رحمانی مے اندازد و درنائے نفوس ایشاں کلمات بے صدائے خود میسر آید۔ و لیکن اولیاء راایں حالت دائم میشود و ہیچ گاہ خود درمیان نمے باشند و آئینہ دار مرتبہ ماینطق عن الھوٰی مے گردند و ہمہ کلمات چنیں اشخاص الہامات الٰہی است و ناشی از مشاہدہ و آں گاہی یا بعض اوقات بوساطت ملائکہ بآواز وصوت ہم پیغام خود حق سبحانہ باولیاء خویش مے رسانند واین را آواز سروش نیز مے خوانند و احساس ایں صدائے سروش گاہ بگوش ظاہری ہم کردہ میشود و اکثر ہمہ گوش باطن مے شنود۔‘‘ (علم الکتاب ص ۸۲) یہ جب مقام حسب مراتب پہلے اولیاء کو ملتا رہا ہے تو حضرت مسیح موعود کے اس مقام پر فائز ہونے پر اعتراض کیا معنی؟ اس کو کلمہ کے خلاف بتانا کیسا؟

(۸) وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم

اس الہام پر مختار مدعیہ کے اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ قرآن مجید میں خطاب تو آنحضرت ﷺ کو ہی ہے اور قرآن مجید کی آیت میں اور معنی ہیں اور اس الہام میں اور معنی چنانچہ حضرت مسیح موعود کا الہام یہ ہے: ’’ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیم انہ آویٰ القریۃ لولا الاکرام لھلک المقام ‘‘(دافع البلاء ص ۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۶) اور اس کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا ہے: ’’خدا ایسا نہیں کہ قادیان کے لوگوں کو عذاب دے۔ حالانکہ تو ان میں رہتا ہے۔ وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس کی تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔ (دافع البلاء ص ۷، خزائن ج ۱۸ ص ۲۲۷)

پس آیت قرآن مجید جو آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے، اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور اس الہام سے قادیان کے باشندے مراد ہیں۔''

(۹) سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ

مختار مدعیہ کے اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں جس اسراء کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے وہ اور ہے۔ چنانچہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرایا۔ یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے، معرفت اور یقین تک لدنی طور پر پہنچایا۔''

(البشریٰ ج۱ص ۲۸)

اور (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵، خزائن ج۲۱ ص ۲۱۱) پر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''ایک ہی رات میں سیر کرانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کردی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمال تک پہنچایا۔''

پس آنحضرت ﷺ کا اسراء اور رنگ کا ہے جس کا آیت قرآن میں ذکر ہے اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے وہ اور قسم کا ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے متعلق بھی ان کے مکتوبات کے حوالے سے لکھا: ''جو کمالات اوروں کو سالہا سال میں پیش آتے ہیں۔ حضرت کو آناً فاناً بسیر محبوبی و مرادی حاصل ہوئے۔'' (سوانح عمری امام ربانی مؤلفہ محمد حسین ابن قدوۃ الراسخین مولوی شیخ قادر بخش ص ۱۱)

(۱۰) لولاک لما خلقت الافلاک

حضرت مسیح موعود کے اس الہام کو بھی مختار مدعیہ نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح موعود نے اس کی تشریح میں فرمادیا ہے: ''ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے۔'' (حقیقت الوحی حاشیہ ص ۹۹، خزائن ج۲۲ ص ۲۰۲)

گویا حضرت مسیح موعود ان آسمانوں سے مراد روحانی آسمان لیتے ہیں جو ہر عظیم الشان مصلح کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل مصداق ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کا تو آنحضرت ﷺ کا وجود باجود ہی ہے۔ کیونکہ آپ نوع انسانی کے جو کہ اشرف انواع مخلوقات ہے، اکمل اور اعلیٰ فرد ہیں۔ جس پر تمام کمالات انسانی کا خاتمہ ہے۔ لیکن ظلی طور پر جو اپنے اندر آنحضرت ﷺ کے کمال رکھتا ہے، وہ بھی ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کا ظلی طور پر مصداق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''قتل المؤمن اعظم عنداللہ من زوال الدنیا'' (نسائی ج۲ ص ۱۶۵) اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے آئی ہے: ''قال لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مؤمن بغیر الحق'' ن کی شرح میں علامہ سندی یہ قول درج کرتے ہیں: ''المراد بالمؤمن الکامل الذی یکون عارفاً باللہ تعالیٰ وصفاتہ فانہ المقصود من خلق العالم لکونہ مظہراً لایات اللہ واسرارہ وماسواہ فی ھذا العالم الحسی من السمٰوات والارض مقصود لاجلہ ومخلوق لیکون مسکناً لہٗ ومحلا لتفکرہ ونصارزوالہ اعظم من زوال التابع'' (ابن ماجۃ ج۲ مصری حاشیہ ص ۷۰)

کہ حدیث میں مؤمن سے کامل مؤمن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہو۔ کیونکہ پیدائش عالم سے وہ ہی مقصود ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اسرار کا مظہر ہے اور اس کے علاوہ جو عالم محسوسات میں زمین وآسمان ہیں، اس کی

خاطران کے بنانے کا مقصد کیا گیا اور اسی لئے وہ پیدا کئے گئے تا کہ وہ کامل مؤمن کا جائے سکونت اور محل تفکر ہوں۔ لہٰذا کامل مؤمن کا زوال اعظم ہے تابع کے زوال سے۔

پس مذکورہ بالا الہام پر آنحضرت ﷺ کی اس حدیث اور مذکورہ بالا شرح کی روشنی میں کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ کہہ دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مختار مدعیہ تو اس امر کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت قرار دے کر اس میں کسی اور کا اپنے آپ کو شریک بتانا خواہ وہ ظلی طور پر ہی کیوں نہ ہو، کفر وارتداد قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے مسلم مقتداء و پیشواء وخاتم المحدثین جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرے سے اس حدیث کی صحت ہی کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ ’’اول ما خلق اللہ نوری‘‘ اور ’’لولاک لما خلقت الافلاک‘‘ صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی، ان کو وضعی بتاتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۴۰) پر لکھتے ہیں: یہ حدیثیں کتب صحابہ میں موجود نہیں، مگر شیخ عبدالحق نے ’’اوّل ما خلق اللہ نوری‘‘ کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔ فقط!‘‘ اس سے ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک نہ تو حدیث صحاح میں ہے اور نہ اس کی کچھ اصل ہے۔ اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب کو جو حدیث لولاک کی صحت ہی کے منکر ہیں اور اس کو وضعی اور بے اصل سمجھتے ہیں کلمہ کی جزء ثانی کا منکر قرار دے کر ان پر کفر وارتداد کا فتویٰ دے گا؟

(۱۱) عینیت کا دعویٰ

محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشدآء علی الکفار

مختار مدعیہ نے (حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۲، انوار العلوم ج۲ ص۵۷۲) سے مذکورہ بالا الہام پیش کر کے کہا ہے کہ (حضرت) مرزا صاحب نے صفات میں شرکت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آنحضور کی ذات میں بھی شرکت کا دعویٰ کیا ہے اور عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ملاحظہ ہو (حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۲، انوار العلوم ج۲ ص۵۷۲) کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود کی کتب کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی جانتا ہے کہ آپ نے کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ میں جسمانی لحاظ سے وہی محمد ﷺ ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آئے تھے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ظلی اور بروزی طور پر وہی محمد ہوں۔ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں اور میں آپ کا ظل ہوں اور آپ اصل ہیں۔ یعنی میں آپ کی خدمت شاگردی اور آپ کی اتباع میں اس قدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ (ایک غلطی کا ازالہ ص۴،۵، خزائن ج۱۸ ص۲۱۱،۲۱۲) میں ہی مصرح ہے جس کا حوالہ مختار مدعیہ نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ’’میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمّٰی ہوکر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔

اور فرماتے ہیں: ’’خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ اس طور سے خاتم النّبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔‘‘ (حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۵،۲۶۶، انوار العلوم ج۲ ص۵۷۶)

گواہ نمبر۱ نے اپنے بیان میں اس سوال کا جواب مفصل دے دیا ہے اور علماء سلف کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہو کر دوئی کو اٹھا دیتا ہے تو اس وقت اتحاد محبّ ومحبوب ہوتا ہے اور اس مشابہت تامہ کی وجہ سے اس کو محبوب کا نام دیا جانا ان کے اتحاد کی دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ مقامات امام ربانی (ص۴۰) میں لکھا ہے: ''حقیقت محمدی یہ مقام محبت ومحبوبیت ممتزجہ ذاتیہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے متبوع سے ایسی مشابہت ومناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا متبعیت درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع ومتبوع زائل ہو جاتا ہے اور ایسا متوہم ہوتا ہے کہ گویا تابع ومتبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ وہم آغوش ایک کنار وایک بستر ہیں۔ مگر تابع اپنے تئیں طفیلی اپنے متبوع کا جانتا ہے۔''

اور مہدی کے متعلق تو لکھا ہے کہ اس کا باطن محمد ﷺ کا باطن ہوگا۔ (شرح فصوص الحکم ص۵۲،۵۳) اور اسی طرح مولانا عبدالعلی صاحب بحرالعلوم نے لکھا ہے: ''بایزید چوں قطب وقت بود عین رسول بود، چرا کہ قطب نے باشد مگر برقلب محمد ﷺ وہر کہ قلب کسی بود عین آنکس است۔''　(مثنوی دفتر چہارم حاشیہ ص۱۵۰)

اب کیا مختار مدعیہ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی صاحب کو بھی جو بایزید بسطامی کو عین محمد کہہ رہے ہیں۔ کافر ومرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دینے کی جرأت کرے گا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بیان گواہ نمبر۱۔

(۱۲) شعر

مختار مدعیہ نے عینیت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کا یہ شعر (تریاق القلوب ص۳، خزائن ج۱۵ ص۱۳۴) سے پیش کیا ہے ؎

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا　　منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

اور اس شعر کو آنحضرت ﷺ کی توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس شعر سے نہ تو عینیت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کی کوئی توہین۔ کیونکہ اس شعر میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے کہ میں مسیح بھی ہوں اور خداتعالیٰ مجھ سے کلام بھی کرتا ہے اور بروزی طور پر میں محمد واحمد بھی ہوں۔ جیسا کہ آپ نے دوسرے مقامات میں تشریح فرمائی ہے کہ محمد واحمد کا نام خدا کی طرف سے مجھ کو بروزی طور پر عطاء کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اسی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں:

پناہ بیضہ اسلام آں جواں مردیست　　کہ خون بدل زپئے دین مصطفیٰ باشد
بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبتے خواہم　　مگر اعانت اسلام مدعا باشد

(تریاق القلوب ص۲ تا ۵، خزائن ج۱۵ ص۱۳۱ تا ۱۳۷)

چنانچہ اس کی تائید (تریاق القلوب ص۷، خزائن ج۱۵ ص۱۴۱) سے بھی ہوتی ہے، جہاں آپ فرماتے ہیں: ''اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو۔ میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال وتقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ جن کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم

روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔'' اور (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹، خزائن ج۲۱ ص ۱۱۶) میں فرماتے ہیں:

''ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خداتعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا آنحضرت ﷺ خاتم نبوت ہیں، ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔''

پس قائل کی تشریحات کے خلاف اس کے قول کی تشریح کرنا کسی طرح جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود کا جواب

یہ سب الہامات جو مختار مدعیہ نے بطور اعتراض پیش کئے ہیں اور ان سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کلمہ کی جزء ثانی سے انکار کو مستلزم ہیں۔ ان سب کے متعلق حضرت مسیح موعود نے براہین احمدیہ میں جس میں یہ الہامات درج ہیں یہی شبہ پیش کر کے جواب رقم فرمایا ہے: ''اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہئے کہ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی آل رسول مقبول کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے۔ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت کے کمالات قدسیہ سے شریک ومساوی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت ﷺ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوندکریم نے اس غرض سے تاکہ ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاویں مخالفین کو ملزم ولاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل آنحضرت ﷺ کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں۔ خدا ان کو فانی اور ایک مصفی شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ ص ۲۴۲، ۲۴۳، خزائن ج۱ ص ۲۶۸، ۲۶۹)

اور فرماتے ہیں: ''ان کلمات کا حاصل مطلب تلفظات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت خیرالرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مؤمن کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت ﷺ اور دوسرے سب طفیلی ہیں۔ اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک مدح وثنا جو کسی مؤمن کے الہامات میں کی جائے۔ وہ حقیقی طور پر آنحضرت ﷺ کی مدح ہوتی ہے اور وہ مؤمن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے اور وہ بھی محض خداتعالیٰ کے لطف واحسان سے نہ کسی اپنی لیاقت وخوبی سے۔''

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ ص ۴۸۷، ۴۸۹، خزائن ج۱ ص ۵۸۰، ۵۸۱)

اور آپ اپنے الہام: ''**کل برکة من محمد ﷺ فتبارک من علم وتعلم**'' کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایۂ الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد ﷺ کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے۔''

(ازالہ اوہام ص ۲۴۲، خزائن ج۳ ص ۴۱۷)

اورفرماتے ہیں: ''خداوندکریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے اور بہت سے حقائق ومعارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پر کردیا ہے اور بارہا بتلادیا ہے کہ یہ سب عطیات وعنایات اور یہ سب تفضلات واحسانات اور یہ سب تلطفات وتوجہات اور یہ سب انعامات وتائیدات اور یہ سب مکالمات ومخاطبات بےمن متابعت ومحبت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ہیں:

جمال ہم نشین درمن اثر کرد　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۴۰،۵۴۱، خزائن ج۱ ص۶۴۵،۶۴۶ حاشیہ)

آپ کی متعدد تصریحات سے ظاہر ہے کہ آپ پر انعامات کا نزول بابرکت متابعت مصطفیٰ ﷺ ہے اور آنحضرت ﷺ آپ کے مخدوم اور متبوع ہیں اور آپ ان کے خادم اور تابع ہیں۔''

دوسرا جواب

حضرت مسیح موعود نے ایسے الہامات اپنی کتاب اربعین نمبر۲ اور انجام آتھم میں تحریر فرما کر مخالفین کو مباہلہ اور بالمقابل دعا کرنے کے لئے دعوت دی ہے۔ چنانچہ الہام: ''الارض والسماء معک کماھو معی'' (اربعین نمبر۲ ص۶، خزائن ج۱۷ ص۳۵۲، انجام آتھم ص۵۲، خزائن ج۱۱ ص۵۲) میں: ''انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی'' (اربعین نمبر۲ ص۶، خزائن ج۱۷ ص۳۵۳، انجام آتھم ص۵۱، خزائن ج۱۱ ص۵۱) اور ''انت اسمی الاعلیٰ'' (اربعین نمبر۲ ص۳۴، خزائن ج۱۷ ص۳۸۲) اور ''انت منی بمنزلۃ لایعلمھاالخلق'' (اربعین نمبر۲ ص۳۲، خزائن ج۱۲ ص۳۸۰، انجام آتھم ص۱۵) اور ''کان اللہ نزل من السماء'' (انجام آتھم ص۶۲، خزائن ج۱۱ ص۶۲) اور ''انا فتحنا لک فتحا مبینا'' (اربعین نمبر۲ ص۶، خزائن ج۱۷ ص۳۵۲، انجام آتھم ص۵۸، خزائن ج۱۱ ص۵۸) اور ''ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ'' (اربعین نمبر۲ ص۵، خزائن ج۱۷ ص۳۵۲، انجام آتھم ص۵۱، خزائن ج۱۱ ص۵۱) اور: ''انا اعطینک الکوثر'' (اربعین نمبر۲ ص۳۵، خزائن ج۱۷ ص۳۸۴، انجام آتھم ص۵۸، خزائن ج۱۱ ص۵۸) اور ''وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین'' (اربعین نمبر۳ ص۲۳، خزائن ج۱۷ ص۴۱۰) اور ''قل ان کنتم تحبون اللہ'' (اربعین نمبر۲ ص۳۲، خزائن ج۱۷ ص۳۸۱، انجام آتھم ص۵۲) اور ''سبحان الذیٓ اسریٰ بعبدہٖ'' (انجام آتھم ص۵۳، خزائن ج۱۱ ص۵۳) اور ''ما ینطق عن الھویٰ'' (اربعین نمبر۲ ص۳۶، خزائن ج۱۷ ص۳۸۵) میں مندرج ہیں۔

اوران تمام الہامات پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

''انجام آتھم میں حضرت مسیح موعود نے یہ الہامات مع دیگر الہامات کے لکھ کر مولویوں کو مباہلہ کے لئے بلایا ہے اور جن لوگوں کو دعوت مباہلہ دی گئی ہے ان میں سے چوتھے نمبر پر دیوبندیوں کے مقتدیٰ خاتم المحدثین مولوی رشید احمد گنگوہی کا ذکر ہے اور مباہلہ کا طریق بھی اس کتاب میں ذکر کردیا ہے۔''

''کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچہ کو جولکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یاالٰہی اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں، میرا ہی افتراء ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو

اپنی طرف سے بنالیا ہے یا اگر شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو اور اس سے رہائی عطاء نہ کر جب تک موت آجائے تاکہ میری ذلت ظاہر اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں اور ایسے مفتری کا مرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اے خدائے علیم وخبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں، ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر، کسی کو اندھا کردے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں آمین۔

ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو، جناب الٰہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدائے علیم وخبیر اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں، بلکہ اپنا ہی افتراء ہے تو اس امت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کردے تاکہ لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آجائیں اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں، دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر اور کسی کو اندھا کردے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب یہ دعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں کہ آمین۔

اور اس مباہلہ کے بعد اگر میں ایک سال کے اندر مر گیا یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہوگیا جس میں جان بری کے آثار نہ پائے جائیں تو لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں گے اور میں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤں گا اور میں ابھی لکھ دیتا ہوں کہ اس صورت میں مجھے کاذب اور مورد لعنت الٰہی یقین کرنا چاہئے...... میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جاوے کہ جب تمام لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا اور اگر میں مر گیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔

گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو اور اے مومنو برائے خدا تم سب کہو کہ آمین۔‘‘

(انجام آتھم ص۶۵ تا۶۷، خزائن ج۱۱ص۶۵ تا۶۷)

اس دعوت کے مقابلہ میں مولویوں نے سکوت اختیار کیا اور مباہلہ کے میدان میں نہ نکلے اور اپنی خاموشی سے اس میدان مبارزت سے پیٹھ دکھا کر ان الہامات کے خداتعالیٰ کی طرف سے ہونے پر مہر کردی۔ اس دعوت پر پانچ سال گزرنے کے بعد پھر آپ نے اربعین نمبر۲ میں اپنے الہامات تحریر کر کے دعوت دی کہ وہ امرتسر یا بٹالہ میں ایک جلسہ کریں اور جس قدر ہو سکے معزز علماء اور دنیادار جمع ہوں اور متضرعانہ صورتیں بنائیں اور کوشش کریں کہ حضور دل سے دعائیں ہوں اور اگر یہ دبکا کے ساتھ ہوں اور علماء میں سے کم ازکم چالیس آدمی

ہوں کہ چالیس کے عدد کو قبولیت دعا کے لئے ایک بابرکت دخل ہے اور میں بھی اپنی جماعت کو لے کر آجاؤں گا اور ان الفاظ میں دعا کی جائے۔ یاالٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص مفتری ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے اور نہ مسیح موعود ہے اور نہ مہدی ہے تو اس فتنہ کو مسلمانوں میں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچالے اور جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب کو اور اسود عنسی کو دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالیا اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور ہماری عقلوں اور فہموں کا قصور ہے تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا کہ ہم ہلاک نہ ہو جائیں اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں کہ یہ تیری طرف سے ہے اور جب یہ تمام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہے۔'' (اربعین نمبر۲ ص۲۸، خزائن ج۱۷ ص۳۷۶)

''اس کے بعد میں اسی رسالہ کو جس میں میرے الہامات درج ہیں، ہاتھ میں لے کر مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کروں گا۔ (ایضاً) کہ اے خدا اگر یہ تیرا کلام نہیں ہے اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں، جس نے امت محمدیہ میں فتنہ ڈالا ہے اور تیرا غضب میرے پر ہے تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال اور میرے تمام کاروبار درہم برہم کر دے اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال اور اگر میں تیری طرف سے ہوں اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں تو اے قادر کریم! اسی سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل کر اور جب دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضر ہوں آمین کہیں۔''

(اربعین نمبر۲ ص۲۹، خزائن ج۱۷ ص۳۷۷)

اے بزرگو اور قوم کے مشائخ اور علماء عصر! میں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور قبول فرمائیں۔ کیونکہ اس دعا کا نفع نقصان کل میری ذات تک محدود ہے۔ مخالفین پر اس کا کچھ اثر نہیں۔ (ایضاً)

مگر علماء اسی طریق پر فیصلہ کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے اور اپنے فرار سے ثابت کر دیا کہ وہ الہامات جن پر مختار مدعیہ نے اعتراضات کئے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

تیسرا جواب

براہین احمدیہ جب شائع ہوئی، اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو لکھا اور مطالب خلاصہ کتاب جس میں ایک عنوان مؤلف الہامات بھی ہے لکھ کر ان الفاظ میں اس کتاب براہین احمدیہ کی تعریف کی: ''اور یہ عبارتیں میں صرف اس امر کے اثبات کے لئے پیش کرتا ہوں کہ جو الہامات براہین احمدیہ میں درج ہیں قابل اعتراض نہیں کتاب کی توثیق مقصود ہے۔''

یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے۔ اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مغالطہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ ''لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا'' اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادیں جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ وبرہم سماج سے اس زور وشور سے مقابلہ پایا جاتا ہے ہو اور دو چار ایسے

اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کریں جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ مالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو جود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ ومشاہدہ کرے۔اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا بھی چکھا دیا ہو۔‘‘ (اشاعۃ السنۃ نمبر۶ ج۷ ص۱۶۹)

مؤلف براہین احمدیہ کے الہامات پر ایک دو مولویوں نے اعتراض کئے تھے جن کا مولوی محمد حسین بٹالوی نے مفصل اور مدلل جواب دیا اور کہا کہ ایسے الہامات کا ہونا جائز ہے اور اسی کتاب میں یہ الہامات بھی مندرج ہیں جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کئے ہیں۔

چنانچہ البشریٰ میں بحوالہ براہین احمدیہ یہ الہامات درج ہیں:

۱...... ’’الارض والسماء معک کماھو معی‘‘ (البشریٰ ص۱۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۸۷ حاشیہ درحاشیہ، خزائن ج۱ ص۵۷۹)

۲...... ’’قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۲۲، خزائن ج۱ ص۶۲۳ حاشیہ درحاشیہ)

۳...... ’’ربّنا عاج‘‘ (البشریٰ ص۲۳، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۵۴ حاشیہ درحاشیہ نمبر۴، خزائن ج۱ ص۶۶۲)

۴...... ’’انت منی بمنزلۃ لایعلمھا الخلق‘‘ (البشریٰ ص۴۶، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۶۱ حاشیہ درحاشیہ نمبر۴، خزائن ج۱ ص۶۶۸)

۵...... ’’کان اللہ نزل من السماء‘‘ یہ الہام ۱۸۸۰ء کا ہے۔ (البشریٰ ج۲ ص۹، حقیقت الوحی ص۹۵، خزائن ج۲۲ ص۹۹)

۶...... ’’انا فتحنا لک فتحاً مبیناً‘‘ (البشریٰ ص۱۳، ۳۷، براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۱ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱، ص۲۶۷)

۷...... ’’ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی‘‘ (البشریٰ ص۱۲، ۳۷، براہین احمدیہ حصہ۳ ص۲۳۹ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱ ص۲۶۵)

۸...... ’’انا اعطینٰک الکوثر‘‘ (البشریٰ ص۳۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۱۷ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ ص۶۱۷)

۹...... ’’عسٰی ان یبعثک ربک مقاماًمحموداً‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۱۰، نزول الہام ۱۸۸۸ء، آسمانی فیصلہ ص۱۹، خزائن ج۴ ص۳۴۲)

۱۰...... ’’ما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین‘‘ (البشریٰ ص۳۰، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۶ حاشیہ درحاشیہ، خزائن ج۱ ص۶۰۳)

۱۱...... ’’قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ‘‘ (البشریٰ ص۲۱، براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۰ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱ ص۲۶۶)

۱۲...... ’’مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی‘‘ (البشریٰ ص۱۲، براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۳۹ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱ ص۲۶۵)

۱۳...... ’’ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم‘‘ (البشریٰ ص۱۳، ۳۶، براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۲ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱ ص۲۶۷)

۱۴...... ’’سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلا‘‘ (البشریٰ ص۲۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۴ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ ص۶۰۰)

۱۵...... ’’محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشدآء علی الکفار‘‘

(البشریٰ ص۳۷، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۱۷ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ ص۶۱۶)

۱۶...... بلکہ ان کے علاوہ براہین احمدیہ میں اور الہامات بھی اس قبیل سے ہیں۔ جیسے:’’انک علٰی صراط مستقیم. فاصدع بما تؤمر‘‘ (البشریٰ ص۲۷، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۴ حاشیہ درحاشیہ نمبر۱، خزائن ج۱ ص۵۹۹)

۱۷...... ’’انذر عشیرتک الاقربین. دنٰی فتدلّٰی، فکان قاب قوسین اوادنٰی‘‘

(البشریٰ ص۲۰، براہین احمدیہ ص۴۹۳ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ ص۵۸۶)

۱۸...... ’’انک الیوم لدینا مکین امین‘‘ (البشریٰ ص۲۸، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۴ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ ص۶۰۰)

۱۹...... ’’واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی‘‘ (البشریٰ ص۳۳، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۰۱ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳، خزائن ج۱ص۶۰۸)

۲۰...... ’’الم نشرح لک صدرک‘‘ (البشریٰ ص۴۵، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۵۸ حاشیہ درحاشیہ نمبر۴، خزائن ج۱ص۶۶۶)

۲۱...... ’’بیت الفکر بیت الذکر ومن دخلہ کان اٰمنا‘‘ (البشریٰ ص۴۵، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۵۸، خزائن ج۱ص۶۶۶)

وغیرہ ہیں۔ لیکن اس وقت ان الہامات کے متعلق علماء نے یہ تسلیم کرلیا کہ امت محمدیہ کے ایک فرد پر ان الہامات کا نزول ہوسکتا ہے اور ایسا ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ازالہ اوہام کی ایک عبارت کے متعلق عدالت کے سوال کے جواب میں ۲۴؍اگست ۱۹۳۲ء کو یہ تسلیم کیا ہے کہ: ’’جب تک مرزاصاحب نے یہ عبارت لکھی تھی اس وقت تک مرزاصاحب مسلمان تھے۔‘‘ بس گواہ مدعیہ نمبر۲ ازالہ اہام کی تالیف کے زمانہ تک حضرت مسیح موعود کا مسلمان ہونا تسلیم کرتا ہے اور مختار مدعیہ نمبر۱ نے بھی دس ۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۳ء کو بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے: ’’وہ کفریات جو حقیقت الوحی سے پیش کی ہیں، اگر وہ اس وقت (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے وقت) موجود تھیں تو یہ شہادت صحیح ہے۔‘‘

چونکہ ہم نے ان الہامات کا جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کا کفر ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں براہین احمدیہ اور ان کتب سے ثابت کردیا ہے جو خواجہ صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں۔ لہٰذا گواہ مدعیہ نمبر۲ اور مختار مدعیہ کے اقراروں کی بناء پر یہ الہامات قابل اعتراض نہیں ہیں۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں   زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

(۱) ملائکہ

مختار مدعیہ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ملائکہ کوارواح کواکب مانتے ہیں۔شریعت والے ملائکہ کوجن کے متعلق قرآن مجید میں ''عباد مکرمون'' وارد ہے،نہیں مانتے۔کیونکہ عبد کا لفظ ''ذوالعقول'' پراطلاق پاتا ہے۔لہٰذا جوشخص ملائکہ کو ارواح کواکب کہے اوران کے وجودفی الخارج کا منکر ہو،اس کا ملائکہ پر ایمان کیا؟اوروہ کیسے مؤمن کہلاسکتا ہے۔

مگر یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔کیونکہ حضرت مسیح موعود کی کتب میں فرشتوں پرایمان لانے کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

۱......

از ملائک راز خبر ہائے معاد　آنچہ گفت آل مرسل رب العباد
آں ہمہ از حضرت احدیت است　منکر آں مستحق لعنت است

(سراج منیر ص ح، ط،خزائن ج۱۲ ص۹۶)

۲...... ''تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار۔''　(براہین حصہ پنجم ص۹۸،خزائن ج۲۱ ص۱۲۸)

۳...... ''اے میرے مولا تو اب فوج ملائک کو اتار۔''　(براہین حصہ پنجم ص۱۱۹،خزائن ج۲۱ ص۱۴۹)

۴...... ''ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق حشر اجساد حق اور جنت حق اور دوزخ حق ہے۔''　(ایام الصلح ص۸۷،خزائن ج۱۴ ص۳۲۳)

۵...... ''واعتقد ان للہ ملائکۃ مقربین لکل واحدمنھم مقام معلوم''

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۴،۳۸۵،خزائن ج۵ ص۳۸۴،۳۸۵)

یعنی میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ خدا کے مقرب فرشتے ہیں اوران میں سے ہرایک کے لئے ایک معین مقام ہے۔

۶...... فرشتوں پرایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیراس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہرایک چیز کواورایک تاثیر کوخداتعالیٰ کے ارادہ سے باہر ماننا پڑتا ہے اورفرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کررہے ہیں۔پس جب کہ یہ قانون ضروری اورمسلم ہے تو پھر جبرئیل اورمیکائیل سے کیوں انکار کیا جائے۔　(چشمہ معرفت ص۱۷۳،حاشیہ درحاشیہ،خزائن ج۲۳ ص۱۸۱)

اورعجب بات ہے کہ مختار مدعیہ نے جس کتاب توضیح مرام سے فرشتوں کا انکار نکالا ہے۔اس میں حضرت اقدس فرماتے ہیں: ''قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے وہ نہایت سیدھی اورقریب قیاس راہ ہے اوربجز اس کے ماننے سے کچھ بن نہیں پڑتا۔''　(توضیح مرام ص۳۶،۳۷ طبع دوم،خزائن ج۳ ص۷۰)

اورفرماتے ہیں:''ومامنا الالہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون''فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جوان کے لئے خداتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔جیسا کہ خداتعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے:''ومامنا الا لہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون''　(توضیح مرام ص۳۲،خزائن ج۳ ص۶۷)

اورفرماتے ہیں:''ملائک اس معنی میں ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ ملائک اجرام سماویہ اورملائک اجسام الارض ہیں۔یعنی ان کے قیام اوربقاء کے لئے ارواح کی طرح ہیں اورنیز اس معنی سے بھی ملائک کہتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔''

(توضیح مرام حاشیہ ص۳۳،خزائن ج۳ ص۶۸)

اور ملائکہ کو روح کی طرح کہنے سے حضرت مسیح موعود کی یہ مراد نہیں کہ فی الواقعہ وہ روحیں ہیں اور ان کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ روح کی طرح سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ کو ان نورانی اور روشن ستاروں سے ایک مجہول الکنہ تعلق ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: ’’پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسب نوری ونفوس طیبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے۔ روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کیا جائے تو پھر ان کے تمام قویٰ میں فرق پڑ جائے گا۔‘‘

انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خداتعالیٰ تمام عالم کے لئے بطور جان کے ہے۔ ایسے ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں ہے) وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں۔‘‘

(توضیح مرام ص۳۷،۳۸، خزائن ج۳ ص۷۰)

اور (توضیح مرام ص۶۸، خزائن ج۳ ص۸۶) پر جو آپ نے فرمایا: ’’مثلاً جبرئیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک نہایت روشن نیّر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں جن میں سے ایک وحی کرنا بھی ہے۔‘‘ تو یہاں بھی تعلق سے آپ کی مراد ایسا ہی تعلق ہے جو فرشتوں کو دوسرے اجسام سے ہے۔ چنانچہ آپ (توضیح مرام ص۸۳، خزائن ج۳ ص۹۴) میں فرماتے ہیں: ’’تیسرا کام جبرئیل کا یہ ہے کہ جب خداتعالیٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں آکر اس کلام کو دل کے کانوں تک پہنچاتا ہے یا روشنی کے پیرایہ میں افروختہ ہوکر اس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے یا حرارۃ محرکہ کے پیرایہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلاتا ہے۔‘‘

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سورج نہیں ہے بلکہ سورج کے علاوہ ایک اور وجود ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ فرماتے ہیں: ’’خداتعالیٰ نے فرشتوں کا نام مدبرات ومقسمات امر رکھا ہے اور ہر ایک عرض اور جوہر کے حدوث وقیام کا وہی موجب ہیں۔ یہاں تک کہ خداتعالیٰ کے عرش کو بھی وہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ’’ان کل نفس لما علیہا حافظ‘‘ سے کلی طور پر فرشتوں کا تقرر ہر ایک چیز پر ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خداتعالیٰ نے قرآن کریم کے بعض مقامات میں رمی شہب کا فاعل فرشتوں کو ٹھہرایا اور بعض دوسرے مقامات میں اس رمی شہب کا فاعل ستاروں کو ٹھہرایا۔ کیونکہ فرشتے ستاروں میں اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ جان بدن میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ملائکہ کو اجرام سماوی بلکہ بعض فرشتوں کو جو عنصریوں ہیں عناصر اور اجرام سماعی سے ایسا شدید تعلق ہے۔ جیسا کہ ارواح کو قوالب کے ساتھ ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملائک آسمان پر ایک مستقل وجود رکھتے ہیں۔ مگر کیا یہ دوسری بات بھی اسی کتاب عزیز کی رو سے سچی ثابت نہیں ہوتی کہ ملائکہ کا تعلق ہر ایک اجرام سماعی سے ایک حافظانہ تعلق ہے اور ہر ایک ستارہ اپنے بقاء اور قیام اور صدور افعال میں ملائکہ کی تائید کا محتاج ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ جو اپنے تئیں مولوی کہلاتے ہیں یوں تو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے بڑے سرگرم ہیں۔ مگر قرآن کریم کی تعلیم مبارکہ حکمیہ کو تدبر اور تعمق کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ پھر حق کے سمجھنے میں کیونکر کامیاب ہوں۔

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ ص۱۳۷،۱۴۵، خزائن ج۵ ص۱۳۷ تا ۱۴۵)

اور فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ یہ خیال کہ فرشتے کیوں نظر نہیں آتے بالکل عبث ہے۔ فرشتے خداتعالیٰ کے وجود کی طرح ایک نہایت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ پھر کس طرح ان آنکھوں سے نظر آئیں۔'' (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ ص۱۸۱، خزائن ج۵ ص۱۸۱)

ان تمام مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود کے نزدیک فرشتے دراصل کواکب کی ارواح کا نام نہیں ہے اور ان کے لئے روح یا جان کا لفظ جو استعمال کیا ہے تو وہ صرف اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ ستاروں کے ساتھ ان کا شدید تعلق ظاہر ہو اور ان میں جو تغیرات ہوتے ہیں وہ سب فرشتوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی آیت: ''وانشقت السماء فهي يومئذ واهية والملک علی ارجائها ويحمل عرش ربک فوقهم يومئذ ثمانية'' کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ: ''درحقیقت آسمان کی بقاء بباعث ارواح کے ہے۔ یعنی ملائک کے جو آسمان اور آسمانی اجرام کے لئے بطور روحوں کے ہیں اور جیسے روح بدن کی محافظ ہوتی ہے اور بدن پر تصرف رکھتی ہے۔ اسی طرح ملائک آسمان اور آسمانی اجرام پر تصرف رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملائک سماوی انہی کے ساتھ زندہ ہیں اور انہی کے ذریعہ سے صدور افعال کواکب ہے۔ پھر جب وہ ملائک جان کی طرح اس قالب سے نکل جائیں گے تو آسمان کا نظام ان کے نکلنے سے درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسے جان کے نکل جانے سے قالب کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اور شیخ محی الدین ابن العربی نے (فتوحات مکیہ باب۶۰) میں سورج اور چاند ستاروں کو فرشتوں کی سواریاں قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ فرشتہ کے لئے ایک ستارہ ہے جو اس کی سواری ہے اور اس میں وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے۔ (الیواقیت ج۲ ص۵۵)

اب میں اس اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود کے الفاظ میں بھی دے دینا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: ''ومن اعتراضاتهم انهم قالوا ان هذا الرجل يحسب الملائكة ارواح الشمس والقمر والنجوم. اما الجواب فاعلم! انهم قد اخطاؤ في هٰذا والله يعلم اني لا اجعل ارواح النجوم ملائكة بل اعلم من ربي ان الملائكة مدبرات للشمس والقمر والنجوم وكل مافي السماء والارض وقد قال الله تعالٰى ان كل نفس لما عليها حافظ وقال فالمدبرات امرا ومثل تلک الايات كثير في القرآن فطوبى للمتدبرين'' (حمامۃ البشریٰ ص۷۸،۷۹، خزائن ج۷ ص۲۹۶)

''یعنی مخالفین کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ شخص ملائکہ کو سورج اور چاند اور ستاروں کی ارواح خیال کرتا ہے۔ جواباً واضح ہو کہ انہوں نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں ستاروں کی ارواح کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ خداتعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ علم دیا گیا ہے کہ ملائکہ سورج اور چاند اور ستاروں اور ہر اس چیز کے جو آسمان وزمین میں ہے، مدبر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ''وان كل نفس لمّا عليها حافظ'' اور فرمایا ہے: ''والمدبّرات امرا'' اور ایسی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ پس سعادت ہے غور کرنے والوں کے لئے۔''

اور مدعا علیہ کے اس سوال کا جو اس نے توضیح مرام کی عبارت کی بناء پر کیا ہے اور جس کا میں نے ابھی جواب دیا ہے۔ حضرت اقدس خود بھی جواب دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں مختار مدعیہ کے ہم رنگ مولویوں کا پہلے سوال درج کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) ملائک اور جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے اور ان کو توضیح مرام میں کواکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے۔ (جواب) یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائکہ اور جبرئیل کے وجود کو اسی طرح مانتا ہے۔ جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے اور جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے اجرام سماوی سے خادمانہ تعلقات پائے جاتے ہیں یا جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اس کی تشریح رسالہ توضیح مرام میں ہے:

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۴۲۲، خزائن ج۳ ص۳۲۰)

اب جائے انصاف ہے کہ حضرت اقدس نے توضیح مرام کی عبارت کے متعلق اپنی قطعی ویقینی مراد اس قدر صراحت ووضاحت سے ظاہر فرمادی ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس قطعی اور یقینی مراد کو چھوڑ کر عدالت اور پبلک کو مغالطہ دینے کے لئے آپ کی عبارت توضیح مرام کے وہ معنی لئے جاتے ہیں جو قطعی اور یقینی طور پر غلط ہیں۔ پھر اپنے ان خود تراشیدہ لغو وباطل معنی کی بناء پر کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت مختار مدعیہ نمبر۲ کی جو گواہ مدعیہ نمبر۲ بھی ہے اور ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند بھی رہ چکا ہے۔ ایک عبارت یاد آگئی جو اس نے مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے لئے لکھی تھی۔ میں حسب ضرورت موقع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اس کو پیش کردینا مناسب وقت سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اسی موقعہ کے لئے ہے نہ اس موقع کے واسطے۔ جہاں وہ پیش کی گئی تھی اور وہ یہ ہے: ''دھوکہ دینے کے واسطے قطعی ویقینی مراد سے اعراض فرمایا جاتا ہے اور جو قطعی اور یقینی غلط معنی ہیں وہی مراد لے کر قطعی اور یقینی تکفیر فرمائی جاتی ہے۔ اے چودھویں صدی! جب تیرے علماء ایسے ہیں تو دجال کیسے ہوں گے۔'' (السحاب المدرار ص۴۵)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارہ میں مختار مدعیہ کے نزدیک سرسید کا جن کو انہوں نے علیہ الرحمۃ کہا ہے، مذہب بھی بیان کردیا جاوے۔ وہ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔

۲...... جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے، ان کا اصل وجود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔'' (تفسیر سرسید ج۱ ص۴۹)

اور لکھتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسانوں کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قویٰ بہیمیہ اس میں ہیں، ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کی اور اونٹ چرانے والوں کے لئے قصے یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ، خواہ شیطان اور خدا کا جھگڑا۔ اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ (تفسیر سرسید ص۵۳)

اب یہ امر خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے کہ مختار مدعیہ فرشتوں کے متعلق وہ عقیدہ رکھنے پر جو میں حضرت اقدس کی تحریروں سے ادھر دکھا چکا ہوں حضرت اقدس پر تو کفر کا فتویٰ دیتا ہے اور سرسید احمد خان کو فرشتوں کی بابت باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے جو بھی میں نے ان کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ ان کو الفاظ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کا مستحق قرار دیتا ہے۔

(۲) نزول ملائکہ

شاہد مدعیہ نمبر ب نے حضرت مسیح موعود پر نزول ملائکہ کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ: ''آپ جبرئیل کے زمین پر نزول اور ملک الموت کے بذات خود زمین پر اتر کر قبض ارواح کرنے کے قائل نہیں ہیں اور جبرئیل کے نزول کو جو شرع میں وارد ہے۔ اس کی تأثیر کا نزول مانتے ہیں اور جو صورت جبرئیل کی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کو جبرئیل کا عکس بتاتے ہیں۔''

(اما الجواب) حضرت مسیح موعود نے نزول جبرئیل وملک الموت کی اصل حقیقت نہایت مدلل طور پر توضیح مرام میں بیان فرمادی ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اس جگہ اس بات کا بیان کردینا بے موقعہ نہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے، یہ درحقیقت ان عقائد سے جو اہل اسلام ملائک کی نسبت رکھتے ہیں، منافی نہیں ہے۔ کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے

قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں اور یہ خیال بہ بداہت باطل ہے۔ کیونکہ اگر یہی ضرور ہوتا کہ ملائک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لئے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اترا کرتے تو پھر ان سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغائت درجہ محال تھا۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد اور امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر ایک کے لئے اسباب کا محتاج ہو کر اور پیروں سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا موقعہ ملے تو ایک سیکنڈ میں اتنی بڑی کارگزاری کے لئے کوئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہاں گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصل مقامات سے جو ان کے لئے خداتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ خداتعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے: ’’**وما منا الا لہ مقام معلوم وانا لنحن الصآفون (صافات)**‘‘ (توضیح مرام ص۲۹ تا ۳۲، خزائن ج۳ ص۶۶،۶۷)

حضرت مسیح موعود نے اس عبارت میں جو حضرت عزرائیل وغیرہ فرشتوں کے نزول کی حقیقت بیان فرمائی ہے وہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ تمام فرشتے اپنے مقام معلوم میں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مستقر سے ادھر ادھر نہیں ہوتا اور حضرت جبرئیل کا انبیاء کے پاس آنا صرف تمثیلی رنگ میں تھا۔ چنانچہ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں: ’’**یاتی الملک احیانا فی مثل صلصلۃ الجرس فیفصم عنی وقد وعیت ماقال وھو اشد علیّ ویتمثل لی الملک احیانا رجلا فیکلمنی فاعی مایقول**‘‘

(بخاری ج۲ ص۱۴۲، باب ذکر الملائکہ)

کہ فرشتہ کبھی تو گھنٹی کی آواز کے تمثیل میں آتا ہے اور یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے اور بعض دفعہ وہ انسان کی تمثیل میں آتا ہے تو وہ مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کی بات کو یاد رکھتا ہوں۔

اس سے بھی ثابت ہے کہ جبرئیل کا نزول تمثیلی طور پر ہی ہوتا ہے۔ خود آنحضرتﷺ نے بھی جبرئیل کے نزول کو تمثیلی رنگ میں ہی بتایا ہے اور اسی طرح حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ اﷲتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ’’**فتمثل لھا بشراً سویا**‘‘ یعنی وہ روح القدس فرشتہ حضرت مریم کے لئے انسانی صورت میں متمثل ہو کر ظاہر ہوا۔

اور حضرت مسیح موعود کتاب ’’مدراج النبوۃ‘‘ مؤلفہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے جبرئیل کے تمثیلی نزول کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: ’’خداتعالیٰ شیخ بزرگ عبدالحق محدث کو جزائے خیر دیوے کیونکہ انہوں نے بصدق دل قبول کرلیا کہ جبرئیل بذات خود نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تمثیلی وجود انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتا ہے اور جبرئیل اپنے مقام آسمان میں ثابت اور برقرار ہے۔ یہ وہی عقیدہ ہے جو اس عاجز کا ہے جس پر حال کے کور باطن علماء کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ افسوس کہ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ اس بات پر تمام مفسرین نے بھی اتفاق کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دو مرتبہ آنحضرتﷺ کو دکھائی دیا ہے اور ایک بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ اپنے اصل اور حقیقی وجود کے ساتھ آنحضرتﷺ کے پاس آئے تو خود یہ غیر ممکن تھا۔ کیونکہ ان کا حقیقی وجود تو مشرق ومغرب میں پھیلا ہوا ہے اور ان کے بازو آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر وہ مکہ یا مدینہ میں کیونکر سما سکتے تھے۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۲۲،۱۲۳، خزائن ج۵ ص۱۲۲،۱۲۳)

اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ نے آیت: ’’**ولقد راٰہ بالافق المبین**‘‘ اور آیت: ’’**ولقد راٰہ نزلۃ**‘‘ کی تفسیر میں فرمایا ہے: ’’**فقالت انا اوّل ھذہ الامۃ سال عن ذٰلک رسول اللہﷺ فقال لا انماھو جبرئیل لم ارہ علی صورتہ التی**

خلق علیها غیر هاتین المرتین رایتهٔ منهبطاً من السماء سار اعظم خلقه بین السماء والارض“　　(مسلم ج۱ ص۹۸)
اس میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا ہے کہ:”میں اس امت کا سب سے پہلا فرد ہوں جس نے آنحضرت ﷺ سے خدا کو دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ جبرئیل کو دیکھا تھا۔ میں نے اسے حقیقی صورت میں جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے، سوائے ان دومرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور اس کے عظیم الشان وجود میں سے آسمان تک تمام افق بھرا ہوا تھا۔“

اور بخاری میں ہے:”انه رای جبرئیل وله ستمائة جناح“　　(بخاری ذکر الملائکہ ج۲ ص۱۴۴)
یعنی آپ نے جبرئیل کو دیکھا کہ اس کے چھ سو ۶۰۰ پر تھے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ جبرئیل وغیرہ ملائکہ اپنی حقیقی صورت میں نازل نہیں ہوا کرتے، بلکہ ان کا زمین پر آنا بصورت انسانی تمثلی رنگ میں ہوتا ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کا جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو ہی بار دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جب کہ وہ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

علاوہ ان کے اور علماء امت نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جبرئیل مثالی طور پر دکھائی دیتے تھے اور خود نہیں اترتے تھے۔ چنانچہ”روح المعانی“ میں لکھا ہے کہ:”آنحضرت ﷺ کی روح مقدس کا دکھائی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض نے نزول جبرئیل کے متعلق کہا ہے۔“

”ان جبرئیل مع ظهور بین یدی النبی ﷺ فی صورته دحیة الکلبی اوغیره لما یفارق سدرة المنتهیٰ“
(روح المعانی ج۷ ص۶۲)

یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے دحیہ کلبی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

یہ ہے قرآن شریف اور احادیث اور اکابر بزرگان اسلام کے بیان کی رو سے نزول جبرئیل کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں اس عقیدہ کے متعلق حضرت اقدس پر اعتراض کرنا، ان سب بزرگان پر جو یہی مسلک رکھتے ہیں اعتراض کرنا ہے۔ بلکہ حضور انور نبی کریم ﷺ اور حق تعالیٰ عز اسمہ و جل شانہ کی ذات پاک پر بھی۔ کیونکہ حدیث وقرآن سے بھی جبرئیل علیہ السلام کا نزول بطور تمثل ہی ثابت ہوتا ہے نہ اس کے خلاف۔ گواہ مدعیہ نے جبرئیل کے تمثیلی نزول کو خلاف نزول وارد شرع تو قرار دیا مگر نہ تو وہ کوئی حدیث یا آیت ایسی پیش کر سکا ہے جس سے جبرئیل وملک الموت کا ذاتی نزول ثابت ہوتا اور نہ اس نے ان دلائل میں سے جو تمثیلی نزول کے متعلق حضرت مسیح موعود نے پیش کی ہیں، کوئی دلیل توڑ کر دکھائی ہے۔ ایسی حالت میں حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ کہہ دینا کہ آپ ملائکہ کے نزول وارد شرع کو نہیں مانتے۔ لغو وباطل ہونے کے لحاظ سے قطعاً قابل التفات نہیں۔ ملائکہ اور جبرئیل کا نزول وارد شرع رہی ہے جو قرآن وحدیث اور اقوال اکابر امت سے ظاہر ہے اور وہی حضرت اقدس مانتے ہیں۔

(۳) نجوم کی تاثیر

اور شاہد مدعیہ نمبر ب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ:”مرزا صاحب اس وجہ سے بھی مسلمان نہیں ہیں کہ وہ نجوم کی تاثیر کے قائل ہیں۔“ چنانچہ (توضیح مرام ص۵) میں لکھتے ہیں کہ:”دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، نجوم کی تاثیر ہے۔“

اما الجواب: (توضیح مرام ص۵) پر یہ عبارت نہیں ہے۔ البتہ (ص۳۸) پر آپ فرماتے ہیں:”آج تک کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کواکب پائے جاتے ہیں۔ وہ کائنات الارض کی تکمیل وتربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت سچی ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا

دن رات اثر پڑ رہا ہے اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تو ضرور یقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پھلوں کو موٹا کرنے کے لئے اور سورج کی دھوپ ان کے پکانے کے لئے اور شیریں کرنے کے لئے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل آنے کے لئے بلاشبہ مؤثر ہیں۔‘‘

(توضیح مرام ص۳۸،۳۹، خزائن ج۳ ص۷۰،۷۱)

اس زمین میں نجوم کی تأثیر کا انکار کرنا تو تجربہ اور مشاہدہ کو غلط اور باطل ٹھہرانا ہے اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ جس کا انکار ایک کم فہم آدمی بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ عقائد کی کتاب ’’نبراس‘‘ میں لکھا ہے: ’’**اما القول بان الکواکب اسباب وعلامات بتسخیر الواجب تعالٰی فلاکفر بل قد اعترف به المحققون کالامام الغزالی وصاحب الفتوحات**‘‘ (نبراس ص۱۹۲، مطبوعہ میرٹھ)

یعنی یہ کہنا کہ ستارے اﷲتعالیٰ کے مسخر کرنے کی وجہ سے بعض چیزوں کے حدوث یا تغیّر کے لئے ذرائع اور علامات ہیں تو یہ کفر نہیں ہے۔ بلکہ محققین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ جیسے امام غزالی اور شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ نے۔‘‘

اور اسی کی کتاب کے (حاشیہ ص۴۲۸) میں لکھا ہے: ’’**وقد صرح الشیخ الاکبر فی الفتوحات فی مواضع کثیرة بان حرکات الافلاک والکواکب واوضاعها مؤثرات وعلامات باذن الحق سبحانه فی العناصر وقال لو عرف الجهال المنکرون لهٰذا العلم فی قولهٖ تعالٰی والنجوم مسخرات بامرهٖ لما قالوا شیئاً مماقالوا**‘‘

یعنی شیخ اکبر نے فتوحات کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ آسمانوں اور ستاروں کے حرکات اور اوضاع اﷲتعالیٰ کے اذن سے عناصر میں مؤثر ہیں یا بطور علامات کے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس علم سے جاہل اور منکر لوگ جانتے کہ نجوم بھی اﷲتعالیٰ کے زیر حکم خدمات میں لگے ہوئے ہیں تو جو اعتراض وہ کرتے ہیں نہ کرتے۔

اسی طرح شاہ ولی اﷲ صاحب محدث دہلوی (حجۃ اﷲ البالغہ ج۲ ص۱۷۹) میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ’’انواع اور نجوم میں کسی حقیقت کا پایا جانا بعید امر نہیں ہے اور شریعت میں اس کو شغل بنالینے سے منع کیا گیا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ بعض تأثیرات تو بدیہیات اور اولیات میں سے ہیں۔ جیسے فصلوں کو اختلاف سورج اور چاند کے اختلافات کی وجہ سے ہے اور ایسی اور تأثیرات۔ بعض ایسی تاثیرات ہیں جو تجربہ اور حدس اور رصد سے معلوم ہوتی ہیں۔ پس جیسا کہ ہر ایک نوع کے لئے گرمی اور سردی، خشکی اور رطوبت کے لحاظ سے جو امراض کے دفعیہ کے لئے وقت ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مخصوص طبائع میں اسی طرح افلاک اور کواکب کی طبائع اور خواص ہیں۔ جیسے سورج کی حرارت اور چاند کی رطوبت۔ پس جب کوئی ستارہ اپنے محل میں آتا ہے تو اس وقت اس کی قوت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ عورت عورتوں کے عادات اور اخلاق سے ایک ایسے سبب کی وجہ سے مختص ہوتی ہے جو اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ادراک کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مرد کی طبیعت میں ایک بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جرأت اور جمہوریت وغیرہ صفات سے مختص ہوگیا ہے۔ پس تجھے اس امر کا بھی انکار نہیں کرنا چاہئے کہ زہرہ اور مریخ کے قویٰ کے زمین پر حلول کرنے کے وقت ان پوشیدہ طبائع مذکورہ کی طرح تأثیر ہو۔‘‘

پس بقول شاہ ولی اﷲ صاحب حدیث میں مطلقاً نجوم کی تأثیر سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ حقیقی طور پر نجوم اور انواع مؤثر سمجھے جائیں اور خیال کیا جائے کہ نجوم ہی ان اشیاء کے حصول کی حقیقی علت اور سبب ہیں۔ چنانچہ شاہد مدعیہ نے جس کتاب سے یہ اعتراض کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اسی میں اس امر کی تردید فرمادی ہے کہ نجوم حقیقی طور پر مؤثر نہیں ہیں، بلکہ حقیقی مؤثر اﷲتعالیٰ ہی ہے اور ان کی تأثیر اﷲتعالیٰ کے حکم کے موافق ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ’’**یحسبون الشمس والقمر والنجوم مؤثرات بذاتها ولامؤثر الاهو**‘‘ (توضیح مرام ص۴۷، خزائن ج۳ ص۸۹)

یعنی لوگ سورج اور چاند اور نجوم کو مؤثر بالذات خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت سوائے ذات باری کے کوئی مؤثر بالذات نہیں۔
اس شاہد مدعیہ کا اعتراض حضرت مسیح موعود پر ہی نہیں بلکہ تمام محققین امت پر ہے اور اس کے اعتراض کو صحیح ماننے کی صورت میں مشاہدات اور تجارب صحیحہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

(۴) ''پاک تثلیث''

اور اس شاہد مدعیہ نمبرب نے ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے روح القدس اور روح الامین سب انسانوں کی صفتیں بتائی ہیں اور لکھا ہے کہ یہی پاک تثلیث ہے جو خدا کی محبت اور آدمی کی محبت کے ملنے سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہے۔
شاہد مدعیہ کا یہ الزام کہ حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ روح القدس اور روح الامین سب انسان کی صفتیں ہیں بالکل غلط ہے آپ فرماتے ہیں: ''اوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت ہے، قویٰ ایمان سے ملی ہوتی ہے جو اوّل بندہ کے دل میں بارادہ الٰہی پیدا ہوکر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہیں۔ ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہوکر الٰہی محبت کی چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کو ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے۔ ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔　(توضیح مرام ص۲۱، اس کے لئے تفصیل ملاحظہ ہو، توضیح مرام ص۲۱ تا ۲۶، خزائن ج۳ ص۶۱ تا ۶۶)
اور شاہد مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب تثلیث کے قائل ہیں، عدالت کو مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہاں تثلیث سے عیسائیوں کی تثلیث (یعنی تین خدا ہونا) مراد نہیں لی۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: ''اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کے لئے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں سے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو ''ھالکة الذات'' اور ''باطلة الحقیقة'' ہے۔ حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر ٹھہرا دیا ہے۔''　(توضیح مرام ص۲۲، خزائن ج۳ ص۶۲)
''پس اس میں تو عیسائیوں کی تثلیث کی تردید ہے نہ کہ اس کا اقرار۔ جس طریق پر حضرت اقدس نے لفظ تثلیث کا استعمال فرمایا ہے وہ بالکل برمحل اور درست ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مختار و گواہان مدعیہ اس کو کسی طرح بھی قابل استعمال نہیں جانتے اور اگر یہی بات ہے تو حد درجہ کی لغویت ہے۔ کیونکہ اس طرح تو ''ثانی اثنین (توبہ)'' کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ فرقہ ثانویہ دو خداؤں کا قائل ہے اور اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لا تتخذوا الٰهين اثنين (نحل)'' کہ تم دو خدا مت بناؤ اور پھر اس وجہ سے ازواج مطہرہ پاک جوڑے کا لفظ بھی نہیں بولنا چاہئے اور مؤمنوں کے لئے ''من یکفر بالطاغوت'' میں کفر کے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہئے تھا تاکہ کافروں سے مؤمنوں کی لفظ کفر میں مشابہت نہ ہو جائے۔ پس لفظی اشتراک کی وجہ سے عقیدہ ثابت نہیں ہو جاتا۔''
حضرت مسیح موعود نے عیسائیوں کے تثلیثی عقیدہ کی تردید اپنی متعدد کتب میں کی ہے اور ملکہ وکٹوریہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس نے (یعنی خدا نے) میرے پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اکیلا ہے اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے۔ جس کی مانند اور کوئی نہیں۔''　(تحفہ قیصریہ ص۲۰، خزائن ج۱۲ ص۲۷۲)
پس حضرت مسیح موعود پر مخالفین کا یہ الزام کہ آپ نعوذ باللہ! عیسائیوں والی تثلیث کے قائل ہیں باوجود ملائکہ کے منکر ہیں محض کذب صریح و افترا قبیح ہے۔''

قرآن مجید کی توہین

(۱) قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں

(حقیقت الوحی ص۸۴، خزائن ج۲۲ ص۸۷)

مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی کتب پر ایمان نہیں ہے۔ حضرت اقدس پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے لکھا ہے: ''قرآن خدا کی کتاب ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔'' اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں قرار دیا ہے تو لاریب انہوں نے پاک قرآن کی توہین کی۔ لیکن یہ بھی من جملہ مختار مدعیہ کے بہت سے مغالطّوں کے ایک مکروہ مغالطہ ہے۔ کیونکہ جس جملہ کے متعلق اس نے یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ وہ مسیح موعود کا قول ہے وہ درحقیقت حضور کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا الہام ہے۔ مختار مدعیہ نے اس کو حقیقت الوحی کے مجموعہ الہامات میں سے نقل بھی کیا ہے اور اس مقام پر یہ اپنے سابقہ الہاموں کے ساتھ اس طرح درج ہے: ''خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔''

(حقیقت الوحی ص۸۴، خزائن ج۲۲ ص۸۶،۸۷)

اور یہ مجموعہ الہامات (حقیقت الوحی ص۷۰، خزائن ج۲۲ ص۷۳) سے شروع ہوکر (ص۱۰۸، خزائن ج۲۲ ص۱۱۱) تک چلا گیا ہے اور اس مجموعہ الہامات سے پہلے (ص۶۹، خزائن ج۲۲ ص۷۲) میں حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا ہے: ''اب ہم وہ الہامات بطور نمونہ ذیل میں لکھتے ہیں۔'' اور اس کے بعد آپ نے مجھے الہامات شروع کیا ہے اور (ص۸۴، خزائن ج۲۲ ص۸۷) پر الہام مذکورہ درج فرمایا ہے اور جب یہ ثابت ہے کہ یہ الہام ہے تو اس میں ''میرے منہ'' سے حضرت اقدس کا منہ مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا منہ مراد ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اختلاف ضمائر کی مثالیں جا بجا قرآن شریف میں موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر سورہ فاتحہ ہی دیکھ لی جاوے کہ ''**الحمد للہ رب العالمین**'' میں تو غائب کا صیغہ رکھا گیا ہے اور ''**ایاک نعبد**'' میں مخاطب کا۔

غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ یہ حضرت اقدس کا قول نہیں بلکہ الہام الٰہی ہے۔ صرف اس امر کے علم سے کہ یہ الہام ہے اس پر وہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے تھا جو کیا گیا ہے اور مجموعہ الہامات کے اندر اس کے موجود ہونے سے اس کا الہام ہونا بخوبی ظاہر تھا۔ لیکن بات یہاں تک پہنچ کر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے متعلق حضرت اقدس سے سوال بھی کیا گیا ہے کہ اس الہام میں میرے منہ کی باتوں سے کس کے منہ کی باتیں مراد ہیں اور ''میرے'' کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ: ''خدا کے منہ کی باتیں۔'' خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے منہ کی باتیں اس طرح کی ضمائر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔''

(ملاحظہ ہو اخبار بدر ۱۱ر جولائی ۱۹۰۵ء)

مگر بایں ہمہ مختار مدعیہ نے اس اعتراض کرنے میں کوئی تأمل نہیں کیا ہے۔ ایک تو یہ الہام تھا۔ اس لئے منہ سے خدا تعالیٰ کا منہ

مراد ہوسکتا تھا نہ کسی اور کا۔ دوسرے ملہم نے ایک سوال کے جواب میں اس کی تشریح بھی فرمادی تھی کہ یہ الہام میں جو ’’میرے منہ‘‘ کے الفاظ ہیں، ان سے خداتعالیٰ کا منہ مراد ہے۔ ایسے صاف لکھے ہوئے مضمون کی موجودگی میں اور پھر اس قدر تشریح کر دیئے جانے کی حالت میں خلاف منشائے متکلم معنی لے کر ان پر رائے زنی کرنا، جتنی قابل نفرت حرکت ہے میں اس کے متعلق خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ بلکہ مختار مدعیہ نمبر۲ کی رائے پیش کئے دیتا ہوں وہ کہتا ہے۔

اگر ایسے صاف کھلے ہوئے مضامین پر بھی اختیار ہے کہ جس کا جی چاہے عبارت کا مطلب کہہ دے اور فتویٰ دے دے۔ اب مسلمانی تو دنیا میں رہنے کی نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ بجز ذلت ورسوائی کچھ نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی کے کہنے سے کافر نہیں ہوسکتا۔

(السحاب المدرار ص۴۸)

(۲) فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون

(الہدیٰ ص۸۲، خزائن ج۱۸ ص۳۳۱)

مختار مدعیہ نے عدالت کو ایک یہ مغالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح موعود اپنی وحی کو قرآنی وحی کی طرح مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات وانجیل اور قرآن پر۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۵۰، خزائن ج۲۲ ص۱۵۴)

اور فرماتے ہیں ؎

ہمچو قرآن منزہ اش دانم

اور یہ امر قرآن مجید کی آیت: ’’فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون‘‘ کے صریح خلاف ہے۔ مختار مدعیہ نے آیت تو پیش کر دی، مگر اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اگر مطلب سمجھتا تو یہ آیت کبھی پیش ہی نہ کرتا۔ کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ یعنی قرآن مجید کے مخالف کسی چیز پر ایمان لانا جائز نہیں ہے اور اگر آیت کا یہ مطلب نہ لیا جاوے تو احادیث رسول اللہ ﷺ اور وحی غیر متلو اور قدسی احادیث وغیرہ سب کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود کی وحی قرآن مجید کے بالکل موافق ہے اور اس کا کوئی کلمہ بھی قرآنی تعلیم کے معارض نہیں ہے اور آپ کی وحی کے قرآن کی طرح منزہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جیسے قرآنی وحی شیطانی دخل سے پاک ہے۔ ویسے ہی حضرت مسیح موعود کی وحی بھی شیطانی دخل سے پاک ہے نہ کہ دونوں وحیاں مرتبہ میں بھی برابر ہیں۔ کیونکہ یہاں تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ خداتعالیٰ کی طرف سے ہونے اور شیطانی دخل سے پاک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جیسے: ’’انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح (النساء)‘‘ میں بھی تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہونے کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اس آیت شریفہ میں جو آنحضرت ﷺ کی وحی کو حضرت نوح اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے مانند فرمایا ہے تو یہ فرمانا اس لئے نہیں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وحی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی مرتبہ میں برابر تھی بلکہ صرف اس لئے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وحی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی اللہ کی طرف سے ہونے میں برابر تھیں۔ ورنہ مرتبہ کے لحاظ سے تو آنحضرت ﷺ کی وحی کا تمام انبیاء کی وحی سے بمدارج افضل ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کے اس قول کا کہ ’’مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسے کہ تورات وانجیل اور قرآن پر۔‘‘ یہی مطلب ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے ہونے میں سب برابر ہیں۔ مرتبہ میں برابری کا اس میں ذکر نہیں اور حضرت اقدس کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اپنی وحی

اورقرآنی وحی کو درجہ ومرتبہ میں ایک قرار دیا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی آیت شریفہ مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ نکالے کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی اور آنحضرت ﷺ کی وحی کو درجہ ومرتبہ میں برابر بتایا ہے۔‘‘

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود نے نہ ایک جگہ بلکہ جابجا اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ قرآنی وحی تمام وحیوں سے افضل اور برتر ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن مجید کی مثل لاسکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس وجن نہیں لاسکتا اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں ہیں، جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہوسکتی۔ اگر رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام پر ہوئی، ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی۔‘‘ (الہدیٰ ص۳۲، خزائن ج۱۸ ص۲۷۵،۲۷۶)

اور فرماتے ہیں: ’’سوجیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطاء ہوا اور اعلیٰ وارفع مقام محبت ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے جس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔‘‘ (توضیح مرام ص۲۶، خزائن ج۳ ص۶۴)

چونکہ تفصیل مسئلہ وحی میں آئے گی۔ اس لئے انہیں دو حوالوں پر اکتفاء کرتا ہوں اور یہ دو بھی جو رتبہ رکھتے ہیں، ہر منصف مزاج اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔

(۳) تحدی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ آپ نے اپنے قصیدہ اعجاز احمدی کو بطور تحدی پیش کیا ہے اور (خطبہ الہامیہ ٹائٹل پیج، خزائن ج۱۶ ص۱) پر آیت کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لاسکتا۔ لہٰذا اس سے قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے۔

تعجب ہے کہ مختار مدعیہ تو اس سے توہین قرآن مجید نکال رہا ہے۔ مگر سیدنا حضرت مسیح موعود ارشاد فرماتے ہیں: ’’ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا معارف حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں اور وہ بلاغت جو ایک بیہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہوگئی تھی۔ اس کو کلام الٰہی کا خادم بنایا جائے۔‘‘

(نزول المسیح ص۵۹، خزائن ج۱۸، ص۴۳۷)

اور جب آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کو عربی انشاء پردازی کا معجزہ جس میں آپ تمام دنیا کے آدمیوں پر غالب رہے اور عرب وعجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اس لئے عطاء ہوا تھا کہ آپ حقائق قرآن کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کردیں۔ وہ بلاغت جو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی تھی اور جس کا رواج اسلام میں لغو اور بیہودہ طور پر رہ گیا تھا، کلام الٰہی یعنی قرآن شریف کی خادم بنائی جائے اور اس سے قرآن شریف کی خدمت لی جائے۔ مختار مدعیہ کا اعجاز احمدی کی اس تحدی پر کہ اس کا کوئی جواب نہیں لاسکتا۔ یہ اعتراض کہ اس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے بالکل باطل ثابت ہوکر قطعاً ناقابل التفات ہوگیا۔

اور (خطبہ الہامیہ ٹائٹل پیج، خزائن ج۱۶ ص۱) پر جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ’’اس میں نئے معارف اور حقائق بیان کئے گئے ہیں اور میری طرح فی البدیہ ایسی فصیح وبلیغ عبارت میں کوئی نہیں بول سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے۔ کیوں کہ یہ معارف اور اس کتاب کا ایک

حصہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا گیا ہے۔‘‘ اگر اس کے نشان سے مختار مدعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے تو اس لحاظ سے خود قرآن مجید کو بھی اپنی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’ان فی خلق السمٰوٰت والارض …… لآیات لقوم یوقنون‘‘

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں اور ہواؤں اور بادلوں میں یقین کرنے والی قوم کے لئے آیات ہیں۔ اسی طرح فرمایا: ’’وفی الارض آیات للمؤمنین وفی انفسکم افلا تبصرون‘‘ کہ زمین میں بھی یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی آیات اور نشانات ہیں اور خود تمہاری جانوں میں بھی نشانات ہیں۔ پس کسی چیز کے آیت اور نشان ہونے سے قرآن مجید کی توہین لازم نہیں آتی۔

اور قصیدہ اعجازیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ: ’’میرے پیارے قادر! اور دلوں کے اسرار کے گواہ! میری مدد کر اور ایسا کر کہ یہ تیرا نشان دنیا میں چمکے اور کوئی مخالف میعاد مقررہ میں اس کی نظیر بنانے میں قادر نہ ہو۔ اے میرے پیارے ایسا ہی کر۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۳۹، خزائن ج۱۹ ص۱۵۰)

اور (ص۳۷، خزائن ج۱۹ ص۱۴۸) پر تصریح فرمادی کہ چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور صادق ہوں۔ اس لئے وہ مدت مقررہ میں قصیدہ نہیں بنا سکیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا اور ان کے دلوں کو غبی کر دے گا۔

اور (ص۹۰، خزائن ج۱۹ ص۲۰۵) پر آپ نے یہ تحریر فرمادیا: ’’اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں تاریخ کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی۔ انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا تو یوں سمجھو کہ میں نیست نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری جماعت کو چاہئے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر دیں۔

لیکن مخالفین مدت معینہ میں کوئی جواب نہ لکھ سکے اور ان کے قلم ٹوٹ گئے۔ حضرت مسیح موعود کی صداقت پر یہ چمکتا ہوا نشان قیامت کے دن تک باقی رہ گیا۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کریم کی تحدی اور اس تحدی میں فرق ہے۔ قرآن مجید میں کسی مہلت کا ذکر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تحدی میں مہلت کا ذکر ہے۔ یعنی اس مہلت کے اندر اندر خدا تعالیٰ مولویوں اور عالموں کے دلوں اور قلموں پر ایسا تصرف کرے گا کہ وہ اس کتاب کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ لکھ سکیں۔ یہ امر یقینی خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ بحوالہ (الہدیٰ ص۳۲، خزائن ج۱۸ ص۲۷۵) میں ذکر کر چکا ہوں کہ: ’’خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس وجن نہیں لا سکتا۔ اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں، جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔‘‘

اور فرماتے ہیں: ’’کلما قلت من کمال بلاغتی فی البیان فھو بعد کتاب اللہ القرآن‘‘

(لجتہ النور ص۱۲۲ حاشیہ، خزائن ج۱۶ ص۴۶۴)

یعنی جو کچھ میں نے بیان میں کمال بلاغت سے کہا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کے بعد ہے۔ یعنی اس کے مرتبہ پر نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا لفظ آیت اور قصیدہ اعجازیہ کے مقابلہ میں ویسا قصیدہ بنانے کے لئے تحدی سے قرآن مجید کی توہین نکالنا سراسر مغالطہ ہے۔

(۴) کیا قرآن گالیوں سے پر ہے؟

مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نمبرالف کا سیدنا حضرت مسیح موعود پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ آپ نے قرآن کو گالیوں سے پر مانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ: ''پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم گالیوں سے پر ہے۔'' اور اس قول سے قرآن مجید کی صریح توہین لازم آتی ہے۔ لیکن یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس کی منقولہ بالا عبارت بتارہی ہے کہ اس کا پہلی عبارت سے تعلق ہے۔

اور چونکہ یہ عبارت پہلی عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نے عمداً پہلی عبارت چھوڑ دی ہے اور یہ نا تمام عبارت اس میں سے قطع کر کے اعتراض بے جا کے شوق کو پورا کرنے کی ایک نہایت ہی غیر صحیح راہ پیدا کی ہے۔ اب میں اصل عبارت پیش کرتا ہوں تا حقیقت الامر کا انکشاف ہو۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دو مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو، محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقع اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور اگر ہر ایک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کے مرارت اور تلخی اور ایذاء رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارہ میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں، یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں، جن کے سننے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوتے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خداتعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ: ''انکم وماتعبدون من دون الله حصب جهنم'' معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خداتعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو ''شر البریه'' قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا، یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں ''واغلظ علیهم'' نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں ''اشدآء علی الکفار'' نہیں لکھا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سور اور کتے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرماں روا ہیرودیس کا لونبڑی نام رکھنا اور معزز سردار کاہنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصر گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے، ان کو کریہہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرامزادے ہو، حرام کار ہو، شریر ہو، بدذات ہو، بے ایمان ہو، احمق ہو، ریاکار ہو، شیطان ہو، جہنمی ہو، تم سانپ ہو، سانپوں کے بچے ہو۔ کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں؟ اس سے ظاہر ہے کہ معترض کا اعتراض نہ صرف مجھ پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خداتعالیٰ کی ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر نہایت حددرجہ کے جلے سڑے دل کے ساتھ کیا ہے۔''

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۳ تا ۱۵، خزائن ج۳ ص۱۰۹ تا ۱۱۰)

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ دشنام دہی وسب وشتم اور چیز ہے اور بیان وامر واقعہ اور چیز اور پھر دونوں کا فرق ظاہر کر کے جتایا گیا ہے کہ اگر بیان واقعہ کو محض اس کی تلخی کے سبب جو حق گوئی میں لازمی ہے، دشنام دہی میں داخل کر لیا جائے تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ

سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ مع اپنی تلخی اور ایذاء رسانی کے قرآن شریف میں بھی جابجا موجود ہے۔ پھر ایسے بیان واقعہ کی متعدد مثالیں بھی پیش کر دی گئی ہیں۔

’’اب دیکھنا چاہئے کہ اس عبارت سے حضرت اقدس کا منشاء یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآن گالیوں سے پر ہے یا آپ ان لوگوں کو جو اپنی بدد ماغی اور لغویت پسندی کی وجہ سے بیان واقعہ کو دشنام دہی میں داخل کر لینے کی مالیخولیا میں مبتلا ہیں یہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ امر حق پوش اور حق گوش لوگو! اپنی غلط پسندی اور بے راہ روی سے قرآن شریف جیسی تقدس اور حقیقی تہذیب سے معمور کتاب کو گالیوں سے پر نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ جب تم اپنی حماقت وبلادت سے بیان واقعہ کو محض اس کی کسی قدر لازمی تلخی کی وجہ سے دشنام دہی میں داخل کرو گے تو پھر تمہیں ماننا پڑے گا کہ قرآن بھی گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ معہ اپنی تلخی کے اس میں بھی موجود ہے۔ علم وفہم سے معمولی سا حصہ رکھنے والے بھی نہایت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت اقدس تو بیان واقعہ کو دشنام دہی میں داخل کرنے والے ناعاقبت اندیش لوگوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ اپنے اس غلط طرز عمل سے قرآن شریف کو گالیوں سے پر ہونے کے اعتراض کا مورد نہ بناؤ۔ نہ یہ کہ آپ خود نعوذ باللہ! قرآن شریف کو گالیوں سے پر بتا رہے ہیں۔‘‘

جب ایسے بدیہی امر کے متعلق بھی مخالفین احمدیت کا یہ حال ہے کہ وہ اس کو بھی مغالطہ دہی کا ذریعہ بنانے سے نہیں چونکتے تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فطری امور کے متعلق ان سعادت مندوں کا کیا حال ہوگا۔

بلاخوب تردید کہا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کی عظمت وتقدس کے اظہار اور اس کے کامل ومکمل اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہونے کے بیان اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید اور اس کی تعریف وتوصیف میں جو کچھ حضرت مسیح موعود کے قلم سے نکلا ہے۔ اس کی نظیر دوسری جگہ تلاش کرنی بالکل بے سود ہے۔ نمونہ کے طور پر ان کے چند ارشادات پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: ’’حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ: ’’**الخیر کلہ فی القرآن**‘‘ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں ہے جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی نعمت تمہیں عنایت کی۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔‘‘ (کشتی نوح ص۲۴، خزائن ج۱۹ ص۲۶،۲۷)

اور فرماتے ہیں کہ: ’’ہیچ شریعت بعد او نیست ونہ ہیچ کتاب ناسخ کتاب وشریعت اوست وہیچ کس مبدل کلمہ او نیست وہیچ بارشے ہمچو باران او نیست وہر کہ بمقدار یک ذرہ از قرآن خارج باشد پس او از ایمان خارج شد۔‘‘ (مواہب الرحمٰن ص۶۸، خزائن ج۱۹ ص۲۸۷)

القصہ آپ فرماتے ہیں ؎

ز عشاق وفرقان وپیغمبرم　　بدیں آمدیم وبدیں بگزریم

(۵) بشارت احمد

مختار مدعیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد مندرجہ (انوار خلافت ص ۱۸، انوار العلوم ج ۳ ص ۸۳) پر کہ آیت: ’’مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه احمد‘‘ میں احمد سے مراد حضرت مسیح موعود ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت اپنے مثیل یعنی محمدی کے حق میں تھی۔ یہ اعتراض کیا ہے کہ: ’’چونکہ مرزا محمود احمد صاحب نے اس آیت میں احمد سے حضرت مرزا صاحب مراد لی ہے۔ لہٰذا وہ اس آیت قرآنیہ کے منکر ہوئے۔‘‘

مختار مدعیہ کا یہ استدلال نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں ایک ذکر شدہ پیش گوئی کا مصداق بیان کرنے سے آیت کا انکار لازم آنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ یہ استدلال اتنا محیّر العقول ہے کہ فاضل جج ان ہائیکورٹ مدراس بھی اس پر اظہار تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔

غرض استدلال مذکور سواء اس کے کہ اہل نظر کو تھوڑی دیر کے لئے تفریح نامطبوع کا کام دے اور وہ اس پر اظہار تعجب کر لیں اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور صحت سے تو اس کو دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آیت: ’’ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه احمد‘‘ میں ایک ایسے رسول کے آنے کی پیش گوئی ہے جس کا نام احمد ہو۔ اب اگر اس احمد کی تعیین کی جائے کہ احمد سے فلاں وجود مراد ہے اور وہ تعیین صحیح نہ ہو تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ اسم احمد کی جو تعیین کی گئی ہے وہ غلط کی گئی ہے۔ نہ یہ کہ جس آیت میں احمد کے آنے کی پیش گوئی تھی غلط تعیین کرنے والے نے اس آیت کا انکار کر دیا ہے اور کون نہیں جانتا کہ کسی مذکور فی الخبر کی تعیین میں غلطی ہو جانا اور بات ہے اور اس خبر کا انکار اور بات ہے۔ مختار مدعیہ نے یہ ذہن نشین کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ نے یہ آیت: ’’اسمه احمد‘‘ والی پیش گوئی کا مصداق بہرحال وبہرلحاظ حضرت مسیح موعود ہی کو قرار دیا ہے۔ حضرت سید الانبیاء ﷺ کو کسی اعتبار سے اور کسی لحاظ سے بھی نہیں۔ لیکن یہ مختار مدعیہ کا نرا مغالطہ ہے اور اگرچہ یہی صحیح ہوتا تو بھی حضرت خلیفۃ المسیح کی تعیین اسم احمد از روئے دلائل صحیح ثابت نہ ہوسکنے کی حالت میں اس کا نام تعیین کی غلطی ہی رکھا جاسکتا تھا نہ کہ آیت کا انکار۔ لیکن حقیقت الحال یہ ہے کہ جس طرح مختار مدعیہ کی وہ پہلی بات کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے بیان سے آیت کا انکار لازم آتا ہے، غلط اور باطل تھی۔ اسی طرح اس کی یہ دوسری بات بھی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کو کسی لحاظ سے بھی آیت موصوفہ کا مصداق قرار نہیں دیا، غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ آپ نے اس آیت کے دو مصداق قرار دیئے ہیں۔ ایک بلحاظ اسم ذاتی کے، اسم وصفی کے لحاظ سے تو آنحضرت ﷺ کو مصداق بتایا ہے کہ احمد آپ کا اسم وصفی تھا اور اسم ذات کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود کو کہ احمد آپ کا اسم ذات تھا۔

چنانچہ اسم وصفی کے لحاظ سے حضور انور نبی کریم ﷺ کے مصداق اوّل آیت موصوفہ ہونے کی بابت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ارشاد یہ ہے: ’’جس قدر پیش گوئیاں آپ کی امت کی نسبت ہیں، ان کے پہلے مظہر تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ آپ احمد نہ ہوتے تو مسیح موعود کیونکر احمد کہلا سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کو تو جو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے طفیل ملا ہے۔ اگر ایک صفت کی نفی آنحضرت ﷺ سے کی جائے تو ساتھ ہی اس صفت کی نفی حضرت مسیح موعود سے بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ جو چیز چشمہ میں نہیں ہے وہ گلاس میں کہاں سے آسکتی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ احمد تھے اور (بلحاظ وصفی) اس پیش گوئی کے اوّل مظہر وہی تھے۔‘‘

(القول الفصل ص ۲۹، انوار العلوم ج ۲ ص ۲۸۹)

اور آپ (انوار خلافت ص۱۹، انوار العلوم ج۳ ص۸۴) میں فرماتے ہیں: ’’یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود کو احمد کہنے میں آنحضرت ﷺ کی ہتک نہیں اور اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ احمد نہ تھے۔ آپ احمد تھے اور ضرور تھے۔ لیکن احمد کی صفت تھی نہ کہ آپ کا نام۔ جو شخص کہے کہ احمد آپ کی صفت نہیں تھی وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے اور اگر آپ احمد نہ ہوتے تو حضرت مسیح موعود احمد ہوہی کیونکر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ آپ (آنحضرت ﷺ) کی ہی شاگردی میں حاصل کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ کہنا درست نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نام احمد تھا۔‘‘

ان عبارتوں میں نہایت صراحت کے ساتھ اقرار کیا گیا ہے کہ بلحاظ اسم وصفی آنحضرت ﷺ احمد تھے اور ضرور احمد تھے۔ ایسے کہ اگر حضور احمد نہ ہوتے تو مسیح موعود بھی احمد نہیں ہوسکتے تھے اور بلحاظ اسم وصفی پیش گوئی اسمہ احمد کا مصداق اوّل حضور ﷺ ہی ہیں۔ لیکن حضور کا اسم ذات احمد نہ تھا۔

اور جن عبارتوں میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ اسم ذات اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: ’’آنحضرت ﷺ کا نام احمد نہ تھا بلکہ محمد تھا...... کسی جگہ بھی قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو احمد نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ اگر آنحضرت ﷺ کا نام احمد ہوتا اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ والدہ کو الہام کے ذریعے سے یہ نام بتایا گیا ہوتا تو قرآن کریم میں جو وحی الٰہی ہے، اوّل تو احمد نام ہی آتا اور اگر محمد بھی آتا تو احمد بعض مقامات پر ضرور آتا۔ وہ عجیب الٰہی نام نہ تھا کہ قرآن کریم اس نام سے ایک دفعہ بھی آنحضرت ﷺ کو نہیں پکارتا۔ ہر جگہ محمد ہی کے نام سے پکارتا ہے۔ (جیسا کہ آیت: ’’**ما محمد الا رسول**‘‘ آیت: ’’**محمد رسول اللّٰہ والذین معہ**‘‘ آیت: ’’**بما نزل علی محمد**‘‘ اور آیت: ’’**ماکان محمد ابا احد من رجالکم**‘‘ سے ظاہر ہے۔ شمس)

دوسری دلیل آپ کا نام احمد نہ ہونے کی یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔ کلمہ شہادت جس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ اس میں بھی محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو کلمہ شہادت کی کوئی روایت تو یہ بھی ہوتی کہ: ’’**اشھد ان احمد رسول اللّٰہ** ‘‘ پنج وقتہ اذان میں بھی بیانگ بلند محمد رسول اللہ کہہ کر آپ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ تکبیر میں بھی محمد ہی آنحضرت ﷺ کا نام آتا ہے اور درود ’’**اللّٰھم صلی علیٰ محمد**‘‘ میں بھی آنحضرت ﷺ کو محمد نام لے کر ہی یاد کیا جاتا ہے اور اس نام کے رسول پر خداتعالیٰ کی رحمتیں بھیجی جاتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے خطوط کی نقلیں موجود ہیں۔ ان سب میں اپنے دستخط کی جگہ محمد نام کی ہی مہر لگائی ہے۔ ایک خط میں بھی احمد اپنا نام تحریر نہیں فرمایا۔ (ہرقل کو جو ایک عیسائی بادشاہ تھا جب آپ نے خط لکھا تو اس پر بھی آپ نے محمد نام کی ہی مہر لگائی۔ حالانکہ اسے یہ بتانے کے لئے کہ میں مسیح کی بشارت کا مصداق ہوں احمد نام کی مہر لگانا زیادہ مناسب تھا۔ شمس) اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو پھر صحابہ کرام کی گفتگوئیں احادیث میں مذکور ہیں۔ لیکن ایک دفعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کو احمد کہہ کر پکارا ہو اور نہ ان کی آپس کی گفتگو ہی میں یہ نام آتا ہے نہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کا نام احمد رکھا گیا تھا۔ بلکہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ آپ کے مخالف جس قدر تھے جن میں خود آپ کے رشتہ دار اور چچا بھی شامل تھے۔ سب آپ کو محمد نام سے پکارتے تھے یا شرارت سے مذمم کہہ کر پکارتے تھے کہ وہ بھی محمد کے وزن پر ہے۔ غرض جس قدر بھی غور کریں اور فکر کریں آپ کا نام قرآن کریم سے احادیث سے کلمہ سے اذان سے تکبیر سے درود سے آپ کے خطوط سے معاہدات سے تاریخ سے صحابہ کے اقوال سے محمد ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ احمد پھر اس قدر دلائل کے ہوتے ہوئے کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔‘‘ (انوار خلافت ص۲۱، ۲۲، انوار العلوم ج۳ ص۸۶، ۸۷)

اور فرماتے ہیں: ’’آیت: ’’مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد‘‘ میں ایک ایسے رسول کی پیش گوئی ہے جس کا نام احمد ہے اور آنحضرت ﷺ کی صفت احمد تھی، نام احمد نہ تھا اور دوسرے جو نشان اس کے بتائے گئے ہیں وہ اس زمانہ میں پورے ہوئے اور مسیح موعود پر پورے ہوئے ہیں۔ آپ کا نام احمد تھا اور آپ احمد کے نام پر ہی بیعت لیا کرتے تھے اور خدا نے بھی آپ کا نام احمد رکھا تھا۔ آپ نے اپنے نام کا یہی حصہ اپنی اولاد کے ناموں سے ملا۔ اس لئے سب باتوں پر غور کرتے ہوئے وہ شخص جس کی نسبت خبر دی گئی تھی مسیح موعود ہی ہیں۔ ہاں! اس لحاظ سے کہ آپ کے کل کمالات آنحضرت ﷺ سے لئے ہوئے تھے۔ اوّلین مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دینا ضروری ہے۔ مگر اس لئے کہ آپ صفت احمدیہ کے سب سے بڑے مظہر تھے نہ اس لئے کہ آپ کا نام احمد تھا۔ کیونکہ درحقیقت آپ کا نام احمد نہ تھا۔‘‘ (القول الفصل ص۲۹، انوار العلوم ج۲ ص۲۸۹،۲۹۰)

اور فرماتے ہیں: ’’آنحضرت ﷺ احمد تھے اور سب سے بڑے احمد تھے۔ کیونکہ آپ سے بڑا کوئی مظہر صفت احمدیت کا نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا نام احمد نہ تھا اور ’’اسمہ احمد‘‘ کا مصداق (بلحاظ اسم ذات احمد ہونے کے) مسیح موعود ہے۔ ہاں! آنحضرت ﷺ کی طرف بھی یہ پیش گوئی بوجہ آقا اور استاد ہونے کے اشارہ کرتی ہے۔‘‘ (القول الفصل ص۳۱، انوار العلوم ج۲ ص۲۹۱،۲۹۲)

اور فرماتے ہیں: ’’کسی شخص کا پیش گوئی کا مصداق ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے اور جب دلائل اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں تو رسول کریم کی اس میں کسی وجہ سے ہتک نہیں ہوئی؟ یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کا نام احمد نہیں آپ کی ہتک نہیں ہے۔ کیونکہ نام کا بغیر نام کی صفات کے ہونا کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ جب تک کسی میں اس نام کے مطابق اوصاف نہ پائے جاتے ہوں، نام کوئی قابل عزت بات نہیں۔ دیکھو بعض لوگوں کا نام عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم ہوتا ہے۔ لیکن وہ کام عبدالشیطان کے کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کا نام نیک اور شریف ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بد اور بدوضع ہوتے ہیں تو ماں باپ کا رکھا ہوا نام کوئی عزت کی شئے نہیں ہو جاتا۔ اگر ہم رسول کریم ﷺ کے متعلق یہ کہیں کہ رسول اللہ میں احمد کی صفت نہیں پائی جاتی تو یہ آپ کی ہتک ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپ کا نام احمد نہیں، ہرگز آپ کی ہتک کرنا نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ یہ امر واقعہ کہلائے گا۔ پس جب کہ نام فضیلت کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کام فضیلت کا ذریعہ ہوتے ہیں تو پھر آپ کا نام احمد نہ ماننے میں آپ کی ہتک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم ﷺ کا نام محمد بھی نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہتک ہو جاتی؟ اور کیا آپ کے ہر کام میں کمی آ جاتی؟ آپ کا نام جو کچھ بھی ہوتا وہی بابرکت ہوتا اور اس نام پر دنیا اسی طرح فدا ہوتی جس طرح آپ کے محمد نام پر فدا ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کے نام پر فدا نہیں ہوتے بلکہ درحقیقت آپ کے کام پر فدا ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام احمد نہیں۔ ہاں! احمد کی صفات آپ میں پائی جاتی ہیں تو پھر نادان ہے وہ جو یہ کہے کہ ایسا کہنے سے آپ کی ہتک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جو احمد کی خبر دی گئی ہے اس کے متعلق میں نے وہ آیت پڑھ دی ہیں۔ جن میں احمد کا ذکر ہے اور اب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بتاتا ہوں کہ آیات میں احمد کا اصل مصداق (اس لحاظ سے کہ آپ کا اسم ذات احمد تھا) حضرت مسیح موعود ہی ہیں اور آنحضرت ﷺ نام کے لحاظ سے احمد کا مصداق نہیں۔ کیونکہ آپ کا نام احمد نہیں بلکہ محمد تھا۔ صرف صفت احمدیت کی وجہ سے اس کے مصداق ہیں۔ ورنہ جس احمد نام کے انسان کے متعلق خبر ہے وہ حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔

(انوار خلافت ص۱۹،۲۰، انوار العلوم ج۳ ص۸۴،۸۵)

اور فرماتے ہیں: ’’جب کہ واقعات سے ثابت ہوگیا کہ احمد سے مراد (اسم ذات کے لحاظ سے) آنحضرت ﷺ کا ایک خادم (یعنی حضرت مسیح موعود) ہے تو پھر بھی ہٹ دھرمی سے کام لینا شیوہ مومنانہ نہیں۔ (انوار خلافت ص۲۴، انوار العلوم ج۳ ص۸۹)

اور فرماتے ہیں: ’’اس پیش گوئی ’’من بعدی اسمه احمد ‘‘ کے آپ ہی مصداق ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ پر آپ حضرت مسیح موعود نے رسول اللہ ﷺ کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ بوجہ اس کے کل فیضان جو حضرت مسیح موعود کو پہنچا ہے، آپ ہی سے پہنچا ہے۔ اس لئے جو خبر آپ کی نسبت دی گئی ہے اس کے مصداق رسول کریم ﷺ بھی ضرور ہیں کہ جو خوبیاں ظل میں ہوں اصل میں ضرور ہونی چاہئیں۔ عکس کی خبر دینے والا ساتھ ہی اصل کی خبر بھی دیتا ہے۔ پس اس آیت میں ضمنی طور پر رسول کریم ﷺ کی بھی خبر دی گئی ہے اور اس بیان سے یہ واجب نہیں آتا کہ اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود نہ ہوں۔ اس کے اصل مصداق حضرت مسیح موعود ہیں اور اس لحاظ سے کہ آپ کے سب کمالات آنحضرت ﷺ سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی بھی پیش گوئی اس میں سے نکل آتی ہے۔‘‘ (انوار خلافت ص۳۷،۳۸، انوار العلوم ج۳ ص۱۰۱،۱۰۲)

ان عبارتوں میں نہایت تفصیل وتشریح سے ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اسم ذات احمد نہیں بلکہ محمد ہی تھا۔ ہاں! بلحاظ صفات آپ ضرور احمد تھے اور بلحاظ اسم وصفی آپ کا ایک نام احمد بھی تھا۔ جیسے کہ[1] عاقب وحاشر ونبی التوبہ ونبی الرحمت وغیرہ بہت سے نام بھی بلحاظ وصف ہی تھے نہ بلحاظ ذات اور آپ کی پیش گوئی ’’من بعدی اسمه احمد ‘‘ کے مصداق بھی بلحاظ اسم وصفی تھے نہ کہ بلحاظ اسم ذات۔ کیونکہ آپ کا اسم ذات محمد تھا نہ کہ احمد۔ اسم ذات کے لحاظ سے اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ کیونکہ آپ کا اسم ذات احمد تھا اور اس مدعا کے ثبوت میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے (انوار خلافت ص۱۸ تا ۵۲، انوار العلوم) نہایت قوی اور زبردست دلائل کا دریا بہا دیا ہے۔

اور اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے امام کو اس آیت کا مورد ومصداق ٹھہراتا ہے وہ یقیناً اس آیت پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے امام کے صدق پر اس آیت سے استدلال نہ کرتا۔ نیز اگر مختاران مدعیہ کو منکر آیت ہونے کا فتویٰ دینے کا بہت ہی شوق تھا تو نہیں چاہئے تھا کہ پہلے ان مفسرین اور بزرگوں کے بھی جنہوں نے آیت: ’’هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ‘‘ میں مسیح موعود اور مہدی کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شامل بتایا۔ منکر آیت ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے پھر دوسری طرف توجہ کرنے کا خیال دل میں لاتے۔

---

[1] اس موقعہ پر یہ شبہ پیدا کیا جاسکتا ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ نے اپنے اسماء محمد، احمد، ماحی، حاشر، عاقب بیان فرمائے ہیں۔ لہٰذا یہ سب آپ کے نام ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں اسماء بمعنی صفات آتا ہے۔ جیسا قرآن شریف میں ہے: ’’له الاسمآء الحسنیٰ ‘‘ یعنی سب اچھے نام خداتعالیٰ کے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات تو صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ۔ باقی سب صفاتی نام ہیں۔ پس حدیث میں بھی آپ نے اپنی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ ماحی، حاشر، عاقب سب آپ کے نام ہی تھے۔ حالانکہ تمام مسلمان تیرہ سو برس سے مانتے چلے آتے ہیں کہ یہ آپ کے صفات ہیں، نام نہیں تھے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس حدیث میں بلاشبہ محمد بھی بطور صفت ہی آتا ہے، بطور نام نہیں آیا۔ ہاں! قرآن کریم اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد ہی تھا اور اس امر کا ثبوت کہ اس حدیث میں بطور صفت آیا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ’’تحدیث بالنعمت ‘‘ کے طور پر فرمایا ہے کہ میرے یہ نام ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ صرف یہ امر تو کسی تعریف کے لائق نہیں ہوسکتا کہ فلاں فلاں میرے نام ہیں اور کیا آنحضرت ﷺ جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ آپ خالی نام پر فخر کریں گے۔ معاذ اللہ من ذالک! حقیقت الامر یہی ہے کہ آپ نے اس حدیث میں اپنے صفات ہی بیان فرمائے ہیں کہ خداتعالیٰ نے مجھے محمد بنایا ہے۔ یعنی خود میری تعریف کی ہے اور مجھے احمد بنایا ہے۔ یعنی سب سے بڑھ کر خدا کی تعریف کرنے والا اور دیگر صفات حسنہ سے متصف کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھنا چاہئے ’’انوار خلافت ‘‘ کہ اس میں تمام خدشات وساوس کا نہایت قوی دلائل سے قلع قمع کر دیا گیا ہے۔

(۶) قرآن اور احادیث اور وحی مسیح موعود

مختار مدعیہ نے (اعجاز احمدی ص۳۰،۵۷، خزائن ج۱۹ ص۱۴۰،۱۶۸،۱۶۹) کے حوالوں کی بناء پر حضرت مسیح موعود کے خلاف ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ آپ نے حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینے کے قابل قرار دے کر حدیثوں کی سخت توہین کی ہے اور اپنی وحی کو آنحضرت ﷺ کی حدیثوں پر ترجیح دی ہے اور یہ بھی حدیثوں کی سخت توہین ہے۔

لیکن مختار مدعیہ کا یہ بھی ایک مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ اس اعتراض سے اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود نے صحیح احادیث کی بابت یہ فرمایا ہے کہ ہم وہ ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حضرت مسیح موعود نے صحیح احادیث کی بابت ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ جیسا کہ علاوہ اور بے شمار حوالوں کے خود مختار مدعیہ کے پیش کردہ حوالوں سے بھی ظاہر ہے۔

مختار مدعیہ کا پیش کیا ہوا پہلا حوالہ یہ ہے:

۱...... ''میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں ہے بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ ہاں! تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔ دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔'' (اعجاز احمدی ص۳۰، خزائن ج۱۹ ص۱۴۰)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کلام ان حدیثوں کی بابت ہے جو آپ کے دعویٰ کے متعلق ہیں اور ان کی آپ نے دو قسمیں فرمادی ہیں۔ ایک وہ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور ان کے متعلق آپ نے صاف فرمادیا ہے کہ ہم انہیں تائیدی طور پر پیش کرتے ہیں۔ یعنی ہم انہیں قبول کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقابلے میں دوسری قسم انہی حدیثوں کی ہوگی جو مخالف قرآن ہیں اور اسی قسم کی حدیثوں کے متعلق حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا ہے کہ دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود کی وحی، جیسا کہ آگے بیان ہوگا قرآن کے بالکل مطابق ہے۔

پس مختار مدعیہ کے پیش کئے ہوئے اس حوالے سے بخوبی ظاہر ہے کہ ردی میں پھینک دینے کا ارشاد ان حدیثوں کے لئے ہرگز نہیں ہے جو مطابق قرآن ہوں، بلکہ ان کے لئے ہے جو مخالف قرآن ہوں۔

۲...... دوسرا حوالہ مختار مدعیہ نے یہ پیش کیا ہے: ''اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور ہر ایک گروہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔ ہم نے اس سے لیا کہ وہ ''حی وقیوم'' اور ''واحد لاشریک'' ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔''

(اعجاز احمدی ص۵۷، خزائن ج۱۹ ص۱۶۸،۱۶۹)

جواب: نظر بر حوالہ جس میں حضرت مسیح موعود نے ان احادیث کے متعلق جو قرآن کے مطابق ہیں اور آپ کی وحی کی (جو قرآن کے موافق ہے) معارض نہیں، فرمایا ہے کہ انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہیں، انہیں ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اس حوالہ میں بھی انہی حدیثوں کا ذکر ہے جو خلاف قرآن ہے۔ لیکن اس پر بس نہیں بلکہ جہاں سے مختار مدعیہ نے یہ حوالہ لیا ہے جو درحقیقت ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے وہیں یہ بھی موجود تھا کہ یہ خلاف قرآن حدیثوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے اور بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔'' (اعجاز احمدی ص۵۶، خزائن ج۱۹ ص۱۶۹)

اوراسی میں فرماتے ہیں: ’’پس اے مخالفو! نقلوں کے ساتھ خوش نہ ہوجاؤ اور بہتیری نقلیں اورحدیثیں ہیں جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں۔‘‘

اس کے بعد ہی فرماتے ہیں: ’’اور خدا تعالیٰ کی وحی کے بعد نقل کی کیا حقیقت ہے؟ پس ہم خدا کی وحی کے بعد کسی حدیث کو مان لیں۔ یہ تعلیم آیت: ’’فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یؤمنون‘‘ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد (اعجاز احمدی ص۵۷، خزائن ج۱۹ ص۱۶۸) کے شروع ہی میں جو شعر ہے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے: ’’اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور ہر ایک گروہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔‘‘ اور یہ وہ مضمون ہے جو مختار مدعیہ کے دوسرے حوالے کا پہلا جز ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود دو شعروں میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر فرماتے ہیں: ’’کیا تو میرے پاس اس اترنے والا کا ذکر کرتا ہے جس کو تو نے نہیں دیکھا اور ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے جس کا تحریف نے ستیاناس کر دیا۔‘‘

پھر دو شعروں میں اس بیان کے بعد کہ ظن کوئی قطعی دلیل نہیں ہے اور میں تیری طرح ظنون میں گرفتار نہیں ہوں۔ فرماتے ہیں: ’’ہم نے اس سے لیا کہ وہ ’’حی وقیوم‘‘ اور ’’وحدہ لاشریک‘‘ ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔‘‘

پہلے شعر میں آپ نے ایک مخالف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے اور بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس مضمون سے ظاہر تھا کہ یہ خطاب ایک ایسے مخالف کو ہے جو قرآن شریف سے بھاگتا اور مسیح موعود کے دعویٰ کی تردید میں کچھ ایسی حدیثیں پیش کرتا تھا جو خلاف قرآن تھیں۔ کیونکہ اگر وہ موافق قرآن ہوتیں تو قرآن شریف سے گریز کر کے کیوں پیش کی جاتیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اسی پر اکتفاء نہ فرما کر صاف الفاظ میں ظاہر فرمادیا کہ اسی موقع پر ذکر کس قسم کی حدیثوں کا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ’’بہتیری نقلیں اور حدیثیں ہیں جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۵۶، خزائن ج۱۹ ص۱۶۸)

اور پھر اس سے بھی زیادہ مخالف مذکورہ کو مخاطب کر کے یہاں تک فرمادیا کہ کیا تو میرے سامنے ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے جن کا تحریف نے ستیاناس کر دیا۔ اب ہر منصف مزاج وحق پسند کے لئے یہ امر قابل توجہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیئے جاتے کہ اس موقع پر خلاف قرآن حدیثوں کا ذکر ہے نہ کہ مطابق قرآن کا۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کر کے اور ان سب اشعار سے جو اس امر کو ظاہر کر رہے تھے۔ منہ پھیر کر (ص۵۷) کے پہلے شعر کا اور پھر بیچ کے شعر چھوڑ کر ساتویں شعر کا ترجمہ نقل کر کے یہ دکھانا چاہا کہ گویا حضرت اقدس نے صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کی بات کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادق اور کاذب کی امتیازی علامت یہ فرمائی کہ صادق شخص اپنے اقوال اور اپنے افعال میں صادقوں سے مشابہت رکھتا ہے اور کاذب اپنے اعتراضات اور اپنی تحریکات اور اعمال میں کاذبوں کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت: ’’قل ماکنت بدعاً من الرسل‘‘ اور آیت: ’’مایقال لک الاماقدقیل للرسل من قبلک‘‘ اور آیت: ’’تشابھت قلوبھم‘‘ وغیرہ آیات سے ظاہر ہے۔ اب دیکھو کہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے اس قول پر کہ ’’ہم نے اس سے لیا کہ وہ ’’حی‘‘ اور ’’قیوم‘‘ اور ’’وحدہ لا شریک‘‘ ہے اور تم مردوں سے روایت کرتے ہو، اعتراض کیا ہے اور یہی قول آپ سے قبل اولیاء اللہ کی جماعت کا ایک ممتاز فرد اپنے منکرین کے جواب میں کہہ چکا ہے۔ چنانچہ (الیواقیت والجواہر ج۱ ص۲۱) میں لکھا ہے: ’’وقدکان الشیخ ابویزید بسطامی یقول لعلماء زمانہ (خطابا للمنکرین علیہ وفی الصفحۃ ص ۱۰۲ فی الجزء الثانی) قد اخذتم علمکم میتاعن میت واخذنا علمنا من الحیی الذی لایموت‘‘

یعنی ابویزید بسطامی اپنے زمانہ کے منکرین مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے اپنا علم مردوں سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم پایا ہے جو کبھی نہیں مرتا۔ کیا یہ وہی قول نہیں جو حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے اور جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

یہاں اس امر کا ظاہر کر دینا نامناسب نہیں ہے کہ مختاران مدعیہ کے بیشتر اعتراضات کی بناء قطع و برید عبارات پر ہے۔ وہ اچھے خاصہ مضمونوں اور عبارتوں میں سے بعض ایسے جملے قطع کر کے جن کے معنی اپنی ملحقہ عبارت سے علیحدہ ہونے پر خراب ہو جائیں پیش کر دیئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی دیکھایا جاچکا ہے اور اس اعتراض کے حوالہ نمبر۲ کے متعلق بھی دکھایا گیا ہے اور حوالہ نمبر اوّل میں مختار مدعیہ نے جتنی عبارت پیش کی ہے۔ اگرچہ وہی اظہار حقیقت الامر کے لئے کافی ہے۔ تاہم اس موقع سے چند اور حوالے بھی پیش کرتا ہوں جن کے دیکھ لینے کے بعد کسی خداترس اور شریف الطبع انسان کے لئے یہ موقع نہیں ہے کہ حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کر سکے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

مختار مدعیہ نے جس مضمون کے (ص۳۰) سے ایک حوالہ نقل کر کے حضرت مسیح موعود پر صحیح حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دینے کا بہتان باندھا ہے۔ اس مضمون کے (اعجاز احمدی ص۲۷،۲۸، خزائن ج۱۹ ص۱۳۷) میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’علاوہ اس کے ان حدیثوں میں اس قدر تناقص ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کرو تو فی الفور مل جائے گی۔ پس اس سے قرآن شریف کے بینات کو چھوڑنا اور ایسی متناقض حدیثوں کے لئے ایمان ضائع کرنا کسی ابلہ کا کام ہے نہ عقلمند کا۔‘‘

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود ان حدیثوں کو چھوڑ دینے کے لئے فرمارہے ہیں جو قرآن شریف کے خلاف ہوں۔

اور فرماتے ہیں: ’’مناسب ہے کہ حدیث کے لئے قرآن کو نہ چھوڑا جائے ورنہ ایمان ہاتھ سے جائے گا۔‘‘

(اعجاز احمدی ص۲۸، خزائن ج۱۹ ص۱۳۷)

اور فرماتے ہیں: ’’ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی ومعارض نہ ہوں تاکہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔‘‘　(اعجاز احمدی ص۲۸، خزائن ج۱۹ ص۱۳۸)

یہ اس مضمون کے حوالہ جات ہیں جس کے (ص۳۰) سے ایک حوالہ نقل کر کے مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کو صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا مدعی قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اﷲتعالیٰ نے اس کی اس باطل کارروائی کا جواب پہلے ہی حضرت مسیح موعود کے قلم حق رقم سے لکھوایا اور وہ بھی اس شان سے کہ گویا آپ مخالف کا یہ اعتراض دیکھ رہے ہیں کہ مرزاصاحب نے احادیث صحیحہ اور غیرصحیحہ سب کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لائق ٹھہرایا ہے اور اس اعتراض کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: ’’ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی ومعارض نہ ہوں تاہلاک نہ ہو جاؤ۔‘‘

(اعجاز احمدی ص۲۸، خزائن ج۱۹ ص۱۳۸)

مرزاصاحب کی اتنی ہی تحریر قابل لحاظ ہے جو ان پر اعتراض کرنے کے لئے پیش کی جائے اور جس سے ان کی تکفیر کی جائے۔ باقی تحریروں کے دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کی تحریریں متضاد ہوتی ہیں۔ کہیں کچھ اور کہیں کچھ۔ اب حضرت مسیح موعود کی عبارتیں اور مختار مدعیہ کے اعتراضات عدالت کے سامنے ہیں اور ان سے اچھی طرح فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی عبارتوں میں تناقض وتعارض ہے یا مختار مدعیہ کے خیالات میں۔

اگرچہ منقول بالا حوالہ جات سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہی حدیث رد کر دینے کے لائق ہے جو مخالف قرآن ہو۔ کیونکہ مخالف قرآن حدیث درحقیقت آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ لیکن انہی پر بس نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود کی دوسری کتب میں بھی یہ مضمون بڑی کثرت اور بڑی صفائی سے موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کو بسروچشم قبول کیا جائے اور جہاں قرآن وسنت سے کسی حدیث کو متعارض پائیں تو اس کو چھوڑ دیں۔'' (ریویو بر مباحثہ مولوی محمد حسین چکڑالوی)

اور فرماتے ہیں: ''ہاں! اگر ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کی مخالف ہو تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس پر جرأت نہیں کرے گا کہ اس حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن وسنت کے برخلاف ہو اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔''

(کشتی نوح ص ۵۸، خزائن ج ۱۹ ص ۶۲، ۶۳)

اور فرماتے ہیں: ''لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن کریم کے بیان کردہ قصص کے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق کے لئے فکر کرو۔ شاید وہ تعارض تمہاری غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نہیں ہے۔'' (کشتی نوح ص ۵۸، خزائن ج ۱۹ ص ۶۳)

پس حضرت مسیح موعود نے جہاں کہیں بھی حدیث کو چھوڑنے، رد کرنے اور پھینک دینے کے لئے لکھا ہے وہ اس کے لئے لکھا ہے جو مخالف قرآن ہو اور جو باوجود سعی بلیغ کے بھی موافق نہ ہو سکے اور ایسی حدیث بلاریب آنحضرت ﷺ کی حدیث کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں کچھ اور فرمایا ہوا ہو اور آنحضرت ﷺ اس کے خلاف کچھ اور فرمادیں۔ ''حاشا وکلا'' اور ایسی مخالف قرآن حدیثوں کو رد کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود سے پہلے بھی اکابر علماء اہل سنت والجماعت بلکہ مسلم بزرگان دیوبند بھی بارہا لکھ چکے ہیں اور انہیں سے بعض کے اقوال حدیث: ''فاعرضوہ علی کتاب اللہ'' کے عنوان کے ماتحت درج کئے جائیں گے۔

پس خوب یاد رکھو کہ جن احادیث کے رد کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود نے ''اعجاز احمدی'' میں ارشاد فرمایا ہے وہ وہی حدیثیں ہیں جو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ قرآن مجید کے خلاف آپ کے دعویٰ مہدویت ومسیحیت کو باطل ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے۔ جن کا ظنی ہونا سب کو مسلم ہے اور ان میں سے اکثر اکابر علماء امت کے نزدیک موضوع ہیں۔ چنانچہ ان حدیثوں کی مثال آپ نے ''تحفہ گولڑویہ'' میں ذکر کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ''لوگ اپنے دلوں میں پہلے ہی ٹھہرا لیتے ہیں کہ جو کچھ مہدی اور مسیح کی نسبت حدیثیں لکھی ہیں اور جس طرح ان کے معنی کئے گئے ہیں، وہ سب صحیح اور واجب الاعتقاد ہیں۔ اس لئے جب وہ لوگ اس فرضی نقشہ سے جو قرآن شریف سے بھی مخالف ہے مجھے مطابق نہیں پاتے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کاذب ہے۔ مثلاً وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود ایک ایسی قوم یاجوج ماجوج کے وقت آنا چاہئے جن کے لمبے درختوں کی طرح قد ہوں گے اور اس قدر لمبے کان ہوں گے کہ ان کو بستر کی طرح بچھا کر ان پر سور ہیں گے۔ نیز کہ مسیح آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترنا چاہئے۔ بیت المقدس کے منارہ کے پاس مشرقی اور دجال عجیب الخلقت اس سے پہلے موجود چاہئے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سب خدائی کی باتیں ہوں۔ مینہ برسانے اور کھیتیاں اگانے اور مردوں کے زندہ کرنے اس کے گدھے کا سرا تنا بڑا ہو کہ دونوں کانوں کا فاصلہ تین سو ہاتھ کے قریب ہو اور دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہو اور مہدی ایسا چاہئے کہ جس کی تصدیق کے لئے آسمان سے زور زور سے آواز آوے کہ یہ خلیفۃ اللہ المہدی ہے اور وہ آواز تمام مشرق ومغرب تک پہنچ جائے اور مکہ سے اس کے لئے

ایک خزانہ نکلے اور وہ عیسائیوں سے لڑے اور عیسائی بادشاہ اس کے پاس پکڑے آویں اور تمام زمین کو کفار کے خون سے پر کر دیوے اور ان کی تمام دولت لوٹ لے اور اس قدر قاتل اور خون ریز ہو کہ جب سے دنیا کی بنیاد پڑی ہے۔ ایسا خونی آدمی کوئی نہ گزرا ہو اور اس قدر اپنے تابعوں میں مال تقسیم کرے کہ لوگوں کو مال رکھنے کے لئے کوئی جگہ نہ رہے...... قبول کر لینے تک۔''

(تحفہ گولڑویہ ص۴۲،۴۳، خزائن ج۱۷ص۱۵۸تا۱۶۰)

پس ایسی روایات جو بعض تو الفاظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اور بعض ''من کل الوجوہ'' قرآن مجید اور آپ کی وحی کے جو قرآن مجید کے موافق ہے، مخالف ہیں۔ انہیں ردی کی طرح پھینکنے کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کی حدیثیں نہیں ہیں، بلکہ ذخیرہ موضوعات ہیں۔''

اگرچہ مذکورہ بالا تمام بیان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود موافق قرآن احادیث کو مانتے ہیں۔ لیکن اب اس امر کے متعلق چند مستقل حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی ہی ردی اور لغو ہیں۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے۔ معاذ اللہ! ہرگز نہیں۔'' (حکم ربانی کا ریویو ص۱، خزائن ج۱۹ص۲۰۷)

اور فرماتے ہیں: ''احادیث نبویہ مرفوعہ متصلہ ایسی خبر نہیں ہے کہ ان کو ردی اور لغو سمجھا جائے۔'' (ریویو ص۲، خزائن ج۱۹ص۲۰۷)

اور فرماتے ہیں: ''احادیث کا انکار ایک طور سے قرآن شریف کا انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ'' کہ خدا تعالیٰ کی محبت بھی آنحضرت ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے تو پھر آنجناب کے عملی نمونوں کے دریافت کے لئے جن پر اتباع موقوف ہے۔ حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو بھی چھوڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے۔'' (ریویو ص۲، خزائن ج۱۹ص۲۰۸)

اور فرماتے ہیں: ''جو حدیث قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اس کو بسر وچشم قبول کیا جائے۔'' (ریویو ص۵، خزائن ج۱۹ص۲۱۲)

اور فرماتے ہیں: ''ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض ومخالف قرآن وسنت نہ ہو تو خواہ کیسی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو وہ اس پر عمل کریں۔'' (ریویو ص۵، خزائن ج۱۹ص۲۱۲)

اور کشتی نوح میں آپ فرماتے ہیں:

۱...... ''حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے۔'' (کشتی نوح ص۵۸، خزائن ج۱۹ص۶۲)

۲...... ''بہرحال احادیث کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ چاہئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل اور نہ ترک فعل۔ مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔'' (کشتی نوح ص۵۸، خزائن ج۱۹ص۶۳)

۳...... ''اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کرلو۔ کیونکہ قرآن اس کا مصدق ہے اور اگر کوئی ایسی حدیث ہے جو کسی پیش گوئی پر مشتمل ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے اور تمہارے زمانہ میں یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیش گوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو۔'' (کشتی نوح ص۵۸، خزائن ج۱۹ص۶۳)

۴...... ''اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن وسنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن کے موافق ہیں تو اس حدیث پر عمل کرو۔'' (کشتی نوح ص۵۹، خزائن ج۱۹ص۶۴)

اب دیکھنا چاہئے کہ اس سے زیادہ حدیث کو ماننے اور اس کی قدر عظمت کرنے کی اور کون سی صورت ہوسکتی ہے۔ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت اقدس تو ایک ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی ماننے اور اس پر عمل کرنے کی اتنی شدید تاکید فرمارہے ہیں کہ کوئی حرکت وسکون اور کوئی فعل یا ترک فعل ایسا نہیں ہونا چاہئے جس کے متعلق تمہارے پاس حدیث نہ ہو، یعنی تم اپنے تمام کاموں میں حدیث کو دستور العمل بناؤ۔ مگر اس شرط سے کہ وہ حدیث قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو اور آپ نے یہاں تک فرمادیا ہے کہ:

کیوں چھوڑتے ہو لوگوں نبی کی حدیث کو　　جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

ان حوالہ جات سے یہ امر بڑی وضاحت سے ظاہر ہوگیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے انہیں احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لئے لکھا جو مخالف قرآن اور مخالف سنت ثابت واحادیث صحیحہ ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ردی کی طرح پھینک دی جائیں۔ معلوم نہیں کہ ایسی حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دیئے جانے، خلاف قرآن ہونے کی حالت میں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ ایسی حدیثیں ردی کی طرح پھینک دی جائیں اور یا کہ (نعوذ باللہ) قرآن شریف سے دست کشی کی جائے اور اس میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ جو شخص خلاف قرآن حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینا نہیں چاہتا وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے جس سے (نعوذ باللہ) قرآن شریف ردی کی طرح پھینک دیا جائے۔

مختاران مدعیہ نے تو سراسر مغالطہ کی راہ سے حضرت مسیح موعود کو احادیث صحیحہ کا ردی کی طرح پھینک دینے والا ثابت کرنا چاہا تھا اور نہ صرف حضرت اقدس کو ہی بلکہ آپ کے ساتھ علامہ ابن خلدون جنہوں نے مہدی کی احادیث کو مجروح اور ضعیف ٹھہرایا ہے اور دیگر محققین کو بھی لیکن آپ خود خیر سے قرآن شریف کے ردی کی طرح پھینک دینے والے ٹھہر گئے اور اس مصرع کے پورے مصداق ثابت ہوئے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

''چونکہ مختاران مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے خلاف قرآن احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے والے قول میں بڑے زور سے بحث کی ہے۔ حتیٰ کہ من جملہ وجوہ کفر کے ایک یہ بھی وجہ کفر قرار دی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود بہت بڑے عامل بالحدیث ہوں۔ اس لئے یہ دیکھ لینا نہایت ضروری ہوگا کہ: ''ومن حیث الفرقه'' کہاں تک حدیث پر عمل کرنے والے ہیں اور اس کے متعلق ہم سب سے پہلے نماز کی حدیثوں کو لیتے ہیں۔''

کیا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے اور رفع یدین کرنے، آمین بالجہر کہنے اور وتر کی ایک اور تراویح کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں اور ضرور ہیں تو کیا دیوبندی حضرات امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھتے ہیں؟ اور کیا وہ رفع یدین کرتے ہیں؟ کیا وہ آمین بالجہر کہتے ہیں؟ کیا وہ وتر کی ایک رکعت اور تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا وہ ان سب حدیثوں کو جو یہی نہیں کہ خلاف قرآن شریف نہیں ہیں بلکہ صحیح بخاری میں آئی ہیں، ردی کی طرح پھینک دینے والے ہوئے یا کوئی کسر باقی رہ گئی۔

اس طرح حدیث: ''لو کان موسٰی وعیسٰی حیین لما وسعهما الا اتباعی اور حدیث مالکم تخافون من موت بینکم هل خلدنبیٌ قبلی فیمن بعث فاضله فیکم'' (لباب الاخیار ص۴۸)

جن سے وفات مسیح ثابت ہوتی ہے۔ کیا دیوبندی مولویوں نے وفات حضرت مسیح مان کر ان کو صحیح تسلیم کیا؟ اگر نہیں تو وہ ان احادیث کو ردی کی طرح پھینکنے والے ہوئے یا نہیں؟ پھر حدیث: ''فاعرضوه علی کتاب الله'' یعنی جو روایت ہو، اسے قرآن مجید پر عرض کرو۔ جو اس کے موافق ہو، لے لو اور جو منافی ہو، اسے چھوڑ دو۔ کیا مختاران مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے روبرو اس حدیث کو

ردی کی طرح پھینکا یا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں جنہیں مختاران مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے روبرو اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں جنہیں مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ ردی سمجھ کر قابل عمل خیال نہیں کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے عدالت میں اپنے آپ کو عامل بالحدیث اور تمام احادیث کو صحیح ماننے والے ظاہر کرتے ہیں۔

رہا مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی کو احادیث پر ترجیح دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے حدیث کے رد کر دینے کے متعلق جہاں کہیں فرمایا ہے تو وہ قرآن کے خلاف ہونے کی شرط کے ساتھ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اپنی وحی کا جوذکر کیا ہے اپنے منصب حکم وعدل کے اظہار کے لئے اور اس غرض سے کہا ہے کہ معلوم ہو کہ آپ کو مخالف قرآن وحی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنی وحی کو از اوّل تا آخر تمام وکمال مطابق قرآن شریف جانتے ہیں اور کسی امر میں سرمو بھی خلاف نہیں جانتے۔ اب پہلے میں وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے امر مذکورہ میں اپنی وحی کو اپنے عہدہ ومنصب کے اظہار کی غرض سے شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’بعض چالاک مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی آسمان سے اترے اور یہ کہے کہ فلاں فلاں حدیث جو تم جانتے ہو صحیح نہیں ہے تو ہم بھی قبول نہ کریں گے اور اسے منہ پر طمانچہ ماریں گے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں! حضرات آپ کے وجود پر یہی امید ہے۔ مگر ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ حکم کا لفظ جو مسیح موعود کی نسبت صحیح بخاری میں آیا ہے۔ اس کے ذرا معنی تو کریں ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لئے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناحق سمجھا جائے۔ جو شخص خدا کی طرف سے آئے گا وہ آپ کے طمانچے کھانے کو نہیں آئے گا۔ خداتعالیٰ اس کے لئے خود راہ نکالے گا۔ جس شخص کو خدا نے کشف اور الہام عطاء کیا اور بڑے بڑے نشان اس کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے اور قرآن کے مطابق ایک راہ اس کو دکھلا دی تو پھر وہ بعض ظنی حدیثوں کے لئے اس روشن یقینی راہ کو کیوں چھوڑ دے گا اور کیا اس پر واجب نہیں ہے کہ جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے اس پر عمل کرے اور اگر خدا کی پاک وحی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف پائے اور اپنی وحی کو قرآن کے مطابق پائے اور بعض حدیثوں کو بھی اس کے مؤید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے۔ ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں اور اس کی وحی کی مخالف نہیں۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۲۹،۳۰، خزائن ج۱۹ ص۱۳۹)

میں اس موقعہ پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ وحی الٰہی جب کہ اس کا وحی الٰہی ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو وہ حدیث پر مرجح ہے یا نہیں اور جب ہمارے مخالفین کے وہ مسیح جو ان کے خیال میں آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔ دنیا میں نازل ہوں گے اور ان کو وحی ہوگی تو بحیثیت کلام الٰہی ہونے کے وہ حدیثوں پر مرجح ہوگی یا نہیں ہوگی۔ بلکہ موقعہ کے لحاظ سے صرف اتنا بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف ان احادیث کے متعلق لکھا ہے جو قرآن شریف کے بھی خلاف ہوں اور احادیث صحیحہ کے بھی۔ یہ عرض کر دینے کے بعد میں حضرت مسیح موعود کے مندرجہ بالا طریق فیصلہ حدیث کی طرف عدالت کو توجہ دلاتا ہوں کہ کیا یہ طریق فیصلہ پکا نہیں رہا کہ میں ایک حد درجہ کے صادق اور راست باز انسان کے دل ودماغ کا نتیجہ ہوں اور کیا اس کا لفظ لفظ ظاہر نہیں کر رہا ہے کہ میں کسی منصوبہ باز اور دنیاساز کے مناسب حال نہیں ہوں۔

اس کے بعد سب وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی وحی قرآنی وحی سرمو مخالف نہیں۔ ہوبہو مطابق وموافق ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’وکل ما فھمت من عویصات القرآن او الھمت من اللہ الرحمن فقبلتہ علی شریطۃ الصحت والصواب والسمت وقد کشف علی انہ صحیح خالص یوافق الشریعۃ لاریب فیہ ولا لبس ولاشک ولا شبھۃ الی والرسول الکریم‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۲۱، خزائن ج۵ ص۲۱)

یعنی جو کچھ مجھے خداتعالیٰ کی طرف تفہیم ہوئی ہے یاالہامات نازل ہوئے ہیں، ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھنے اور مجھ پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن حکیم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک وشبہ نہیں اور بفرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا، ردی کی طرح پھینک دیتے اور وہی معنی مراد لیتے جو خداتعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی مراد تھی۔''

اور فرماتے ہیں: ''**وان القرآن مقدم علی کل شئ ووحی الحکم مقدم علی احادیث ظنیة بشرط ان تطابق القرآن وحیه مطابقة تامة وبشرط ان تکون الاحادیث غیر مطابقة للقرآن وتوجد فی قتصصها مخالفة لقصص صحف مطهره**'' (مواہب الرحمٰن ص۶۹، خزائن ج۱۹ص ۲۸۸)

یعنی قرآن مجید ہر ایک چیز پر مقدم ہے اور حکم کی وحی ظنی حدیثوں پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت تامہ رکھتی ہو اور بشرطیکہ احادیث قرآن مجید کے غیر مطابق ہوں اور قرآن مجید کے قصوں کے برخلاف ان احادیث میں قصص مذکور ہوں۔

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کی وحی قرآن مجید کے موافق ہے۔ اس لئے اس کے معارض جو ظنی حدیثیں ہوں گے وہ قرآن مجید کے بھی معارض ہوں گی۔ اس لئے قابل قبول نہیں ہیں اور ردی کی طرح پھینکنے کے قابل ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ کے متعلق جو آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں۔ ہمارا عقیدہ اور ہمارا مذہب بقول حضرت مسیح موعود یہی ہے، جو آپ نے فرمایا۔

اقتدائے قول او در جان ماست ہرچہ زو ثابت شود ایمان ماست

(۷) حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ

حضرت مسیح موعود نے اعجاز احمدی میں فرمایا ہے کہ جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہے، اسے ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں اور یہی اصل آنحضرت ﷺ سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''**تکثیر لکم الاحادیث بعدی فاذاروی لکم عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوه وما خالف فردوه**'' کہ یعنی میرے بعد کثرت سے تمہارے پاس حدیثیں پہنچیں گی۔ پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی جائے تو تم اس کو کتاب اللہ پر عرض کرو۔ پس جو کتاب اللہ کے موافق ہو، اسے قبول کرلو اور جو اس کے مخالف ہو، اسے رد کردو۔

لیکن اس حدیث پر مختار مدعیہ نے یہ جرح کی ہے:

۱...... کہ یہ حدیث توضیح تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے اور وہ اصول فقہ کی کتابیں ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب سے نقل نہیں کی گئی اور جن کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ وہ محدث نہیں ہیں۔

۲...... فوائد المجموعہ میں علامہ شوکانی نے کہا ہے: ''**وضعة الزنادقة**'' کہ یہ بے دینوں کی حدیث ہے اور یہی بات یحییٰ بن معین اور علامہ ذہبی کہتے ہیں اور علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے اس آیت کو: ''**ما اتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا رد**'' کرتی ہے۔

۳...... گواہ مدعاعلیہ نمبرا کا یہ کہنا کہ حدیث بلاسند بھی معتبر ہوسکتی ہے اور اصول حدیث کی کتاب شرح نخبۃ الفکر میں ایسا لکھا ہے۔ محض اتہام ہے اور محض مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے اور صحیح مسلم جو صحیح بخاری کے ہم پایہ کتاب ہے۔ اس میں عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ اسناد دین سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔ لہٰذا بلاسند حدیث معتبر نہیں ہوسکتی۔

پہلی بات کا جواب

مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کر کے کہ چونکہ یہ حدیث توضیح تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے اور وہ اصول فقہ کی کتاب ہے اس لئے قابل تسلیم نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ غیر معتبر اور وضعی ہیں۔ کیا کوئی سچا حنفی اس خطرناک اعتراض کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوگا؟ ہرگز نہیں!

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن کتب میں یہ حدیث آئی ہے، آیا ان کے مؤلفوں نے یہ حدیث وضع کر لی ہے یا وہ فی الواقع اسے رسول کریم ﷺ کی حدیث سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ بھی اسی امر کے متعلق بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے صحیح سمجھ کر یہ حدیث اصول فقہ کی کتابوں میں درج کی ہے اور صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کے کلام سے اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد فیض الحسن ابن علامہ فخر الحسن صاحب گنگوہی اصول شاشی میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: ’’وتحقیق ذلک فیماروی عن علی ابن ابی طالب انه قال کانت الرواة علی ثلاثة اقسام، الی فلهٰذا المعنی وجب عرض الجز علی الکتاب والسنة المشهورة‘‘

(اصول شاشی مطبوعہ مطبع نامی کان پور ص ۷۶)

یعنی اس حدیث کی حقیقت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے جو علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا راوی تین قسم کے تھے۔ ایک مؤمن مخلص جو آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہے اور آپ کے کلام کے معانی کو سمجھا۔ دوسرا اعرابی جو اپنے قبیلہ سے آیا اور اس نے سنا جو سنا اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کی حقیقت تک نہ پہنچا اور اپنے قبیلہ میں واپس آ کر آپ کے الفاظ سے سوا دوسرے الفاظ میں آپ کی بات بیان کی اور معنی بدل گئے۔ لیکن اس کا خیال یہی رہا کہ مطلب میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ تیسرا منافق جس کا نفاق غیر معروف تھا تو اس نے افتراء کر کے وہ باتیں روایت کیں جو اس نے سنی نہ تھیں اور لوگوں نے اس سے سن کر اور اسے مؤمن مخلص سمجھ کر وہ روایت آگے بیان کی۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں میں شہرت پاگئی۔ پس اس وجہ سے روایت کا کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پر عرض کرنا واجب ہوگیا۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حدیث کسی محدث نے بیان نہیں کی، قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تلویح میں یہ روایت امام بخاری کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں بھی بیان کی ہے اور تلویح کے حاشیہ فزی میں لکھا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ: ’’صاحب تلویح نے صاحب الکشاف کے اس جواب کو رد کیا ہے جو اس نے حدیث کے ضعیف ہونے کا دیا تھا کہ چونکہ امام ابوعبداللہ البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے اور وہ اس فن میں نہایت بلند پایہ اور اس صفت کا امام ہے۔ پس اس کا اس حدیث کو بیان کرنا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے اور اس کے بعد دوسرے کے طعن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور صاحب تلویح کے رد کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے جو حدیثیں اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا اس نے اثبات کیا ہے اور ایک قسم وہ ہے جسے اس نے محض استشہاد اور تائید کے لئے ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم تو بالکل صحیح ہے بخلاف دوسری قسم کے۔ فزی کہتا ہے کہ اس تردید کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ رد اس وقت تام کہلاسکتا ہے جب کہ اسی حدیث کی تائید میں دوسری حدیث موجود نہ ہوتی جو محمد بن جبیر مطعم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

’’ما حدثتم عن مما تنکرون فلا تصدقوا فانی لا اقول المنکر وانما یعرف ذالک بالعرض علی الکتاب‘‘

یعنی اگر میری طرف سے کوئی ایسی بات جو تمہارے نزدیک منکر ہے بیان کی جائے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو۔ کیونکہ میں منکر بات نہیں کہتا اور کسی بات کا منکر ہونا کتاب پر عرض کرنے سے ہی معلوم ہوگا۔ (شرح التوضیح علی التنقیح ص ۲۶۱)

اور اس حدیث کی تائید ایک اور صورت سے بھی ہوسکتی ہے جو امام بیہقی نے پوری سند کے ساتھ مدخل میں نکالی ہے۔ چنانچہ علامہ وحیدالزمان صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں: ’’اخرج البیهقی فی المدخل باسناده عن ابی جعفر من رسول اللہ ﷺ انه دعا

الیھود فسألھم فحدثوہ حتی کذبو اعلی عیسٰی فصعد رسول اللہ ﷺ المنبر فخطب الناس وقال ان الحدیث سیفشر فما اتاکم عنی یوافق القرآن فھو عنی وما اتاکم عنی یخالف القرآن فلیس عنی‘‘

(اشراق الابصار فی تخریج احادیث الانوار مطبوعہ مصطفائی دہلی ص ۲۶)

یعنی رسول اکرم ﷺ نے یہود کو بلا کر ان سے سوال کیا تو انہوں نے باتیں کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بعض جھوٹ باتیں منسوب کیں۔ آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں میں یہ خطبہ کیا اور فرمایا کہ عنقریب بہت باتیں پھیل جائیں گی۔ پس جو باتیں تمہارے پاس میری طرف سے قرآن مجید کے موافق پہنچے تو وہ مجھ سے ہوگی اور جو مخالف قرآن پہنچے تو وہ مجھ سے نہیں ہوگی۔ پس بیہقی کی وہ حدیث بھی حدیث متنازعہ فیہ کی مؤید ہے جس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سی احادیث اور روایات اس قسم کی پائی جاتی ہیں جن سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے اور اس حدیث کے معانی اور مفہوم کی مقوی اور ممد ہیں۔ مثلاً دار قطنی میں ہے: ’’کلامی لاینسخ کلام اللہ (مشکوٰۃ ص ۳۲)‘‘ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ناسخ نہیں۔ پس جو حدیث اللہ تعالیٰ کے کلام کے مغائر منافی اور اس کی ناسخ ہوگی وہ یقیناً حدیث مذکورہ کے مطابق آنحضرت ﷺ کا کلام نہ ہوگا۔

اس طرح بخاری کی حدیث: ’’اوصی بکتاب اللہ‘‘ (بخاری ج ۳ ص ۶۵) ’’ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل قضاء اللہ حق‘‘ (بخاری ج ۲ ص ۸۰) اور حدیث: ’’ماعندنا شیٔ الا کتاب اللہ‘‘ اور حدیث ’’انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہٖ لن تضلوا کتاب اللہ وسنتی‘‘ اور حدیث: ’’ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنت رسولہ‘‘ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

اور مذکورہ ہر امر کے لئے کتاب اللہ کو محک اور کسوٹی قرار دیتی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث یقیناً صحیح ہے اور اس کو موضوع کہنا لغو و باطل۔

دوسری بات کا جواب

اوّل: تو اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث زنادقہ اور دجالہ کی مخترعہ ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اس حدیث میں زندیقانہ اور ملحدانہ روش کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ یہ حدیث زنادقہ کی وضع کی ہوئی نہیں ہے۔

دوم: اگر اس حدیث کے مفہوم اور معانی پر غور کیا جاوے تو بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع نہیں۔

کیونکہ اس حدیث میں ایک ایسا اصل بتایا گیا ہے کہ اگر اسے مدنظر رکھا جائے تو امت محمدیہ کا اکثر حصہ تباہی و بربادی سے بچ جاتا ہے۔ محض اس اصل کو ترک کر دینے کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی اور روایات اور فقہ کی کتابوں پر دار و مدار سمجھ لیا گیا۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ جو احادیث موضوعہ سے پیدا ہونے والا تھا جس سے بچنے کے لئے سرور کائنات ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب احادیث کثرت سے ہوجائیں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ فرمودہ نبوی کون سا ہے تو اس وقت اس اصل کو مدنظر رکھنا کہ جو احادیث قرآن کریم کے موافق ہوں انہیں قبول کر لینا اور جو احادیث قرآن کریم کے مخالف ہوں، انہیں رد کر دینا۔ یہ اعلیٰ مفہوم ہے اس حدیث کا۔ کیا اس پاکیزہ و مفید مفہوم کی موجودگی میں یہ خیال کئے جانے کی گنجائش ہے کہ یہ حدیث موضوع اور زنادقہ کی اختراع ہو سکتی ہے۔

سوئم: بہت سی احادیث اور روایات اس حدیث کے مضمون کی تائید کر رہی ہیں جن میں سے بعض اوپر بیان کی جاچکی ہیں۔
چہارم: کسی امام کے ایک مذہب کو موضوع کہہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ فی الواقعہ بھی موضوع ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اسے حدیث کی سند یا صحت کا علم نہ ہوا ہو اور اس لئے اس نے اس کو موضوع کہا ہو اور جسے علم ہوا۔ اس نے صحیح کہا۔ مثلاً حدیث: ''**لولاک لما خلقت الافلاک**'' جس کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خاص خصوصیت میں سے ہے۔ جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں اس کے متعلق صنعانی نے کہا ہے کہ موضوع ہے۔ (ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶)
اور گواہان کے مسلم مقتدا گنگوہی صاحب بھی اس کی کوئی اصل پائے جانے کے منکر ہیں اور حدیث: ''**طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم**'' کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے: ''**وهو باطل لا اصل له**'' کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔ حالانکہ یہ عقیلی اور ابن عدی نے انس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ (فوائد المجموعہ ص ۹۶)
پس صرف کسی کے اس قول کی بناء پر کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کوئی حدیث موضوع نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ موضوع قرار دینے والوں کے دلائل پر غور کر لینے کے بعد اس کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ متنازعہ فیہ حدیث پر دو قسم کی جرح کی گئی ہے۔

مختار مدعیہ کی پہلی جرح

یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے اور یزید ابن ربیعہ مجہول ہے اور اس کا ابوالاشعث سے سماع معروف نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہوگی۔
جواب: اس جرح کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بہت ہی کم راوی ایسے ہیں جن کے متعلق ائمہ حدیث میں اختلاف نہ ہوا ہو۔ اگر ایک کہتا ہے کہ فلاں راوی نہایت راست باز ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور تیسرا کہتا ہے کہ وہ نسیٔ الحفظ ہے۔ چوتھا کہتا ہے کہ وہ وضّاع ہے۔ خود حدیثیں بنالیتا ہے۔ غرض کہ روایت کے متعلق کثرت سے اختلاف ہے۔ پس جب کسی راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے متعلق اختلاف ہے تو وہ حدیث اس وقت نہیں چھوڑنی چاہئے۔ جب تک کہ حدیث کا مفہوم بھی اس کے چھڑانے پر مجبور نہ کرے۔ چنانچہ یزید ابن ربیعہ کے متعلق بھی متقدمین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابومصعر نے کہا ہے: ''**کان یزید ابن ربعیة فقیهاً غیر متهم ماننکر علیه اذ ادرک بالاشعث ولکن اخشی علیه سوء الحفظ والوهم**''
یزید بن ربیعہ فقیہ تھا۔ اس پر کوئی اتہام نہیں لگایا جاسکتا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس امر کا انکار کریں کہ اس نے ابوالاشعث کو پایا۔ البتہ مجھے اس پر سوء حفظ اور وہم کا ڈر ہے۔
اور ابن عدی نے کہا ہے: ''**ارجو انه لاباس به**'' مجھے تو یہی امید ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔
(میزان الاعتدال ج۲ ص ۶۰۰)
اور مولوی محمد فیض الحسن اور حافظ مولوی نور الحسن صاحب لکھتے ہیں: ''**فان قلت**'' سے ''**الیٰ غیره**'' تک یعنی اگر تو کہے کہ اس حدیث میں محدثین نے طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث یزید بن مربیعہ نے ابوالاشعث سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے اور یزید بن ربیعہ مجہول ہے اور ابوالاشعث سے اس کا سماع غیر معروف ہے تو یہ حدیث منقطع ہوگی۔ جس سے حجت پکڑنا درست نہیں ہوسکتا تو اس طعن کا جواب یہ ہے کہ امام محمد بن اسماعیل البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے اور وہ محدثین کے امام ہیں۔ پس یہ ان کا حدیث لانا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کے طعن پر التفات نہیں کیا جاسکتا۔''
(عمدۃ الحواشی بر حاشیہ اصول شاشی مطبوعہ نامی کانپور ص ۷۶)

اور تلویح کے حاشیہ فزی میں یہ لکھا ہے کہ چونکہ اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو محمد بن جبیر بن مطعم سے مروی ہے۔ اس لئے یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

مختار مدعیہ کی دوسری جرح

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: ''اس حدیث میں خود اس کا رد موجود ہے۔ کیونکہ جب ہم نے اسے کتاب اللہ پر عرض کیا تو اسے کتاب اللہ کی آیت: ''ما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا '' کے مخالف پایا اور خطابی نے کہا ہے کہ اسے حدیث: ''اوتیت الکتٰب ومثلہ معہ '' رد کرتی ہے اور فیروزہ آبادی نے بھی حدیث یعنی ''اوتیت الکتاب ومثلہ معہ '' کو لے کر اسے موضوع ٹھہرایا ہے۔''

جواب: مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے...... ''اشراق الابصار فی تخریج احادیث انوار '' میں ان اقوال کو درج کر کے لکھا ہے: ''وفیہ مافیہ '' یعنی یہ جواب بہت کمزور ہے۔ چنانچہ حاشیہ پر وہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اشارۃ الی ان ھٰذا لقول یجری فیماسکت الکتاب عنہ واما اذاخالفہ کماھو المراد ھھنا لعدم الموافقۃ فردہ وجب''

یعنی علامہ شوکانی نے جو آیت پیش کی ہے کہ رسول جو تمہارے پاس لائے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور حدیث کہ مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے تو اس سے مراد وہ اقوال یا وہ باتیں ہیں جن کے بارہ میں قرآن مجید ساکت ہے اور لیکن اگر کوئی قول قرآن کے مخالف ہو۔ جیسا کہ حدیث میں عدم موافقت بالقرآن سے مراد ہے تو ایسے قول کا رد کرنا واجب ہے۔

جب علامہ شوکانی وغیرہ کو حدیث: ''اذاروی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ '' کی آیت: ''ما اتاکم الرسول فخذوہ '' اور حدیث: ''اوتیت القرآن ومثلہ '' سے مطابقت معلوم نہ ہوئی تو اسے موضوع ٹھہرا دیا۔ حالانکہ آیت میں یہ نہیں لکھا تھا کہ جو بات رسول قرآن مجید کے مخالف لائے تو اسے لے لو اور نہ ہی حدیث میں یہ تھا کہ جو قرآن کی مثل آنحضرتﷺ کو دیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے مخالف ہے۔ بلکہ حدیث: ''اذا روی لکم عنی '' اس آیت اور حدیث کی تفسیر کر رہی ہے کہ جب آنحضرتﷺ کے اقوال کا موضوعہ اقوال سے جو افتراء کر کے آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہوں۔ معلوم کرنا مشکل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرتﷺ کا قول وہی معتبر ہوگا جو قرآن مجید کے مخالف نہ ہو۔ اگر کوئی مخالف پاؤ تو یقیناً سمجھ لو وہ قول افترا کے طور پر آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ (شرح التوضیح علی التنقیح ص۲۶۳) میں ''اذاروی لکم عنی حدیث '' کو ذکر کر کے لکھا ہے: ''فدل ھٰذا الحدیث علی ان کان کل حدیث یخالف کتاب اللہ فانہ لیس بحدیث الرسولﷺ وانما ھومفتری '' کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو وہ رسول اللہ کی حدیث نہیں۔ بلکہ وہ محض افتراء ہے جو آپ پر کیا گیا ہے۔

پنجم: یہ حدیث مسلم اکابر ائمہ نے صحیح تسلیم کی ہے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھا ہے۔ چنانچہ نورالانوار میں لکھا ہے:

''وتمسک الشافعی ایضاً فی عدم جواز نسخ الکتاب بالسنۃ لقولہ علیہ السلام اذاروی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ تعالٰی فماوافقہ فاقبلوہ والا فردوہ فکیف ینسخ بھا'' (نورالانوار مطبوعہ مصطفائی ص۱۷۹)

۱...... اور امام شافعی نے کتاب کے سنت سے منسوخ نہ ہونے پر آنحضرتﷺ کی اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی روایت بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس سنت کے ساتھ کتاب اللہ کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔

۲...... اسی طرح تفسیر قادری میں زیر آیت: ''اقیموا الصلوٰۃ ولاتکونوا من المشرکین '' لکھا ہے۔ ''تیسیر میں شیخ محمد ابن

اسلم طوسی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی کہ جو کچھ مجھ سے روایت کی جائے تو اسے قرآن شریف پر پیش کرو۔ اگر موافق ہو تو وہ روایت مجھ سے ہے تو میں نے اس حدیث کو کہ: ’’من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر‘‘ چاہا کہ کسی آیت سے موافق کروں اور تیس برس تک میں نے فکر کی یہاں تک کہ یہ آیت پائی کہ: ’’اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین‘‘

بہت صاف بات ہے کہ اگر حدیث: ’’اذا روی لکم عنی حدیث‘‘ موضوع ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک جلیل القدر امام اس پر عمل کر کے حدیث: ’’من ترک الصلوٰۃ متعمداً‘‘ کی صحت قرآن کریم سے معلوم کرنے کے لئے تیس برس تک کوشش کرتے ہے۔ کیا شیخ محمد ابن اسلم طوسی قدس سرہ جیسے رفیع المرتبت امام کا جن کی جلالت شان محتاج بیان نہیں ہے۔ زنادقہ کی گھڑی ہوئی حدیث پر عمل کرنے میں طویل زمانہ ضائع کر دینا عقل انسانی تسلیم کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں اور عقل وانصاف سے واسطہ رکھنے والوں کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ دراصل امام موصوف اس حدیث کو نہایت صحیح اور درست سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے آنجناب نے مدت دراز تک اس کے مطابق عمل کر کے بحر تلاش میں غواصی جاری رکھی اور بالآخر گوہر مقصود حاصل کر لیا۔

۳…… اور علامہ جیون اپنی تفسیر احمدی کے مقدمہ میں جو زمانہ اورنگ زیب کے زمانہ میں تصنیف فرمائی تھی۔ آیت: ’’مافرطنا فی الکتاب من شیئ‘‘ وغیرہ لکھ کر فرماتے ہیں: ’’وقال النبی ﷺ اذا بلغکم عنی حدیث فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ والافردوہ. ففی القرآن تصدیق کل حدیث ورد عن النبی ﷺ‘‘ (التفسیر الاحمدی ص۳، مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور)

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس قرآن مجید میں ہر ایک اس حدیث کی جو آنحضرت ﷺ سے وارد ہے تصدیق موجود ہے۔

ششم: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید کے مخالف ہے، انہوں نے صریح غلطی کی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس حدیث کی تصدیق وتائید کرنے والی آیت کثرت سے موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے: ’’فیھا کتب قیمۃ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولامن خلفہ. ان ھذا القرآن یھدی للتی ھواقوم. وانہ لحق الیقین حکمۃ بالغۃ تبیانا لکل شیی انزل اللہ الکتاب بالحق والمیزان ھدیً للناس والفرقان انہ لقول فصل لاریب فیہ‘‘

ان آیات میں خداتعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ تمام صداقتوں پر مشتمل ہے اور باطل کسی طور سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ وہ حق الیقین ہے۔ اس میں ظن اور شک کی جگہ نہیں۔ وہ کلمۂ بالغہ ہے۔ اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ وہ حق ہے اور میزان حق ہے۔ یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لئے محک بھی ہے۔ وہ لوگوں کے لئے صداقت ہے۔ ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے اور حق وباطل میں فرق کرتا ہے۔ وہ قول الفصل ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں۔

پس جس کتاب کی یہ خصوصیات ہوں وہ کیوں احادیث کی صحت کا معیار نہ ٹھہرے اور اپنی خصوصیات کی وجہ سے اللہ فرماتا ہے: ’’فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون‘‘ اور ’’فبای حدیث بعدہ یؤمنون‘‘ یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے، یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور شک باقی نہ رہ جائے اور منشاء اچھی طرح کھل جائے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مؤمن کا کام نہیں۔ چنانچہ (مشکوٰۃ ص۱۸۶) میں ایک حدیث ترمذی اور دارمی سے منقول ہے جس سے متنازعہ فیہ امر پر کافی روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے: ’’عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذالناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیّ فاخبرتہ فقال اوقد فعلوھا. قلت نعم، قال اما انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الاانھا ستکون

فتنة قلت ماالخرج یا رسول اللّٰہ قال کتاب اللّٰہ فیه نباء ماقبلکم وخبره ما بعدکم وحکم مابینکم هوالفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه اللّٰہ ومن ابتغی الهدیٰ فی غیره اضله اللّٰہ وهو حبل اللّٰہ المتین من قال به صدق ومن عمل به اجزومن حکم به عدل ومن دعاالیه هدی الی صراط مستقیم'' (رواہ الترمذی والدارمی)

یعنی حارث اعور نے کہا کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور حدیثوں میں خوض کر رہے تھے، گزرا۔ سو یہ بات دیکھ کر یہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر حدیثوں میں کیوں لگ گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی آپ نے مجھ سے فرمایا: یقیناً سمجھ کر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں ہوں گی اور اختلاف میں پڑ جائیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے۔ تب میں نے عرض کی اس کہ فتنہ سے کیوں کر رہائی ہوگی۔ تب آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعے سے رہائی ہوگی۔ اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے۔ جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا اس میں فیصلہ موجود ہے اور وہ قول فصل ہے ہزل نہیں۔ جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اور اس کو حکم نہیں بنائے گا، خدا تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اسے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے اور جو اس کی رو سے حکم بنا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔

پس اس حدیث میں صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اختلافات کے فتنہ کے وقت جو شخص قرآن مجید کو محک اور معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا اور جو شخص اسے حکم نہیں بنائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہ حدیث بآواز بلند پکار رہی ہے کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلاف باہمی پائے جاتے ہیں۔ ان کا تصفیہ قرآن کریم کی رو سے کرنا چاہئے اور یہی مفہوم حدیث: ''اذاروی لکم عنی حدیث'' کا بھی ہے۔ پس چونکہ یہ حدیث اپنے مفہوم اور معانی کی رو سے قرآن مجید اور دوسری احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہے۔ اس لئے اس کو موضوع قرار دینا لغو وباطل ہے۔

ہفتم: صحابہ اور ان کے بعد دوسرے اکابرامت کا تعامل بھی اس حدیث کی صحت ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے بہت سی احادیث جو صحابہ میں رائج تھیں، قرآن مجید کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ذکر آیا کہ ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ان المیت یعذب فی قبره ببکاء اهله'' کہ میت کو اس کی قبر میں اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ تو فرمایا تھا کہ: ''انه یعذب بخطیته و ذنبه وان اهله لیبکون علیه الان'' کہ اس میت کو تو اپنے قصوروں اور گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے اور اس کے اہل اب اس پر روتے ہیں۔ دوسری روایات میں ہے کہ پہلی بات غلط ثابت کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے آیت: ''لاتزر وازرة وزر اخریٰ'' اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت: ''واللّٰہ اضحک وابکی'' پڑھی۔ (بخاری ج۱ ص۱۵۶) پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور یہ قول آنحضرت ﷺ کے اس قول کی مانند ہے جو آپ نے اس کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ جس میں بدر کے مشرکین مقتول ڈالے گئے تھے کہ ان سے جو میں کہتا ہوں سنتے ہیں اور اس وقت بھی آپ کا وہ مطلب نہیں تھا جو لیا گیا۔ بلکہ آپ نے فرمایا تھا: ''انهم الاٰن لیعلمون ان ماکنت اقول لهم حق ثم قرأ انک لاتسمع الموتی وما انت بمسمع من القبور'' (بخاری ج۳ ص۵)

کہ وہ اب ضرور جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسی طرح مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ:’’رأی ربه‘‘ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ تیرے اس قول سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں۔غور سے سن، تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے وہ تیرے سامنے بیان کیں۔اس نے جھوٹ بولا۔

’’من حدثک ان محمداﷺ رأی ربه فقد کذب، ثم قرأت لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر وماکان لبشران یکلمه اللّٰه وحیا اومن ورآء حجاب، ومن حدثک انه یعلم مافی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذاتکسب غدا ومن حدث انه کتم شیئا فقد کذب ثم قرأت یاایها الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک الایة ولکنه رای جبرئیل علیہ السلام فی صورته مرتین‘‘ (بخاری ج۳ ص۱۲۹)

یعنی جس نے تجھ سے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا۔کیونکہ خداتعالیٰ کو دیکھنا آیت:’’لاتدرکه الابصار‘‘ اور آیت:’’وماکان لبشر‘‘ کے خلاف ہے اور اگر تجھے کوئی بتائے کہ جو کل ہونے والا ہے اسے آنحضرت ﷺ جانتے ہیں تو اس نے بھی جھوٹ بولا۔کیونکہ یہ آیت:’’لاتدری نفس ماذا تکسب غدا‘‘ کے مخالف ہے اور اگر تجھے کوئی کہے کہ آنحضرت ﷺ نے وحی میں سے کچھ چھپالیا ہے تو اس نے بھی جھوٹ بولا۔کیونکہ ایسا کہنا آیت:’’یاایها الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک‘‘ کے خلاف ہے اور سورۂ نجم کی آیت:’’ولقد راه بالافق المبین‘‘ اور آیت:’’ولقدرأه نزلة اخریٰ‘‘ سے جبرئیل کو اس کی اصلی صورت میں دومرتبہ دیکھنا مراد ہے۔

حضرت عائشہؓ کے تعامل سے بھی کہ وہ احادیث کو قرآن مجید سے رد کر دیتی تھیں۔صاف ظاہر ہے کہ حدیث:’’اذاروی لکم عنی‘‘ بالکل صحیح ہے۔چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:’’چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا کہ وہ کہتی تھی کہ مطلقہ ثلث کو نفقہ وسکنیٰ نہیں ملتا۔آپ نے فرمایا کہ ہم کتاب وسنت کو ایک عورت کے قول وروایت سے رد نہیں کر سکتے۔معلوم نہیں کہ اس کو یاد رہا یا بھول گئی اور حضرت عائشہؓ نے سکنیٰ نہ دینے کہ وجہ خاص بیان کردی، جس کو فاطمہ نہ سمجھی تھی اور حضرت عائشہ کو جب خبر ملی کہ حضرت عمرو عبداللہ بن عمر اہل میت کے رونے سے میت کو معذب ہونا روایت کرتے ہیں تو آیت قرآن سے جو مثل قاعدہ کلیہ کے ہے:’’ولاتزر وازرة وزر اخریٰ‘‘ سے رد کیا اور کہا کہ قرآن تم کو بس ہے۔

۲…… اس طرح ابن سعد اور طبرانی نے مقنع تمیمی سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ لوگ اس طرح آپ کی حدیث میں خوض کرتے ہیں تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اتنے اونچے اٹھائے کہ مجھ کو بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور یوں دعا کی۔’’اللّٰهم لااحل لهم ان یکذبوا علی‘‘ کہ اے خدا میں ان کے لئے جائز نہیں قرار دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھیں۔مقنع نے کہا:’’فلم احدث بحدیث عنه علیه السلام الاحدیث نطق به کتاب اوجرت به سنته یکذب علیه فی حیاته فکیف بعدمماته‘‘ (موضوعات کبیر ص۶)

یعنی میں نے آنحضرت ﷺ کی اس دعا کے بعد آپ کی طرف کوئی حدیث بیان نہیں کی۔مگر وہی جو منطوق کتاب اللہ کے مطابق ہو یا اس پر سنت جاری ہو یعنی سنت سے ثابت ہو۔آپ کی زندگی میں آپ پر جھوٹ باندھا جاتا ہے تو آپ کی وفات کے بعد کیا حالت ہوگی۔

۳…… امام ملّا علی قاری موضوعات میں لکھتے ہیں:’’الکریم حبیب اللّٰه ولوکان فاسقا والبخیل عدواللّٰه ولوکان راهباً لااصل له بل الفقرة الاولیٰ موضوعة لمعارضتها بنص قوله تعالیٰ ان اللّٰه یحب التوابین واللّٰه لایحب

الظٰلمین و الفاسق اما من الظٰلمین اولکافرین‘‘ (موضوعات کبیر ص ۶۲)

یعنی اس حدیث کا پہلا ٹکڑا ’’الکریم حبیب اللہ ولو کان فاسقاً ‘‘ اس لئے موضوع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول ’’ان اللہ یحب التوابین‘‘ اور ’’واللہ لایحب الظٰلمین‘‘ کے معارض ہے۔ کیونکہ فاسق یا ظالم ہوگا یا کافر۔

۴...... اس طرح فوائد مجموعہ شوکانی میں لکھا ہے: ’’حدیث مامات النبی ﷺ حتٰی قرأ و کتب قال الطبرانی منکر معارض للکتاب العزیز‘‘ (فوائد مجموعہ ص ۱۱۶)

یعنی یہ حدیث کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ پڑھ لکھ لیتے تھے۔ طبرانی نے کہا کہ یہ حدیث بوجہ معارض ہونے قرآن مجید کے منکر یعنی غیر صحیح ہے اور اس کے ہوتے ہوئے حدیث: ’’اذا روی لکم عنی‘‘ کی صحت کے خلاف کسی کی لب کشائی بجوئے نے آرزو یہ ہے۔ حدیثوں کے متعلق گزشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طرز عمل اگرچہ بات نہایت صاف اور مطلب بالکل واضح ہو چکا ہے اور از روئے انصاف گنجائش چون وچرا کی مطلق باقی نہیں رہی ہے۔ تاہم میں اس پر اکتفاء نہ کر کے گواہان مدعیہ ومختاران مدعیہ کی ذہنیت کی رعایت سے چند حوالہ اور پیش کرتا ہوں اور حوالے بھی ایسے جو میرے مدعا کو مختاران مدعیہ کی نظر میں روشن سے روشن تر اور مختاران مدعیہ کو حیران وششدر بنا دینے والے ہی نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کر دینے والے ہیں کہ مختاران مدعیہ حالات واندرون خانہ سے بھی کتنے ناواقف اور بے خبر ہیں۔ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء اور امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنی مشہور عالم کتاب ’’ہدیۃ الشیعہ‘‘ میں فرماتے ہیں کہ: اہل سنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں۔ اگر موافق نکلے تو فبہا، ورنہ موافق مثل مشہور ’’کالائے زبون بریش خاوند‘‘ اس کو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔ القصہ عقل ونقل کی کسوٹی دین ودنیا میں امام سمجھتے ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۰)

حالانکہ حضرت اقدس کا یہ قول نبی کریم ﷺ کی سچی حدیثوں کے متعلق ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ ان کے متعلق تھا جو غلطی سے حدیثیں خیال کی جاتی تھیں اور درحقیقت حضور کی حدیثیں نہیں تھیں۔ بلکہ جعلی اور موضوع تھیں اور مفروضہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے حدیثیں کہلاتی تھیں۔ اب میں نے اس قسم کی حدیثوں کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی ایک ایسا حوالہ پیش کر دیا ہے جس میں وہ ایسی حدیثوں کو جو خلاف قرآن ہوں، راویوں کے سر مارنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ ان کو ’’کالائے زبون‘‘ بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا مختاران مدعاعلیہ مولوی صاحب کو بھی احادیث رسول اللہ ﷺ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے سے بھی زیادہ بے وقعتی کرنے یعنی لوگوں کے سر مار دینے والا قرار دے کر کافر و مرتد ٹھہرائیں گے۔

اور مولوی محمد قاسم صاحب بجواب سرسید احمد خان (تصفیۃ العقائد ص ۸۰) میں فرماتے ہیں: واقعی مخالف کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہوگا نہ کسی مفسر کا۔ بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائے گی۔ مگر مخالف وتوافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں۔ اس کے لئے تین علموں کی ضرورت ہے۔ ایک تو علم یقینی معانی قرآن اور دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف اور تیسرے علم یقینی اختلاف جس کو یہ منصب خدا عطاء کرے۔ اس کے بڑے نصیب! یہ یاد رکھنا چاہئے کہ علامہ صاحب کے قول ہم جیسوں سے ان کے نزدیک مختار مدعیہ نمبر۱ کے دینی بزرگ سرسید جیسے لوگ مراد ہیں نہ اپنے جیسے لوگ اور نہ اپنے بزرگوں اور استادوں جیسے۔ کیونکہ آپ ہدیۃ الشیعہ میں یہ اقرار فرما چکے ہیں کہ اہل سنت ان حدیثوں کو جو مخالف کلام اللہ ہوں راویوں کے سر مارتے ہیں اور اس قول کے مطابق ایسے لوگ جو مخالف قرآن احادیث کو راویوں کے سر مارنے والے ہوں ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں! ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

دوسنی غلط نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ بفضل تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہیں۔ بلکہ جیسے کسوٹی پر چاندی سونے کو لگا کر کھوٹا پرکھ لیتے ہیں۔ سنی کلام اللہ پر روایات کو مطابق کر کے صحیح وضعیف کو دریافت کر لیتے ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۱۹۰)

اور فرماتے ہیں: ’’جس صورت میں کلام اللہ میں ’’رحمآء بینھم‘‘ ہو اور اس کے تمہارے نزدیک یہی معنی ہوں کہ ان میں ہرگز کبھی رنج ہوتا ہی نہیں تو موافق قاعدہ اصول کے ان روایات کا اعتبار نہ ہوگا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۷۹) روایات سے مراد اس قول میں احادیث ہیں۔

کیا مختاران مدعیہ کے لئے اپنے اس مسلمہ امام کی یہ صراحت موجود ہوتے ہوئے بھی حدیث: ’’اذاروی لکم عنی‘‘ کے متعلق یہ کہنے کی ازروئے انصاف کوئی گنجائش ہے کہ یہ حدیث بلحاظ معنی ومفہوم کے بھی قرآن مجید کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

تیسری بات کا جواب

مختار مدعیہ کا گواہ مدعلیہ نمبر۱ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا یہ قول کہ حدیث بلاسند بھی معتبر ہوسکتی ہے اور اصول حدیث کی کتاب شرح نخبۃ الفکر میں ایسا لکھا ہے محض اتہام ہے۔ عدالت کو صریح مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے بجواب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شرح نخبۃ الفکر کی عبارت دکھادی تھی اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حدیث مشہور کا اطلاق ایک تو اس پر ہوتا ہے جو ہم لکھ چکے ہیں اور جو حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہو۔ اس کو بھی مشہور کہتے ہیں اور یہ تعریف ان حدیثوں کو بھی شامل ہے جس کے لئے ایک سند پائی جاتی ہو اور جس کی کوئی سند نہ ہو۔‘‘

چنانچہ حاشیہ میں اس کی مثال جس کو کوئی سند نہیں پائی جاتی۔ ’’لولاک لماخلقت الافلاک‘‘ لکھی ہے۔ جسے مختار مدعیہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تسلیم کرتا ہے اور اس کی سند نہ ہونے کی وجہ سے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۶۶)

اور اس طرح حدیث: ’’علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل‘‘ جسے امام ربانی مجدد الف ثانی نے (مکتوبات ج۱ ص۲۶۷) میں جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اور ان کے مقتداؤں کو بھی علم ہے اس کی بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ (فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۰۱، موضاعات کبیر ص۵۷، المصنوع فی احادیث الموضوع ص۱۷) میں ابن حجر اور زرکشی دمیری اور عسقلانی کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس طرح حدیث: ’’اختلاف امتی رحمۃ‘‘ کے متعلق (موضوعات کبیر ص۲۰) میں لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حالانکہ دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے (البراہین القاطعہ ص۳۲) میں جو مولوی رشید احمد صاحب کی مصدقہ ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب نے (لطائف قاسمیہ مطبوعہ مجتبائی ص۲۷) میں اس حدیث کو صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔

اس طرح (البراہین القاطعہ ص۵۱) میں اس حدیث کو جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ’’مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔‘‘ صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق بھی لکھا ہے: ’’لااعلم خلف جداری ھذاقال ابن حجر لااصل له‘‘ (فوائد المجموعہ ص۱۱۶) کہ ابن حجر نے کہا یہ حدیث بے اصل ہے۔ پس مذکورہ بالا احادیث جن کی کوئی سند نہیں پائی جاتی، ائمہ اور اکابر امت میں صحیح تسلیم کی گئی ہیں اور زبان زد خلائق ہیں اور مشہور کی قسم میں داخل ہیں اور بلاسند معتبر ہیں۔ ہاں! عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق اسناد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث اس حد تک قبولیت کا درجہ پاچکی ہو کہ اس کے لئے سند کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو اور وہ بلاسند مشہور ہوگئی ہو تو وہ حدیث بھی اس حدیث کی طرح جس کی سند بیان کی گئی ہے معتبر سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ باوجود ان کی سندوں کے نہ ہونے کے اکابر ائمہ اور جید علماء انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

ورسله

حضرت مسیح موعود اور آپ کے تمام پیرو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت اقدس کی کتابوں میں متعدد جگہ ایمان بالرسل کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ (حقیقت الوحی ص ۱۴۱، خزائن ج ۲۲ ص ۱۴۵) میں فرماتے ہیں: ''اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔''

اور فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ ''امنت باللہ وملآئکته وکتبه ورسله والبعث بعد الموت واشهد ان لآاله الا اللہ وحده لاشریک له واشهد ان محمدعبدا ورسوله'' (ازالہ اوہام ص ۲، خزائن ج ۳ ص ۱۰۲)

اور اسی طرح اپنے مضمون ملحقہ چشمہ معرفت آیت: ''امن الرسول نما انزل الیه من ربه ''جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے کو تحریر کیا ہے اور اپنی متعدد کتب میں ایمان بالرسل کا اظہار کیا ہے۔ جیسے کہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں سے واضح ہے۔ اس کے بعد مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر انبیاء اور امت محمدیہ وغیرہ کی توہین کے الزامات لگائے ہیں جن کا جواب عنوان توہین کے ذیل میں آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

سردست میں اس اعتراض کو لیتا ہوں جو مختار مدعیہ نے ۱۷؍اکتوبر کی بحث میں پیش کیا ہے اور ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں بھی کہ مرزا صاحب نے کرشن ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح میں کہا ہے کہ کرشن کو نبی ماننا خلاف قرآن نہیں۔ الغرض مختار مدعیہ کے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ ایک غیر نبی بلکہ ایک کافر کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنا کفر ہے اور پھر اس کے مثیل ہونے کا دعویٰ کفر در کفر ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے نہ تو کسی کافر یا مؤمن غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل فرمایا ہے اور نہ کسی کافر کے مثیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

پہلے میں اس امر پر نظر کرتا ہوں کہ آیا سری کرشن جی کافر تھے یا مؤمن اور نبی اور اس کے لئے قرآن شریف کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ان کا نبی ہونا خلاف قرآن نہیں بلکہ بالکل مطابق قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان من امة الا خلافیها نذیر'' یعنی دنیا میں کوئی ایسی امت نہیں ہے جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔

اور فرمایا ہے: ''منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک ''یعنی اے نبی کریم ہم نے بعض رسول کا ذکر تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔

ان آیتوں میں سے ایک آیت میں تو یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن شریف میں کل نبیوں کا ذکر نہیں صرف بعض کا ہے اور بعض نبی ایسے بھی ہیں، جن کا قرآن شریف میں کچھ ذکر نہیں آیا اور ایک آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے یعنی نبی آئے ہیں اور جب ہر قوم میں نبیوں کا آنا قرآن شریف سے ثابت ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ ہندو بھی ایک بہت بڑی قوم ہے۔ پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ بڑی قوم میں کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ نذیر کے لفظ سے نبی مراد ہونا ضروری نہیں، عالم وغیرہ بھی مراد ہوسکتے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ جس آیت میں یہ لفظ نذیر آیا ہے، اس سے پہلے اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی مخاطب فرمایا

ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:’’ان انت الا نذیر انا ارسلناک بالحق بشیرا ونذیر وان من امة الّا خلافیها نذیر ‘‘یعنی تو ایک نذیر ہے اور ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر ونذیر کر کے بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں ہے۔ مگر ہماری طرف سے اس میں ایک نذیر گزرا ہے۔‘‘

سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد نبی ہی ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:’’ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ‘‘یعنی ہم نے ہر امت میں اپنا رسول ضرور بھیجا ہے اور اس سے لفظ نذیر کی اچھی طرح تشریح ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ ہر امت میں خدا کا نبی ورسول ضرور آیا ہے۔ پھر قرآن مجید اور صحف انبیاء سے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے نبی کا ذکر دنیا میں زیادہ مدت تک قائم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ جلد منقطع کر دیا جاتا ہے اور اس کا کوئی نام پورا نہیں رہتا۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے:’’نظام عالم میں جہاں اور قوانین ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی، بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ خدا نے کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتا سکے۔‘‘ (مقدمہ تفسیر ثنائی ج۱ص۱۶)

پس ہندوستان کا ایک بڑا ملک اور ہندو قوم کا ایک بڑی قوم ہونا اور سری کرشن جس کا ہزاروں سالوں سے اس ملک اور قوم میں اعلیٰ درجہ کا برگزیدہ اور خدارسیدہ سمجھا جانا اور غیر معمولی عزت وعظمت سے دیکھا جانا بتا رہا ہے کہ درحقیقت وہ خدا کے نبی تھے۔ ورنہ ایک جھوٹے کے لئے خدا کی عزت اتنی دیرپا عزت کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ حق پسند طبائع کے لئے تو یہ بیان نہایت تسلی بخش بیان ہے کہ جب قرآن شریف سے سری کرشن جی کا نبی ہونا پایا جاتا ہے تو ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ ایک نبی کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہوا۔ پھر اس کا کفر سے تعلق لیکن جو لوگ باوجود اس کے مقبول اور قابل قبول ہونے کے اس کو قبول نہ کریں۔ ان پر بڑے بڑے علماء وفضلاء بلکہ اولیاء وائمہ تک کو کافر ومرتد ماننا پڑے گا۔ یہ کیونکہ انہوں نے حضرت کرشن جی کو نبی مانا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض حضرات نے انہیں آیتوں سے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے اور طرّہ یہ کہ مختاران مدعیہ کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے اس معاملہ میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں:

۱…… ’’اوّل تو قرآن شریف میں ارشاد ہے:’’وان من امة الّا خلافیها نذیر ‘‘جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم الشان نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ پھر کیوں کر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض وطویل ولایت ہے۔ کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ہندو صاحبان کن کو اوتار کہتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے نبی یا ولی یا نائب نبی ہوں۔ دوسرے قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے:’’منهم من قصصنا علیک ومنهم من نقصص علیک ‘‘جس کا حاصل یہ ہوا کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجیب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہیں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔‘‘

(مباحثہ شاہجہان پور مابین مولوی محمد قاسم وپنڈت دیانند ومنشی اندرمن وپادری اسکاٹ ونولسن صاحبان منعقدہ ۱۲۹۵ء مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۳۱،۳۲)

۲…… اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم مونگیری اپنی کتاب ’’ارشاد رحمانی وفضل یزدانی‘‘ مطبوعہ مطبع منبع فیض شاہجہانی میں اپنے پیر حضرت قدوۃ الکملا واسوۃ الفضلا، ہادی مراحل شریعت وطریقت واقف اسرار حقیقت ومعرفت محیط رجال کرام ومرجع خواص وعوام، قطب دوران، غوث زمان مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا ارشاد لکھتے ہیں:’’ایک روز بعد عصر بخاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا۔ صاحبزادہ صاحب احمد میاں نے فرمایا کہ کنہیا کی سولہ ہزار گوپیاں تھیں۔ ارشاد ہوا کہ حضرت کے پیشتر یہ لوگ مسلمان تھے۔ فقیر کہتا ہے کہ بعض اور حضرات نقشبندیہ نے بھی ایسے ہی کچھ کہا ہے۔ چنانچہ قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ اس شخص کو خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں، جس نے دیکھا تھا کہ ایک جنگل آگ سے بھرا ہوا ہے اور کنہیا اس کے بیچ میں ہے اور رام چندر داس کے کنارہ پر ایک

شخص نے اس کی تعبیر میں بیان کیا کہ وہ لوگ کافروں کے سردار ہیں۔ اس لئے جہنم کی آگ میں جلتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا: اس کی تعبیر دوسری ہے۔ جتنے لوگ گزر گئے ہیں ان میں سے کسی خاص شخص پر کفر کا حکم کرنا بغیر ثبوت شرعی جائز نہیں ہے اور ان دونوں کا حال نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں۔ قرآن مجید میں آچکا ہے کہ ہر قریہ میں ہدایت کرنے والا گزرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہنود میں کوئی ہادی گزرا ہوگا۔ اس تقدیر ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنے عہد میں ولی ہوں یا نبی اور رام چندر نسبت سلوک کی تعلیم کرتا ہے اور کشن نسبت جذبی چونکہ کنہیا میں ذوق شوق کا غلبہ تھا۔ اس لئے وہ عشق ومحبت کی آگ میں جلتا ہوا نظر آیا اور رام چندر پر سلوک غالب تھا۔ جذب کو طے کر چکا تھا۔ اس وجہ سے وہ اس آگ کے کنارے سے نظر آیا۔ حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ نے اس تعبیر کو پسند کیا اور خوش ہوئے۔　　(ارشاد رحمانی فضل یزدانی ص ۴۷،۴۸)

''ان عبارتوں میں جن صاحبوں نے سری کرشن جی اور سری رام چندر جی کے مؤمن اور ولی ہونے اور نبی ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ سب مختاران مدعیہ کے مسلم بزرگ ہیں اور مولانا محمد قاسم صاحب نے تو کرشن جی اور رام چندر جی کی نبوت پر انہی آیتوں سے روشنی ڈالی ہے جو میں نے ابتدائے بیان میں اس غرض سے پیش کی ہیں۔''

اب کیا مختار مدعیہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیوبندیوں کے دوسرے مسلم بزرگوں اور مختار مدعیہ نمبر۲ کے قبلہ وکعبہ مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم مونگیری سابق ناظم ندوۃ العلماء اور شہرہ آفاق بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی اور قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید اور حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ، غیر انبیاء کا زمرہ انبیاء میں داخل کرنے والا قرار دے کر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے گا۔

یہ بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر میں اس موقع پر ان سب حضرات کے مقتداء وپیشواء امام ربانی حضرت الشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد فیض رشاد بھی نہ سنادوں۔ آنجناب فرماتے ہیں: ''ودر امم سابقہ کہ ملاحظہ مے کند کم بقعہ مے یابد کہ در آنجا بعثت پیغمبرے نہ شدہ باشد حتی کہ در زمین ہند کہ دور ازیں معاملہ مینماید نیز مے یابد کہ از اہل ہند پیغمبران مبعوث شدہ اند دعوت بہ صانع جل شانہ فرمودہ اند ودر بعضے بلاد ہند محسوس میگردد کہ انوار انبیاء در ظلمات شرک در رنگ مشعلہا افروختہ اند...... اینجا کوتہ اندیشے سوال نہ کند کہ اگر درزمین ہند انبیا مبعوث مے شدند ہر آئینہ خبر بعثت ایشاں نیز بما میرسید بلکہ آں جز از جہت توفر دواعی بتواتر منقول میگشت۔ ولیس فلیس، زیراکہ گوئیم کہ دعوت ایں پیغمبراں مبعوث عام نبود بلکہ دعوت بعضے مخصوص بیک قوم بودہ بعضے را دعوت مخصوص بیک قریہ ویا بیک بلدہ بود وتواند بود کہ حضرت حق سبحانہ درقومی یا درقریہ شخصے راباایں دولت مشرف ساختہ باشد وآں شخص آنقوم یا اہل آنقریہ را دعوت معرفت صانع جل شانہ کردہ باشد ومنع از عبادت غیر اوتعالیٰ نمودہ...... الفاظ رسالت ونبوت وپیغمبری ازلغات عرب وفارس آمدہ بواسطہ اتحاد دعوت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰت والتسلیمات وایں الفاظ درلغت ہند نبودۃ تا انبیاء مبعوثہ ہندرا نبی یا رسول یا پیغمبر گویند وباین اسامی ایشاں رایاد کنند...... اگر انبیاء در ہند مبعوث نہ شدہ باشند وہم بہ زبان ایشاں بایشاں دعوت نکردہ باشد ہر آئینہ حکم اینہا حکم شاہق جبل بود باوجود تمرد دعویٰ الوہیت بدوزخ نہ درآیند وعذاب مخلدایشانبرانشود وھذا مما لا یرتضیہ العقل السلیم ولا یساعدہ الکشف الصحیح فانا نشاھد بعض مردتھم فی وسط الجحیم''　　(مکتوبات ج۱ ص۲۸۴،۲۸۵، مکتوب ص۲۵۹)

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ: ''ہندوستان میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اور ہندوستان کے بعض شہروں کے اندر شرک کی تاریکیوں میں انبیاء کے انوار مشعل کی طرح روشن معلوم ہوتے ہیں اور اس جگہ کوئی کوتہ اندیش سوال نہ کرے کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے ہوتے تو ہم کو بھی اس کی خبر ہوتی۔ کیونکہ خبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہند میں جو انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ ان کی دعوت عام نہیں تھی۔ بعض ایک مخصوص قوم کے لئے تھے اور بعض ایک گاؤں کے لئے اور بعض ایک شہر کے لئے اور وہ نبی اور رسول اور پیغمبر کے نام سے مشہور نہیں

ہوئے۔ کیونکہ یہ الفاظ عربی وفارسی کے تھے۔ ہندوستان کی زبان کے نہیں تھے اور اگر یہ پایا جائے کہ ہندوستان میں انبیاء مبعوث نہیں ہوئے اور اہل ہند کو اس کی زبان میں دعوت نہیں دی گئی تو پھر یہاں کے لوگ بھی انہیں لوگوں کے حکم میں ہوں گے جو بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے ہوں اور جنہیں کسی رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو تو اس صورت میں یہاں جو سرکشش اور مدعی الوہیت وغیرہ گزرے ہیں۔ چاہئے کہ انہیں جہنم کا عذاب نہ ہو اور یہ وہ بات ہے جس کو قبول کرنے کے لئے عقل سلیم تیار نہیں ہے اور کشف صحیح بھی اس کو رد کرتا ہے اور اس کی تائید نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ ہم کشفاً ان کے بعض سرکشوں کو دوزخ میں پڑا ہوا مشاہدہ کرتے ہیں۔''

اس عبارت میں بڑی صراحت ووضاحت اور بڑے شدومد سے ہندوستان میں نبیوں اور رسولوں کا آنا بیان کیا گیا ہے اور ان لوگوں کو جو اس میں کلام کریں۔ مثلاً یہ کہیں کہ ہم کو ان کی آمد کیوں معلوم نہ ہوئی کم سمجھ اور کم فہم قرار دے کر یہاں کے انبیاء کی آمد معلوم نہ ہو سکنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہاں کے انبیاء رسول اور نبی اور پیغمبروں کے نام سے مشہور نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ الفاظ ان کی زبان کے نہیں ہیں اور چونکہ وہ ان ناموں کی بجائے اور ناموں سے مشہور ہوئے۔ اس لئے ان کا نبی ورسول ہونا عام طور پر معلوم نہ ہو سکا اور پھر بتایا ہے کہ ہندوستان میں نبیوں کا نہ آنا ایسی بات ہے جس کو عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جہاں نبی نہ آیا ہو، وہاں کے نافرمان باشندے دوزخ میں نہیں ڈالے جاسکتے۔ حالانکہ یہاں کے نافرمان وسرکش باشندوں کا دوزخ میں پڑا ہوا ہونا کشف صحیح کے ذریعے ہمارے مشاہدے میں آرہا ہے۔

اب کیا گزشتہ اصحاب کے ساتھ مختار مدعیہ حضرت مجدد الف ثانی پر بھی یہی فتویٰ لگائے گا کہ وہ غیر انبیاء کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر ومرتد ہیں۔

کلام انتہاء کو پہنچ گیا اور حقیقت اپنی پوری نورانیت کے ساتھ مثل مہر نیم روز تاباں اور درخشاں ہو چکی ہے۔ لیکن سرزمین بہاولپور شاکی رہ جائے گی۔ اگر انہیں سب سے آخر میں اس سرزمین سے تعلق خاص رکھنے والے بزرگ فرد یگانہ ووحید حضرت خواجہ غلام فرید کے ارشادات میں سے بھی کچھ پیش نہ کردوں گا۔

ارشادات فریدی جلد۲ص ۷۹،۸۰ میں لکھا ہے: ''بعد ازاں یکے از حضار عرض کرد کہ سرکرشن جی ورام چندر صاحب فقیر و درویش بودہ اند یا نے۔ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ فرمودند کہ ہمہ اوتاراں در یشاں پیغمبران ونبیان وقت خود بودہ اند۔ وہر یک ازیشاں حسب شریعت خود کتابے دارد۔ چنانچہ چہار وید بلغت سنسکرت الآن نیز بموجود است وہر ایک ازانہا برائے شکستن عبادات ورسوم بد کہ در آں قوم شائع بودند مبعوث شدہ است۔ چنانکہ چوں در ہندواں قدر ومنزلت برہماں زیادہ از حد افزودہ ورابطہ وواسطہ میان حق وخلق بجز برہمن دیگری را نمے پنداشتند، پس جہت قلع ایں عقیدہ بدھ جی صاحب مبعوث شد ورسم گاؤ پرستی را شکست ومحو کرد تا کہ بر چرم گاؤ نان میخوردو گاواں رامیکشت علاوہ از جگ وہوم کردن وور کتب ایشان اگر چہ در عادات وفروع عبادات احکام مخالف یک دیگر اند مادر اصل مطلب کہ رجوع اللہ تعالیٰ وتوحید خدا عزوجل است ہمہ باہم متحد ومتفق ہستند۔ بعد ازاں فرمودندہ کہ نبوۃ زردشت صاحب ہم یک گونہ بحدیث شریف ثابت میگرد...... چوں ذکر مجوس کہ امت زردشت است در مقابلہ اہل کتاب واقع شدہ ازاں صریح وواضح معلوم میشود کہ زردشت صاحب ہم نبی وپیغمبر وقت خود بودہ است۔''

حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کی اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مختلف بدعات ورسوم قبیحہ کے مٹانے اور مخلوق کو خدا تعالیٰ کی اطاعت عبادات کی طرف بلانے کے واسطے ہندوستان میں سری کرشن جی اور راجہ رام چندر جی اور بدھ جی وغیرہ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا اور اس طرح فارسیوں کی ہدایت کے لئے زردشت کو مبعوث فرمایا۔ سائل نے تو سری رام چندر جی اور سری

کرشن جی کے فقیر اور درویش ہونے کے متعلق سوال کیا تھا ہوسکتا تھا کہ جواب اثبات میں دے دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے گوارا نہ فرمایا کہ حقیقۃ الامر کا جیسا کہ چاہئے اظہار نہ کر دیا جائے۔ پس آپ نے وضاحت کے ساتھ ان کا نبی و رسول ہونا ظاہر فرمایا اور نہ صرف ان کا بلکہ بدھ جی کا بھی اور زردشت کا نبی و رسول ہونا بھی۔ اب مختار مدعیہ کے نزدیک تو حضرت خواجہ صاحب بھی غیر نبی بلکہ غیر انبیاء کو زمرہ میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ٹھہرتے ہیں اور تمام سابق الذکر حضرات سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ، کیونکہ ان میں سے بعض نے تو صرف کرشن جی اور بعض نے نام نہیں لئے ہندوستان میں نبیوں کا آنا بتادیا۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس پر بس نہ کر کے تمام اوتاروں اور تمام رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی بتایا اور وید کو آسمانی کتاب پھر کلام کو چہار دیواری ہند سے نکال کر ایران تک پہنچایا اور زردشت کا بھی نبی ہونا ظاہر فرمایا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ مان لیا جائے کہ مختار مدعیہ کا حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ الزام لگانا کہ آپ ایک غیر نبی یعنی کرشن جی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔ قطعاً لغو و باطل ہے اور کسی لحاظ سے بھی قابل التفات نہیں اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ وہ بکثرت علماء و فضلاء اور اولیاء جو حضرت رام چندر جی اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول اور ہند کے تمام اوتاروں اور رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی و رسول مانتے ہیں اور جن میں سے صرف بعض کے نام میں نے درج کر دیئے ہیں۔ یہ سب کے سب (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور میں ان کے واسطے بھی یہ فرض نہیں کر سکتا کہ کوئی مسلمان ان علماء اور اولیاء کو جن کے نام میں نے لکھے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ہندوستان کے تمام اوتاروں اور رشیوں کو علی العموم اور بالخصوص حضرت رام چندر جی اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول مانا ہے۔ کافر مان لے گا اور مختار مدعیہ کو اپنے بزرگوں کے کافر قرار دینے کے بعد بھی مسلمان ہی سمجھے گا۔

اس موقع سے بغیر اس امر پر غور کئے ہوئے گزر جانا مناسب نہ ہوگا کہ اگرچہ حضرت رام چندر جی اور کرشن جی کو نبی و رسول تو اور بزرگوں نے بھی مانا اور بتایا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے جس حقیقی جوش و خروش اور جیسے شد و مد سے ان کے نبی و رسول ہونے کی شہادت دی ہے کہ کسی اور بزرگ میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ آنجناب نے یہ کام ایک خاص ارادہ الٰہی کے ماتحت میں کیا ہے۔ چونکہ خدا کے علم میں تھا کہ ریاست بہاولپور میں عدالت کے روبرو بحث پیش آئے گی کہ سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کو نبی کہنے والا ایک غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے اور پھر اپنے آپ کو اس کی مثل قرار دینے کی وجہ سے کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے اس نے بلحاظ روحانیت اس سرزمین کے سب سے بڑے انسان سے یہ شہادت قلم بند کرادی کہ رام چندر اور سری کرشن جی نبی ہیں۔ تاوقت پر یہ شہادت پیش ہو کر اس سرزمین کے ہر چھوٹے بڑے پر حجت تمام ہونے کا موجب بنے اور اکابر کی شہادتوں کا یہاں والوں پر اتنا اثر نہیں ہوسکتا تھا۔ جتنا کہ یہاں کے ایک فرد وحید حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ جیسے مسلم مقدس بزرگ کا، خواجہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت اس لئے دلوائی ہے تاکہ اس کے مامور پر جو الزام ریاست بہاولپور میں عائد کیا جائے گا۔ اس کا لغو و باطل ہونا اس کی زمین کے ایک مسلم مقدس کے ذریعہ ظاہر فرمادے۔ لیکن آج جب کہ یہ ارادہ الٰہی وقوع میں آچکا ہے۔ ہر شخص کے سامنے ہے۔ مبارک وہ جو اس پر غور کریں۔

بیان مندرجہ بالا سے سری کرشن جی کی نبوت معقول و منقول دونوں طریقوں پر اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ گنجائش کلام باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر یہ وسوسہ پیش کیا جائے کہ جب سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کی قوم یعنی ہندو ان کی طرف چوری زنا اور دعویٰ الوہیت وغیرہ امور جو نشان نبوت کے بالکل منافی ہیں۔ منسوب کر رہے ہیں تو پھر ان کو نبی ماننا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور ایسی حالت میں ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ جو ایک نہایت خراب حال مدعی الوہیت کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہو، کیونکر جائز ہوسکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ان کو نبی

ماننا اسی طرح درست ہوسکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت لوط وحضرت یوسف، حضرت داؤد وحضرت سلیمان اور حضرت مسیح کو نبی ماننا درست ہے۔ حالانکہ ان سب نبیوں کی قوموں نے ان کی طرف ویسی ہی لغویات منسوب کی ہیں جیسی کہ ہنود نے سری رام چندر جی اور سری کرشن جی کی طرف منسوب کی ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر، اور جس طرح ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا ان کی طرف لغویات منسوب کرنا غلط تھا اور وہ انبیاء علیہم السلام ان لغویات سے مبرّا ومنزّہ تھے۔ اسی طرح سری رام چندر جی اور سری کرشن جی ان لغویات سے جو ان کی قوم نے ان کی طرف منسوب کیں بری ہیں اور جب یہ معلوم ہوگیا تو کرشن جی کے مثیل ہونے کا دعویٰ قابل اعتراض نہ رہا۔ میں اس کو ایک مثال کے ذریعے سے اور زیادہ واضح کردینا چاہتا ہوں۔ تمام دیوبندی حضرات کے مسلم مقتداء اور ان کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو اس زمانے کا مسیحا اور ماہ کنعان یعنی اس زمانے کا یوسف لکھا ہے۔ جیسا کہ وہ مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

مسیحائے زمان پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو　　چھپا لحد میں وائے قسمت ماہ کنعانی

کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فوت ہوکر زیر زمین دفن ہوگئے تھے۔ اس موقع پر یہ کہنا کہ آسمان پر چلے جانے سے زیر زمین دفن ہونا بھی مراد ہوا کرتا ہے اور مسیح بھی مولوی رشید احمد صاحب کی طرح زیر زمین دفن ہوکر آسمان پر جابیٹھے ہیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ مسیحا کی قوم یعنی عیسائی تو مسیحا کی طرف شراب خوری اور دعویٰ ابنیت والوہیت وغیرہ بہت سے خراب امور منسوب کررہے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولوی محمود حسن صاحب نے، مولوی رشید احمد صاحب کو مسیحائے زمان لکھا تو کیوں لکھا۔ اس غرض سے جو باتیں عیسائی مسیحا میں مان رہے ہیں مولوی محمود حسن وہ باتیں مولوی رشید احمد میں بھی مانتے تھے، ہرگز نہیں۔ بلکہ مولوی محمود حسن صاحب ان باتوں کو جو عیسائی مسیحا کی طرف منسوب کرتے ہیں غلط سمجھتے تھے اور دعویٰ ابنیت والوہیت وغیرہ تمام خراب امور سے پاک جانتے تھے اور ان کے نبی ورسول ہونے پر ایمان رکھتے تھے اور مسیحا کی انہیں صفات کے لحاظ سے جو وہ خود مانتے تھے انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو مسیحا کہا تھا۔ یہی اور بالکل یہی بات یہاں بھی ہے کہ ہنود جو باتیں حضرت کرشن جی کی طرف منسوب کررہے ہیں۔ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود انہیں صحیح نہیں جانتے اور دعویٰ الوہیت وغیرہ امور جو ان کی طرف منسوب کئے جارہے ہیں اور جو شان نبوت کے خلاف ہیں۔ حضرت اقدس ان سے سری کرشن جی کی ذات کو بری جانتے ہیں اور انہیں خدا کا نبی اور رسول یقین کرتے ہیں اور آپ کا مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ کرشن جی کی ان صفات کو ملحوظ رکھ کر ہے جنہیں آپ صحیح جانتے تھے نہ ان خراب امور کے لحاظ سے جو ہندو ان کی طرف منسوب کررہے ہیں۔

اگرچہ اس مثال سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے کہ کرشن جی کی طرف ان کی قوم یعنی ہندوؤں کا خلاف شان نبوت کچھ امور منسوب کرنا ویسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت مسیح وغیرہ انبیاء کی قوموں کا ان کی طرف خلاف شان نبوت بہت سے امور سے منسوب کردینا۔ لیکن زیادہ اطمینان کے لئے انہیں اپنے اس بیان پر تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء وپیشواء مولانا محمد قاسم صاحب کی شہادت بھی پیش کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے: ''رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔ ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا، چوری وغیرہ ان سے سرزد ہوئے۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں۔ سو اس شبہ کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کردیا ہے اور دلائل عقل ونقل اس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے سری کرشن اور سری رام چندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کردیا ہو...... علی ہذا القیاس! جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود ونصاریٰ تہمت شراب خوری اور زناکاری لگاتے ہیں اور ہم ان کو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجیب ہے کہ سری کرشن سری رام چندر بھی عیوب مذکورہ سے مبرّا ہوں اوروں نے ان کے ذمے یہ تہمت زنا وسرقہ لگادی ہو۔'' (مباحثہ شاہجہان پور ص۳۱،۳۲)

قیامت کے متعلق

علم قیامت صرف خدا کو ہے

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ آپ نے قیامت کے متعلق جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے وہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے (لیکچر سیالکوٹ ص۸، خزائن ج۲۰ ص۲۰۹) پر فرمایا ہے: ''یہ صحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔'' حالانکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔

جواب: اگر مختار مدعیہ کا مقصد مغالطہ اندازی نہ ہوتا تو وہ یہ اعتراض کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے اس امر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اتنا صاف ہے کہ علم قرآن وعلم حدیث سے نہایت قلیل میل رکھنے والا شخص کو اس کو صحت کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔

چنانچہ مختار مدعیہ نے جو فقرہ نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی حضرت اقدس فرماتے ہیں: ''پھر آدم سے اخیر تک سات ہزار سال کیونکر مقرر کر دیئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالیٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر فکر نہیں کیا اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم سات ہزار سال ہے اور ایسا ہی پہلی تمام کتابیں باتفاق یہی کہتی ہیں۔ آیت: ''ان یوما عند ربک کالف سنة مماتعدون'' سے یہی نکلتا ہے اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں۔ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورہ العصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص۸،۹، خزائن ج۲۰ ص۲۰۹،۲۱۰)

اور جو یہ کہا گیا ہے کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں بیان کئے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں اور اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہوگئیں ہیں اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعے سے تجارت شروع ہوگئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے اور خود مدت ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے آیت: ''اقتربت الساعة'' اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخر زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص۹،۱۰، خزائن ج۲۰ ص۲۱۰،۲۱۱)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے اس قول کا مطلب جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ قیامت کا کسی وجہ سے بھی کسی کو علم نہیں علامات وآثار قیامت کے ذریعہ سے ایک قسم کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس علم کے متعلق اس حدیث میں بھی جسے گواہ مدعیہ نمبر۳ بجواب جرح ۲۴ راگست کو صحیح تسلیم کر چکا ہے۔ لکھا ہے جبرئیل نے قیامت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:

اس کے متعلق مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔ تب جبرئیل نے علامات ساعت یعنی قیامت کی نشانیوں کے متعلق سوال کیا تو اپنے جواب میں علامات قیامت بیان فرمائیں اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کا نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ جیسا کہ گواہ نمبر۳ مؤرخہ ۲۹ راگست کو بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے۔

پس قیامت کے متعلق جس قسم کے علم ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا ہے وہ فریق ثانی کو بھی مسلم ہے اور قرآن مجید وحدیث سے بھی ثابت ہے۔ ہاں! اس گھڑی کا کسی کو علم نہیں جس پر قیامت قائم ہوگی۔

عقیدہ

اوتار وتناسخ

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب عقیدہ اوتار اور تناسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ (لیکچر سیالکوٹ ص۳۳، خزائن ج۲۰ ص۲۲۸) میں لکھتے ہیں: ''اسی طرح میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔'' اور (کتاب البریہ ص۷۶، خزائن ج۱۳ ص۱۰۲) میں لکھا ہے: ''خدا تیرے اندر اتر آیا۔'' یعنی اوتار اور تناسخ کا عقیدہ اسی سے ثابت ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں کرشن ہوں۔ چنانچہ اپنا الہام پیش کیا ہے: ''ہے رودر گوپال تیری مہا گیتی میں لکھی گئی ہے۔'' (تذکرہ ص۳۸۰، لیکچر سیالکوٹ ص۳۴، خزائن ج۲۰ ص۲۲۹)

اور اسی طرح کہا ہے

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں　　نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰۳، خزائن ج۲۱ ص۱۳۳)

اور تناسخ کی تعریف یہ ہے کہ ایک روح دوسرے جسم میں چلی جائے۔ اوتار اور تناسخ کا عقیدہ بالاتفاق کفریہ عقیدہ ہے۔

جواب: حضرت مسیح موعود نہ عقیدہ اوتار کے جو ہندوؤں میں رائج ہے قائل ہیں اور نہ تناسخ کے اور مختار مدعیہ نے اپنا ادّعاء باطل ثابت کرنے کے لئے جو عبارت لیکچر سیالکوٹ سے پیش کی ہے۔ اس کے آگے اوتار کی تشریح حضرت مسیح موعود نے نبی لکھی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں پائی نہیں جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس اترتا تھا وہ خدا کی طرف فتح مند اور با اقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں سے میں بگاڑ دیا گیا وہ خدا کی محبت سے پر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص۳۳،۳۴، خزائن ج۲۰ ص۲۲۸،۲۲۹)

کیا مختار مدعیہ پر وہ حکایت لفظ بلفظ صادق نہیں آتی جو مولوی محمد قاسم صاحب نے لکھی ہے کہ کسی بانوا نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صاحب ہمیں بتلاؤ، ہم نے تو آج تک یہ بات نہیں سنی۔ اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قربان جایئے۔ بڑی آرام کی بات نکل آئی بانوا نے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے: ''ولا تقربوا الصلوٰۃ'' یعنی نماز

کے پاس نہ پھٹکو۔اس نے کہا صاحب اس کے بعد’’انتم سکاریٰ‘‘ بھی تو ہے۔یعنی نشے کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ساری آیت کے معنے پر عمل کرنا چاہئے۔بانوا نے کہا بابا سارے کلام پر کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے جو اتنا بھی عمل ہو جائے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۱۰۲)

سو شاید مختار مدعیہ نے بھی یہ طریقہ عمل اختیار کیا ہے۔ایک عبارت لے کر اعتراض کر دیتا ہے اور اس کی تشریح اور توضیح کو جو اسی جگہ درج ہوتی ہے۔چھوڑ دیتا ہے۔

سنئے! مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں:’’کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں وہ اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب ولی ہوں……رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔‘‘

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:’’سو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہو۔کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رام چندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو۔‘‘ (مباحثہ شاہ جہان پور ص۳۱)

اور نواب صدیق حسن خان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:’’بالجملہ اوتار ہنود مظاہر حق گشتہ باشند خواہ از افراد بشر باشند یا از شیر و ماہی وغیرہ مثل عصائے موسیٰ و ناقہ حضرت صالح علیہ السلام،لیکن عوام ایں فرقہ سبب قصور فہم در میان ظاہر و مظہر فرق نکردہ ہمہ رامعبود ساختند ودرضلالت افتادند وہمین است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں ومجاوراں قبور جلالیان و مداریان۔واللہ اعلم!‘‘ (حج الکرامہ ص۹۵)

پس اوتار سے مراد خدا تعالیٰ لینا نہ قائل کی منشا کے ہی صریح خلاف ہے بلکہ علماء نے بھی اوتار کی جو حقیقت بیان کی ہے۔اس کے بھی خلاف کرنا ہے اور حضرت مسیح موعود نے جب کہ اوتار کی تشریح اور تفسیر’’نبی‘‘ کے لفظ سے کر دی تو اس کے بعد کسی نیک نیت انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس سے مراد خدا لے کر آپ کی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرے۔

اور جو حوالہ (کتاب البریہ ص۷۶، خزائن ج۱۳ ص۱۰۲) کا پیش کیا ہے کہ’’خدا تیرے اندر اتر آیا۔‘‘ تو اس کا جواب بھی اسی جگہ موجود ہے۔کیونکہ اس سے پہلا الہامی فقرہ یہ ہے۔’’میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا اور اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے۔خدا تجھے ترک نہیں کرے گا اور نہ چھوڑے گا جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرے۔پھر اس کے اگلے الہاموں میں حضرت مسیح موعود کے حق میں فرستادہ اور نذیر وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں۔نیز ان الہامات اور کشوف کا ذکر کر کے آپ عیسائیوں پر حجت قائم کرتے ہیں کہ ایسے کلمات سے کوئی خدا نہیں ہو جاتا۔بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تقرب اور محبت کے اظہار پر دلالت کیا کرتے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:’’یسوع ابن مریم خدا نہیں ہے۔یہ کلمات جو اس کے منہ سے نکلے اہل اللہ کے منہ سے نکلا کرتے ہیں مگر ان کے کوئی خدا نہیں بن سکتا۔اٹھو اور توبہ کرو کہ وقت آ گیا۔اس خدا کو پوجو جس پر توریت اور قرآن کا اتفاق ہے۔یسوع بن مریم ایک عاجز بندہ تھا۔اس کو نبی سمجھو جس کو خدا نے بھیجا تھا۔اگر اب بھی کوئی عیسائی نہ مانے تو یاد رکھئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حجت اس پر پوری ہو چکی ہے۔‘‘

(کتاب البریہ ص۸۲، خزائن ج۱۳ ص۱۰۸)

پس خدا کے اترنے سے مراد قطعاً وہ نہیں ہے جو مختار مدعیہ نے لی ہے۔کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کے برخلاف ہونے کے علاوہ سیاق وسباق کے بالکل متناقض ہے۔

اور خدا کے اتر آنے کا محاورہ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے جس سے مراد نزول رحمت اور اللہ تعالیٰ کی توجہ لی گئی ہے۔چنانچہ امام محمد طاہر فرماتے ہیں:’’ینزل کل لیلۃ الی سماء الدنیا النزول والصعود والحرکات من صفات الاجسام واللہ

یتعالیٰ عن ذالک والمراد نزول الرحمۃ والالطاف الالٰھیۃ وقربھا من العباد وقت التھجد ’’کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہررات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور نزول اور صعود اور حرکات اجسام کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ان صفات سے متصف ہو۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے نزول سے مراد نزول رحمت اور الطاف خداوندی اور اس کا تہجد کے وقت بندوں کے قریب ہونا ہے۔

پس جب احادیث میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہری طور پر اترنا نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ ظاہری مراد قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث کے منافی ہے تو حضرت مسیح موعود کے کلام میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہر طور پر اترنا مراد لینا جو آپ کے دوسرے الہامات اور اقوال اور عقائد کے صریح خلاف ہے کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’جب ایک انسان سچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے اور تمام دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے اور غیر اللہ کی عظمت اور وجاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی، بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے۔ ایک بھاری تجلی کے ساتھ اس پر نازل ہوتا ہے اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے۔ آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے کہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے۔ اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس کے دل کو اپنا عرش بنالیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص ۶۳،۶۴، خزائن ج ۲۲ ص ۶۵)

پس خدا کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہے اور بحکم: ’’تخلقوا باخلاق اللہ ‘‘ اللہ تعالیٰ کے صفات کو جذب کر کے اس کے رنگ میں رنگین ہونا ہے نہ یہ کہ حقیقت خدا تعالیٰ کا نزول۔ چنانچہ اس کے مطابق امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ’’لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن مخصوص بقلب‘‘ بندہ مؤمن است کہ معاملہ او از سائر ناس جدا است کہ بفنا و بقا مشرف گشتہ است و از حصول وارستہ بحضور پیوستہ است۔ آنجا اگر گنجائش است باعتبار حضور است نہ باعتبار حصول:

در کدم آئینہ در آیداد

(مکتوبات احمدیہ ج ۳ ص ۸۷)

اسی طرح سید عبدالقادر جیلانی (فتوح الغیب مقالہ ۲۶) میں تحریر فرماتے ہیں: ’’لا تکشف البرقع والقناع عن وجھک حتی تخرج من الخلق، الی ان قال لایبقی فیک ارادۃ غیر ارادۃ ربک فتمتلی بربک فلایکون بغیر ربک فی قلبک مکان ولامدخل وجعلت بواب قلبک واعطیت سیف التوحید والعظمۃ والجبروت فکل من رآیتہ دنا من سراحۃ صدرک الی باب قلبک اندرت راسہ من کاھلہ‘‘ یعنی اے انسان تو اپنے چہرہ پر سے برقع اور روپوش مت اٹھا یہاں تک کہ تو مخلوقات سے باہر نکل جائے یہاں تک کو تجھ میں تیرے رب کے ارادہ کے سواء اور کوئی ارادہ نہ رہے۔ پس تو اپنے رب سے بھر جائے گا۔ پس تیرے رب کے سوا تیرے قلب میں اور کسی کا نہ مکان ہوگا اور نہ داخل ہونے کی جگہ اور تجھے تیرے دل کا دربان بنایا جائے گا اور تجھے توحید اور عظمت اور جبروت کی تلوار دی جائے گی۔ پس ہر وہ شخص جسے تو دیکھے گا کہ وہ تیرے سینہ کے صحن سے تیرے دل میں آنا چاہتا ہے تو اس تلوار سے اس کا سر اس کے شانہ سے علیحدہ کردے گا۔ یعنی:

غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست تیغ لا برکش کہ آں معبود تست

پس یہی معنی حضرت مسیح موعود کے الہام آواہن یعنی خدا تیرے اندر اتر آیا کے ہیں نہ کچھ اور اور سید عبدالقادر جیلانی نے صرف خدا کے اتر آنے پر ہی کفایت نہیں کی۔ بلکہ امتلاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بھر جانے کے ہیں۔ یعنی بندہ خدا کے ساتھ بھر جاتا ہے اور حضرت مسیح موعود نے اپنی تمام کتابوں میں کسی جگہ بھی تناسخ کے مسئلہ کو صحیح نہیں قرار دیا بلکہ جابجا اس کی تردید کی ہے۔

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کا عقیدہ تناسخ ثابت کرنے کے لئے (لیکچر سیالکوٹ ص۳۳، خزائن ج۲۰ ص۲۲۸) کا حوالہ دیا ہے کہ آپ نے اس میں اپنے آپ کو کرشن قرار دے کر تناسخ کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے اسی کے آگے تناسخ کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے کرشن ہونے کے متعلق الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں: ’’اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک تو وہی ہے جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ روحوں اور ذات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور انادی سمجھا جائے…… پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں ان کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو معیادی ٹھہرا دیا ہے اور تناسخ ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے جس سے کبھی نجات نہیں۔ یہ بخل اور تنگ دلی خدائے رحیم وکریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز نہیں کر سکتی۔‘‘ (لیکچر سیالکوٹ ص۳۴، ۳۵، خزائن ج۲۰ ص۲۲۹، ۲۳۰)

پھر اس کے بعد (ص۳۶ تا ۳۸، خزائن ج۲۰ ص۲۳۰، ۲۳۱) تناسخ کی تردید میں دلائل تحریر فرمائے ہیں:

عقیدہ تناسخ کی اس قدر پرزور تردید کے ہوتے ہوئے کیا کوئی دیانتدار شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ لیکچر سیالکوٹ کا مؤلف عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتا ہے۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

پھر اس سے بھی عجب تر لطیفہ یہ ہے کہ مختار مدعیہ نے تناسخ کی تعریف ’’ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا‘‘ کر کے حضرت مسیح موعود کے شعر سے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں کبھی آدم ہوں، کبھی موسیٰ ہوں، کبھی یعقوب ہوں اور نیز ابراہیم ہوں کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتے تھے۔ حالانکہ وہ خود تناسخ کی یہ تعریف کرتا ہے کہ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا استدلال صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود میں ایک روح نہیں ہوگی۔ بلکہ کئی ارواح ہوگی اور یہ بات عقیدہ تناسخ رکھنے والوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ کئی ارواح ایک جسم میں داخل ہو جائیں۔ بلکہ اس شعر کا مطلب جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے آپ کو بہت سے نبیوں کے نام دیئے جانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے خود تحریر فرمایا ہے۔ یہ ہے: ’’سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۱)

اس کی تفصیل ملاحظہ ہو زیرعنوان ’’توہین‘‘

بحث متعلق وحی

اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ گواہان مدعیہ نے مطلق ادّعاء وحی کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گواہ نمبر۳ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ ادّعاء وحی کفر ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو۔ تب بھی کافر ہے۔ اگر بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے اور غیروں کے لئے کشف، الہام یا وحی لغوی ہوسکتی ہے۔ اگر وحی کی تعریف یہ کی ہے کہ فرشتہ بھیجا جائے کہ فلاں سے جا کر یہ کہہ دو اور اپنی تائید میں شرح شفا کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔

لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے عدالت کو مغالطہ دینے کے لئے یہ صریح غلط بیانی کی کہ گواہان مدعیہ نے صرف وحی رسالت کو بند قرار دیا ہے۔ مگر گواہ نمبر۳ کا بیان مختار مدعیہ کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔'' نیز گواہ نمبر۱ نے ۲۱راگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آیت ماکان لبشر میں جو طریق وحی بیان کئے گئے ہیں۔ وہ امت محمدیہ پر بند ہیں اور گواہ نمبر الف و ب نے مطلق وحی کے بقاء سے کہہ کر انکار کیا ہے کہ وحی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ نبوت اور وحی لازمی چیز ہے اور اگر دوسری وحی ہوسکتی ہو تو ممکن ہو جائے گا کہ قرآن شریف کا کوئی حکم منسوخ ہو جائے۔

اس بحث میں مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب ہیں:

۱...... کیا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲...... کیا آنحضرت ﷺ کے بعد باب وحی غیرتشریعی مسدود ہے۔

۳...... کیا قرآن مجید سے بقاء وحی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

۴...... کیا احادیث سے بقاء وحی غیرتشریعی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵...... کیا بقائے وحی غیرتشریعی عقیدہ سلف صالحین کے خلاف ہے۔

۶...... کیا حضرت مسیح موعود کے نزدیک ہر قسم کی وحی بند ہے۔

۷...... کیا حضرت مسیح موعود اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۱) وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں

مختار گواہان مدعیہ کا یہ دعویٰ کہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے باطل ہے۔

پہلی آیت: ''**ماکان لبشر ان یکلمه اللّٰه الا وحیا اومن ورآء حجاب اوریرسل رسولا فیوحی باذنه مایشآء** (شوریٰ) ''اس آیت میں لفظ بشر جو نبی اور غیرنبی دونوں پر یکساں اطلاق پاتا ہے استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ نزول وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ اس آیت میں بشر سے مراد نبی لیتا ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو بشر کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کرے اور (فتوحات مکیہ ج۲ ص۴۱۶،۴۱۷) میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ لکھا ہے کہ ان تمام طرق سے اولیا امت کو بھی وحی ہوتی ہے اور نبی اور ولی کی وحی میں فرق یہ ہے کہ ولی پر شریعت والی وحی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

پس مختار مدعیہ کا بشر سے صرف انبیاء مراد لینا قرآن مجید کے ایک لفظ کی عمومیت کو باطل ثابت کرنے کے علاوہ ان ائمہ کی بھی مخالفت کرنا ہے جنہوں نے اولیاء امت پر آیت مذکورہ طرق سے وحی کا ہونا تسلیم کیا ہے۔

۲...... ’’واوحینا الٰی ام موسٰی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولاتخافی ولاتحزنی انا رآدوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین (قصص)‘‘

یہ ایک یقینی اور قطعی وحی ہے جو کئی عظیم الشان غیب کی خبروں پر مشتمل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس وحی کی عظمت ایک دوسری آیت میں یوں فرمائی ہے: ’’ولقد مننا علیک مرۃ اخریٰ اذ اوحینا الی امک مایوحٰی (طٰہٰ)‘‘

یعنی اے موسیٰ ہم نے تجھ پر ایک اور بھی احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف ایک خاص شان دار وحی کی تھی۔ مختار مدعیہ نے اس آیت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بھی وحی نبوت کا ذکر نہیں ہے۔ گواہ مدعا علیہ کا مقصود اس آیت سے غیر انبیاء پر وحی کا نزول ثابت کرنا تھا۔ سو وہ مختار مدعیہ نے تسلیم کر لیا ہے۔

۳...... ’’واذکر فی الکتاب مریم اذانتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویا. قالت انی اعوذ بالرحمن ان کنت تقیا. قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلام زکیا (مریم)‘‘

اس آیت میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں متمثل ہو کر حضرت مریم کے پاس آئے اور ان کے سوال کرنے پر جواب دیا کہ میں خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں تاکہ تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دوں جو تمہیں دیا جائے گا۔

۴...... ’’واذ قالت الملآئکۃ یامریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاٰخرۃ ومن المقربین (آل عمران)‘‘

اس آیت میں فرشتوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے نام ونبوت اور ان کی خوبیوں کی جو در حقیقت زبردست پیش گوئیاں تھیں۔ حضرت مریم کو بشارت دی گئی ہے۔

۵...... ’’واذ قالت الملآئکۃ یامریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علٰی نسآء العالمین یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین (آل عمران)‘‘

اس آیت میں حضرت مریم کو کئی فرشتوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام دیا ہے اور پھر فرمانبرداری اور نماز کے لئے حکم دیا۔

۶...... ’’وامرأتہ قائمۃ فضحکت فبشرنھا باسحاق ومن ورآء اسحاق یعقوب قالت یاویلتی أألد وانا عجوز وھٰذا بعلی شیخا ان ھٰذا لشیٔ عجیب قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید (ھود)‘‘

اس آیت سے بھی صاف طور پر عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے حضرت سارہ سے کلام کیا جس میں عظیم الشان پیش گوئی تھی جو ان کی زندگی اور زندگی کے بعد سے تعلق رکھتی تھی۔

۷...... ’’قلنا یاذالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا (کھف)‘‘

اس آیت میں ذوالقرنین سے مکالمہ کا ذکر ہے جو نبی نہ تھا اور ایسی یقینی اور قطعی مکالمہ کا ذکر ہے جس میں ایک قوم کو عذاب دینے یا اس سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ذوالقرنین نے اس قوم کے متعلق اعلان بھی کر دیا: ’’قال اما ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابانکرا وانامن اٰمن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنیٰ وسنقول لہ من امرنا یسرا (کھف)‘‘

یعنی ظالموں کو سزا دیں گے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ بھی انہیں دردناک عذاب دے گا۔ لیکن نیک اعمال کرنے والے مؤمنوں کو اچھا بدلہ ملے گا۔ مختار مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ ذوالقرنین کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ نبی تھا۔ لیکن (صحیح) قول یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھا اور اس کے لئے اس نے ابن جریر اور ابن کثیر اور تفسیر کبیر کا حوالہ دیا تھا۔ حالانکہ ابن جریر اور ابن کثیر میں ذوالقرنین کے نبی ہونے کے متعلق کوئی قول مذکور نہیں۔ البتہ تفسیر کبیر میں دو قول لکھے ہیں۔ مجھے یہاں صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ مختار مدعیہ مغالطہ دینے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں ان تفسیروں کے نام لکھوانے سے جس میں کہ اس کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ ذرا نہیں جھجکتا۔ ان مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

۱...... وحی انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں بلکہ غیر نبی کو بھی وحی ہوتی ہے۔

۲...... جن طرق سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے انہیں طریقوں سے غیر انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر۱ سے ظاہر ہے۔

۳...... فرشتوں کا نزول بھی غیر انبیاء پر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی بات فرشتوں کے ذریعہ سے ان کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر۴، ۵، ۶ سے ظاہر ہے۔

۴...... بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی ہو جاتی ہے جس میں امر و نہی پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت نمبر۶، ۷ سے ظاہر ہے۔

۵...... غیر انبیاء کی وحی بھی بعض وقت غیب کی خبر پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر۲، ۳، ۴ سے ظاہر ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کے بعد باب وحی غیر تشریعی مسدود نہیں ہے

گواہان ومختاران مدعیہ نے ایک آیت یا حدیث بھی ایسی پیش نہیں کی جس سے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی الٰہی کا بند ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ ہاں! ایسی آیتیں پیش کر دی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے بعد وحی نازل ہونے کا ذکر ان کو نظر نہیں آیا اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی مسدود ہے۔ حالانکہ کسی آیت میں آنحضرت ﷺ کے بعد نزول وحی کا ذکر نہ ہونا اور بات ہے اور باب نزول وحی کے مسدود ہونے کا ذکر اور بات ہے۔ ذکر نزول وحی نہ ہونے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد باب نزول وحی مسدود ہے۔ ایسی آیتیں پیش کرنا جن میں نزول وحی کا ذکر نہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش کہ ان سے باب نزول وحی مسدود ثابت ہوتا ہے صریح غلط ہے۔ چنانچہ گواہ نمبر۴ نے آیت: ''والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون (البقرۃ:۴)'' سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوتی تو اس آیت شریفہ میں اس کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا۔ لیکن چونکہ کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوسکتی۔

۱...... اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عدم ذکر عدم شئے کو مستلزم نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل ہونے والی نہیں ہے۔

۲...... دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ اس وحی میں تشریعی وحی اور شریعت سابقہ میں قدرے تغیر وتبدل کرنے والی وحی بھی شامل ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد دین کامل ہو جانے کی وجہ سے شریعت والی وحی کا سلسلہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ تاکہ کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی شریعت والی یا شریعت سابقہ میں ترمیم کرنے والی وحی نازل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کی ایک دوسری ایک ''ولقد اوحی الیک الی الذین من قبلک (الآیۃ)'' کی تفسیر میں علماء متقدمین نے اس امر کی تشریح کی ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی بحوالہ فتوحات مکیہ اپنی کتاب (الیواقیت والجواہر ج۲

ص۹۴) میں لکھتے ہیں: ''انه لم یجیٔ لنا خبر الٰهی ان بعد رسول اللهﷺ وحی تشریح ابدا. انما لنا وحی الهام قال تعالٰی ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک '' یعنی ہمارے پاس کوئی خبر الٰہی نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ آنحضرتﷺ کے بعد وحی تشریعی ہوگی۔ بلکہ اب وحی الہام ہوگی۔ جب کہ آیت: ''ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک '' سے ظاہر ہے۔

۳…… تیسرا جواب یہ ہے کہ تمام اکابر علمائے سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ مسیح موعود پر وحی ہوگی اور یہی بات حدیث سے بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر الہیثمی سے جب پوچھا گیا کہ آخری زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان پر وحی ہوگی۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا۔ ''نعم یوحٰی الیه علیه السلام کما فی حدیث مسلم '' یعنی ان کی طرف وحی ہوگی۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ (روح المعانی ج۷ ص۱۶۵)

بس اکابر علماء سلف کے عقیدے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت: ''والذین یؤمنون بما انزل الیک '' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتﷺ کے بعد غیر تشریعی وحی کا آنا بند ہے۔

۴…… چوتھا جواب ہے کہ آیت: ''والذین یؤمنون بما انزل الیک '' میں اگر مطلق وحی مراد لی جاتی جو تشریعی غیر تشریعی دونوں کو شامل ہے تو ''الآخرة '' سے آنحضرتﷺ کے بعد آنے والی وحی جو آپ کے بعد آنے والی نبوت رسالت کو مستلزم ہے،۔ مراد لینا بالکل قرین قیاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی وحیوں میں فرق کرنے کے لئے اسلوب کلام کو بدل کر یعنی ''ماینزل من بعدک '' کی جگہ ''بالآخرة '' فرمایا تاکہ یہ امر متعین ہو جائے کہ آنحضرتﷺ کے بعد نازل ہونے والی ایسی وحی نہیں ہے جو حاصل شریعت یا شریعت محمدیہ میں کچھ ترمیم کرنے والی ہو۔

اور گواہ نمبر ب نے یہ آیت پیش کی ہے: ''قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وماانزل الٰی ابراهیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی وعیسٰی وما اوتی النّبیّون من ربهم لانفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون (البقرة:۱۳۶) '' اور اس سے بھی وہی استدلال کیا جو پہلے آیت سے کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس آیت میں بھی کہیں یہ ذکر نہیں کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے ''ماسبق مالحق '' میں اہل کتاب کو ایمان کی طرف بلایا ہے اور اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ جیسے ہم تمام نبیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حق تسلیم کرتے ہیں اور ان سے جو مکالمہ الٰہیہ ہوا۔ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی اس کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے اور جو اس پر اترا ہے تسلیم کرو۔ اس آیت سے وحی آئندہ کی نفی نکالنا اسی طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے نکالنا غلط تھا اور پہلی آیت کے استدلال کے غلط ہونے کے متعلق جو جواب دیئے گئے ہیں، اس آیت کے استدلال کو بھی غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اور اسی گواہ نے آیت: ''الم تر الی الذین یزعمون انهم آمنوا بما انزل الیک وماانزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقدامروا ان یکفروا به (النساء:۶۰) '' سن کر کے بھی یہی استدلال کیا کہ آنحضرتﷺ کے بعد باب وحی مسدود ہے۔ حالانکہ اس میں بھی قطعاً اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی بلکہ اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جو باوجود اس دعاء کے کہ قرآن مجید اور پہلی کتب الٰہیہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کرنے کی جگہ طاغوت یعنی کفار کا فیصلہ چاہتے ہیں اور یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد جو وحی بھی قرآن مجید واحادیث کے مصدق وموعود شخص پر نازل ہوگی وہ اس کلام کے جو آنحضرتﷺ پر اتارا گیا مخالف نہ ہونے کی وجہ سے ''بما انزل الیک '' میں شامل سمجھی جائے گی۔ یہ بات بڑی دلچسپی سے دیکھے جانے کے لائق ہے کہ مختاران مدعیہ حضرت مسیح موعود کی وحی کو بھی منزل اللہ ماننے کو تیار نہیں اور ان کے خاتم

المحدثین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مجتہدین کے اجتہادات کو بھی منزل من اللہ قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ لکھتے ہیں: کتاب اللہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور استنباط مجتہدین علیہم الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اشارات ودلالات نصوص سے مستخرج ہیں وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے۔ (سبیل الرشاد ص۳۶)
اوراسی گواہ مدعیہ نمبر ب نے یہ آیت بھی پیش کی ہے: ’’**وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انہم لیأکلون الطعام** (الفرقان:۲۰) ‘‘یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسل بھیجے وہ ضرور کھانا کھاتے تھے اور اس سے بھی انقطاع نزول وحی پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت سے وحی کے انقطاع کا وہم بھی نہیں گزر سکتا۔ کیونکہ کفار جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رسول کیسے ہوسکتے ہیں۔ جب کہ وہ کھانا کھالیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اعتراض کو یوں رد کیا کہ دیکھو پہلے جس قدر رسول آئے وہ بھی تو کھانا کھایا کرتے تھے۔ پس ان آیات میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔

(۳) دلائل بقائے وحی غیر تشریعی از روئے قرآن شریف

گواہان مدعاعلیہ نے فریق مخالف کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لئے کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ قرآن کریم سے مندرجہ ذیل آیت پیش کی ہیں:
پہلی آیت: ’’**رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ لینذر یوم التلاق** (مؤمن) ‘‘اس آیت میں تین باتیں نزول وحی کا موجب قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہونا، اس کے بندوں کا پایا جانا، تیسرا ضرورت رنذار۔
پس جب کہ یہ تینوں باتیں نبی کریم ﷺ کے بعد بھی موجود ہیں تو باب نزول وحی کا مسدود اور وحی کا مفقود ہونا کیا معنی اور روح کے معنی خواہ جبرئیل کے لیں۔ خواہ مطابق آیت: ’’**اوحینا الیک روحامن امرنا**‘‘ کلام الٰہی کے لیں۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں بالکل واضح ہے۔ آئندہ زمانہ میں بھی کلام الٰہی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں اس آیت میں الروح کے معنی وحی کے لکھے ہیں اور امام فخرالدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: ’’**والصحیح ان المراد بالروح الوحی** ‘‘یعنی صحیح یہی ہے کہ مراد روح سے وحی ہے۔ (تفسیر کبیر ج۷ ص۳۱۱)
اور شیخ محی الدین ابن عربی اس آیت کو لکھ کر فرماتے ہیں: ’’**قال تعالیٰ یلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ فجاء بمن وھی نکرۃ فینذر یوم التلاق فجاء بمالیس بشرع ولاحکم بل بالانذار فقد یکون الولی بشیراً ونذیراً ولٰکن لایکون مشرعاً فان الرسالۃ والنبوۃ بالتشریع قد انقطعت فلا رسول ﷺ ولانبی ای لاشرع ولاشریعۃ وقد علمنا ان عیسٰی ینزل ولابد مع کونہ رسولا ولکن لایقول یشرع بل یحکم فینا بشرعنا**‘‘
(فتوحات مکیہ ج۲ ص۴۱۷)
ماحصل اس عبارت کا یہ ہے کہ اس آیت میں شریعت یا احکام کے نزول کا ذکر نہیں۔ بلکہ انذار کا ذکر ہے اور ولی بھی کبھی بشیر ونذیر ہوتا ہے۔ لیکن شرع یعنی شارع نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسالت اور نبوت تشریعیہ رسول اللہ ﷺ کے بعد منقطع ہوگئی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی وقت نزول باوجود رسول ہونے کے ہماری ہی شرع کے ساتھ حکم کریں گے۔
پس اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی منقطع نہیں ہوئی۔ بلکہ جاری ہے اور اب کوئی رسول یا نبی بھی ہو تو صرف تبشیر اور انذار کی وحی اس پر ہوسکتی ہے۔ شرعی وحی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ شیخ اکبر کے نزدیک مسیح علیہ السلام بھی باوجود رسول

ہونے کے نئی شریعت نہیں لائیں گے۔ بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس میں صرف یہ بتایا ہے کہ فرشتہ کا وحی الٰہی لے کر اترنا اللہ کی نظر انتخاب پر ہے۔ نہ کسی دنیوی جاہ وجلال پر۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ نزول وحی منقطع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت انتخاب پہلے موجود تھی اب بھی موجود ہے۔ جیسا کہ یلقی صیغہ مضارع سے جو استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔

دوسری آیت: ''ینزل الملآئکة بالروح علی من یشآء من عبادنا ان انذروا انه لآاله الا انا فاعبدون (حجر) ''اس آیت میں سے امر نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کلام دے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجتا ہے اور بھیجا کرے گا۔ پس اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت مستمرہ کا ذکر فرمایا ہے جس کا انقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ وحی لے کر فرشتوں کے نزول کے جو بواعث آیت میں مذکور ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے بعد میں بھی پائے جاتے ہیں۔

تیسری آیت: ''واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذادعان (بقرہ)''

اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے خاص طور پر یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے گا۔ ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس آیت میں اجیب کے معنی ہیں: ''میں قبول کرتا ہوں'' کلام کرنے کے نہیں۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کے معنوں کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ ہر ایک کی دعا قبول کرتا ہے۔ حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے۔ بہر حال مختار مدعیہ یہ کہے گا کہ جس شخص کی دعا لائق قبول ہے اسے قبول کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ جواب ہے کہ جسے خدا تعالیٰ بذریعہ کلام جواب دینا چاہئے، اسے جواب دیتا ہے اور یہ معنی تفسیر ابن جریر میں بھی لکھے ہیں: ''الوجه الآخر ان یکون معناه اجیب دعوة الداع اذادعان ان شئت فیکون ذالک''(ابن جریر ج۶ ص۹۴) یعنی ایک جو وجہ اس آیت کے معنی کی یہ ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ یعنی اگر میں چاہوں تو ایسا ہوتا ہے۔

چوتھی آیت: ''ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملآئکة الّاتخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیآء کم فی الحیاة الدنیا وفی الآخرة (حم السجدة)''

یہ آیت بھی صاف طور پر بیان کر رہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں استقامت دکھائیں گے۔ ان پختہ ایمان داروں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتے بشارتیں سنایا کریں گے۔ چنانچہ (روح المعانی ج۷ ص۶۴) میں لکھا ہے: ''والاخبار طافحة بروية الصحابه للملک وسماعهم کلامه وکفٰی دلیلا لما نحن فیه قوله سبحانه ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملآئکة الّاتخافوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون الایة قال فیها نزول الملک علی غیر الانبیاء فی الدنیا وتکلیمه ایاه''

صحابہ کے فرشتوں کو دیکھنے اور ان کی کلام کو سننے کے متعلق کثرت سے خبریں پائی جاتی ہیں اور جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے اثبات کے لئے خدا تعالیٰ کا قول ''ان الذین قالوا ربنا الله ''ہی کافی ہے۔ کیونکہ اس میں اس دنیا میں غیر انبیاء پر فرشتے کا نزول اور اس سے کلام کرنے کا ثبوت موجود ہے۔

پس مختار مدعیہ کا اس آیت کے متعلق ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں یہ کہنا کہ ایسا موت کے وقت ہوتا ہے۔ قابل التفات نہیں ہے اور اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کامل راست بازوں پر خدا تعالیٰ کے فرشتے خوشخبری لے کر نازل ہوتے ہیں اور آپ کو خدا تعالیٰ کی حمایت ونصرت کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔

پانچویں آیت: ’’قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران)‘‘
یہ آیت پیدائش انسان کی اصل غرض اور فطرت انسانی کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیتی ہے اور انسان اور اس کے خالق میں محبت وتعشق کا رشتہ ہونا چاہئے۔ پہلے انسان خدا تعالیٰ کا سچا عاشق بنے اور ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر محبت دو ہی ذریعوں سے پیدا ہوتی ہے۔ دیدار سے یا گفتار سے۔
لیکن جب ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نصیب نہ ہوئی۔ دیدار تو اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے وراء الوراء ہونے کی وجہ سے اس عالم میں نہیں ہوسکتا اور گفتار اس لئے کہ اس کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد منقطع ہوگیا تو عاشق الٰہی بننے کے لئے کون سی صورت رہے گی۔ کوئی کس طرح اللہ کا عاشق بنے گا اور منازل عشق میں مصائب کے جو مہیب پہاڑ اور ہولناک دریا حائل ہیں وہ کس طرح طے ہوسکیں گے۔
مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے کہ پھر وحی نبوت صحابہ پر بھی ہونی چاہئے۔ حالانکہ اس موقع پر بحث اس امر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیر تشریعی ہوسکتی ہے یا نہیں۔
چھٹی آیت: ’’ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لایستجیب لہ الیٰ یوم القیامۃ وھم من دعآئھم غافلون (احقاف)‘‘
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سچے خدا کی یہی نشانی قرار دی ہے کہ وہ بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ لیکن معبودان باطلہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ لوگوں کی پکار کا جواب دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے جس سے وہ وجود باری تعالیٰ کے متعلق درجہ حق الیقین تک فائز ہوں۔ یعنی انہیں اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ حق الیقین حاصل ہوجائے۔
اس آیت کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے کہ ’’یستجیب‘‘ کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ جواب دینے کے نہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ’’یستجیب‘‘ کے معنی جواب دینے کے عربی زبان میں بکثرت آتے ہیں۔ چنانچہ کعب بن سعد الغنوی کا شعر ہے:

وداع دعایا من یجیب الی القدمی   فلم یستجیبہ عند ذالک مجیب

(ابن جریر ج۲ ص۹۳)
اس شعر میں ’’لم یستجیبہ‘‘ کے معنی ’’اسے جواب نہ دیا۔‘‘ کے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس آیت میں بھی ’’یستجیب‘‘ کے معنی جواب دینے ہی کے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر میں اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے: ’’لایستجیب لہ الیٰ یوم القیامۃ یقول لایجیب دعاہ ابدا لانھا حجر وخشب اونحو ذٰلک‘‘
(ابن جریر ج۲۶ ص۳) یعنی وہ اس کی پکار کا کبھی جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ پتھر ہیں یا لکڑی وغیرہ ہیں اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اس آیت میں ’’یستجیب‘‘ کے یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’اور کون شخص ہے بہت گمراہ اس شخص سے کہ پکارتا ہے۔ سوائے خدا کے اس شخص کو کہ نہ جواب دے اس کو دن قیامت تلک۔‘‘ کیا مختار مدعیہ کے اس قسم کے اعتراضات سے جو اس نے گواہان مدعا علیہ کے استدلالات پر کئے ہیں۔ علم قرآن سے اس کی محرومی ظاہر نہیں ہوتی۔
ساتویں آیت: ’’الم یروا انہ لایکلمھم ولایھدیھم سبیلا اتخذوہ وکانوا ظالمین (اعراف:۱۴۸)‘‘
اسی طرح فرمایا: ’’لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لایستجیبون لھم بشیٔ (رعد:۱۴)‘‘
اسی طرح فرمایا: ’’ان تدعوھم لایسمعوا دعآءکم ولوسمعوا ماستجابوا لکم (فاطر:۱۴)‘‘
اسی طرح فرمایا: ’’وان تدعوھم الی الھدیٰ لایتبعوکم سوآء علیکم ادعوتموھم ام انتم صامتون (اعراف:۱۹۳)‘‘

ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے معبودان باطلہ کی الوہیت کے بطلان کے اظہار کرنے کے لئے ان کے معبودان کے غیر متکلم ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے اوران کے عدم تکلم کوان کی موت اورعدم الوہیت پردلیل ٹھہرایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے اپنے متکلم ہونے کو اپنی حیات اور حقیقی الہ ہونے کا ثبوت گردانا ہے اور یہ دلیل قطعی ہے۔ اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تکلم ہر زمانہ میں اپنا جلوہ دکھاتی رہے گی۔

آٹھویں آیت: ’’اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (فاتحہ:۵،۶)‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو ترغیب دلائی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے ’’منعمین علیھم‘‘ کے مقامات عطاء کئے جانے کے طلب گار ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ مقامات عطا کرے گا اور وہ مقامات نبوت اور صدیقیت اور شہادت اور صالحیت کے ہیں۔ جب وہ مقامات اورمراتب امت محمدی کو ملیں گے تو لازمی طور پر مکالمہ الٰہیہ اور وحی کے جو انعامات پہلی امتوں کے حامل افراد پر ہوئے۔ اس امت کے حامل افراد بھی اس سے متمتع ہوں گے۔

نویں آیت: ’’کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (آل عمران:۱۱۰)‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر الامم قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو کوئی لقب دینا بلامعنی نہیں ہوسکتا۔ کوئی عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکتی کہ امت محمدیہ ہو تو خیر الامم۔ لیکن وہ ان مقامات سے جو پہلی امتوں پر ہوئے۔ محروم ہو، افسوس کہ امت محمدیہ میں بقاء وحی کے منکرین نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں کو بھی مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو تو پھر یہ امت کیسی بدقسمت اور بے نصیب ہے کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ سنتا رہے گا۔ ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کوئی دلیل ہوسکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سننے کی طرح بولنے کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا۔ جن سے اللہ تعالیٰ مکالمات ومخاطبات کرتا رہے گا۔ اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سید ومولیٰ آنحضرت ﷺ کے مکالمات الٰہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے کہ ’’علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل‘‘ یعنی میری امت کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں اور حدیث میں بھی علماء ربانی کو ایک طرف امتی کہا ہے اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ پس امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مستلزم ہے۔ اس بات کو کہ امت کے کامل افراد وحی الٰہی کے فیض سے مستفیض ہوں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امت محمدیہ کے کاملین کو بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ’’بعد تسلیم اس امر کے کہ خدا تعالیٰ بعض وجوہ سے اطلاع غیب غیر نبی کو بھی دیتا ہے اور یہ امر پہلی امتوں میں بشہادت قرآن پایا گیا ہے۔ اس امت مرحومہ کے لئے اس شرف کے حصول پر ہمارے پاس کوئی خاص نص قرآن یا حدیث نہ بھی ہو تو ہم کو حصول اس شرط کے ثابت کرنے کے لئے ایک وہ آیت جس میں اس مرحومہ امت کو خیر امت ٹھہرایا گیا ہو اور ایک وہ حدیث جو اس آیت کی تفسیر ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ تم نے (اے امت محمدیہ) ستر امتوں کو پورا کیا ہے اور تم ان سب سے اللہ کے نزدیک بہتر اور باعزت ہو کافی دلیل ہے۔ ومع ہذا بالفعل! ہم ایک خاص حدیث حصول اس شرف کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرین مخالفین اس حدیث کا ثبوت اس مدعا کے لئے ناکافی ہونا ثابت کریں گے؟　(اشاعۃ السنہ نمبر۷ ج۷ ص۲۰۵،۲۰۶)

پس گیارہ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت کو مسئلہ وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے لغو و باطل ہے۔

مختار مدعیہ نے ۱۱، ۱۲؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ جن آیات سے وحی یا نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ان آیات کی یہ تفسیر پہلی کسی نے نہیں کی۔ اس لئے ان سے وحی یا نبوت کے بقاء پر استدلال کرنا تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں کچھ مختار مدعیہ کے جواب میں ابھی میں نے بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیروں کے حوالے نقل کئے ہیں۔ لیکن اصولاً یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلی تفسیروں میں سے ان کے معنی نقل کئے جائیں۔ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اسی کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے جو تفسیریں ان آیات کی پیش کی ہیں وہ قواعد عربیت اور قرآن وحدیث کی رو سے بالکل صحیح ہیں۔ اور مختار مدعیہ کی طرف سے ان کی کوئی تغلیط نہیں کی گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کے معارف اور عجائب کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ بعض الفاظ حدیث: ’’مرفوعہ مثل لایشبع منہ العلماء ولایخلق عن کثرۃ الرد ولاتنقضی عجائبہ‘‘ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کسی آیت کی تفسیر مجرد اس وجہ سے تفسیر بالرائے نہیں کہلا سکتی کہ وہ تفسیر گزشتہ مفسرین میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔ گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۴؍اگست کو اس حدیث کے متعلق بجواب جرح یہ کہا تھا کہ اس کی سند مجہول ہے۔ اس واسطے قابل اسناد نہیں ہے۔ لیکن یہ امر اس نے محض اپنے بچاؤ کی غرض سے پیش کیا تھا۔ ورنہ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ اس حدیث کے متعلق ذرہ بھی گنجائش کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو اس سے بے خبری نہیں ہوسکتی کہ (تحذیر الناس ص۱۱) میں حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ جب کہ مختار مدعیہ کے اس باطل خیال کی تردید میں بھی کہ کسی امت کی ایسی تفسیر کو جو مفسرین گزشتہ میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی ایسی تفسیر جو قواعد عربیہ کے مطابق ہو۔ اگرچہ پہلے کسی مفسر نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرائے نہیں کہلائے گی۔ چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں: ’’اب یہ گزارش ہے کہ ہر چند آیت: ’’اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت‘‘ کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ لکھی ہو تو کیا ہوا۔ معنی مطابق اگر اس احتمال پر منطبق نہ ہو تو البتہ گنجائش تکفیر ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ موافق حدیث: ’’من فسر القرآن برأیہ فقد کفر‘‘ سے یہ شخص کافر ہوگیا۔ پھر اس صورت میں یہ گناہ گار تنہاء کافر نہ بنے گا۔ یہ تکفیر بڑے بڑوں تک پہنچے گی۔‘‘ (تحذیر الناس ص۴۰)

اب مختاران مدعیہ کو سوچنا چاہئے کہ مولوی صاحب نے جب ایک آیت کی ایسی تفسیر کی جو سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کی تھی اور لوگوں نے ان کی اس بناء پر تکفیر کی اور کہا کہ تمہاری یہ تفسیر ایجاد بندہ ہے اور پہلے کسی نے نہیں کی تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہوا کیا۔ اگر پہلے کسی نے یہ تفسیر نہیں کی۔ جب معنی مطابقی اسی احتمال پر منطبق ہیں تو یہ تفسیر بالرائے کیسے ہوگئی اور اگر یہی تفسیر بالرائے موجب کفر ہے تو پھر بڑوں بڑوں کو بھی کافر ماننا پڑے گا۔ کیونکہ وہ بھی ایسی تفسیریں کرتے رہے ہیں جو ان سے پہلوں نے نہیں کی تھیں۔

پس اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جو آیات گواہان مدعا علیہ نے وحی اور نبوت کے بقاء کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ ان سے پہلے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا تو پھر بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور یہ اعتراض بھی کہ اگر ان آیات سے یہ استدلال صحیح ہے تو پھر وحی شریعت جدیدہ ونبوت مستقلہ بھی جو بالاتفاق فریقین بند ہے۔ جاری ماننی پڑے گی، قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات سے محض مکالمہ الٰہیہ کا وجود اور نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسری آیات مثل خاتم النّبیین اور آیت: ’’الیوم اکملت لکم دینکم‘‘ اور آیت: ’’من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النّبیین والصدیقین والشہدآء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا‘‘ بتارہی ہے کہ وحی شریعت جدیدہ اور نبوت مستقلہ کا دروازہ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہے۔

(۴) دلائل بقائے وحی ازروئے احادیث نبویہ

مسلم کی حدیث میں آنے والے مسیح کے متعلق صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وحی کرے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’بینما ھو کذالک اذا وحی اللہ الٰی عیسٰی انی قد اخرجت عباداً لی لایدان بقتالھم لاحد فاحرز عبادی الی الطور‘‘　(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص۴۷۶، مطبوعہ مجتبائی)

اوراس حدیث کا مفہوم حضرت مسیح موعود نے یہ بیان کیا کہ وہ اقوام یاجوج وماجوج سے جنگ نہیں کرے گا۔ بلکہ مومنوں کوطور کی طرف جمع ہونے کا ارشاد کرے گا اورظاہر ہے کہ طور ایک چھوٹی سے پہاڑی ہے جس پر تمام بندگان الٰہی کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اس جگہ طور سے مراد مقام تجلیات الٰہیہ ہے۔ یعنی مسیح موعود مسلمانوں کو دین کی طرف توجہ دلائے گا وہ حقیقی مؤمن اورخدا تعالیٰ کے بندے بنیں تاکہ وہ مورد تجلیات الٰہیہ ہوں اور خداوند ان کے ساتھ ہو اور ہر جگہ ان کو غلبہ عطاء کرے۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کو وحی ہوگی۔ چنانچہ اکابر علمائے سلف نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ مسیح موعود پر وحی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ گواہ نمبر۳ نے بھی ۱۹؍اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا اور مختار مدعیہ کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود نے نواس بن سمعان کی اس حدیث کو مجروح قرار دیا ہے کہ اگر یہ حدیث تسلیم بھی کرلی جائے تو اس میں وحی کا لفظ بمعنی الہام ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ اوّل تو حضرت مسیح موعود نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ: ’’یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے کہ انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے اور نواس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استعارات وکنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔‘‘　(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۲۳۷،۲۳۸، خزائن ج۳ ص۲۲۰)

اورخصوصاً اس کے فقرہ متنازعہ فیہ کو اپنی کتب میں صحیح سمجھ کر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا۔ اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

’’اخرجت عباداً لی لایدان بقتالھم لاحد فاحرز عبادی الی الطور‘‘

یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے بندے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں۔ (یعنی یورپ کی قومیں) کہ کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو ان سے جنگ نہ کر بلکہ میرے بندوں کو طور کی پناہ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی اور روحانی نشانیوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے۔‘‘　(مضمون چشمہ معرفت ص۲۶، خزائن ج۲۳ ص۳۹۷)

اوراگر یہ نہ بھی ہوتا تو بھی چونکہ فریق مدعیہ کو اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں ہے۔ اس لئے گواہان مدعا علیہ اس کو بطور حجت ملتزمہ فریق مدعیہ کے مقابلہ میں عقلاً وقانوناً وشرعاً پیش کر سکتے ہیں اور یہ کہنا کہ برتقدیر تسلیم وحی کے معنی الہام کے ہیں۔ علماء سلف صالحین کے معنی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ (روح المعانی ج۷ ص۶۵) کے حوالہ سے گواہان مدعا علیہ اپنے بیانوں میں بتاچکے ہیں کہ یہ وحی جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان پیغمبر ہے اور حدیث: ’’لا وحی بعدی‘‘ باطل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور غالباً اس شخص کی مراد بھی جس نے مسیح علیہ السلام پر آپ کے نزول کے بعد وحی کی نفی کی ہے۔ وحی تشریع سے ہے اور جس وحی کا یہاں ذکر ہے۔ اس میں تشریع نہیں ہے اور روح المعانی مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلمات سے ہے اور یہی بات حجج الکرامہ میں لکھی ہے۔

دوسری حدیث

ابن ابی الدینا نے کتاب الذکر میں حضرت انس سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابی بن کعب نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہوں گا اور نماز پڑھوں گا اور خدا تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا، جو کسی نے نہ کی ہو۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے اگر میری امت میں کوئی محدث ہو تو وہ عمرؓ ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ کو ان کے محدث اور متکلم ہونے میں کوئی تردد تھا۔ کیونکہ آپ کی امت افضل الامم ہے اور جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ پائے گئے تو امت محمدیہ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں زیادہ رتبہ میں بلند پایا جانا زیادہ مناسب اور ضروری ہے۔ بلکہ یہ جملہ تاکید اور یقین کر کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے اور اس جملہ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وہ ذی فہم انسان پر مخفی نہیں اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ اگر کوئی میرا دوست ہے تو وہ فلاں ہے تو ایسے جملہ سے قائل کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں شخص میرا پکا دوست ہے۔

ان تینوں حدیثوں سے صاف طور پر یہ ثابت ہے کہ آنے والے مسیح پر وحی نازل ہوگی اور ان کے علاوہ بھی کاملین افراد محمدیہ پہلی امتوں کے کامل افراد کی طرح مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں گے۔

گواہ مدعیہ نے اپنے بیانوں میں انقطاع وحی کے متعلق ایک حدیث بھی پیش نہیں کی ہے۔ لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کو عدالت میں بحث کرتے ہوئے علانیہ یہ غلط بیانی کی کہ گواہان مدعیہ نے انقطاع وحی کے متعلق پچیس حدیثیں پیش کی ہیں اور مختار مدعیہ نے جو دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک رزین کی (مشکوٰۃ ص ۵۴۸) سے اور دوسری (بخاری ج۱ ص۳۶۰) سے تو ان دونوں حدیثوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیر شرعی منقطع ہے۔

مشکوٰۃ کی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ: ’’**اجبار فی الجاهلية و خوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدين اينقض وانا حی** ‘‘یعنی کیا جاہلیت میں تو جبار تھے اور اب اسلام میں آکر بزدل اور ضعیف بنتے ہو۔ یاد رکھو وحی منقطع ہوگئی کہ دین پورا ہوگیا۔ کیا دین میں کمی بیشی کی جائے گی اور میں زندہ ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وحی سے مراد شرعی وحی ہے جو پہلے دین کو یا اس کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی ہے۔ بس جب وہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے لئے بیٹھے۔

’’**اذاهو بصوت عال من خلف اللهم لک الحمد كله وبيدک الخير كله واليک يرجع الامر كله...... فاتی رسول الله ﷺ فقص عليه فقال ذلک جبرئيل**‘‘ (روح المعانی ج۷ ص۶۴)

یعنی اس نے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی جس کے یہ الفاظ تھے: ’’**اللهم لک الحمد الی آخره** ‘‘پھر ابی بن کعب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر بھی جبرئیل کا نزول ہوتا تھا۔

تیسری حدیث

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ’’**عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لقد كان فی قبلكم من الامم محدثون فان يک فی امتی احدفانه عمر**‘‘ (متفق علیہ مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی ص۵۵۶)

اسی طرح فرمایا: ’’**لقد كان فيمن قبلكم من بنی اسرائيل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء فان يک فی امتی منهم احد فعمر**‘‘ (بخاری کتاب الفضائل، فضائل عمر)

کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں اور بنی اسرائیل میں ایسے اشخاص بھی ہوئے جن سے خداتعالیٰ ہم کلام ہوا ہے۔لیکن وہ نبی نہ تھے۔ایسے اشخاص میری امت میں سے بھی ہوں گے جن میں سے ایک عمر ہے اور محدث کی تشریح آنحضرتﷺ نے یہ کی ہے۔ ’’قال یتکلم الملآئکة علی لسانه‘‘ (طبرانی اسنادہ حسن،تاریخ الخلفاء ص۱۱۸،مطبوعہ مصر)

یعنی فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں امام ملّا علی قاری یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ محدث سے کیا مراد ہے۔لکھتے ہیں:’’اللهم المبالغ فیه الذی انتهی الی درجة الانبیاء فی الالهام ‘‘یعنی محدث سے ایسا ملہم مراد ہے جو الہام میں انبیاء کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو اور فرماتے ہیں:’’فان یک فی امتی احد فهو عمرلم یرد هٰذا القول مورد التردد قال امته افضل الامم واذاکانوا موجودین من غیر هم من الامم فبالحری ان یکونوا فی هٰذه الامة اکثر عددا واعلٰی رتبة وانما ورد مورد التاکید والقطع، ولایخفی علی ذی الفهم محله من المبالغة. کمایقول الرجل ان یکن لی صدیق فانه فلان یرید بذالک اختصاصه بالکمال فی صداقته‘‘ (مرقاۃ ج۵ص۵۳۱)

رہی بخاری کی حدیث تو اس میں بھی وحی کے انقطاع سے مراد قرآن کی وحی کا انقطاع ہے جو آنحضرتﷺ پر نازل ہوتی تھی جس میں احکام اور منافقوں کے نفاق اور مؤمنوں کے ایمان کی حالت کا اظہار ہوتا تھا۔چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:’’ان اناسا کانو ایوخذون بالوحی فی عهد رسول اللهﷺ وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الان بما ظهران من اعمالکم‘‘

یعنی آنحضرتﷺ وفات پاگئے۔اب تو ہم تمہارے اعمال کی بناء پر ہی مواخذہ کریں گے اور جو کسی کے دل یا نفس میں ہوگا۔ اس کے مطابق محاسبہ نہیں کریں گے۔اس کا محاسب اللہ تعالیٰ ہوگا۔پس اس حدیث میں خاص وحی کے انقطاع کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرتﷺ پر نازل ہوتی تھی۔

(۵) عقیدہ سلف صالحین بقائے وحی غیرتشریعی کے خلاف نہیں

گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں قرآن وحدیث سے امت محمدیہ میں وحی الٰہی کے بقاء کے ثبوت پیش کرنے کے بعد سلف صالحین کے وہ اقوال پیش کئے ہیں جن میں انسان سے آنحضرتﷺ کے بعد وحی غیرتشریعی کا دروازہ کاملین امت محمدیہ کے لئے کھلا ہونا تسلیم کیا ہے اور نزول وحی تشریعی کو ممنوع قرار دیا ہے۔اس کے لئے ملاحظہ ہو۔گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ کا بیان۔

اب میں مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں پر نظر کرتا ہوں جو اس نے سلف صالحین کے ایسے اقوال پر کئے ہیں جن سے امت محمدیہ کے لئے وحی غیرتشریعی کا باقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ فتوحات مکیہ

گواہان مدعاعلیہ نے امت محمدیہ میں بقائے وحی غیرتشریعی کے متعلق (فتوحات مکیہ ج۲ص ۴۱۶،۴۱۷) کا جو حوالہ پیش کیا تھا اور جس کا ترجمہ گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱راگست کی بجواب جرح یہ کیا ہے۔

جو وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی۔یعنی آپ کے قلب پر تو آپ پر ایک حرارت سی ہوجاتی تھی جس کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ سخت ہوتی تھی اور اس کی وجہ سے مزاج منحرف ہوجاتا تھا۔یہاں تک کہ وہ حالت آپ سے جاتی رہتی اور آپ خبر دیتے۔اس چیز کی جو آپ کو دی جاتی اور یہ تمام اقسام وحی موجود ہیں۔اب بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اور وہ وحی جس کے ساتھ نبی مختص ہے وہ تشریعی وحی

ہے کہ حلال کرے اور حرام کرے۔‘‘

حوالہ مذکورہ کے اس ترجمہ سے جو گواہ مدعیہ نمبر۱ کا کیا ہوا ہے۔ بڑی صفائی سے ظاہر کیا ہے کہ آیت: ’’وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن ورآء حجاب او یرسل رسولا (الشوریٰ)‘‘ میں جو اقسام وحی بیان کئے گئے ہیں اور جن طرق سے آنحضرت ﷺ کو وحی ہوتی تھی وہ تمام اقسام وحی اب بھی اولیاء اللہ میں مانے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ولی کو وحی تشریعی جس میں تحلیل وتحریم ہو، نہیں ہوتی۔ کیونکہ تحلیل وتحریم نبوت کے ساتھ مختص ہے۔ یہ بیان اپنے مطلب کے اظہار میں کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے اور اس میں نہایت صراحت سے وحی تشریعی کے سواء تمام اقسام وحی کا اولیائے امت محمدیہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کیسی عجیب جسارت ہے کہ مختار مدعیہ نے اس بیان کو بھی اپنے مفید مدعا ظاہر کرنے میں کوئی تأمل نہیں کیا اور ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ حضرت شیخ اکبر نے وحی تشریح کو انبیاء کے ساتھ مختص کیا ہے جو ہمارے مدعا کے مؤید ہے۔ حالانکہ مختار مدعیہ کا حضرت شیخ کے اس بیان کو اپنے مدّعا کے مؤید کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی قائل الوہیت وابنیت مسیح کا سورہ اخلاص کے ترجمہ کو اپنے مفید مطلب کہنا۔ کیونکہ علاوہ انتہائی صفائی وصراحت کے جو حضرت شیخ اکبر ابن عربی نے اس بیان میں اختیار کی ہے۔ لفظ تشریعی کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ’’فلا یشرح الانبی ولا یشرح الارسول خاصة فیحلل ویحرم ویبیح‘‘

یعنی نبی اور رسول کی تشریح سے مراد کسی چیز کو حلال اور کسی کو مباح وغیرہ قرار دینا ہے۔ پس ایسی وحی کے بقا کے تو ہم بھی قائل نہیں جس میں نئے احکام تحلیل وتحریم کے پائے جاتے ہیں اور نہ ہم ایسی نبوت ہی کے قائل ہیں اور اسی قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق الکبریت الاحمر میں عبارت ہے۔ ورنہ دوسری قسم کی وحی جس میں نئے اوامر تحلیل وتحریم کے نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ہوئی۔ فتوحات مکیہ اور الکبریت الاحمر کی عبارت سے ظاہر ہے۔

اور گواہ مدعیہ نمبر۳ بھی ۲۹؍اگست کو بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں ان کی وحی تو وحی نبوت ہوگی۔ اس کے سوا جو وحی ہے وہ نبوت نہیں ہے۔ گو لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا یا اسی قسم کے اور امور کی نسبت سے کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ لیکن نفس مکالمہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں آتا۔ یعنی جو کلام کسی نبی پر نازل ہو وہ بھی خدا کا کلام ہوتا ہے اور جو کلام کسی نبی کے کامل متبع پر نازل ہوتا ہے وہ بھی خدا ہی کا کلام ہے اور یہ مختار مدعیہ کے فریق مقابل یعنی احمدیوں کے عقائد سے بالکل ہی مطابق ہے۔ ہاں! مختار مدعیہ کی اس توجیہہ نے گواہان مدعیہ کے بیانات کا ضرور قلع قمع کر دیا ہے۔ کیونکہ مختار مدعیہ نے تو حضرت مجدد الف ثانی کے اس حوالہ کو اپنے مدعا کا مثبت قرار دیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ نمبر۳ مؤرخہ ۲۹؍اگست کو بجواب جرح کہہ چکا ہے کہ (مکتوبات امام ربانی ج۲ مکتوب نمبر۹۹، مکتوبات ص۵۱) میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت نہیں اور ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ دونوں کے لئے یہ کہنے کا موقع ہے۔

زخمی کرے مجھ کو میری آہ دل خراش	میرا ہی تیر میرے کلیجے کے پار ہو

گواہ مدعیہ نے تو مکتوبات کے مذکورہ حوالہ کو یہ کہہ کر کہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہنے کے بعد بھی کہ ہمارے لئے یہ مثبت مدّعا ہے۔ غلط توجیہہ کر کے ٹال دینا چاہا ہے۔ مگر ان دونوں کے مسلّم مقتداء وپیشواء جناب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کا جو حوالہ گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔ وہ ان دونوں کے خلاف احمدیوں کی تائید اور حوالہ مکتوب امام ربانی کی تصدیق کر رہا ہے اور جس کو دیکھنے کے بعد ایک منصف مزاج انسان کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جن طرق سے انبیاء کو وحی اور الہام اور مکالمہ الٰہیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ بعینہٖ انہی سے اولیاء اللہ کو ہونا بھی ثابت ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے اور یہ علماء کی اپنی خودساختہ اصطلاح ہے۔ ’’ولکل ان یصطلح‘‘

۴...... اور (تفسیر روح المعانی ج۷ ص۶۵) سے بھی صاف منقول ہے کہ مسیح علیہ السلام پر نزول کے وقت بذریعہ جبرئیل وحی ہوگی اور وہ وحی باوجود ان کے نبی اور رسول ہونے کے غیرتشریعی ہوگی۔ پس اس سے بھی آنحضرت ﷺ کے بعد نبی پر غیرتشریعی وحی ہونی ثابت ہے۔

اور اسی طرح گواہ نمبر۴ نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حدیث میں جو وحی کا ذکر آیا ہے۔ وہ مسلم ہے۔ مگر اس سے تبلیغی وحی مراد نہیں ہے اور اس نے حدیث مسلم جس میں وحی کا ذکر ہے...... کو صحیح تسلیم کیا ہے اور بجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے۔ ہر رسول پر غیرتبلیغی وحی کے نزول کو انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ سمجھ نہیں آیا کہ غیرتبلیغی سے گواہ کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ حدیث میں جس وحی کا ذکر ہے کہ میرے بندوں کو طور پر جمع کرو۔ اب اگر مسیح موعود یہ وحی لوگوں کو پہنچائے گا نہیں تو انہیں جمع کیسے کرے گا؟

بہرحال یہ وحی تبلیغی تو ہوگی۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں گواہ کی مراد تبلیغی وحی سے یہ ہے کہ تشریعی نہ ہوگی جس میں نئے احکام اور نواہی ہوں۔

(فتوحات مکیہ ج۲ ص۹۹) کے حوالہ کے متعلق بھی جس میں کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے صریح طور پر ظاہر کیا ہے کہ جو مکالمہ الٰہیہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہی ان کے بعض کامل متبعین کے لئے بھی بطور اتباع اور وراثت کے ہو جاتا ہے۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ یہ حوالہ بھی ہمارے مثبت مدعا ہے۔ کیونکہ مجدد صاحب نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے وہ وحی ہے جو محدثین پر ہوتی ہے اور وہ وحی الہام ہے وحی نبوت نہیں۔

مختار مدعیہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے بیان کی جو یہ نئی توجیہ کی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جس کلام الٰہی کا ذکر کیا ہے وہ کلام ہے تو وحی الٰہی ہے جو محدثین پر نازل ہوتی ہے اور جو وحی محدثین پر نازل ہوتی ہے وہ وحی الہام ہوتی ہے وحی نبوت نہیں ہوتی۔ اس عجیب وغریب توجیہ سے فریق مقابل کا تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ جس کلام الٰہی کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے۔ مختار مدعیہ خواہ اس کلام کا نام محدثین پر نازل ہونے والی وحی رکھے۔ خواہ اس کی وحی الہام کے موجب تفرع نام سے نامزد کرے، خواہ اور کچھ کہے۔ بہرحال حضرت مجدد صاحب کے مضمون مکتوب مندرجہ بالا سے روز روشن کی طرح سے یہ ظاہر ہے کہ جس کلام کا آپ نے اس موقع پر ذکر فرمایا ہے۔ انبیاء پر بھی وہی نازل ہوتا ہے اور جو مکالمہ ومخاطبہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح کا اس کے کامل متبعین کو بھی ہوتا ہے۔

۵...... مختار مدعیہ نے حجج الکرامہ کے اس حوالہ پر ''ظاہر است کہ آرندہ وحی بسوئے او جبرئیل علیہ السلام باشد بلکہ ہمیں یقین داریم ودرآن تردد نمی کنیم'' ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ یہ حوالہ غیرمسلم ہے۔ کیونکہ نواب صدیق حسن خان صاحب متشدد غیرمقلدین سے نہیں اور حنفیوں کو وہ مشرک سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے حوالے کے متعلق باوجود گواہ کے یہ کہہ دینے کے کہ مکتوب کا حوالہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ مختار مدعیہ کے اس حوالہ کی بابت یہ کہنا کہ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہے، نادانستگی سے نہیں۔ بلکہ دیدہ دانستہ تھا اور وہ گواہان مدعیہ کی شہادت کو غلط اور انہیں کم علم اور اپنے آپ کو ذی علم ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ نواب صدیق حسن صاحب کو میں مسلمان سمجھتا ہوں اور ان کی کتاب حجج الکرامہ میں ظاہر است سے عبارت ہے۔ پس گواہ مدعیہ تو انہیں مسلمان تسلیم کر کے یہ نہیں کہتا کہ ان کا قول ہمیں مسلم نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے کہ چونکہ وہ حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں اس لئے ان کا قول غیرمسلم ہے اور مختار مدعیہ یہ کہہ کر صرف گواہ مدعیہ نمبر۱ کی شہادت ہی کو بے وقعت نہیں بنا رہا ہے۔ بلکہ اپنے سب سے بڑے پیشواء ومقتداء اور اپنے خاتم المحدثین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر بھی اپنی فوقیت جتلا رہا ہے۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب، نواب صدیق حسن صاحب کو مرحوم اور رئیس عاملین بالحدیث قرار دیتے ہیں اور دیگر مفسرین عظام کے ساتھ ان کا

ذکر کرتے ہوئے ان کے قول سے سند پکڑتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ’’اور مولوی صدیق حسن خان مرحوم رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہا تفاسیر میں یہ معنی اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔ (سبیل الرشاد ص ۳۶)

اور (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل حاشیہ ص ۱۰۳) میں لکھا ہے: ’’نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔ خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہو نہ عجمی اور نثر ہو نہ نظم۔ سلف سے یہی طریق چلا آرہا ہے۔‘‘

اور (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۰۵) میں ہے۔ مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی روضۃ الندیہ شرح درالبہیہ میں فرماتے ہیں اور (فتاویٰ حصہ سوم ص ۵۵) میں ہے: ’’چنانچہ مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المومنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔ لیکن معنی اس کے صحیح ہیں۔‘‘

مختار مدعیہ نے گواہان مدعیہ کی شہادت کو قابل استناد بنانے کے رد کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ کیونکہ دربار معلیٰ نے اپنے اس فیصلہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ علمائے اسلام کی رائے حاصل کرنی چاہئے۔ لیکن عاملین بالحدیث جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے، ان کے رئیس نے گواہان مدعیہ کو جو حنفی مذہب ہونے کے مدعی ہیں، مشرک قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ مشرک ہوں وہ علمائے اسلام کیونکر ہوسکتے ہیں۔ علماء اسلام سے وہی علماء مراد لئے جاسکتے ہیں جن کو تمام مسلمانوں کے فرقے علماء اسلام سمجھتے ہوں۔ مگر جو مدعیہ کی طرف سے گواہ پیش کئے گئے ہیں۔ ان سب کی بابت رئیس عاملین بالحدیث کا یہ فتویٰ ہے کہ وہ مشرک ہیں۔ لہٰذا ان کی شہادت رد کر دینے کے لائق ہے۔ مختار مدعیہ نے نواب صدیق حسن خان صاحب کے اس قول کو ’’مسیح موعود پر وحی لانے والا یقیناً جبرئیل ہے‘‘ انہیں غیرمقلد بتاکر ٹال دینا چاہا تھا۔ لیکن ہم نے دکھا دیا ہے کہ وہ پہلے غیرمقلد ہیں جن کے اقوال مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوے میں بطور سند پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن اسی پر بس نہ کریں ہم حضرت امام ملّا علی قاری مسلم حنفی علامہ کا قول بھی پیش کئے دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں: ’’**ثم الظاهر ان الجائی الیه بالوحی هو جبرئیل هوالذی نقطع به ولانتردد فیه لان ذالک وظیفته وهو السفیر بین الله وبین انبیائه واما ماشتهر علی السنة العامة ان جبرئیل لاینزل الی الارض بعد موت النبی ﷺ فلااصل له**‘‘ (کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ علامہ السید الشریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی ص ۳۲۷)

یعنی ظاہر یہی ہے کہ مسیح کے نزول کے بعد ان کی طرف وحی لانے والا جبرئیل ہے۔ بلکہ اس پر ہم یقین رکھتے ہیں اور ہم اس میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ اس کا وظیفہ ہے اور وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہے اور عامۃ الناس کی زبان پر جو یہ مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ملّا علی قاری کے بتائے ہوئے انہیں حوالہ سے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نمبر۴ بھی ہے جس نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح کہا: ’’جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے بعد کسی شخص پر نازل نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے۔‘‘

امام ملّا علی قاری نے بعینہٖ وہی الفاظ کہے ہیں جو مؤلف حج الکرامہ نے کہے ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے وہ عربی میں ہیں اور یہ فارسی میں۔

لیکن ہمیں کامل یقین ہے کہ اب مختار مدعیہ اپنی تقلید کا یوں ثبوت دے گا کہ وہی بات جو ایک غیرمقلد کی طرف سے ہونے کی وجہ سے غیرمسلم تھی۔ اب ایک مسلم حنفی امام کے کہنے کی وجہ سے قابل تسلیم ہو جائے گی۔ ورنہ اس عقیدہ کی وجہ سے ان سب کو کافر ماننا پڑے گا۔

پس سلف صالحین کے اقوال سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیرتشریعی جاری ہے اور صرف وحی تشریعی بند ہوئی ہے۔

(۶) حضرت مسیح موعود کے نزدیک صرف تشریعی وحی بند ہے

گواہان مدعیہ نے اپنے بیان میں ازالہ اوہام اور حمامۃ البشریٰ کے بعض حوالہ جات پیش کئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہے۔ لیکن ہر ایک شخص جو ان تحریروں کا غور سے مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ اس وحی سے حضرت مسیح موعود کی مراد شریعت والی وحی یا نبی مستقل کی وحی ہے جو بغیر آنحضرتﷺ کی اتباع کے ہو۔ چنانچہ آپ ازالہ اوہام ہی میں فرماتے ہیں: ''اے غافلو! اس امت مرحومہ میں وحی کی تالیاں قیامت تک جاری رہیں مگر حسب مراتب۔'' (ازالہ اوہام ص۲۲، خزائن ج۳ ص۳۲۱)

اور اس سے بھی پہلی کتاب (توضیح مرام ص۱۸، ۱۹، خزائن ج۳ ص۶۰) پر فرماتے ہیں: ''اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ اس پر مہر لگ چکی ہے تو میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے۔''

اور اسی ص پر آپ فرماتے ہیں: ''میں محدث ہوں اور خداتعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔''

اور محدث کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں: ''رسول اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی بھی دخل شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے۔''
(توضیح المرام ص۱۹، خزائن ج۳ ص۶۰)

اسی طرح (کشتی نوح ص۲۲، خزائن ج۱۹ ص۲۴ حاشیہ) پر فرماتے ہیں: ''قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔''

اسی طرح اسی ص میں فرماتے ہیں: ''یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا۔ بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اتر چکا اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر روح القدس کے اترنے کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو۔ جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان! اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا۔'' (کشتی نوح ص۲۲، خزائن ج۱۹ ص۲۴، ۲۵)

اسی طرح (استفتاء ص۱۶، خزائن ج۲۲ ص۶۳۷) میں فرمایا ہے کہ: ''ان اللہ سمانی نبیاً بوحیہ'' کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام اپنی وحی میں نبی رکھا ہے اور اس نام رکھنے کی وجہ بتائی ہے کہ خداتعالیٰ نے میری طرف کثرت سے وحی کی اور کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار کیا۔''

اور اسی طرح حمامۃ البشریٰ میں بھی اپنی وحی کو پیش کیا ہے اور آپ نے الہام کا لفظ حسب اصطلاح متقدمین بمعنی وحی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ الہام کی تعریف بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: ''الہام ایک القائے غیبی ہے جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں۔''
(پرانی تحریریں ص۱۵، خزائن ج۲ ص۲۰)

اسی طرح (براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ ص۲۲۰، خزائن ج۱ ص۲۴۳، ۲۴۴) میں لکھتے ہیں: ''لفظ الہام جو اکثر جگہ عام طور پر وحی کے معنوں پر اطلاق پاتا ہے وہ باعتبار لغوی معنوں کے اطلاق نہیں پاتا۔ بلکہ اطلاق اس کا باعتبار عرف علماء کرام ہے۔ کیونکہ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہوگئی ہے کہ وہ ہمیشہ وحی کی خواہ وحی رسالت ہو یا کسی دوسرے پر وحی اعلام ہو نازل ہو، الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔''

پس حضرت مسیح موعود صرف شریعت جدیدہ والی وحی کا انقطاع مانتے ہیں یا اس وحی کا جو کسی مستقل نبی کی طرف ہو، جس کی نبوت آنحضرتﷺ کی اتباع کا نتیجہ نہ ہو۔ چاہے وہ ایک دو فقرے ہی کیوں نہ ہو، اس وجہ سے جہاں آپ نے آنحضرتﷺ کے بعد وحی کے انقطاع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول ماننے والوں کا رد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل نبی تھے۔ ان کی

نبوت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے نتیجے میں نہیں تھی۔ ورنہ مطلق وحی کے بقاء کا دعویٰ اور یہ کہ آپ کو وحی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں لکھا ہے۔

(۷) کیا حضرت مسیح موعود کے نزدیک آپ کی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے

عجب بات ہے کہ فریق مخالف ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کی عبارتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی آنحضرت ﷺ کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے اور دوسری طرف آپ کی کتب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نعوذ باللہ! آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے بالمقابل اور اس کے ہم مرتبہ بتایا ہے۔

اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالے پیش کئے ہیں:

۱...... ''میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکیں۔'' (حقیقت الوحی ص ۱۵۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۴)

۲...... ''میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔'' (حقیقت الوحی ص ۲۱۱، خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۰)

۳...... ''میں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات پر یقین رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی اور جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ وہ اس خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۰)

اب ان تینوں حوالوں کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عبارتوں میں آپ نے اپنی وحی پر ایمان لانے کا اظہار کیا ہے جس طرح وحی قرآن اور دوسری وحیوں پر۔

پس ان عبارتوں سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطان سے پاک و منزہ ہونے پر یقین کامل ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

وحی دلگیرش کہ منظر گاہ اوست　چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

(مثنوی دفتر ۴ ص ۱۵۱)

اور فریق مخالف کا یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے مقابل پر پیش کیا ہے اور اس کو قرآن شریف کی مثل قرار دے کر اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا دعویدار بنایا ہے، سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے کہیں نہیں لکھا کہ میری وحی شرعی اور قرآن کے مثل اور اس کے ہم مرتبہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم النّبیین پر ہوئی۔ ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی اور جو شان قرآن مجید کی وحی کی ہے وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں۔ اگرچہ قرآن کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے معارف و حقائق کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے۔'' (الہدیٰ ص ۳۲، ۳۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۷۶)

اوراسی طرح آپ کی وحیوں کے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے (نزول مسیح ص۱۴۴، خزائن ج۱۸ص۴۹۲) میں فرماتے ہیں: ''کلام الٰہی سے مراد وہی کلام الٰہی ہے جو زمانے کے لئے تازہ طور پر اترتا ہے اور اپنی طبعی خاصیت سے ملہم اور اس کے ہم نشینوں پر ثابت کرتا ہے کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں اور ایسا ملہم طبعاً اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے، من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ گو دوسرے وجوہ سے کچھ فرق ہو۔'' اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنی وحی کو قرآنی وحی میں جابجا قرآنی وحی کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ: ''الخیر کلہ فی القرآن'' (حقیقت الوحی ص۸۲، خزائن ج۲۲ص۸۵)

''الرحمن علم القرآن'' (حقیقت الوحی ص۷۰، خزائن ج۲۲ص۷۳)

اور ''کل برکۃ من محمد ﷺ فتبارک من علم ومن تعلم'' یعنی تمام برکات روحانیہ حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل ہیں۔ (حقیقت الوحی ص۷۰، خزائن ج۲۲ص۷۳)

اور (توضیح مرام ص۲۵، خزائن ج۳ص۶۳،۶۴) میں فرماتے ہیں: ''تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر ایک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصور نہیں اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے اور اس کو ''رأی مارأی'' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور وہم وگمان سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے۔ جس پر تمام سلسلہ انسانین کا ختم ہوگیا ہے اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچتا ہے اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہاء ہے۔

جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد ہے ﷺ جس کے معنی یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا ہے۔ یعنی کمالات تامہ کا مظہر ہو۔ جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ وارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطاء ہوا اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے۔''

۱...... ''اس میں حضرت مسیح موعود نے کھول کر بتادیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وحی کا مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے جو کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔

۲...... اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ آپ کی وحی آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اور محض محبت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الٰہیہ کا اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے کہ بجز سچے نبی کے پیرو کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص۲۷۶، خزائن ج۵ص۲۷۶)

اور فرماتے ہیں: ''دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع کے ہمارے سید ومولیٰ آنحضرت ﷺ کے مکالمات الٰہیہ سے مشرف کرتا ہے۔'' (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۱۸۳، خزائن ج۲۱ص۳۵۴)

اور فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔'' (حقیقت النبوۃ ص۲۶۴ بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ص۲۱۰،۲۱۱)

اور فرماتے ہیں: ''قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے کہ: ''لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا'' اور یہ وعدہ ہے کہ: ''ایدھم بروح منہ'' اور یہ وعدہ ہے: ''ویجعل لکم فرقانا'' اس وعدہ کے مطابق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے اور ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے۔ ان کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جائیں گے یعنی بکثرت دیئے جائیں گے یہ...... اور یہ

فرمایا کہ کامل پیروی کرنے والے کی روح القدس سے تائید کی جائے گی۔‘‘ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۴۰،۴۱، خزائن ج۲۳ ص۴۱۰)

اور فرماتے ہیں: ’’ہماری طرف سے دعویٰ ہے جس کو ہم بمقابل ہر فریق کے ثابت کرنے کو تیار ہیں اور وہی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف و برکات اور علوم میں ہر ایک وحی سے اقویٰ و اعلیٰ ہے۔‘‘ (سرمہ چشم آریہ حاشیہ ص۲۴۹، خزائن ج۲ ص۲۹۸)

اور فرماتے ہیں: ’’ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہ چاہا کہ فیض وحی کی پیروی کے وسیلہ سے ملے اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے۔ ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پاسکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرتﷺ پر ختم ہوگئی۔ مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ انسان کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ تاکہ یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرتﷺ کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے ہیں اور معرفت الٰہیہ جو مدار نجات ہے۔ مفقود نہ ہو جائے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۲۸، خزائن ج۲۲ ص۳۰)

اور فرماتے ہیں: ’’اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس بے شک نبی کے ذریعہ ہمیں میسر آیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم سنوار سکتے ہیں۔ جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۱۶، خزائن ج۲۲ ص۱۱۹)

اور فرماتے ہیں: ’’خداتعالیٰ نے ’’ھدی للمتقین‘‘ میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر اس کی کتاب اور رسول پر کوئی ایمان لائے گا تو وہ مزید ہدایت کا مستحق ہوگا اور خدا اس کی آنکھ ہو جائے گا اور اپنے مکالمات و مخاطبات سے مشرف کرے گا اور بڑے بڑے نشان اس کو دکھائے گا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۳۸، خزائن ج۲۲ ص۱۴۱)

’’وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں۔ وہ سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول پر حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۲۸۴، خزائن ج۲۲ ص۲۸۶)

اور فرماتے ہیں: ’’اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ! آنحضرتﷺ کے مقابل پر کھڑا ہوکر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے جو آنحضرتﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۶۸، خزائن ج۲۲ ص۵۰۳)

ان تمام حوالوں سے جن میں سے اکثر انہی کتابوں سے ہیں جن کی عبارتوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآنی وحی کو سب سے افضل و برتر اور اپنی وحی کو قرآن مجید اور آنحضرتﷺ کی غلامی اور کامل متابعت اور پیروی کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ قرآن مجید پر عمل کرنے کی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’جو لوگ قرآن شریف کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جاوے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں، مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰﷺ۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد مصطفیٰﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔‘‘ (کشتی نوح ص۱۳، خزائن ج۱۹ ص۱۳)

اورفرماتے ہیں: ''تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔کوئی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اورکوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔'' (کشتی نوح ص۲۴، خزائن ج۱۹ص ۲۷)

اورفرماتے ہیں: ''قرآن مجید کے بعد اورکوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔'' (الوصیت حاشیہ ص۱۱، خزائن ج۲۰ص ۳۱۱)

اورفرماتے ہیں: ''اور ہم لوگ جو قرآن مجید کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خداتعالیٰ سے قرآن شریف ہے۔اس لئے ہم خداتعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تاکہ وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہرایک امر میں اسی ذریعہ سے فیض یاب ہیں۔'' (چشمہ معرفت ص۲۱۰، خزائن ج۲۳ص ۲۱۸، ۲۱۹) میں ملاحظہ ہو (ص۴۰، ۴۱، تجلیات الٰہیہ ص۴، ۵، خزائن ج۲۰ص ۳۹۷، ۳۹۸، مواہب الرحمٰن ص۶۹، خزائن ج۱۹ص ۲۸۸) وغیرہ۔

جس برگزیدہ خدا کے یہ ارشادات ہوں کیا اس کے متعلق یہ شبہ کئے جانے کی گنجائش ہے کہ وہ اپنی وحی کو قرآن وحی کے برابر قرار دیتا ہے۔اس کا فیصلہ عموماً ہر منصف مزاج اور خصوصاً عدالت کے انصاف پر چھوڑ کر کہتا ہوں کہ ان ارشادات پر ہی بس نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے اپنی وحی کی صداقت معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم کو محک معیار قرار دیا ہے۔ چنانچہ (آئینہ کمالات اسلام ص۲۱، خزائن ج۵ص ۲۱) میں فرمایا ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے: ''قرآن شریف آنحضرت ﷺ کے بعد قیامت تک تحریف وتبدیل اورکسی خطاء کار کی غلطی پیدا کردینے سے محفوظ ہے نہ وہ منسوخ ہوگا اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوگی اور نہ کسی ملہم صادق کا کوئی الہام اس کے خلاف ہوسکتا ہے اور جو کچھ مجھے خداتعالیٰ کی طرف تفہیم ہوتی ہے یا الہامات نازل ہوئے ہیں۔ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھتے ہیں اور مجھ پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن کریم کے مطابق ہیں۔ان میں کوئی شک وشبہ نہیں اور بفرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا تو ہم اسے ردی نشان کی طرح پھینک دیتے۔''

اورفرماتے ہیں: ''وان القرآن مقدم علٰی کل شئ ووحی الحکم مقدم علی احادیث ظنیة بشرط ان تطابق القرآن وحیه مطابقة تامه وبشرط ان تکون الاحادیث غیر مطابقة القرآن'' (مواہب الرحمٰن ص۶۹، خزائن ج۱۹ص ۲۸۸)

یعنی قرآن ہرشئے پر مقدم ہے اور حکم کی وحی ظنی احادیث پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن سے مطابقت تامہ رکھتی ہو اور احادیث قرآن کے مطابق نہ ہوں۔

اورفرماتے ہیں: ''اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کرکے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۱۴۹، خزائن ج۲۲ص ۱۵۳)

غرض سیدنا حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں صدہا جگہ اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ میری وحی قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے اور قرآن مجید کی وحی سب وحیوں سے مرتبہ میں اعلیٰ وارفع ہے اور وہ میری وحی کے لئے محک اور معیار اور کسوٹی کے طور پر ہے۔ بایں ہمہ کثرت، ارشادات وتصریحات مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ کا ان سب کے خلاف حضرت اقدس مسیح موعود کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے قرآنی وحی کے برابر ٹھہرایا ہے۔ کہنے والوں کو جس مقام پر کھڑا کرتا ہے، دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہیں۔

دوسری وجہ تکفیر کا رد

(۱) جماعت احمدیہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین یقین کرتی ہے

دوسری وجہ تکفیر فریق مخالف نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے معتقدین آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کے منکر ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین تسلیم کرنا ضروریات دین میں سے ہے اور جو ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کردے وہ کافر ہے۔ لہٰذا حضرت مرزا صاحب اور آپ کے تمام معتقدین کافر ہوئے۔

اما الجواب: یہ امر کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے متبعین آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کے منکر ہیں صریح بہتان ہے۔ حضرت مسیح موعود کی کتب میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا بڑی کثرت سے اقرار موجود ہے:

۱...... چنانچہ آپ فرماتے ہیں (انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۷) میں: ''اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشھاد گواہی دیتا ہوں۔ یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔''

۲...... اور فرماتے ہیں (اخبار الحکم ۱۷ ر مارچ ۱۹۰۵ء) میں: ''اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو خاتم النّبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس وقت یقین ومعرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔''

ان کے علاوہ (ازالہ اوہام ص ۱۳۷، خزائن ج ۳ ص ۱۷۰، آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۷، خزائن ج ۵ ص ۳۸۷، ایام الصلح ص ۸۱، خزائن ج ۱۴ ص ۳۲۳، کرامات الصادقین ص ۲۵، خزائن ج ۷ ص ۳۱، ایک غلطی کا ازالہ، مواہب الرحمٰن ص ۶۶، ۶۷، خزائن ج ۱۹ ص ۲۸۵، حقیقت الوحی ص ۲۷، خزائن ج ۲۲ ص ۲۹، استفتاء ص ۶۴، خزائن ج ۲۲ ص ۶۸۹) سے نہایت صفائی کے ساتھ حضرت اقدس کا آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین ماننا ظاہر ہے اور ان حوالوں کی عبارات دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱　(موسومہ بہ مقدمہ بہاولپور ص ۳۰ تا ۳۲)

پھر واضح رہے کہ کوئی شخص جماعت احمدیہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیعت کے وقت وہ آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا صدق دل سے اقرار نہ کرے۔ جیسا کہ بیعت فارم کے فقرہ ''آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین یقین کروں گا'' سے ثابت ہے۔ پس یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت ﷺ کا خاتم النّبیین نہیں مانتی...... قطعاً لغو و باطل ہے۔

بحث خاتم النّبیین

(۲) جمیع مسلمان آنحضرت ﷺ کے بعد ایک نبی کا آنا مانتے ہیں

مختار مدعیہ اور گواہان نے آنحضرت ﷺ کے بعد باب نبوت کو مسدود ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیت خاتم النّبیین پیش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ لفظ خاتم ہمیشہ عربی زبان میں صرف آخر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر ۱ نے ۲۰ ر اگست کو بجواب جرح اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص ختم کے معنی آخر کے سوا کچھ اور کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ مگر دوران جرح میں ہی جب ان سے دریافت کیا گیا کہ زبان عرب کے کوئی محاورہ پیش کرو جس میں خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو اور پھر اس کے معنی آخری فرد کے لئے گئے ہوں تو وہ کوئی

ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکے۔ ہاں! انہوں نے صرف ایک حوالہ ’’منتہی الارب‘‘ اور ’’لسان العرب‘‘ کا پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ: ’’خاتم القوم آخرھم ‘‘سو اس کا مفصل جواب میں آگے چل کر لفظ آخر کی بحث میں دوں گا۔ فی الحال یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر خاتم النّبیین کے معنی یہی ہیں۔ جیسا کہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے کئے ہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں ہوسکتا تو یہ معنی تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرتﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بحیثیت نبی کے مانتے ہیں۔ جیسا کہ گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور تقریباً جمیع قائلین نزول مسیح علیہ السلام کا یہی اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ نبی ہوں گے۔ چنانچہ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۲ حج الکرامہ سے اس کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کرائے گئے ہیں۔ اب میں امام ملا علی قاری کا قول جو حنفی علماء میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عالم ہیں، پیش کرتا ہوں۔

’’فمن قال بسلب نبوته كفر حقا كماصرح به الامام السيوطى فان النبى لايذهب عنه وصف النبوة ولابعد موته واما حديث لاوحى بعدى باطل لااصل له نعم ورد لانبى بعدى ومعناه عندالعلماء انه لايتحدث بعده نبى بشرع ينسخ شرعه‘‘ (کتاب الاشاعت لاشراط الساعۃ ص۲۲۶)

یعنی جس شخص نے کہا کہ مسیح علیہ السلام مسلوب النبوۃ ہوکر آئیں گے تو وہ یقیناً کافر ہوگیا۔ جیسا کہ امام سیوطی نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ نبی سے اس کی موت کے بعد بھی وصف نبوت زائل نہیں ہوجاتا اور یہ حدیث کہ میرے بعد وحی نہیں ہے، باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں! ’’لانبى بعدى‘‘ آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو ایسی شریعت لائے جس سے آنحضرتﷺ کی شریعت منسوخ ہو اور (ص۲۲۷) میں مسیح پر بعد نزول وحی بذریعہ جبرئیل مان کر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے۔ پس اگر ’’خاتم النّبیین‘‘ میں ’’النّبیین‘‘ سے مراد ہر قسم کے نبی ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوبارہ نہیں آسکتے۔ اگر کہو کہ نئے نبی کا آنا منع ہے، پرانے کا نہیں، تو ہم بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ اگر ’’النّبیین‘‘ سے پرانے نبیوں کا استثناء ہوسکتا ہے تو اس طرح ایک امتی غیر تشریعی نبی کا استثناء بھی ہوسکتا ہے۔

خاتم النّبیین سے کیا مراد ہے

(۳) آنحضرتﷺ لفظ خاتم سے کیا سمجھے

گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں حدیث: ’’لوعاش ابراهيم لكان صديقانبيا ‘‘ کی بناء پر یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرتﷺ بھی آیت: ’’خاتم النبيين ‘‘ سے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ نہیں سمجھے، ورنہ آپ آیت: ’’خاتم النبيين ‘‘ کے نزول پر پانچ سال گزر جانے کے بعد اپنے صاحبزادے ابراہیم کے حق میں قطعاً یہ نہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو نبی ہوتے۔ مختار مدعیہ نے اس حدیث پر دو قسم کی جرح کی ہے۔

۱...... ’’لو‘‘ جس چیز پر داخل ہوتا ہے اس کا وقوع میں آنا محال ہوتا ہے۔ جیسے آیت: ’’لوكان فيهما الهة الاالله ‘‘ میں کہ متعدد خداؤں کا ہونا محال ہے اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۸؍مارچ کو بجواب جرح کیا ہے کہ ’’لو‘‘ جس جگہ داخل ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا۔

۲...... اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان بن شیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ثقہ نہیں ہے اور متروک الحدیث ہے۔

۳...... یہ حدیث باعتبار معنی مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ (بخاری شریف ج۲ ص۹۱۴) میں ابن ابی اوفیٰ سے نقل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر

ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ حضور کے بعد نبی نہیں ہوسکتا۔ ’’فلذالک مات ‘‘ پس اس لئے مرگیا۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایک وقت میں شرط ’’لو‘‘ کا وقوع بوجہ گزشتہ زمانہ میں وقوع نہ ہونے کے محال ہوتا ہے۔ لیکن آئندہ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شرط اور جزا دونوں کا وقوع جائز وممکن ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’لو انهم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیرالهم (حجرات)‘‘ کہ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو خود ان کے پاس باہر آتا تو یہ ان کے لئے مناسب اور بہتر اور باعث خیر وبرکت تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ مذکور ہے: ’’لوعاش لاعقت اخواله من القبط ‘‘ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کے قبطی ماموں آزاد کئے جاتے۔ دوسری حدیث میں ہے: ’’لوعاش ابراهیم مارق به خال (ابن ماجه) ‘‘ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا تو اب ظاہر ہے کہ بوجود شرط جواب شرط کا وجود بالکل جائز اور ممکن تھا۔ ورنہ اس فقرے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ پھر جب کسی شخص کی مدح کرنی مراد ہو اور اس کی فضیلت کا اظہار مقصود ہو تو محال اور ناممکن الوقوع امر سے فضیلت کا اظہار کرنا بالکل عبث اور بے معنی ہے اور کسی کی فضیلت تبھی ظاہر ہوسکتی ہے جب کہ جواب الشرط ممکن الوقوع ہو۔ مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ ’’لوعاش زید لکان نابغة‘‘ کہ اگر زید زندہ رہتا تو بہت بڑا عالم ہوتا۔ یہ قول زید کے لئے اس وقت تعریفی بن سکتا ہے۔ جب کہ پہلے نوابغ (یعنی اعلیٰ درجہ کے علماء) کا وقوع ممکن تسلیم کیا جائے، ورنہ یہ قول باطل اور بے معنی ہوگا۔ اس طرح آنحضرت کا فرمانا کہ اگر ابرہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا...... اسی حالت میں درست ہوسکتا ہے کہ آپ کے بعد نبوت کے وقوع کا امکان تسلیم کیا جائے۔ ورنہ اس قول کے کچھ معنی نہیں ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے کہ حضور کی طرف ایسے قول کی نسبت دی جائے جو بالکل بے معنی ہو۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نمبرا نے ۸/مارچ کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ ’’لو‘‘ جس جگہ داخل ہوتا ہے اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا نہ یہ کہ کسی جگہ میں وقوع ممکن نہیں ہوتا۔

دوسرے شبہ کا جواب: مختار مدعیہ نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف قرار دیا ہے اور بحوالہ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۵۷، خزائن ج۳ ص۴۰۰) کہا ہے کہ مجروح حدیث لائق قبول نہیں ہوتی۔ حالانکہ ابراہیم بن عثمان پر یہ حکم لگانا کہ اس کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور قابل اعتماد نہیں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جو حوالہ مختار مدعیہ نے اسے ضعیف ثابت کرنے کے لئے میزان الاعتدال سے پیش کیا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے وہ شہر واسط کے قاضی تھے اور شعبہ نے اسے اس روایت کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا ہے کہ اس نے حکم سے بروایت ابن ابی لیلیٰ یہ بیان کیا کہ صفین میں ۷۰ صحابی جو جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے شریک ہوئے۔

مصنف کہتا ہے کہ میں نے (تعجب سے) سبحان اللہ کہا۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ صفین میں شامل نہیں ہوئے اور وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پس شعبہ نے جس وجہ سے ابراہیم کی تکذیب کی تھی، مصنف نے خود اس کا رد کردیا۔ پھر لکھا ہے کہ عثمان الدارمی نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور اس کے ثقہ نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی اور احمد نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے: ’’سکتوا عنه‘‘ کہ محدثین اس کے بارہ میں خاموش ہیں اور امام مسلم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ یہ اختلاف صاف بتارہا ہے کہ یقینی طور پر اس کے کاذب یا ضعیف ہونے کی کسی کے پاس دلیل نہیں ہے اور تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر العسقلانی اس کے متعلق فرماتے ہیں: ’’وقال عباس الدوری عن یحیٰی ابن معین قال: قال یزید بن هارون ماقضٰی علی الناس رجل اعدل فی قضاء منه وقال ابن عدی له احادیث صالحة وهو خیر من ابی حیة‘‘

(تہذیب التہذیب ج۱ ص۱۴۵)

یعنی عباس الدوری نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کئے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی نہایت اچھی حدیثیں بھی ہیں اور وہ ابوحیہ سے بہتر ہے۔

مختار مدعیہ نے کہا تھا کہ ابن معین چونکہ اس فن کے ماہر ہیں۔ (اور عثمان دوری نے ان سے اس راوی کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے) اس کے لئے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ مگر ابن معین نے ہی اس کے قضاء میں عادل ہونے کے متعلق یزید ابن ہارون سے نقل کیا ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اپنے زمانہ میں نہایت منصف قاضی تھے تو وہ شخص جو (نعوذ باللہ) جھوٹ حدیثیں بنا کر رسول کریم ﷺ کی طرف سے منسوب کرے وہ عادل قاضی کیسے ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کے مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے واسطے وضعی حدیثیں ان کی طرف منسوب کردی ہوں تو کوئی بعید امر نہیں ہے کہ ابن عدی جو فن جرح اور تعدیل کے ماہرین سے ہیں اور انہوں نے اس فن میں ایک نہایت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی کی یہ رائے ہے: ''ولابن احمد بن عدی کتاب الکاهل هو اکمل الکتب واجلها فی ذالک'' (میزان الاعتدال ج۱ ص۳)

کہ ابن عدی کی ایک کتاب کامل ہے جو اس فن جرح وتعدیل میں سب کتابوں سے اکمل اور اجل ہے۔

ان کی اس راوی کے متعلق یہ رائے ہے کہ ان سے نہایت معتبر اور اچھی حدیثیں بھی مروی ہیں تو اب کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک خاص حدیث کو صرف اس وجہ سے غیر معتبر یا ضعیف قرار دے کہ اس کا راوی ابراہیم ہے۔ جب تک کہ دوسرے قرآن سے اس حدیث کا وضعی اور ضعیف ہونا ثابت نہ کرے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کی صحت بڑے بڑے علماء نے تسلیم کی ہے۔ چنانچہ شہاب علی البیضاوی کی (ج۷ ص۱۷۵) میں اس حدیث کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے: ''اقول اماصحته الحدیث فلاشبهة فیهالانه. رواه ابن ماجة وغیره کماذکره ابن حجره ''یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ اور اس کے سواء دوسروں نے بھی یہ روایت کی ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے اس امر کا ذکر کیا ہے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ شہاب ہمیں مسلم نہیں۔ لیکن مسلم نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی۔ دراصل بات یہ ہے کہ مختار اصل میں شہاب سے ناواقف ہے۔ وہ کون ہیں؟ اگر وہ واقف ہوتا تو غیر مسلم ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھاتا۔ کیونکہ ان کی کتاب ''شرح الشفاء للخفاجی'' کے حوالے خود گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں اور عنایۃ القاضی جس کا یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے انہی کی تصنیف ہے اور ان کا نام احمد بن محمد ہے۔ مصر کے باشندے اور حنفی المذہب تھے اور قاضی القضاۃ تھے اور شہاب الدین الخفاجی کے لقب سے ملقب تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جو بات کہی ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور ابن حجر عسقلانی حافظ حدیث ہیں...... نے ان کے قول سے سند پکڑتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے مختار مدعیہ کا قول کہ شہاب کا حوالہ غیر مسلم ہے۔ بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

۲...... پھر ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اس حدیث کے موضوع ٹھہرانے والوں کو جواب دے کر لکھا ہے: ''له طرق ثلاث یقوی بعضها ببعض '' (موضوعات کبیر ص۵۹) کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ تین طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ پھر اس حدیث کی صحت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہوجاتے تو وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع سے ہوتے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد امتی ہوکر نبی ہوں گے۔

پھر اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے کہ ابراہیم کا نبی ہوجانا یا حضرت عمرؓ کا نبی ہوجانا، آپ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف

نہ ہوتا۔ لکھتے ہیں کہ خاتم النّبیین کے یہ معنی ہیں: ’’انہ لایاتی نبی بعدہ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ ‘‘ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ پھر ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ’’ولا یخفی انہ لایستلزم من کون احد الرواۃ متروکا کون الحدیث موضوعا لاسیما اذاجاء الحدیث من طریق آخربل وتعدد طرقہ‘‘ (مرقاۃ ص۵۰۴)

اور یہ امر مخفی نہیں کہ ایک راوی کا متروک الحدیث ہونا، اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ حدیث بھی موضوع ہو۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ حدیث دوسرے طریق سے مروی ہو، بلکہ متعدد طرق سے روایت کی گئی ہو۔ جیسے کہ حدیث متنازعہ فیہ متعدد طرق سے روایت ہوئی ہے۔

۳...... امام ملاّ علی قاری نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لئے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے: ’’قال النووی فی تھذیبہ واما ماروی عن بعض المتقدمین حدیث لوعاش ابراھیم لکان صدیقانبیا. فباطل وجسارتہ علی الکلام بالمغیبات ومجاوزتہ وھجوم علی عظیم ‘‘ کہ علامہ نے اپنی کتاب تہذیب میں کہا ہے کہ یہ حدیث بعض متقدمین سے مروی ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے، باطل ہے اور امور غیبیہ کے اظہار پر جسارت اور اٹکل پچو بات کہتا ہے اور ایک بہت بڑا گناہ کا ارتکاب ہے۔

ابن عبدالبر کا قول ہے، لکھا ہے: ’’ولا ادری ماھذا فقد ولد نوح غیر نبیی ولولم یلد الانبیاء لکان کل احد نبیا لابد من ولد نوح انتھی ‘‘ میں نہیں سمجھتا کہ یہ حدیث کیسی ہے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام کے بیٹے ایسے بھی ہوتے تھے جو غیر نبی تھے اور اگر اس کا ہر ایک بیٹا نبی ہوتا تو ہر ایک شخص نبی ہوتا۔ کیونکہ وہ نوح کی اولاد کے ہیں۔

ان دونوں اعتراضوں کے رد میں لکھا ہے: ’’قال شیخ مشایخنا العلامۃ الربانی الحافظ ابن حجر العسقلانی فی الاصابۃ وھٰذاعجیب من النووی مع ورودہ عن ثلاثۃ من الصحابۃ ولایظن بالصحابی ان یھجم علی مثل ھذا بظنہ قلت مع انھم لم یقولوہ موقوفا بل اسندوہ مرفوعاً کما بینہ خاتمہ الحفاظ السیوطی باسانیدہ فی رسالۃ علیحدۃ مع ان من القواعد المقررہ فی الاصول ان موقوف الصحابی اذالم یتصور ان یکون من رای فھوفی حکم المرفوع فانکار النووی کابن عبدالبر بالذالک اما لعدم اطلأعتھا اولعدم ظھورالتاویل عندھماواللہ اعلم‘‘ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۵ ص۳۹۵)

کہ ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ربانی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں لکھا ہے کہ نووی علامہ سے اس قسم کی بات کا صدور عجیب بات ہے۔ کیونکہ یہ حدیث تین صحابیوں سے مروی ہے اور صحابی پر یہ ظن نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے گمان سے ایسے امر کا ارتکاب کرنے پر جرأت کرے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بیان کرنے والوں نے موقوف نہیں بیان کیا، بلکہ اس کو سند کے ساتھ مرفوع بیان کیا ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل رسالہ میں اس کی تمام سندیں ذکر کی ہیں۔

اصول حدیث میں ثابت شدہ قواعد سے یہ بات بھی ہے کہ صحابی کی موقوف حدیث جب کہ اس کا رائے سے ہونا غیر متصور ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ پس نووی کا ابن عبدالبر کی طرح اس حدیث کی صحت سے انکار کرنا یا تو ان دونوں کے عدم اطلاع کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ ان پر اس حدیث کی تاویل ظاہر نہیں۔ پس اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور مرفوع متصل ہے۔ تا مختار مدعیہ نہ کہہ سکے کہ حدیث مرفوع متصل کے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں اور اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حافظ ابن حجر

عسقلانی بھی جو فن حدیث کے ماہرین سے ہیں، اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ پس یہ حدیث فی نفسہ مجروح نہ رہی۔
۴...... فریق مخالف نے جو قول اپنی تائید میں ابن ابی اوفی صحابیؓ کا پیش کیا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے، لیکن وہ باقی نہیں رہے۔ اس لئے کہ آنحضرتﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ یہ قول دلیل ہے اس بات کی کہ حدیث: ''**لوعاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا**'' صحیح ہے۔ ورنہ یہ خیال کیسے پیدا ہوسکتا تھا کہ ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی بنتے۔ کیونکہ نبی کی اولاد سے ہونا نبی ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ پس صحابی کو ان کی نبوت کا خیال بھی ہوسکتا ہے۔ جب کہ ان کے متعلق آنحضرتﷺ نے یہ خبر دی ہوتی کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ پس عبداللہ ابن ابی اوفیؓ کا قول خود اس حدیث کی صحت ثابت کررہا ہے۔ چنانچہ ابن عامر نے ابن ابی اوفی سے بھی یہ حدیث راویت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (کنزالعمال ج۶ص۱۱۷)

<u>تیسرے شبہ کا جواب:</u> علم حدیث سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے کہ فہم صحابی حجت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قول حجت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے مخالف دوسرے صحابی کا قول بھی موجود ہو۔ کیونکہ صحابی فہم قرآن وحدیث میں غلطی کرسکتا ہے۔ مثلاً نافع سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ''**کان ابن عمر یقول واللہ ماشک ان المسیح الدجال ابن صیاد**'' (ابوداؤد ج۲ص۳۴۷)

کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ بخدا! مجھے اس میں ذرہ شک نہیں کہ ابن صیاد ہی المسیح الدجال ہے۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا درست نہ تھا۔ اس طرح انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب ''**یآیھاالذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی**'' اتری تو ثابت بن قیسؓ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور آنحضرتﷺ کے پاس نہ گئے اور کہنے لگے کہ میں دوزخی ہوں۔ آنحضرتﷺ نے سعد بن معاذ سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ ثابت کو کیا ہوا؟ وہ بیمار ہوگئے ہیں؟ تو سعد نے جواب دیا کہ وہ تو میرے ہمسایہ ہیں۔ مجھے تو ان کی بیماری وغیرہ کا کوئی علم نہیں۔ پھر سعد نے آکر ان سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ''**انزلت ھذہ الایۃ ولقد علمتم انی عن ارفعکم صوتا علی رسول اللہﷺ فانا من اھل النار**'' (مسلم ج۱ص۷۵، مطبوعہ مجتبائی)

یعنی یہ آیت اتاری گئی جس میں یہ حکم ہے کہ تم آوازیں نبیﷺ کی آواز پر بلند نہ کیا کرو۔ ورنہ اعمال کے حبط ہوجانے کا خطرہ ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بلند آواز ہوں تو یقیناً میں اہل نار سے ہوں۔ سعد نے آنحضرتﷺ کے حضور میں یہ حال عرض کیا تو آپﷺ نے فرمایا کہ وہ تو اہل جنت سے ہے۔ پس ثابت نے جو آیت کا مفہوم سمجھا وہ صحیح نہیں تھا۔

اسی طرح اور بہت سی ایسی مثالیں احادیث میں پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ سے آیات اور احادیث کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوجاتی تھی۔ پس ابن ابی اوفی کا یہ فہم کہ ابراہیم اس لئے زندہ نہ رہے کہ آنحضرتﷺ کے بعد کسی قوم کا کوئی نبی نہیں ہوسکتا تھا...... جب کہ ان کے اس مفہوم کے خلاف حضرت عائشہؓ کا قول بھی موجود ہے اور اگر یہ وجہ کہ وہ اسی لئے وفات پاگئے کہ آنحضرتﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا...... صحیح تسلیم کی جائے تو پھر اس سے یہ مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کے بعد نبی نہ ہونے سے مراد آپ کی وفات کے بعد متصل نبی ہونا ہے اور اس طرح اس قول اور حضرت عائشہؓ کے قول میں مطابقت بھی ہوجائے گی اور نیز بخاری کی حدیث: ''**کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء اذاھلک نبی خلفہ نبی**'' کے خلاف بھی نہ ہوگا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد متصل کوئی نبی نہیں آئے گا، بلکہ خلافت موعودہ کا سلسلہ جس کی مدت ایک دوسری حدیث میں آپ نے تیس بیان فرمائی ہے شروع ہوگا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو آنحضرتﷺ کے اس فرمان سے ہرگز یہ منشاء ظاہر نہیں ہوتا جو ابن ابی اوفی نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرتﷺ نے ''**لوعاش ابراھیم لکان صدیقانبیا**'' ابراہیم کی وفات کے بعد فرمایا تا ظاہر ہو کہ ابراہیم میں کمالات نبوت حاصل کرنے کی استعداد موجود تھی اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے۔ لیکن اب موت اس مقام کو حاصل کرنے میں

روک ہوگئی ہے اور اگر اس قول سے آنحضرتﷺ کا منشاء مبارک اس امر کا اثبات ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو آپ اس طرح فرماتے:''لو عاش ابراھیم لما کان نبیا '' کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ بھی رہتا تو باوجود استعداد حصول کمالات نبوت رکھنے کے وہ ہرگز نبی نہ ہوتا۔ پس یہ کلمات اس وقت کلمات مدحیہ ہوسکتے ہیں جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آنحضرتﷺ کے بعد آپ کی غلامی اور آپ کی اتباع میں مقام نبوت مل سکتا ہے۔

صحابہؓ خاتم النّبیین سے کیا سمجھے

اس کے متعلق ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱: مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں صریح غلط بیانی کی ہے کہ گواہان مدعیہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں ۶۴ صحابہ سے زائد کے آثار ابن جریر کی تفسیر میں سے پیش کئے ہیں۔ حالانکہ ان آثار کا نہ تو ذکر ابن جریر میں خاتم النّبیین کی تفسیر میں ہے اور نہ گواہان مدعیہ نے پیش ہی کئے ہیں اور نہ تمام صحابہ کا اس پر کہ آپ کے بعد کوئی امتی نبی نہ آئے گا، اجماع ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ بحث اجماع میں بیان کیا جائے گا اور گواہان مدعا علیہ کی طرف سے جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا قول پیش کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں یہ جرح کی۔

۱...... گواہان مدعا علیہ نے ۸؍مارچ کو یہ تسلیم کیا کہ صحابہ تفسیر میں غلطی کرتے تھے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی۔ لیکن گواہان مدعا علیہ کے مسلمات کی بناء پر یہ جواب ہے۔

جواب: مختار مدعیہ کے نزدیک صحابہ غلطی نہیں کرتے تھے اور گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت عائشہؓ نے یہ تفسیر صحیح کی ہے۔ اس لئے فریقین کو اس تفسیر کی صحت میں شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

۲...... حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال درمنثور سے نقل کئے گئے ہیں اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے درمنثور کے متعلق بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس میں رطب ویابس ہے۔ اس لئے یہ دونوں قول غیر مسلم ہونے چاہئیں۔

جواب: چونکہ یہ دونوں قول گواہان مدعا علیہ کے نزدیک بوجہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق ہونے کے صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کے نزدیک درمنثور میں یابس کوئی چیز نہیں سب رطب ہی ہے۔ اس لئے فریقین کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح ہیں۔

۳...... سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں نہ کسی کسی معتبر حدیث کی کتاب سے نقل کی ہے اور اس کا تعارض آنحضرتﷺ کے قول ''لا نبی بعدی'' سے ہے۔

جواب: مختار مدعیہ کا یہ قول کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے جن کی سند بھی ہے، نکالا ہے اور تکملہ مجمع البحار میں بھی (جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نے (عجالہ نافعہ ص۹) میں لکھا ہے کہ مشکل احادیث کی شرح اور توجیہات بیان کرنے کے لحاظ سے مجمع البحار دوسری کتابوں سے مستغنی کردینے والی کتاب ہے) حضرت عائشہؓ کا مذکورہ بالا قول صحیح سمجھ کر درج کیا گیا ہے اور پھر اس کی حدیث:''لا نبی بعدی'' سے مطابقت کر کے دکھلائی گئی ہے اور اگر یہ قول جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ بسند صحیح ثابت نہ ہوتا تو اس صورت میں اوّل تو اس کو درج کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرے اگر درج کیا تھا تو ضعیف اور موضوع کہہ کر رد کر دیا جاتا مگر رد نہیں کیا گیا۔ بلکہ مؤلف مجمع البحار نے اسے صحیح سمجھ کر حدیث:''لا نبی بعدی'' سے اس کی تطبیق کی اور بتایا کہ اس قول اور حدیث:''لا نبی بعدی'' میں جیسا کہ مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ ''لا نبی بعدی'' سے رسول اللہﷺ نے یہی مطلب لیا ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۴...... حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید کہ خاتم زیر سے پڑھاؤ، زیر وزبر سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ

کہا ہے کہ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ غلط عقیدہ پیدا نہ ہو، لیکن باوجود اس کے حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادے کا ایک قول بھی ایسا نہیں جو احمدی حضرات کی تائید کرتا ہو۔

جواب: لفظ خاتم کے معنوں کی تحقیق اور خاتم کے بکسر التاء اور بفتح التاء میں جو معنوی لحاظ سے فرق ہے وہ گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ اور حضرت علیؓ کا یہ قول جن کو مخاطب کر کے آنحضرتﷺ نے ''الا انہ لا نبی بعدی'' فرمایا تھا احمدیوں کی تائید کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ یا آپ کے صاحبزادے کے اس قول کے مخالف کوئی قول نہیں کرتا تو مختار مدعیہ یا گواہان مدعیہ کا فرض تھا نہ گواہان مدعاعلیہ کا۔ کیونکہ گواہان مدعاعلیہ کے لئے تو اس روایت کا ذکر کر دینا کافی تھا جس سے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں کا مذہب خاتم کے معنوں کے بارہ میں ظاہر ہے۔

سلف صالحین خاتم سے کیا معنی سمجھے

اس عنوان کے ماتحت گواہان مدعاعلیہ نے پندرہ حوالے پیش کئے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کے خاتم النّبیین ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے کوئی صاحب شرع جدید نبی نہیں آسکتا اور ایسے نبی کا آنا جو آنحضرتﷺ کا متبع اور آپ کی شریعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے والا ہو، آنحضرتﷺ کے خاتم النّبیین کے منافی نہیں ہے۔ مختار ان مدعیہ نے ان اقوال پر جو جرح ۹،۱۱؍اکتوبر کو کی ہے۔ وہ مع جواب ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱...... گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ صحیح احادیث تک ظنی ہوتی ہیں اور کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور یہاں بھی عقائد کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ اس میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر ان کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب: مختار مدعیہ نے اپنے اس قول سے اس اصل کو تسلیم کر لیا ہے کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور علماء اور ائمہ کے اقوال قطعیات میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی یا ان کی تفہیم کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جو حوالہ جات مفسرین اور دیگر بزرگوں کے گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں اور ان کی بناء پر مدعاعلیہ کی تکفیر کی ہے وہ قابل التفات نہیں ہیں۔ اس لئے کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ گواہان مدعاعلیہ نے سلف صالحین کے اقوال اپنی تائید میں اس لئے پیش کئے ہیں کہ گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النّبیین کے کئے ہیں وہ سلف صالحین کے معنی کے خلاف ہیں اور اگر گواہان مدعیہ کے معنی سے اختلاف کرنے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو یہ تمام علماء وائمہ بھی کافر قرار پائیں گے اور صحیح احادیث بھی ظنی ہوتی ہیں اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ یہ میں ہی نہیں کہتا بلکہ آپ کے مسلم بزرگ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی بھی لکھتے ہیں: ''مؤلف خود مقر ہے کہ اعتقادیات میں روایات ضعاف معتبر نہیں بندہ کہتا ہے کہ احاد صحاح میں معتبر نہیں۔ چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے۔ پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں۔'' (براہین قاطعہ ص۹۶)

موضاعات کبیر کا حوالہ

امام ملّا علی قاری نے جو حنفی فرقہ کے بہت بڑے امام ہیں اپنی کتاب (موضوعات کبیر ص۶۹) میں خاتم النّبیین کے معنوں کی بابت یہ لکھا ہے: ''اذا المعنی انہ لا یأتی بعدہ نبی ینسخ ملتۂ ولم یکن من امتہ'' اور اس کے معنی گواہ مدعیہ نے ۲۵؍اگست کو بجواب جرح یہ لکھوائے ہیں: ''یہ قول کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہو جاتے تو پھر بھی وہ آنحضرتﷺ کے پیرو ہوتے اور آپ کی اتباع میں نبی بنتے۔ جیسے عیسیٰ وخضر والیاس علیہم السلام اور یہ بات قول خاتم النّبیین کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا

جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو اور اسی گواہ نے انہیں باوجود خاتم النّبیین کے یہ معنی کرنے کے مسلمان تسلیم کیا ہے۔

مختار مدعیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی کا مسلم ہونا اور چیز ہے اور اس کی کتاب کا مسلم ہونا اور چیز یعنی ملاّ علی قاری کا مسلمان ہونا اور امام ہونا تو مسلم ہے لیکن ان کی کتب کا مسلم ہونا مسلم نہیں۔ مختار مدعیہ نے حضرت ملاّ علی قاری کی کتب کو جو غیر مسلم کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہ سمجھے لئے جائیں کہ کہ وہ ''من کل الوجوہ'' غیر مسلم ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی وقت غیر مسلم ہیں جب کہ ان کا کوئی قول مختاران مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے خلاف ہو، لیکن اگر کوئی قول ایسا مل جائے جو ان حضرات کے خیال میں ان کی تائید کرتا ہو تو پھر ملاّ علی قاری کی کتب بڑے دھڑلے سے مسلم ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ گواہان مدعیہ نے جب شرح فقہ اکبر اور شرح شفاء کے حوالے پیش کئے ہیں تو وہ مسلم تھیں کہ وہ حوالے اپنے موافق معلوم ہوتے تھے۔ لیکن جب انہیں کی کتب سے ایسے حوالے پیش کئے گئے جو مختار مدعیہ کو اپنے خلاف نظر آئے تو موصوف کی کتب غیر مسلم ہوگئیں۔ چلو اگر تمہارے نزدیک ان کا یہ قول غیر مسلم ہے اور جیسا کہ گواہ مدعیہ نمبر ا نے ۲۰؍اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ خاتم النّبیین کے معنی ہیں نبوت کو بند کرنے والا اور آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اگر کوئی شخص ان معنوں کے سواء ختم نبوت کے کوئی اور معنی کرے تو وہ یقیناً کافر ہوگا۔''

ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگائیں اور پھر انہیں مسلمان بلکہ امام سمجھنے والے تمام حنفیوں کو کافر و مرتد سمجھیں اور ان کے نکاحوں پر فسخ ہونے کا فتویٰ لگائیں۔ مختار مدعیہ نے اس حوالے کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ موضوعات کبیر کوئی عقائد کی کتاب نہیں۔ دوسری کتابوں شفاء اور شرح فقہ اکبر وغیرہ میں انہوں نے مسلمانوں کا سا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ یعنی چونکہ موضوعات عقائد کی کتاب نہیں، اس لئے انہوں نے یہاں کفریہ عقیدہ لکھ دیا (معاذ اللہ) سنئے! انہوں نے جو شفاء اور شرح فقہ اکبر میں جو لکھا ہے وہ اس کے مخالف نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ''لا نبی بعی'' کے معنی یہی کئے ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا ناسخ ہو، نہیں آسکتا اور صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف ان معنوں کی نسبت دی ہے بلکہ آپ فرماتے ہیں: ''واما حدیث لاوحی بعدی باطل لااصل له نعم ورد لانبی بعدی ومعناه عند العلماء انه لایحدث بعده نبی بشرع ینسخ شرعه'' (کتاب الاشاعت لاشراط الساعۃ ص ۲۲۶)

یعنی حدیث: ''لاوحی بعدی'' باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں! ''لانبی بعدی'' آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک (جہلاء کے نزدیک نہیں) یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت منسوخ کرے۔ اس لئے جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی نہ ہوگا تو اس سے مراد ایسا ہی نبی ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں قولوں سے ظاہر ہے۔

۳...... مختار مدعیہ نے اس کے متعلق یہ کہا ہے۔ جب مرزا صاحب کے اپنے اقرار سے اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی امتی نہیں ہوسکتا اور عقل کے بھی خلاف ہے تو ملاّ علی قاری کے حوالہ کے یہ معنی کیسے لئے جاسکتے ہیں۔ ملاّ علی قاری کے نزدیک امتی سے مراد محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ مفہوم کلی ادا کر کے اس سے مراد جزئی ہے۔ جیسا کہ (حقیقۃ النبوۃ حصہ اوّل ص ۲۳۹) میں بعض افراد سے جو مفہوم کلی مگر مراد جزئی ''صرف مسیح موعود لی گئی ہے۔''

جواب: مختار مدعیہ نمبر ۲ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی نبی امتی نہیں ہوسکتا۔ یعنی جس شخص کو خدا تعالیٰ نے نبوت عطاء فرمادی ہو تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص کسی دوسرے نبی کا امتی ہوسکے اور آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کوئی امتی شخص نبی نہیں ہوسکتا، بلکہ برخلاف اس کے آپ نے اپنی کتاب میں جابجا اس کی تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع سے آپ کے

امتیوں کو عندالضرورت مقام نبوت بطور الہام مل سکتا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: کسی حدیث صحیح سے اس بات کا پتہ نہیں ملے گا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے جو امتی نہیں۔ یعنی آپ کی پیروی سے فیض یاب نہیں اور اس جگہ سے ان لوگوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں اور وہ حقیقت جو الیاس نبی کی دوبارہ آنے کی تھی جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے کھل گئی، اس سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے، بلکہ جس آنے والے مسیح موعود کا حدیثوں سے پتہ لگا ہے اس کا انہی حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہوگا اور امتی بھی۔ مگر کیا مریم کا بیٹا امتی ہوسکتا ہے کون ثابت کرے گا؟ اس نے براہ راست نبوت پایا تھا، بلکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی سے درجہ نبوت پایا تھا۔

(حقیقت الوحی ص۲۸، ۲۹، خزائن ج۲۲ ص۳۰، ۳۱)

اور فرماتے ہیں: ''اور مجھے خداتعالیٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کرکے پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے اور ان دونوں ناموں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکم یہ معلوم ہوتی ہے تاکہ عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو خدا بتاتے ہو۔ مگر ہمارا نبی ﷺ اس درجہ کا نبی ہے کہ اس کی امت کا ایک مرد نبی ہوسکتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ امتی ہے۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۴، خزائن ج۲۱ ص۳۵۵)

اور فرماتے ہیں: ''پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت ﷺ کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے، مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آنحضرت ﷺ کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے یا وہ امتی کہلاتے۔ ان کو خداتعالیٰ نے الگ کتابیں دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ وہ ان کتابوں پر عمل کریں اور کراویں۔ جیسا کہ قرآن شریف اس پر گواہ ہے۔ پس اس بدیہی شہادت کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود کیوں کر ٹھہر سکتے ہیں۔ پس چونکہ وہ امتی نہیں۔ اس لئے وہ اس قسم کے نبی بھی نہیں ہوسکتے، جس کا امتی ہونا ضروری ہو۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۲، ۱۹۳، خزائن ج۲۱ ص۳۶۴، ۳۶۵)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے اس قول سے کہ نبی امتی نہیں ہوسکتا...... یہ مراد ہے کہ جس نے نبوت آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل نہ کی ہو وہ نبی امتی نہیں ہوسکتا۔ ہاں! ایک امتی شخص جس نے نبوت کا مقام آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل کیا ہو، وہ امتی نبی ہوسکتا ہے۔

اور الفاظ امام ملّا علی قاری کے اس ترجمہ سے جو بزبان گواہ مدعیہ نمبر۱ لکھا جاچکا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اس موقعہ پر امتی سے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مراد نہیں لیتے بلکہ ابراہیم کو بشرط زندگی نبوت ملنے کے ذکر کے ساتھ ہی حضرت عمر کا بھی ذکر کر کے ظاہر فرمادیتے ہیں کہ ان کی مراد عمومیت کے ساتھ خاتم النّبیین کے معنی بیان کرنا ہے نہ کہ امتی کے لفظ سے موقعہ مذکورہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص وتعیین۔

مختار مدعیہ نے اپنے غلط مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے (حقیقۃ النبوۃ ص۲۳۹) کا جو حوالہ پیش کیا ہے، وہ قطعاً یہاں منطبق نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض افراد کا لفظ بول کر ایک شخص مراد لیا جایا کرتا ہے اور جس جملہ میں بعض کا لفظ آئے تو وہ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے۔ قضیہ کلیہ نہیں ہوتا۔ خود حضرت مسیح موعود کے کلام سے واضح ہے کہ بعض افراد سے حضور نے اپنی ذات مراد لی ہے اور یہ امر بوضوح تام حقیقۃ النبوۃ میں موجود ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص بتاسکتا ہے کہ امام ملّا علی قاری کے اس قول سے کہ خاتم النّبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ

کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ سوال تو یہاں خاتم النّبیین کے معنوں کا ہے اور ظاہر ہے کہ انہوں نے جو خاتم النّبیین کے کئے ہیں، وہ گواہان مدعیہ کے معنوں کے خلاف اور گواہان مدعاعلیہ کے معنوں کے مطابق ہیں۔

مکتوبات کا حوالہ

مختار مدعیہ نے امام ربانی مجدد الف ثانی کے قول کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو صرف کمالات نبوت کے حصول کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں کمالات نبوت پائے جائیں وہ نبی بھی ہوجائے۔ لیکن ہمارا استدلال اس قول سے صرف اتنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت اور آپ کا وارث بن کر کمالات نبوت کا حصول جب ختم نبوت کے منافی نہیں تو اسی طرح کسی امتی کا آنحضرت ﷺ کی کمال متابعت سے وراثت کے طور پر اسم نبی کا پالینا بھی خاتمیت کے منافی نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اگر کسی قسم کی نبوت اور کمالات نبوت کا پایا جانا محال ہے تو ان سے صرف ایسی نبوت اور ایسے کمالات نبوت مراد ہیں جو بغیر طریق وراثت اور متابعت آنحضرت ﷺ کے ہوں۔

صوفیاء کے حوالے

مختار مدعیہ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی اور سید عبدالکریم جیلی وغیرہ صوفیاء کرام کے حوالوں کے متعلق ۹؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ: ''صوفیاء کرام اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے ایمان والے ہیں۔ مگر محبت کا رنگ اور ہے۔ صوفیاء پر محبت کی وجہ سے سکر کا رنگ آتا ہے تو اس میں وہ بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ گو وہ کہتے تو ٹھیک ہیں مگر شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ ظاہر میں خلاف شریعت ہو تو تاویل، ورنہ توقف ہوگا۔

یہ ہے گواہان مدعاعلیہ کے پیش کئے ہوئے ان حوالہ ہائے صوفیائے کرام کے متعلق مختار مدعیہ کا جواب، جو گواہان مدعاعلیہ نے خاتم النّبیین اور حدیث: ''**لا نبی بعدی**'' کی تفسیر میں پیش کی ہیں۔ یہ جواب جس رنگ کا ہے اس میں حضرات صوفیائے کرام کے اقوال سے تعلق عقیدت رکھنے والوں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ صوفیائے کرام باوجودیکہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ مگر محبت کا معاملہ چونکہ اور ہی ہے۔ اس لئے جب محبت کا جوش بڑھتا ہے اور اپنے محبوب ومطلوب ازلی کی بنائی ہوئی شریعت کے خلاف جو منہ میں آئے کہنا شروع کرتے ہیں اور اس کی محبت وعشق کی عمیق در عمیق راہوں میں ایسے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ایسے طالب رضا وفنا شدہ بن جاتے ہیں کہ اس کی مرضی اور اس کی خوشنودی کی بھی کچھ پرواباقی نہیں رہتی۔ اس نے تو کچھ فرمایا ہے اور یہ بندگان خاص کچھ اور ہی ہانک لگاتے ہیں تو ''**استغفر اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ**'' یعنی اے نبی کریم آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ اگر تم خداتعالیٰ کے عاشق صادق بننا چاہتے ہو تو میرے پیچھے ہولو خداتعالیٰ تمہیں پیروی کی برکت سے اپنا محبوب بنائے گا۔ مگر باوجود سن لینے اور باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ آنحضرت ﷺ خلاف شریعت کچھ نہ فرماتے تھے۔ یہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحبان ایمان یعنی صوفیائے کرام جو چاہتے ہیں وہ خلاف شریعت کہتے چلے جاتے ہیں۔ **معاذ اللّٰہ من ذالک!**

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کی محبت میں چور ہونے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور صاحبان ایمان ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اگر نعوذ باللہ! یہ صحیح ہو تو پھر خدا کی محبت کی زیادتی تو نہایت ہی خطرناک اور پناہ مانگنے کے قابل چیز بن جائے گی اور اسی سے مختار مدعیہ کے قول کی لغویت ظاہر ہے۔ بات دراصل کچھ اور ہے۔ مفصل کی تو نہ اس موقعہ پر ضرورت ہے نہ اس کے لئے اس وقت ہے۔ مختصر یہ کہ

یا تو صوفیاء کی طرف ایسے اقوال منسوب کر دیئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان کے اقوال نہیں ہوتے یا ان کے مطالب عالیہ تک علمائے ظواہر کی نظر رسائی نہیں رکھتی۔

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صوفیاء کے اقوال تصوف میں تو معتبر ہیں مگر عقائد میں نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کیا صوفیاء کو آپ مسلمان نہیں سمجھتے۔ عقائد کی کتب کون سے منزل من اللہ ہیں یا آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں وہ بھی امت محمدیہ کے بعض افراد کی تصنیف شدہ ہیں اور صوفیاء بھی امت محمدیہ کے افراد ہیں۔ عقائد کی کتب میں تو زیادہ تر عقلی طور پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن صوفیاء کو اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشف کے ذریعہ بھی بعض باتوں کی صحت یا عدم صحت معلوم کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ابو یزید بسطامی نے اپنے زمانہ کے علماء کے متعلق جو ان کی باتوں پر معترض تھے فرمایا: ''اخذتم علمکم میتا عن میت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت''

(الیواقیت ج۲ ص۱۰۲)

یعنی تم نے مردوں سے علم حاصل کیا ہے اور ہم نے اس زندہ سے علم حاصل کیا جو ہمیشہ زندہ ہے اور مرتا نہیں۔ پس اس لحاظ سے کہ ان مقربان بارگاہ الٰہی تھے۔ ان کی باتوں کو بھی تائیدی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ صوفیائے کرام میں جو بزرگ علم ظاہری میں بھی کمال رکھتے ہوں اور علم باطنی میں بھی ان کے اقوال تائیدی طور پر نہ پیش کئے جائیں۔

۳...... مختار مدعیہ نے بحوالہ (شامی ج۲ ص۲۹۴) ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف سے یہ قول پیش کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے۔ اس لئے جب تک ان کا کوئی محرم راز نہ ہو تب تک اسے ان کی کتاب دیکھنا نہیں چاہئے۔

جواب: مختار مدعیہ کے اس قول کا کہ جب تک کہ ان کا کوئی محرم راز نہ ہو ان کی کتابیں نہ دیکھنے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صوفیاء ہی ان کی کتابوں کو پڑھیں۔ علماء ظواہر جو ان کے طریق سے ناواقف ہیں۔ ان کے لئے بقول ابن عربی ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہے اور اگر یہ بات جو مختار مدعیہ سمجھا ہے اور اس نے پیش کی ہے صحیح ہوتی تو انہیں کتابیں لکھنے اور شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر یہ قول شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کیا گیا تو اس کا وہ مفہوم جو مختار مدعیہ سمجھا ہے، قطعاً نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کتب کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس نے کہا ہے: ''و اما قول بعض المنکرین ان کتب الشیخ لا تحل قراتها فکفر'' یعنی بعض منکروں کا یہ کہنا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا پڑھنا حلال نہیں ہے، یہ کفر ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ منکروں نے میرے پاس یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ تو ان کتابوں کے بارے میں جو شیخ محی الدین ابن العربی کی طرف منسوب ہیں جیسے فصوص اور فتوحات کیا کہتا ہے؟ کیا ان کا پڑھنا ناجائز ہے اور کیا وہ ان کتب سے ہیں جو پڑھی اور سنائی جاتی ہیں؟''

''فاجبت نعم هی من الکتب المسموعته المقروۃ وقد قراها علیه الحافظ البرذلی وغیره'' یعنی میں نے جواب دیا کہ ہاں! یہ ان کتب میں سے ہیں جو سنی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور حافظ برذلی وغیرہ نے اسے سنا کر پڑھی ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے قونیہ شہر میں فتوحات کے پڑھنے پڑھانے کا اجازت نامہ خود شیخ محی الدین ابن عربی کے قلم کا لکھا ہوا دیکھا ہے اور بہت سے علماء اور محدثین کے پاس کتابۃً اجازت دیکھی۔

''فمطالعة کتب الشیخ قربة الی الله تعالیٰ ومن قال غیر ذالک فهو جاهل زائغ عن طریق الحق''

پس شیخ کی کتب کا مطالعہ باعث قرب الٰہی ہے اور جو اس کے سوا کہے تو وہ جاہل ہے اور طریق حق سے ایک طرف ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ اپنے زمانہ میں صاحب ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کے مقام پر تھے اور شیخ صلاح الدین الصغری نے تاریخ علماء مصر میں یہ لکھا ہے: ''من اراد ان ینظر الٰی کلام اهل العلوم اللدینه فلینظر فی کتب الشیخ محی الدین ابن العربی'' یعنی جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے تو اسے شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (الیواقیت والجواہر ج۱ص۱۰)

اور امام بن اسعد الیافعی بھی شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کی روایت کو جائز کرتے تھے۔ ان جاہلوں کے اہل طریق کا انکار کرنے کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے ایک مچھر اپنی پھونک سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہلا کر دوسری جگہ کر دینا چاہے۔ (الیواقیت ج۱ص۱۱)

اسی طرح ام کی کتب کے مطالعہ کرنے کی نسبت (الیواقیت والجواہر ج۱ص۱۰،۱۱،۱۲،۱۳) میں مختلف علماء کبار کے اقوال درج ہیں۔ پس ان اقوال کے مقابلہ میں جن میں ان کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی تاکید کی جاتی ہے اس قول کی کیا حقیقت ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور مختار مدعیہ جس کا ایک رکیک مفہوم لے کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت محی الدین ابن عربی کی کتب کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔

۲...... نبوت تشریعی سے شریعت لانے والی نبوت مراد نہیں ہے، بلکہ ایسی نبوت مراد ہے جس کو شریعت میں نبوت کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب نے جو تشریعی کے معنی صاحب شریعت ہونا اور کتاب مستقل اور احکام نئے ہونا یا بعض پہلے احکام کا نسخ ہونا لئے ہیں، یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

جواب: مختار مدعیہ کا تشریع نبی کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ نئی شریعت لانے والا ہو، بلکہ جسے شریعت میں نبی کہا جاتا ہے وہ مراد ہے۔ صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ جب ہم فتوحات مکیہ، فصوص الحکم وغیرہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ تشریعی نبوت سے مراد شریعت والی نبوت ہے۔

تشریع کے معنی

۱...... شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''تشریع عبارت ازاں است کہ انساں چوں مرکب است از دو قوت ملکیہ وبہیمہ اعتدال نوعی او رتقاضا ئے کند آں حرکات را کہ بسبب آن ہر دو قوت بجائے خود بماند و در معاد سعادت نصیب او شود در اتفاقات ضروریہ از آداب معیشت ونکاح وابتغائے معیشت وسیاست مدن از جادہ قویمہ بیروں نرود وایں ہمہ احوال وافعال را برائے نوع انسان معین کردن تشریعی است۔'' (رسالہ سطعات مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب ص۹)

۲...... شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں: ''فانه تعالٰی اعطی خلفائهٔ من الانبیاء التشریع واعطی هٰذه الامة الاجتهاد فی نصب الاحکام وامرهم ان یحکموا بماأدی الیه اجتهادهم وذٰلک تشریع فلحقوا المقامات الانبیاء فی ذالک'' (الکبریت الاحمر بر حاشیہ الیواقیت ج۱ص۱۴۲)

اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو تشریع دی تو اس امت کو احکام قائم کرنے میں اجتہاد دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو سمجھیں اس کے مطابق حکم کریں اور یہ بھی تشریع ہے۔ پس امر میں وہ انبیاء علیہم السلام کے مقام سے مل گئے۔

۳...... اور فصوص الحکم میں لکھا ہے: ''وان کان خاتم الاولیاء تابع فی الحکم لماجاء به خاتم الرسل من التشریع فلذالک لایقدح فی مقامه'' (فصوص الحکم ص۲۸ مطبوعہ کانپور)

اور اس کا ترجمہ جو اسی کتاب میں سے ہے، یہ ہے۔ اگرچہ ہے خاتم الاولیاء حکم شریعت کے اس چیز کا کہ لائے اس کو خاتم الرسل

احکام ظاہر شریعت سے۔ پس یہ پیروی نہیں ضرر کرتی ہے بیچ مرتبہ خاتم الاولیاء کے۔ مختار مدعیہ نے فصوص الحکم کا ایک یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ: ’’واما نبوة التشريع والرسالة منقطعة وفي محمد ﷺ فقد انقطعت فلا نبی بعده یعنی مشرعا اومشرعاله ولارسول وهو المشرع ‘‘اس میں لفظ مشرع اور لفظ مشرع لہ سے اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر قسم کی نبوت منقطع ہے۔ اب نہ کوئی نبی شریعت جدیدہ لے کر آ سکتا ہے اور نہ جس کے لئے کوئی شریعت بنائی گئی ہو۔ حالانکہ یہاں بھی تشریع سے مراد شریعت بنانا ہی ہے اور مشرع کے معنی نئی شریعت لانے والا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب توراۃ اور مشرع لہ کے معنی ہیں جن پر کوئی جدید کتاب نازل نہ ہوئی ہو۔ جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو احکام توریت کے تابع تھے لیکن اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں وہی نبی مراد ہیں جو مستقل ہیں۔ ورنہ وہ نبوت جو اتباع سے حاصل ہو جس کا نام وہ نبوت عامہ رکھتے ہیں وہ منقطع نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس عبارت کے متصل ہی چھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:’’فابقی لهم النبوة العامة التی لاتشريع فيها والبقی لهم التشريع فی الاجتهاد فی ثبوة الاحکام وابقی لهم الورثة فی التشريع ‘‘یعنی پس باقی رکھا اللہ تعالیٰ نے واسطے ان کے نبوت عام کو نہیں ہے۔ تبلیغ احکام ناموس (شرعی) کی بیچ اس کے اور باقی رکھی اللہ تعالیٰ نے واسطے بندوں کے تشریع، یعنی تخریج احکام شرعیہ کے بیچ اجتہاد، بیچ ثبوت احکام شرعیہ کے، مترجم شاہ محمد مبارک علی صاحب نبوت عامہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:’’یعنی نبوت دو قسم پر ہے۔ ایک نبوت تشریعی ہے اور وہ عبارت ہے اوامر ونواہی وغیرہ۔ احکام ظاہر شریعت سے حق تعالیٰ کی جانب سے خلق کی طرف بذریعہ انبیاء اور رسولوں کے۔ دوسری قسم نبوت عامہ ہے اور وہ عبارت ہے عرفان اور اسرار غیب اور خبر دینے سے اور ظاہر کرنے سے اسرار ملک اور ملکوت اور ربوبیت۔‘‘ (فصوص الحکم مترجم مطبوعہ کانپور حاشیہ ص۱۴۶)

اس حوالہ سے نبی تشریعی کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ نبوت تشریعی انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت کے مخلوق کے لئے دیئے جانے کو کہتے ہیں۔

اس کے بعد میں فتوحات مکیہ سے بھی ایک حوالہ پیش کرتا ہوں تاکہ تشریعی کے معنی بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے جو مغالطہ دینا چاہا ہے وہ دور ہو جائے۔

چنانچہ شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں:’’فان النبوة التی انقطعت بوجود رسول الله ﷺ انما هی نبوة التشريع لامقامها فلا شرع يكون ناسخاً لشرعه ﷺ ولايزيد فی شرعه حكما آخر وهٰذا المعنى قوله ﷺ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولانبی. ای لانبی بعدی يكون علی شرع يخالف شرعی بل اذا كان يكون تحت حكم شريعتی ولارسول بعدی الٰی احد من خلق الله بشرع يدعوهم اليه فهذا هوالذی انقطع وسدبابه لامقام النبوة ‘‘یعنی جو نبوت آنحضرت ﷺ کے وجود سے منقطع ہوئی ہے وہ نبوت تشریعی ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس کوئی شریعت ایسی نہیں ہو سکتی جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو اور آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرنے والی ہو اور یہی معنی آنحضرت ﷺ کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے مخالف ہے، بلکہ جب کبھی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے تحت ہو گا اور میرے بعد خلق اللہ میں سے کوئی رسول نہیں جو شریعت لائے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ پس اس قسم کی نبوت منقطع ہوئی ہے اور اس کا دروازہ بند کیا گیا ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اس کے آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے میں جو نبی اور رسول ہیں، کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی کہ وہ نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کے ہی تابع ہوں گے۔ پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت اور متحقق ہے اور وہ نبی اور رسول ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بعد ظاہر ہوئے لیکن آنحضرت ﷺ اپنے اس قول میں بھی صادق ہیں کہ میرے بعد نبی

نہیں۔پس ہم سمجھ لیتے کہ آپ کی مراد خاص نبوت تشریعی سے ہے جس کو اہل نظر اختصاص سے تعبیر کرتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:’’فالنبوۃ مقام عنداللّٰہ ینالہ البشر وھومختص بالاکابر من البشر یعطی للنبی المشرع ویعطی للتابع لھٰذ النبی المشرع الجاری علی قال اللّٰہ تعالٰی فی القرآن ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیاً فاذا نظر الی ھذا المقام بالنسبۃ الی التابع وانہ باتباعہ حصل لہ ھٰذا المقام سمی مکتسبا بھذا لاتباع اکتساباً الم یاتہ شرع من ربہ یختص بہ ولا شرع یوصلہ الٰی غیرہ وکذالک کان ھارون فسددناباب اطلاق لفظۃ النبوۃ علی ھذا المقام مع تحقیقہ لئلا یتخیل متخیل ان المطلق لھٰذا للفظ یرید نبوۃ التشریع فیغلط کما اعتقدہ بعض الناس فی الام الٰی حامد الغزالی‘‘ (فتوحات مکیہ ج۲ص۳،۴)

’’اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ نبوت خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام ہے جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور یہ مقام اکابر لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو نبی مشرع کو بھی ملتا ہے اور اس مشرع نبی کے تابع کو بھی ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو اس کے لئے نبی بنایا ہے۔پس جب وہ اس مقام کی نسبت کو تابع اور اس کی اتباع کے لحاظ سے دیکھتا ہے تو اس مقام کا نام مکتسب اور اس اتباع کے تعمیل کا نام اکتساب رکھتا ہے اور نہ تو خدا کی طرف سے اس کے لئے کوئی خاص شریعت آتی ہے اور نہ دوسروں کو پہچاننے کے لئے اور ہارون علیہ السلام بھی ایسے ہی نبی تھے۔اس وجہ سے ہم نے اس مقام پر باوجود اس کے متحقق ہونے کے لفظ نبوت کا اطلاق کرنا بند کر دیا تا کوئی خیال کرنے والا غلط طور پر یہ خیال نہ کرلے کہ اس لفظ کے بولنے والی کی مراد نبوت تشریع ہے۔جیسا کہ بعض لوگوں نے امام غزالی کے متعلق کہہ دیا ہے کہ وہ اکتساب نبوت کے قائل ہیں۔‘‘

اس حوالہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی دوسری غیرتشریعی۔نبوت اسے کہتے ہیں کہ جو مستقل ہو اور وہ کسی نبی کی اتباع کے نتیجہ میں نہ ہو اور اسے کوئی شریعت دی جائے۔چاہے وہ اس کے لئے خاص ہو اور دوسروں کے لئے اسے پہلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہو اور دوسری قسم کی نبوت غیرتشریعی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام روحانی ہے جو کسی انسان کو کسی نبی کی اتباع کے نتیجہ میں ملتا ہے اور ہارون علیہ السلام صاحب فتوحات کے نزدیک نبی غیرتشریعی تھے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول کے وقت غیرتشریعی نبی ہوں گے۔مذکورہ بالا تمام حوالہ جات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا، جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت میں کمی وبیشی کرنے والا ہو۔لیکن مطلق نبی کا آنا ممتنع نہیں ہے۔

اب زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے تو ایسے شخص پر جو مقام نبوت کو بھی حاصل کرلے نبی کا اطلاق جائز نہیں قرار دیا تا کہ کوئی اس سے نبوت تشریعی نہ خیال کرلے۔میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔مگر ان کا یہ قول عموم کے لحاظ سے ہے۔ورنہ مسیح موعود کو تو خود نبی غیرمشرع مانتے ہیں اور ہارون علیہ السلام کو بھی۔انہوں نے تابع نبی اور غیرمشرع قرار دیا ہے۔لیکن باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے انہیں نبی کا نام دیا ہے۔جیسا کہ:’’ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا‘‘ سے ظاہر ہے۔پس ان کے مذہب کی رو سے بھی جس تابع نبی کو خدا تعالیٰ نبی قرار دے دے تو اس پر نبی اطلاق ہوسکتا ہے اور ایسے نبی کا آنا حدیث:’’لا نبی بعدی‘‘ اور آیت:’’خاتم النّبیین‘‘ کے خلاف نہیں ہے۔کیونکہ اس سے صرف ایسے نبی کا نہ آنا مراد ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔لاغیر! اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء نے جو یہ کہا ہے کہ ان کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام نہیں دیا گیا تھا۔اس لئے انہوں نے مسیح موعود کو جن کے متعلق احادیث میں نبی کا لفظ آیا تھا نبی کا نام دیا اور دوسروں کے متعلق ایسا نہ کہا۔لیکن چونکہ حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا تھا۔اس لئے آپ نے اسی حقیقت کو علی رؤس الاشہاد ظاہر فرمایا کہ جس شخص کو آنحضرت ﷺ

کی اتباع میں اور آپ میں فنا ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام عطاء ہو وہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ محی الدین ابن العربی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اہل اللہ کے بھی مختلف درجات اور مراتب ہیں اور اگر بڑا مرتبہ رکھنے والا ایک بات کہے تو اس کی بات بہ نسبت دوسروں کے قابل قبول ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''وسبب غلط الغزالی وغیرہ فی منع تنزل الملک علی الولّی عدم الذوق وظنھم انھم قد عملوا بسلوکھم جمیع المقامات فلما ظنوا ذالک بانفسھم ولم یروملک الالھام نزل علیھم انکروہ وقالوا ذالک خاص بالانبیاء فذوقھم صحیح وحکمھم باطل مع ان ھؤلآ الذین منعوا قائلون بان زیارۃ الثقتہ مقبولۃ واھل اللہ کلھم ثقات قال والوان ایا حامد امام الغزالی وغیرہ اجتمعوا نی زمانھم بکامل من اھل اللہ واخبرھم بتنزل الملک علی الولی یقبلوا ذالک'' (الیواقیت ج۲ ص۹۵)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ غزالی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا تو اس غلطی کی وجہ عدم ذوق اور ان کا یہ خیال کر لینا ہے کہ گویا انہوں نے سلوک کے تمام مقامات طے کر لئے۔ جب انہوں نے اپنے متعلق یہ خیال کر لیا اور فرشتہ الہام کو اپنے اوپر نازل ہوتے نہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ فرشتہ کا نزول انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پس ان کا ذوق تو صحیح ہے لیکن حکم باطل ہے اور پھر یہی لوگ جنہوں نے کہا کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا، اس امر کے قائل ہیں کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور تمام اہل اللہ ثقہ ہیں۔ اگر امام غزالی وغیرہ اپنے زمانہ میں کسی کامل اہل اللہ سے ملتے اور وہ انہیں ولی پر فرشتہ کے نزول کی خبر دیتا تو وہ اسے ضرور قبول کر لیتے۔ پس اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صوفیاء نے غیر تشریعی نبی کے متعلق یہ کہا ہے کہ اسے نبی کا نام نہیں دیا جاتا تو بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جب ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ نے نبی کا نام نہ دیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ نبی کا نام کسی کو نہیں دیا جاتا تا کہ شریعت والی نبوت نہ سمجھ لی جائے۔ پس ان کا ذوق تو صحیح ہے لیکن ان کا حکم باطل ہے۔ کیونکہ مہدی موعود ومسیح موعود کو جو بالاتفاق سب اہل اللہ سے افضل اور ثقہ ہیں، خدا تعالیٰ نے نبی کا نام دیا اور آپ نے ببانگ دہل فرمایا۔

''میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ! آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہوکر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ میں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح'' (تتمہ حقیقت الوحی ص۶۸، خزائن ج۲۲ ص۵۰۳)

اور اصطلاح کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب بھی لکھتے ہیں: ''اصل مطلب میں تو شریک ہی نکلے لفظوں اور اصطلاح کا ہی فرق رہا سو یہ کیا بڑی بات ہے۔ مصرع ہر یکے اصطلاحے دادہ ایم۔'' (ہدیۃ الشیعہ ص۳۰)

۵...... مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے یہ عجیب بات ہے کہ وہ (احمدی) وہ حوالے پیش کرتے ہیں جو ان کے مطلب کے ہیں۔ باقی عبارات جو ان میں ہیں وہ نہیں پیش کرتے۔ فتوحات میں بھرا پڑا ہے کہ مسیح زندہ ہیں اور ان کا نزول ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بھی تو ان کتابوں سے وہی حوالے پیش کرتے ہیں جو آپ کے مطلب کے ہیں۔ دوسرے نہیں پیش کرتے۔ ہم تو ان بزرگوں کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ نزول مسیح کی پیش گوئی چونکہ مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اور علم غیب میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے۔ اس کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے اور ان سے یہ غلطی ہوئی۔ لیکن اس وجہ سے ہم ان کو تکفیر تو نہیں کرتے۔ برخلاف اس کے آپ نے تو یہ کہا ہے کہ ''لا نبی بعدی'' اور ''خاتم النبیین'' کے معنی صرف یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اور اگر اس آیت وحدیث کے اس کے سوا کوئی اور معنی کرے تو وہ کافر ہے۔ اس لئے ہمیں ضرورت پیش آئی کہ آپ لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لئے ان بزرگوں کے اقوال پیش کریں جن

کو آپ مسلمہ بزرگ سمجھتے ہیں اور وہ ’’خاتم النّبیین‘‘ اور ’’لا نبی بعدی‘‘ کے وہی معنی کرتے ہیں جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔

مختار مدعیہ تو ہمارے طریق پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور قابل تعجب خود اس کا طریق ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مسلم مقتداء مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی و مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی اس کے طریق کو قابل تعجب بتاتے اور ادنیٰ طالب علموں کے تعجب کرنے کے لائق ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ البراہین القاطعہ جو دونوں صاحبوں کی طرف منسوب ہے۔ (ص۸۸) پر فرماتے ہیں: ’’مؤلف نے یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتاب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جاوے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ مثلاً ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لائے ہیں۔ مع ہذا! اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں۔ ترمذی ابوداؤد وغیرہما کتب سے سند لاتے ہیں۔ مع ہذا! جس روایت میں اس کے ضعف ہے اس کو ترک کرتے ہیں اس کو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے مگر مؤلف کہتا ہے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزانہ اور دستور القضات سے روایات نقل کی ہیں تو بس سب مرویات، منقولات ان کے نزدیک معتبر و اجب القبول ہو گئی۔ یہ عجب العجاب استدلال ہے۔

حوالہ تحذیر الناس

پھر مختار مدعیہ نے مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے قول کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا ان کے قول مندرجہ (تحذیر الناس ص۲۸) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا ہونا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔ سو اس کے جواب میں میں ان کا وہی قول پیش کر دینا چاہتا ہوں اور اس امر کا فیصلہ کہ آیا گواہان مدعاعلیہ اس سے جو کچھ سمجھتے ہیں صحیح ہے یا نہیں۔ عدالت کے انصاف پر چھوڑتا ہوں اور وہ قول یہ ہے: ’’بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے۔ اسی زمین میں کوئی نبی تجویز کیا جائے۔‘‘ (تحذیر الناس ص۲۸)

اس عبارت کے الفاظ صاف سلیس سادہ آسان اور بالکل ہی عام فہم اردو زبان میں ہیں اور ان میں برائے نام بھی ابہام نہیں ہے اور بوجہ اپنی انتہائی وضاحت کے ناظرین کو پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا حضور کی خاتمیت میں کوئی خلل ڈالنے والا نہیں ہے اور علمائے عصر نے بھی اس عبارت کے یہی معنی سمجھے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے شہرۂ آفاق عالم مولوی احمد حسن صاحب کان پوری اپنی کتاب افادات الاحمدیہ میں مقدمہ مقلد و غیر مقلد کے متعلق ہند کمیشن کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’البتہ پیغمبری ختم ہوگئی اور یہ لفظ خاتم النّبیین قرآن شریف میں موجود ہے۔ مگر بعض علماء نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اگر حضرت کے بعد یا حضرت کے زمانہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہو تو اس آیت کے منافی نہیں اور اس مسئلہ کی ایجاد سے ان پر اور بہت سے علماء نے اعتراضات کئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!‘‘ (افادات الاحمدیہ ص۴۵)

مولوی احمد حسن صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت کے جو کچھ معنی وہ سمجھتے ہیں وہ اکیلے نہیں ہیں۔ بلکہ اور بہت سے علماء بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ یعنی وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو وہ خاتمیت محمدیہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اور ان علماء پر کیا موقوف ہے۔ ہر عالم و غیر عالم جو خواہ مخواہ حق پوشی و ناحق کوشی سے کام لینا نہ چاہے۔ عبارت منقولہ بالا کے وہی معنی سمجھے گا جو مولوی احمد حسن صاحب سمجھے ہیں۔

اگرچہ عبارت اپنے معنی کے اظہار میں کسی تشریح و تفصیل کی ہرگز محتاج نہیں تاہم میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ خود مولانا محمد قاسم ہی کے قول سے اس کی کیا تشریح و تفصیل ثابت ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ’’اوّل معنی خاتم النّبیین ﷺ کرنے چاہئیں، تاہم فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ’’ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین ‘‘ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ ہاں! اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ! زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں قد وقامت وشکل ورنگ وحسب ونسب وسکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے۔ جو اس کو ذکر کیا اور ان کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال، کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال کب بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پھر جملہ ’’ماکان محمد ابا احد من رجالکم ‘‘اور جملہ ’’ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین ‘‘میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے بیسیوں مواقع تھے۔ (تحذیر الناس ص۳)

اس تحریر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱...... خاتم النّبیین سے آنحضرت ﷺ کے زمانہ کو انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ کو سب میں آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے۔

۲...... ’’لکن رسول اللہ وخاتم النّبیین‘‘ مقام مدح میں فرمایا گیا ہے۔

۳...... تقدم وتأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں جب کہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے۔

۴...... باعتبار تأخر زمانی کے خاتم النّبیین کو لینا اس وقت درست ہوسکتا ہے۔ اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ قرار دیا جائے۔

۵...... اور اوصاف مدح میں سے نہ لینے کی صورت میں ایک تو خدا تعالیٰ پر زیادہ گوئی کا الزام آتا ہے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ کی قدر کم ہوتی ہے۔

۶...... اگر آخری دین ہونے کے لحاظ سے سد باب اتباع مدعیان ثبوت کہو تو فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ موقع نہیں بلکہ بیسیوں اور مواقع اس کے بیان کرنے کے ہوسکتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں۔

’’بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تأخر زمانی اور سد باب مذکورہ خودبخود لازم آتا ہے اور فضیلت نبوی بالا ہوجاتی ہے۔‘‘ (ص۳)

یعنی خاتم النّبیین کے وہ ایسے معنی کریں گے کہ جس سے آنحضرت ﷺ کی شان بھی دوبالا ہوجائے اور تأخر زمانی بھی پایا جائے۔ یعنی آخری دین ہونے کی وجہ سے جو سد باب اتباع مدعیان نبوت ضروری تھا وہ بھی پورا ہوجائے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی ایسا نہیں ہوسکتا جو نیا دین لائے۔ کیونکہ آپ کا دین آخری دین ہے۔

اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور مکتسب

من الغیر ہونا لفظ بالذات میں سے مفہوم ہے۔ کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے۔ زمین وکوہسار اور درودیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہو تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی۔ بایں ہمہ اگر یہ وصف آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو، وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا اور کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔''

موصوف بالذات اور موصوف بالعرض میں یہ فرق ہوا کرتا ہے کہ موصوف بالذات کو جو چیز حاصل ہوتی ہے، وہ بلاواسطہ اور ذاتی ہوتی ہے اور موصوف بالعرض کا وصف بالواسطہ مکتسب ہوتا ہے اور کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے۔ جس کا وصف بالذات ہوتا ہے وہ سلسلہ اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آفتاب پر اگر اس کا نور ذاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ اس پر نور کا سلسلہ ختم ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد قطعاً نہیں ہوگی کہ اس کے واسطہ سے بھی نور حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ آپ اس تقریر کا نتیجہ یہ تحریر فرماتے ہیں: ''سو اسی طور پر رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت خاص ہیں اور سواء آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ بشہادت ''واذ اخذ اللہ میثاق النّبیین...... الخ!'' اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کے اتباع اور اقتداء کا عہد لیا گیا۔ ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے۔ علاوہ ازیں بعد نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ''علّمت علم الاوّلین والآخرین'' بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص وعام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ ﷺ میں مجتمع ہیں۔ عالم حقیقی رسول اللہ ﷺ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گزشتہ ومستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے۔'' (ص۴)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

۱...... آنحضرت ﷺ کی نبوت بالذات ہے اور آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں ہے۔ دوسروں کی نبوت بالعرض اور آپ کا فیض ہے۔

۲...... اس کمال کی وجہ سے نبوت آپ پر ختم ہے کہ آپ کی طرح نبوت سے موصوف بالذات کوئی نہیں ہوسکتا جو بھی ہوگا بالعرض ہوگا۔ گزشتہ زمانہ میں ہوا ہو یا آئندہ زمانہ میں ہو۔

۳...... اس وجہ سے بھی آپ خاتم النّبیین ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے۔ اگر آپ میں تمام کمالات علمیہ جمع ہیں۔

۴...... جیسے آپ نبی الامت ہیں ویسے ہی آپ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یعنی آپ جیسے اپنی امت کے روحانی معنوی باپ ہیں۔ اسی طرح آپ انبیاء کے بھی روحانی باپ ہیں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''نیز اس صورت میں جیسے قرأت خاتم بکسر التاء چسپاں ہیں ایسے ہی قرأت بفتح التاء بھی نہایت درجہ کو بے تکلف موزوں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جیسے قرأت خاتم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ ﷺ کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں ہے پر ابوۃ معنی امتیوں کو بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النّبیین شاہد ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی موصوف بالذات بالنبوۃ

ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہوگئی کہ آپ والد معنوی ہیں اور باقی انبیاء آپ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔ (ص۱۰،۱۱)

پھر لکھتے ہیں: ’’اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گزشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔ اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اس طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو یہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہرطور پر آپ پر مختتم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن بشر ہی ختم ہوگیا تو پھر سلسلہ علم وعمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔‘‘ (ص۱۴)

اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نبوت جو کمالات علم میں سے ہے وہ رسول اللہ ﷺ میں اتم واکمل طور پر موجود ہے اور اس سے زیادہ علم کا حصول بشر کے لئے ممکن نہیں۔ اس وجہ سے جو بھی نبی ہو یا فرض کیجئے آئندہ ہو تو ہم کہیں گے کہ اس کی نبوت اور کمالات علمیہ بھی آنحضرت پر ختم ہیں۔ کیونکہ آپ مستجمع جمیع کمالات انبیاء ہیں اور آپ نبوت سے موصوف بالذات ہیں اور کسی کے محتاج نہیں۔ لیکن باقی نہیں موصوف بالعرض ہونے کی وجہ سے وصف نبوت میں آپ کے محتاج ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں ایک لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے انبیاء سے آخر میں آنے اور انہیں ختم کر دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بنتے۔ کیونکہ اگر کہو کہ پہلے انبیاء کو ختم کر دیا تو وہ پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔ ان کا ختم کرنا کیا اور آئندہ کوئی آنا نہیں تھا جو اسے ختم کرتے۔ لیکن بلحاظ مراتب کے خاتمیت لینا نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور انہیں کچھ کمالات حاصل تھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ ان کمالات کو حاصل کر کے آگے بڑھ گئے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو آپ نے ختم کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ کی نبوت چند کمالات کی جامع تھی جو آنحضرت ﷺ حاصل کر کے ان سے بھی آگے نکل گئے۔ اسی طرح ان کی نبوتیں بھی آپ نے ختم کر دیں اور معراج میں یہی بات دیکھائی گئی کہ آپ تمام نبیوں کو چھوڑ کر ان سے آگے نکل گئے۔ اس وجہ سے آپ تمام انبیاء کے خاتم ٹھہرے کہ ان تمام کے کمالات آپ پر ختم ہوگئے اور آپ سب کے جامع ہوئے۔ اس لحاظ سے مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ جو انبیاء پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تو آپ کی خاتمیت زمانی سے انکار نہ ہوسکے گا۔

’’ہاں! اگر خاتمیت بمعنی اتصاف بوصف نبوت لیجئے۔ جیسا کہ اس ہیچ مدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور کوزمین میں یا فرض کیجئے۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔‘‘ (ص۲۸)

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتم النّبیین کے معنی ایسے لیتے ہیں جن کی رو سے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی کوئی نبی آئے جو آپ کی نبوت کا محتاج ہو اور اس کی نبوت وصف بالعرض ہو نہ بالذات۔ وہ بھی آپ کے

خاتمیت کے منافی نہیں ہے اور خاتمیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے اور آپ ہی ہر زمین اور ہر زمانے کے بادشاہ ہیں اور حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ۔

تمت علیہ صفات کل مرتبة　　ختمت بہ نعماء کل زمان

کہ آپ پر تمام اعلیٰ صفات پوری ہو گئیں اور آپ پر ہر زمانہ کی نعمتیں ختم ہو گئیں۔

پھر مولانا فرماتے ہیں: ''وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو اور بارگاہ علمی تک باریاب ہو۔ تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اعلیٰ اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم ومکرم ہوگا اور سب اس کے تابع ومحتاج ہوں گے۔ اس پر مراتب کمالات ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضروری ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء بوجہ احکام رسانی مثل گورنر وغیرہ نوائب خداوندی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا حاکم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لئے جیسے عہد ہائے ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے اور سواء اس کے اور سب عہدے ماتحت ہوتے ہیں اور ان کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے۔ اس کے احکام کو کوئی اور نہیں توڑ سکتا اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے کہ اس پر مراتب عہدہ جات ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں۔ جو ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہوں گے۔ اوروں کے احکام اس کے احکام کے ناسخ نہ ہوں گے اور اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو۔ کیونکہ اوپر کے حاکم تک نبوت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے اور اس لئے اس کا حکم اخیر حکم ہوتا ہے۔''　　(مباحثہ شاہ جہان پور ص۲۴،۲۵)

پھر جیسے گورنر خاتم الحکام کے ماتحت ہو کر کسی حاکم کا آنا اس کی خاتمیت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح خاتم النّبیین کے ماتحت ہو کر اور آپ کے احکام کے نفاذ کے لئے کسی نبی کا آنا آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ اگر کسی نبی کا آنا آپ کی خاتمیت کے خلاف ہو تو وہ ایسا نبی ہے جو آپ کے احکام کو آخری احکام نہ سمجھے اور ان کو منسوخ کرے۔ ورنہ ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا متبع ہو اور آپ کی غلامی کا دعویٰ کرے وہ آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کی نبوت آپ کی نبوت سے علیحدہ نہیں بلکہ اسی سے مستفیض ہے۔

چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں: ''جیسے اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے جو گورنر زمانہ حال ہے۔ ایسے ہی اس زمانے میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو ان کو چارنا چار رسول عربی ﷺ ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔ پس آنحضرت ﷺ کا متبع ہو کر کسی نبی کا آنا منافی خاتمیت نہیں۔''

اس امر کی تائید میں ایک اور حوالہ پیش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تحذیر الناس میں جس حدیث پر بحث ہے اسی حدیث پر کتاب نصر المومنین میں بھی بحث کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ان کو علماء نے ارتداد اور کفر صریح کی طرف نسبت دے کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے پاس بیٹھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔　　(نصر المومنین ص۲،۳،۴،۶)

اور اس فتویٰ پر چودہ علماء کی مواہیر ہیں۔

پھر اس کتاب کے (ص۷) میں اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دینے والوں کے اس سوال کا کہ النّبیین میں الف لام استغراق کا ہے۔ اس لئے آپ تمام قسم کے انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ جواب دیا ہے: ''ہم نہیں تسلیم کرتے کہ الف لام النّبیین میں استغراق کا ہے۔ بلکہ عہد کے لئے ہے اور مراد النّبیین سے وہ ہیں کہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک ہوئے اسی طبقہ علیا میں تھے اور یہ اگرچہ ایک احتمال ہے لیکن باعتبار اصول کے یہ بات بہت قوی ہے۔''

پھر لکھتے ہیں: ’’اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔‘‘ (نصر المومنین مطبوعہ نور کانپور ۱۲۹۱ھ)

آخری جملہ میں تو بعض ایسے فرقوں کا ذکر کر کے جو تشریعی نبوت کے ختم ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں ان کو بھی مسلمان ہی قرار دیا ہے اور مختاران مدعیہ صرف ختم نبوت غیر تشریعی نہ ماننے والوں کو بھی کافر کہنے سے نہیں رکتے اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے مناظرہ عجیبہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کا احتمال نہیں تو اس سے مراد وہی لی جائے گی جو ان تصریحات کے خلاف نہ ہو اور ان کو ملحوظ رکھ کر ایسا ہی نبی ہوسکتا ہے جو نیا دین لائے۔ جیسا کہ (تحذیر الناس ص۳) میں مولوی محمد قاسم صاحب نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ قابل لحاظ ہے۔ پھر آپ کے اس قول سے کہ آئندہ نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ ایسا ہی نبی مراد لیا جاسکتا ہے جس کے آنے سے آنحضرت ﷺ کا دین آخری دین نہ رہے اور اسی طرح (تحذیر الناس ص۱۰) کی عبارت میں بھی اس قسم کے نبیوں کے لحاظ سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خاتم زمانی مانا ہے۔ ورنہ وہ بغیر دین جدید وشریعت جدیدہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔‘‘

علاوہ ازیں اگران کے معنوں میں اور دیگر علماء کے معنوں میں کوئی فرق نہ ہوتا اور وہ دیگر علماء کی طرح آنحضرت ﷺ کو خاتم زمانہ تسلیم کرتے تو انہیں ان کی تکفیر کی کیا ضرورت تھی۔ جیسا کہ نصر المومنین کے حوالہ سے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت تشریعی کے ہیں۔ ایسا ہی فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ: ’’ای کفر بقوله لا اعلم ان آدم علیہ السلام نبی اولا ولوقال اٰمنت بجمع الانبیاء علیهم السلام وبعدم معرفة ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء عبدالبعض‘‘ (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۰)

یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میں تمام انبیاء پر ایمان لایا اور محمد ﷺ کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم شناخت پر، تو بعض کے نزدیک کافر ہوگا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان معنوں میں آخری نبی ماننا جس کا مختار اور گواہان مدعیہ دعویدار ہیں اکثر علماء کے نزدیک ضروریات دین سے نہیں ہے اور نہ ہی موجب کفر ہے۔

باقی حوالے جن میں ’’لا نبی بعدی‘‘ اور ’’خاتم النّبیین‘‘ کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو یا جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی نے مثنوی دفتر ششم میں لکھا ہے۔ خاتم النّبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہوگئے۔ ان سب پر مختار مدعیہ نے کوئی جرح نہیں کی۔ البتہ اقتراب الساعۃ کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ نواب صدیق حسن خان کی تالیف ہے۔ اس لئے غیر مسلم ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی شخصیت کے متعلق زیر عنوان۔

سلف صالحین کا عقیدہ درباره وحی

ذکر کر چکا ہوں اور یہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اقتراب الساعۃ سے جو یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے کہ ’’لا نبی بعدی‘‘ کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی ناسخ شریعت محمدیہ نہیں آئے گا۔ درحقیقت اس کے قائل امام ملّا علی قاری ہیں۔ جیسا کہ پہلے حوالہ کتاب ’’الاشاعۃ لاشراط الساعۃ‘‘ گزر چکا ہے۔

پس ائمہ سلف کے اقوال سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے اور آپ کے قول ’’لا نبی بعدی‘‘ سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد مستقل صاحب شرع جدید کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کے احکام کو منسوخ کرے۔

(۶) سیاق وسباق کے لحاظ سے آیت کے معنی

اس آیت کی تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعاعلیہ۔

(۷) خاتم النّبیین کے صحیح معنی

خاتم بفتح التاء کے اصل معنی عربی زبان میں انگوٹھی یا مہر کے ہیں اور گواہ مدعاعلیہ نمبرا نے ان معنی کے اثبات کے لئے حدیث اور تفسیر اور لغت کو پیش کیا تھا۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبرا لیکن مختارمدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے کہ منجد سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ مفرد ہے اور کتاب اللہ میں مضاف ہوکر استعمال ہوا ہے۔ یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہٰذا غیر متعلق ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ مختارمدعیہ کا یہ قول کس حد تک قابل التفات ہے۔ کیونکہ تھوڑی سی عقل رکھنے والا شخص بھی جان سکتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے معنی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں کے علیحدہ علیحدہ معنی معلوم ہوں۔ ورنہ اس کے معنی کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ پس خاتم کے حقیقی معنی معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ مفرد ہونے کی صورت میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خاتم کا لفظ مہر اور انگوٹھی کے معنی میں احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے۔ خاتم بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی ہے۔

اور گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں وضاحت سے بیان کردیا ہے کہ آنخضرتﷺ فی الحقیقت مہر یا انگوٹھی نہیں۔ پھر جو آپ کو نبیوں کا خاتم کہا گیا تو وہ اس لئے کہ آپ کے خاتم النّبیین ہونے اور حقیقی مہر یا انگوٹھی میں مندرجہ ذیل وجہ شبہ ہوسکتی ہے۔

۱...... زینت جیسا کہ فتح البیان کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ (فتح البیان ج۷ص۲۸۶، مطبوعہ ص۴۲)

۲...... احاطہ جیسے انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ایسے آپ بھی تمام نبیوں کے محیط ہیں۔ یعنی ان کے تمام کمالات کے جامع ہیں۔ جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں: ’’اس ارشاد سے ہر خاص وعام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہﷺ میں مجتمع ہیں۔‘‘ (تحذیر الناس ص۴)

اور کمال کے اظہار کے لئے لغت عرب اور دوسر زبانوں میں بکثرت خاتم اور ختم کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان معنی کی تائید میں گواہان مدعاعلیہ نے منجملہ اور بہت سے حوالہ جات کے ایک حوالہ فتوح الغیب کا ’’بک تختم الولایۃ‘‘ اور ایک وفیات الاعیان سے مجمع القریض بخاتم الشعراء شعر نہیں کہا تھا۔ مگر مختارمدعیہ نے فتوح الغیب کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو خاتم الولایۃ کا ذکر ہے۔ نبوت کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس لئے یہ غیر متعلق ہے۔ گویا کہ مختارمدعیہ کے نزدیک جب خاتم کا لفظ ولایت کی طرف منسوب ہو تو پھر آخر کے معنی نہیں ہوتے۔ لیکن جب نبوت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا مختارمدعیہ کے نزدیک اس تفریق معنی کی دلیل سوائے تعصب کے اور بھی کوئی ہے۔ ہرگز نہیں۔

اور اس شعر کے متعلق مختارمدعیہ نے تین باتیں کہی ہیں۔

اوّل...... اشعار سے قرآن مجید کو حل کرنا تنقیص کلام الٰہی ہے۔

جواب: معلوم ہوتا ہے۔ مختارمدعیہ کو بالکل قرآن مجید کی تفاسیر دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ تفسیروں میں قرآن مجید کے مشکل الفاظ کو حل کرنے کے لئے جابجا شعروں کو پیش کیا گیا ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے: ’’قال ابوبکر بن الانباری قد جاء عن الصحابۃ والتابعین کثیر الاحتجاج علی غریب القرآن ومشکلہ بالشعر وانکر جماعۃ

لاعلم لهم النحويين ذالک‘‘ (اتقان ج۱ص۱۴۹)

یعنی ابوبکرابن الانباری نے کہاہے کہ قرآن مجید کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنے میں صحابہ اور تابعین سے بکثرت شعر سے حجت پکڑنا ثابت ہے اور بعض بے علم لوگوں نے نحویوں پر اس امر کو برا منایا ہے کہ انہوں نے شعروں کو کیوں پیش کیا۔

اوراسی لکھتے ہیں:’’**قال ابن عباس الشعر ديوان العرب فاذا خفی علينا الحرف من القرآن الذی انزله الله بلغة العرب رجعنا الی ديوانها فالتمسها معرفة ذالک منه**‘‘

یعنی ابن عباس نے فرمایا کہ شعر عرب کا دیوان ہے۔ جب قرآن کا جسے خداتعالیٰ نے عربی زبان میں اتارا ہے کوئی حرف ہم پر مخفی ہوجائے۔ یعنی اس کے معنی سمجھنا مشکل ہوجائیں تو ہم عرب کے دیوانوں کی طرف رجوع کر کے اس کے اصل معنی جان لیں گے۔

پس یہ کہنا کہ اشعار کو قرآن مجید سے حاصل کرنا تنقیص کلام الٰہی ہے۔ اپنے آپ کو بے علم لوگوں کی صف میں داخل کرنا ہے۔

دوم...... قرآن مجید میں جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہے اور یہاں جمع تکسیر کی طرف۔ لہٰذا یہ شعر مابہ النزاع بحث سے خارج ہے۔

جواب: منجد کے حوالے کے مقابلہ میں تو انہوں نے صرف یہ عذر کیا ہے کہ یہ مفرد ہے اور کتاب میں مضاف ہوکر استعمال ہوا ہے اور اس طرح گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ:

۱...... خاتم کا لفظ جب جمع کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب خاتم الشعرا کی مثال پیش کی گئی کہ اس میں تو خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہے اور اس کے معنی آخر کے نہیں تو مختار مدعیہ نے یہ عذر پیش کردیا کہ شعراء تو جمع تکسیر ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں النّبیین جمع مذکر سالم ہے۔ لہٰذا یہ شعر مابہ النزاع بحث سے خارج ہے۔ یعنی مختار مدعیہ کے نزدیک اگر خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل کہا جاتا تو پھر اس کے معنی آخر کے نہیں۔ کیونکہ الانبیاء اور الرسل جمع تکسیر ہیں۔ جمع مذکر سالم نہیں اور اگر النّبیین جمع مذکر سالم کہا جائے تو پھر آخر کے معنی ہوتے ہیں۔

پس خاتم کے لفظ کے جمع مذکر سالم یا جمع تکسیر کی طرف مضاف ہونے سے معنوں میں کوئی فرق نہیں آتا خاتم النّبیین کہنا یا خاتم الانبیاء کہنا یا خاتم المرسلین یا خاتم الرسل کہنا معنوی لحاظ سے ایک ہی ہے۔

سوم...... شعرا جاہلی واسلامی کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے نہ کہ بعد کے شاعروں کے اقوال کو۔

جواب: یہ مختار مدعیہ کا اپنا وضع کردہ اصول ہے۔ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ اس کے جوادیب شعراء گزرے ہیں۔ جب تک ان کے قول کے خلاف شعراء جاہل میں سے کوئی قول پیش نہ کیا جائے۔ ان کا قول بھی ایک مختلف فیہ لفظ کے معنی بیان کرتے وقت بطور سند کے پیش ہوسکتا ہے اور مابہ النزاع بحث میں تو قرآن مجید کے زمانہ کے بعد شاعروں کا قول بدرجہ اولیٰ پیش کیا جانا چاہئے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید میں خاتم النّبیین میں لفظ خاتم کے معنی عربی زبان کی رو سے محض آخر ہی کے ہوتے تو پھر اس کے بعد کوئی اسلامی شاعر خاتم کے لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

اور ختم کا لفظ اردو زبان میں بھی کمال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب کے متعلق مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی اپنی کتاب ’’حالات طیب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم‘‘ مطبوعہ صادق الانوار بہاولپور میں لکھتے ہیں:’’مہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے۔‘‘

اس فقرہ میں قطعاً یہ منشاء نہیں ہے کہ آپ کے سواء کوئی اور مہمان نواز تھا یا نہیں ہے۔

تیسری وجہ شبہ یہ ہے کہ مہر تصدیق کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نبیوں کی تصدیق ہوئے۔ دو معنوں کے لحاظ سے ایک تو اس لحاظ سے کہ تمام انبیاء نے آپ کے آنے کی بشارت دی اور تصدیق کی۔

دوسرے اس لحاظ سے کہ آپ مصدق النّبیین ہوئے۔ کیونکہ کسی نبی کی نبوت بدوں آپ کی مہر تصدیق ثبت ہونے کے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس کی تفصیل دیکھو مع امثلہ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

اس کے علاوہ عربی زبان کی رو سے خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار میں زیر لفظ ختم لکھا ہے: ''**فی اعناقھم الخواتم اراد به اشیاء من ذھب وغیرہ معلق فی اعناقھم یعرفون بھا**''

آنحضرت ﷺ کے اقوال کہ ان کے گلوں میں خواتم ہوں گی سے یہ مراد ہے کہ ان کے گلے میں سونے وغیرہ کی چیزیں ڈالی جائیں گی جن سے ان کی شناخت ہوگی۔

پھر حدیث آمین خاتم رب العالمین کے معنی لکھے ہیں: ''**ای العلامة التی تدفع عنھم الاعراض والعاھات**'' کہ خاتم سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک نشانی ہوگی جو ان سے بیماریاں اور آفات دور کرے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں اور اس کی تصدیق شعراء عرب کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابان بن عبدہ شاعر حماسی کہتا ہے ؎

ببیض خفاف مرھفات قواطع　　لداؤد فیھا اثرہ وخواتمه

اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کیا ہے۔ ''**الخواتم الاعلام**'' ہم ان سے لڑیں ساتھ صیقل دار سبک تیز برندہ تلواروں کے جن میں حضرت داؤد کی نشانیاں اور پتے ہیں یعنی بہت پرانے ہیں۔ (حماسہ مجتبائی ص۱۸۴)

اس لحاظ سے خاتم النّبیین کے معنی علامۃ النّبیین کے ہوئے کہ آپ کے ذریعہ انبیاء شناخت کئے جاتے ہیں اور آپ کی ذات معیار نبوت ہے جو آپ کے اسوۂ حسنہ پر ہوگا وہ نبی ہے۔ پس آپ انبیاء کے صدق وکذب جانچنے کے لئے بطور معیار کے ہیں جن معیاروں کی رو سے آپ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ معیار کسی نبی میں پائے جائیں تو وہ بھی صادق ہوگا۔

زبان عرب میں خاتم بفتح التاء کا لفظ کبھی اخیر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ آخر کے معنوں میں جب بھی استعمال ہوا ہے تو وہ لازم معنی لے کر نہ کہ اصل معنی کی رو سے۔

خاتم کے معنی آخر

مختار مدعیہ نے صرف ایک حوالہ لسان العرب اور منتہی الارب سے پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے: ''**خاتم القوم آخرھم**'' لیکن جب کہ ہم نے محاورات عرب سے معین اقوال اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ یہ ویسے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا کہ کس شاعر نے یا کس ادیب نے خاتم القوم کو آخرہم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن برتقدیر صحت میں کہتا ہوں کہ یہ حوالہ بھی فریق مخالف کو مفید نہیں ہے۔ کیونکہ محاورات عرب میں ایسے مقام پر آخر کے معنی آخری فرد کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اشرف اور افضل کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قیس حواسی شاعر کہتا ہے ؎

شری ودی وشکری من بعید　　لآخر غالب ابداً ربیع

اس کی شرح میں لکھا ہے: ''**وابداً قید لاخر واراد به نفس بقول شری ودی وشکری ربیع من مکان بعید لرجل ھو آخر بنی غالب ابداً حیث لایکون مثله فیھم یعنی شری لنفسه**'' (حماسہ مصری ص۱۳۱)

اور اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہی کیا ہے: ’’ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری ہمیشہ کے لئے عدم المثل ہے خرید لیا ہے۔‘‘ (حماسہ مجتبائی باب الحماسہ ص ۱۳۶)

اور اس قصیدہ کے شروع میں بطور دیباچہ لکھا ہے: ’’قال قیس بمدح بنی زیاد العبسیین و کانوا السبعة و کان ربیع ابن زیاد افضلهم‘‘ کہ قیس نے عبسی بنی زیاد کی مدح میں یہ شعر کہے ہیں اور وہ سات تھے اور ربیع بن زیاد ان سب سے افضل تھا۔ پس آخر بنی غالب اپنے ہوئے کہ جو قوم میں اشرف اور افضل اور عدیم المثال فرد ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر قوم کا آخری فرد مراد لینا عقل کے بھی خلاف ہے اور وہ متصور ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ قوم بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہے اور اس کے آگے ان کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔ پس ’’خاتم القوم آخرهم‘‘ کے معنی بھی محاورات عرب کی رو سے اشرف اور افضل اور عدیم المثال کے ہی ثابت ہوئے ہیں۔ پس یہی ایک مثال تھی جو وہ کتب لغت سے پیش کر سکے ہیں اور یہ بھی ان کے معانی کے خلاف ہے موافق نہیں۔ باقی جو معنی خاتم کے گواہان مدعاعلیہ نے بیان کئے ہیں ان کی تائید میں انہوں نے زبان عرب کے محاورات اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ ہاں! کیا مختار مدعیہ یہاں بھی کہے گا کہ ’’خاتم القوم‘‘ میں تو القوم جمع مذکر سالم نہیں ہے اور یہ مثال ’’مابه النزاع‘‘ بحث سے خارج ہے۔ دیدہ باید!

(۸) خاتم النّبیین کے معنوں کا ضروریات دین سے ہونا

مختار مدعیہ نے گواہوں کی طرح اس بات پر زور دیا ہے کہ خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں جس کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور جو بات ضروریات دین سے متواتر ثابت ہو، اس کی تاویل کرنا کفر وارتداد ہے۔ جاننا چاہئے کہ کسی شخص کے کہنے سے کہ فلاں بات ضروریات دین سے ہے وہ بات ضروریات دین سے نہیں ہو جاتی۔ بلکہ کسی چیز کو ضروریات دین سے ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امر قرآن مجید واحادیث متواترہ یا مشہورہ سے بدرجہ غایت صحت پہنچ چکا ہو اور وہ اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو۔

ضروریات دین کے متعلق مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: ’’ضروریات دین وہ امور ہیں جو قرآن مجید اور حدیث مشہورہ اور اجماع متواترہ سے ثابت ہوں۔‘‘ (شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل مطبوعہ نظامی کانپور)

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: جیسے حشر ونشر اور جنت ودوزخ اور وزن اعمال اور گزرنا پل صراط پر وغیرہ ذالک۔

لیکن خاتم النّبیین کے جو معنی فریق مخالف نے کئے ہیں نہ تو ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے نہ حدیث مشہور میں اور نہ اجماع متواتر سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے صحابہ اور ائمہ سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے۔ صحابہ کا تو ان معنوں پر جیسا کہ اجماع کی بحث میں آئے گا۔ کبھی اجماع نہیں ہوا اور مسلمانوں کے بعض فرقے اہل حدیث وغیرہ اس اجماع کو جو فقہ والوں نے پیش کیا ہے۔ حجت شرعی ہی نہیں سمجھتے اور امام مالک کے قول سے بھی یہی مستفاد ہے کہ جو صحابہ کے بعد اجماع کا مدعی ہے وہ کاذب ہے۔ (مسلم الثبوت ج۲)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں: ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا۔ بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے اور کل میں سے ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی تحریر نمبر ۸ میں ہے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر ہشتم لغایت دہم ج۱۴، بابت ۱۸۹۰ء)

گواہان مدعیہ ومختار مدعیہ کے معنوں کے خلاف ایک نہیں بلکہ کئی ائمہ وعلما سلف کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں۔ پس یہ معنی قطعاً ضروریات دین سے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا مختار مدعیہ کا یہ قول کہ امت کا ان معنوں پر اجماع ہو چکا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(۹) کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہوسکتا ہے

گواہان مدعیہ اور مختاران مدعیہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین کہتے ہیں۔ لیکن خاتم النّبیین کی تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ مختار مدعیہ نے بھی ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے کوئی مثال پیش نہیں کی کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہ کہا گیا ہو۔ یعنی مختاران مدعیہ کے نزدیک بھی احمدیوں کے کفر کی وجہ خاتم النّبیین کی تاویل کرنا ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوسکتا تو گواہان مدعیہ کا احمدیوں کو کافر قرار دینا بھی غلط ثابت ہو جائے گا۔

سوال دونوں امور کے متعلق گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے اپنے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ نے ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوں اور ’’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ ان کا کلمہ ہو۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱ جس میں ثابت کیا تھا کہ احمدیہ جماعت خاتم النّبیین کے معنی کی تاویل نہیں کرتی، بلکہ لغت کی رو سے جو اس کے معنی بن سکتے ہیں وہ لیتی ہے اور اس کے برعکس گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النّبیین کے لئے ہیں وہ تاویل اور تلازم معنی ہیں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر ؓ کے اوائل ایام خلافت میں جن عربوں نے تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا، انہیں حضرت ابوبکر ؓ نے مرتد قرار دیا...... بالکل غلط ہے۔ بعض لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہو گئے تھے اور اکثر نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا اور بعض جگہ متنبّی بھی کھڑے ہو گئے تھے اور بعض نے اپنے ارتداد کی یہ وجہ قرار دی تھی کہ آنحضرت ﷺ نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر نبی ہوتے تو نہ مرتے۔ پس حضور ﷺ کے وفات پانے کو ارتداد کا سبب بنالیا تھا۔ کسی حدیث میں ان کے ارتداد کی وجہ تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی ذکر نہیں مختار مدعیہ کا محض مغالطہ ہے۔

تاویل کرنے والوں کو کافر نہ کہنے کے متعلق ایک حوالہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے منہاج السنۃ کا پیش کیا تھا کہ گواہ نمبر۳ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت علی ؓ اور دیگر صحابہ نے خوارج کو مسلمان ہی سمجھا اور البحر الرائق میں ان کی عدم تکفیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خونوں اور جانوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ تاویل سے کام لیتے تھے۔ اگرچہ وہ تاویل باطل تھی اور اگر کوئی بغیر تاویل کے جائز سمجھے تو وہ کافر ہے۔

پھر منہاج السنہ میں ہی لکھا ہے: ’’**الثانی ان المتأول الذی قصده متابعة الرسول لایکفر ولا یسفق اذا اجتهد فاخطأ وهٰذا مشهور عندالناس فی المسائل العملیه واما مسائل العقائد فکثیر من الناس کفره المخطئین فیها وهٰذ القول لایعرف عن احد من الصحابة والتابعین لهم باحسان ولایعرف عن احدائمة المسلمین وانما هو فی الاصل من اقوال البدع الذین یبتدعون بدعة ویکفرون من خالفهم فالخوارج والمعتزله والجهمیة**‘‘

(منہاج السنۃ ج۳ ص۶۰)

بعض وہ تاویل کرنے والا جس کا ارادہ تاویل سے متابعت رسول ہو۔ اس کو کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا۔ جب کہ وہ اجتہاد کرے اور غلطی کی جائے مسائل عملیہ کے متعلق تو یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے۔ لیکن عقائد کے مسائل میں بہت سے لوگوں نے مخطیوں کو کافر کہا ہے۔ لیکن یہ نہ تو کسی صحابی کا قول ہے اور نہ تابعین میں سے کسی کا اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی امام کا یہ درحقیقت ان بدعتیوں کا قول ہے جو ایک بدعت نکالتے ہیں۔ پھر جو ان کی مخالفت کرے اسے کافر کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ اور اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ عقائد ہمیشہ ضروریات دین سے ہوتے ہیں۔ پس ان میں بھی اگر کوئی تاویل کرے اور غلطی کھائے تو پھر بھی ان کی تکفیر

کرنا سوائے بدعتیوں کے صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے جائز نہیں سمجھا۔

گواہان مدعیہ تو احمدیوں کی اس وجہ سے تکفیر کرتے ہیں کہ احمدی خاتم النّبیین کے معنی یہ نہیں کرتے کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا۔ حالانکہ یہ معنی نہ تو قرآن مجید میں مذکور ہیں نہ کسی صحیح مشہور حدیث ہیں اور جس روایت میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے تو وہ بھی ادنیٰ درجہ کی حدیثوں میں سے آیا ہے اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی گواہان مدعیہ بڑے شوق سے ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ہم صحابہ کو دیکھتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ جو اعتقادات اور ایمانیات میں سے ہے۔ اس کا بعض لوگوں نے جب انکار کیا تو اکثر صحابہ نے پھر بھی ان کو کافر نہ کہا۔

چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: ''وقد حدث انکارا لقدر فی ایامھم فما کفرھم اکثر الصحابۃ''

(کتاب الفصل فی الملل والنحل ج۳ ص۲۵۷)

یعنی ان کے زمانہ میں تقدیر کا انکار ہوا۔ لیکن اکثر صحابہ نے منکرین تقدیر کو کافر نہ کہا اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے جو حوالہ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۴۰) سے پیش کیا تھا۔ اسے اب تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانی ان غلط تاویل کرنے والوں کے متعلق جو اہل قبلہ ہیں۔ جیسے معتزلہ اور نجاریہ اور روافض اور خوارج اور مشبہ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اور خلفاء نے موؤلین کو کافر نہیں کہا بلکہ انہیں مسلمان سمجھا اور مسلمانوں سا ان سے معاملہ کیا اور جس نے انہیں کافر کہا۔ اس نے ظلم کیا اور حد سے بڑھ گیا۔ یہ اختلاف بیان کر کے موؤلین کو کافر نہ کہنے والے اماموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''ائمہ کے دوسرے گروہ نے موؤلین کی تکفیر نہیں کی اور نہ ان میں سے کسی کو کافر اور نہ رسولوں کا مکذب قرار دیا اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر تاویل کرنے والے کافروں کی طرح رسولوں کے مکذب ہوتے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے کلام کی تاویل کے پیچھے نہ پڑتے۔ بلکہ اس کلام کو ہی پرے پھینکتے اور اس سے اعراض کر لیتے۔ پس ان کا اس کی تاویل کی طرف مائل ہونا بتاتا ہے کہ انہوں نے اس کلام کو قبول کیا اور اس کی تصدیق کی۔ مگر اتنی بات ہے کہ وہ درست تاویل نہ کر سکے اور اس میں غلطی کھا گئے تو ان کا حکم اس شخص کا سا ہے جو کفر سے بھاگا اور اپنی غلطی سے بدعت میں مبتلا ہوگیا۔''

اور ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں کہ: ''پہلی مفارقت اہل سنت سے حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوئی اور مخالفت کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ خبر دی تھی کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے کہ تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے اور حضرت علیؓ سے ان کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا وہ کفر سے تو بھاگ گئے۔ (لیکن گواہ مدعیہ نمبر۳ نے اپنے بیان میں لکھوایا تھا کہ جب خوارج سے بعض ضروریات دین کا انکار ہوا تو نماز وروزہ ان کو حکم کفر سے بچا نہ سکا) تو کہا گیا۔ اچھا وہ منافق ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ کیونکہ منافقین تو خداتعالیٰ کا قلیل ذکر کرتے ہیں اور یہ لوگ تو خداتعالیٰ کا بہت ذکر کرتے ہیں تو دریافت کیا گیا کہ اچھا وہ ہیں کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں فتنہ پہنچا تو اس میں اندھے اور بہرے ہوگئے۔

''قال الخطابی وانما لم یجعلھم کفارا لانھم تعلقوا بضرب من التاویل''

اور خطابی نے کہا کہ حضرت علیؓ نے انہیں کافر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ وہ ایک قسم کی تاویل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے قول غیر قول من الدین سے مراد یہ ہے کہ وہ اطاعت سے نکل جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی آیت: ''وما کان لیاخذاخاہ فی دین الملک'' میں دین سے مراد اطاعت ہے اور اس نے کہا کہ جو علماء تاویل کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تاویل کرنے والے کے خون اور اموال کی حفاظت ''لاالہ الا محمد رسول اللہ'' کہنے کی وجہ سے ایک ثابت شدہ امر ہے۔

’’ولم یثبت لنا ان الخطأ فی التاویل کفر‘‘

اور یہ بات کہ تاویل کرنا کفر ہے، یہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے لئے بھی نص یا اجماع کی دلیل کا ہونا ضروری یا اجماع کی اصل صحیح پر کوئی قیاس صحیح ہوسکتا ہو۔ لیکن ہم نے ان میں سے کوئی بات نہیں پائی۔ پس تاویل کرنے والے لوگ مسلمان ہی ہوں گے۔ ہاں! اگر کسی زمانہ میں کسی ایسے مجتہد کا وجود پایا جائے جس میں ائمہ اربعہ کی طرح شروط اجتہاد کامل طور پر پائے جائیں اور وہ کہے کہ اس کے پاس یقینی دلیل ہے اور تاویل میں غلطی کرنا موجب کفر ہے تو ہم انہیں کا ذکر کریں گے لیکن ایسے شخص کا پایا جانا بہت ہی بعید ہے۔

اور لکھتے ہیں کہ: ’’ہمارے شیخ امام الدین مصری جامع الغمری نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے توحید کے بارے میں کچھ ایسی کلام کی جو بظاہر شریعت کے مخالف تھی تو شاہ مصر کی حضوری میں علماء کی مجلس منعقد ہوئی اور انہوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا اور شیخ جلال الدین المحلی اس وقت غیر حاضر تھے۔ جب حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کس نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تو شیخ الاسلام صالح البلقینی اور ایک جماعت نے کہا کہ ہم نے یہ فتویٰ دیا ہے تو اس نے کہا کس دلیل سے تو شیخ صالح نے جواب دیا کہ میرے والد شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے ایسے ہی واقعہ میں کفر کا فتویٰ دیا تھا تو شیخ جلال الدین نے کہا تم اپنے باپ کے فتویٰ کی وجہ سے ایک مؤحد مسلمان شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور محمد ہمارا نبی اللہ کا رسول ہے۔ پھر اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے قلعہ سے نیچے لے آئے اور کسی کو ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اور لکھتے ہیں کہ مخزومی نے کہا کہ شیخ الاسلام شہاب الدین زہری نے ایک شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے باوجود منع کرنے کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کو گالیاں دی تھیں۔ پس جب وہ اس شخص کو قتل کرنے کے لئے کھینچ کر لے چلے تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے زہری بتا۔ تیری حجت اللہ تعالیٰ کے پاس کیا ہوگی۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد میرا نبی خدا کا رسول ہے تو زہری اس کے بعد ہمیشہ اس کے قول کو یاد کر کے زاروزار رویا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس آدمی کے قتل سے خائف ہوں کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہ کرے۔

دیکھو یہ خوف اس شخص کے متعلق ہے جس نے کہ اس کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہا تھا جس کی برأت قرآن میں مصرح ہے۔

اور لکھا ہے کہ امام شافعی سے منقول ہے کہ میں جو ظاہر کے مخالف تاویل کرنے والے ہیں ان کو کسی ذنب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتا۔

مخزومی کہتے ہیں کہ امام شافعی کی مراد اہل اہواء سے محتمل تاویل کرنے والے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور مرجۂ اور اہل قبلہ سے اہل توحید مراد ہیں۔ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۴۰ تا ۱۴۳)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ کسی آیت کی تاویل یا کسی عقیدہ کی تاویل میں غلطی کرنے سے کوئی انسان کافر نہیں ہوجاتا اور اسی طرح ابن حزم نے ایک گروہ کا ان لوگوں کے متعلق جو ان سے اعتقادی مسائل میں اختلاف کریں۔ یہ مذہب نقل کیا ہے: ’’ان کان الخلاف فی صفات اللہ عزوجل فھو کافر وان کان فیمادون ذالک فھو فاسق وذھبت طائفة الی انه لایکفرو لایفسق مسلم یقول قاله فی اعتقاد. اوفتیا وان کل من اجتھد فی شئ من ذالک فان بمارای انه الحق فانه ماجور علی کل حال ان اصاب الحق فاجر ان فان اخطاء فاجرٌ واحد وھٰذا قول ابن ابی لیلٰی وابی حنیفه والشافعی وسفیان الثوری وداؤد بن علی رحمہ اللہ من جمیعھم وھو کل من عرفنا له قولا فی ھٰذه المسألة من الصحابة رضی اللہ عنہم لاتعلم منھم فی ذالک خلافا اصلا‘‘ (کتاب الفصل فی الملل والنحل ج۳ ص۲۴۷)

لیکن اگر مخالفت اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے اور اگر اس کے سوا دوسرے معتقدات میں اختلاف ہے تو وہ فاسق ہے اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ کسی مسلم کی تکفیر اور تفسیق اس کے کسی قول کی وجہ سے جو اس نے اعتقاد کے بارہ میں یا فتویٰ میں کہا ہو، نہیں ہوگی اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور جو اسے حق معلوم ہو، اسے اختیار کرے تو وہ بہر حال ماجور ہے۔ اگر اس نے حق کو پالیا تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر غلطی کی تو ایک اجر اور یہ قول ابن ابی لیلیٰ اور ابوحنیفہ اور شافعی اور سفیان ثوری اور داؤد بن علی اور تمام صحابہ کا ہے جو ہم جان سکے ہیں اور اس کے خلاف کوئی قول نہیں ملا۔

اور جو اختلاف خاتم النّبیین کے معنوں میں فریق مدعیہ اور فریق مدعا علیہ کے مابین ہے ان حوالوں کی روشنی میں کون انسان ہے جو یہ کہے کہ اس کی وجہ سے گواہان مدعیہ کو فریق مدعا علیہ کی تکفیر کا حق حاصل ہے اور مختار مدعیہ کا یہ قول کہ اہل اہواء وہ ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔ یہاں بھی ضروریات دین میں سے کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ معتزلہ اور مشبہ اور جہمیہ وغیرہ نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات وغیرہ اور قرآن مجید کے متعلق آپس میں اختلاف کیا ہے۔ کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ اگر خاتم کے معنی آخری معنی جس کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہ آوے، ضروریات دین میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل یا عدم تاویل کرنا کیوں ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

اور علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ احمدی جماعت خاتم النّبیین کے معنی کرنے میں تاویل نہیں کرتی، بلکہ اس کے صحیح معنی لیتی ہے جو عربی زبان اور محاورات کی رو سے بالکل درست ہے۔ لیکن فریق مخالف ہے جو اس کے تاویل معنی کرتا ہے۔ کیونکہ زبان عرب اور محاورات عرب کے لحاظ سے خاتم کے معنی آخر کے حقیقی معنی نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے نزدیک خاتم النّبیین کے معنی

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے بھی خاتم النّبیین کے یہی معنی کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور اس کے لئے (ایام الصلح ص ۷۴، ۷۵، خزائن ج ۱۴ ص ۳۰۸، ۳۰۹، ص ۱۴۶، خزائن ج ۱۴ ص ۳۹۲، آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۷، خزائن ج ۵ ص ۳۸۷، راز حقیقت ص ۱۶، خزائن ج ۱۴ ص ۱۶۸، ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۵۷۵، ۵۷۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۰، ۴۱۲، حصہ اوّل ص ۴۲۲، خزائن ج ۳ ص ۳۲۰، حصہ دوم ص ۵۸۷، خزائن ج ۳ ص ۴۱۶، ۴۱۷) وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جہاں جہاں حضرت اقدس نے آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو وہاں سے وہ نبی مراد ہے جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو اور اس کی نبوت آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ نہ ہو۔ چنانچہ (ایام الصلح ص ۷۴، خزائن ج ۱۴ ص ۳۰۸، ۳۰۹) میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ:

اسلام میں اس نبوت کا دروازہ تو بند ہے جو اپنا سکہ جماتی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین‘‘ اور حدیث میں ہے: ’’لانبی بعدی‘‘ اور لیکن بایں ہمہ حضرت مسیح کی وفات نصوص قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہو۔ لہٰذا دنیا میں ان کے دوبارہ آنے کی طمع کام اور اگر کوئی اور نبی نیا یا پرانا آوے تو ہمارے نبی ﷺ کیوں کہ خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں! وحی ولایت اور کمالات الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ ماسواء اس کے حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔ بخاری میں ’’وما ارسلنا من رسول ولانبی ولامحدث‘‘ کی قرأت غور سے پڑھو۔ دوسری حدیث میں ہے: ’’علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل‘‘

یہ بھی یاد رہے کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے اس وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں۔ دیکھو (ص ۴۸۹ حاشیہ در حاشیہ ۳، خزائن ج ۱ ص ۵۹۳) ’’ھو الذی ارسل

رسولہ بالھدی ‘‘اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے اور پھر دیکھو (براہین احمدیہ ص۵۰۴ حاشیہ درحاشیہ، خزائن ج۱ص۶۰۱) میں یہ الہام ہے: ’’جری اللہ فی حلل الانبیاء‘‘ جس کا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔ اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا اور نبی بھی۔ جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں۔ اس کو عوام الناس میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوخی ہے۔ (ص۷۴، ۷۵، خزائن ج۱۴ص۳۰۸، ۳۰۹، ایام الصلح ص۱۴۶، خزائن ج۱۴ص۳۹۲، ۳۹۳) میں یہ لکھا ہے: ’’ہمارے نبی ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے اور نہ وحی نبوت کا سلسلہ منقطع متصور ہو سکتا ہے اور نئے پرانے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں تفریق موجود ہے اور حدیث: ’’لانبی بعدی‘‘ میں بھی نفی عام ہے۔‘‘

اب یہ عبارات صاف بتلا رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ جس قسم کے نبی کی آمد کو وہ پرانا ہو یا نیا بند تجویز فرماتے ہیں۔ وہ مستقل نبی ہے جس نے براہ راست نبوت کو پایا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال سے ظاہر ہے۔ ورنہ آپ ساتھ ہی صاف طور پر یہ اقرار کرتے ہیں کہ میرا نام خدا نے رسول اور نبی رکھا ہے۔

اور (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۷۵، ۵۷۷، خزائن ج۳ص۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲) میں لکھا ہے: ’’نیز خاتم النّبیین ہونا ہمارے نبی ﷺ کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں! ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدی سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔ وہ اب تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بباعث اتباع اور فنافی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس پر جبرئیل کا نازل ہونا بھی ایک لازمی امر کا سمجھا گیا ہے کسی طرح امتی نہیں بن سکتا۔‘‘

پھر (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۷۷، خزائن ج۳ص۴۱۶، ۴۱۷) میں لکھا ہے: ’’محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے۔‘‘

غرضیکہ جس جس جگہ آپ نے ’’خاتم النّبیین‘‘ اور ’’لا نبی بعدی‘‘ سے یہ مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نہیں آسکتا تو اس سے مراد وہی نبوت ہے جو مستقل نبوت ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کی تھی نہ کہ دوسری نبوت جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے جو کثرت مکالمات ومخاطبات اور امور غیبیہ پر کثرت سے اطلاع پانے کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود بطور قاعدہ کلیہ کے فرماتے ہیں: ’’جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ص۲۱۰، ۲۱۱)

پس حضرت مسیح موعود کا یہ قول فیصلہ کن ہے کہ آپ نے جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا یا یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل مسدود ہے۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپ کے واسطہ کے بغیر نبوت حاصل کرے۔ لیکن اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ اپنے لئے باوجودیکہ آپ کو الہامات میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا گیا تھا۔ لیکن آپ اپنے متعلق محدث کا لفظ استعمال فرماتے رہے۔ ان

معنوں سے کہ آپ نے یہ مقام آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل کیا ہے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ابتداءً آپ نبی کی یہ تعریف خیال فرماتے تھے کہ نبی وہ ہے جو جدید شریعت لائے یا شریعت سابقہ کے بعض احکام منسوخ کرے یا بلا واسطہ نبی ہو۔

چنانچہ (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۲۵) میں بحوالہ (الحکم ج۳ نمبر۲۹ بابت ۱۸۹۹ء) میں لکھا ہے: مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسولوں کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خداتعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس جگہ بھی یہی معنی نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کے نہیں ہے اور ہمارا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔

لیکن چونکہ لغت میں جو شرائط نبوت پائی جاتی تھیں وہ اپنے اندر موجود پاتے تھے۔ یعنی (۱) کثرت سے مکالمہ ومخاطبہ (۲) انذار وتبشیر سے امور غیبیہ پر اظہار (۳) خداتعالیٰ کا نبی نام رکھنا۔

اس لئے آپ اپنے آپ کو لغوی نبی کہتے تھے اور عام مسلمانوں کی مذکورہ بالا تعریف کے خلاف سمجھ کر (کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا ہی عقیدہ تھا اور انبیاء انکشاف تام تک عام عقیدہ پر قائم رہتے ہیں) آپ باوجود سب شرائط نبوت کے پائے جانے کا اقرار کرنے کے نبی کی بجائے محدث کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ لیکن بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا اور آپ کے دل پر پورے طور پر امر واقع کا انکشاف ہوا اور قرآن کریم کو بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا تو آپ نے اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ تحریرات ہیں جو آپ نے نبی کی تعریف میں ۱۹۰۱ء کے بعد لکھی ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱...... ''خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات ومخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے۔ یعنی ایسے مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔'' (چشمہ معرفت ص ۳۲۵، خزائن ج ۲۳ ص ۳۴۱)

۲...... ''جب کہ وہ مکالمہ ومخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔''

(الوصیت ص ۱۱، خزائن ج ۲۰ ص ۳۱۱)

۳...... ''ایسے شخص میں ایک طرف تو خداتعالیٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے اور دوسری طرف بنی نوع انسان کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں نبی اور رسول اور محدث کہتے ہیں اور وہ خدا کے پاک مکالمات ومخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۰، خزائن ج ۲۰ ص ۲۲۵)

۴...... ''جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے۔ بالضرورۃ اس پر مطابق آیت: ''**فلا یظهر علی غیبه**'' کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص ۲، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۸)

۵...... ''عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیش گوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی متحقق نہیں ہوسکتے۔'' (مکتوب مندرجہ اخبار عام ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۹۷)

پس پہلی تعریف کے مطابق تو آپ اپنے نبی ہونے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نیا ہے یا پرانا انکار کرتے رہے اور دوسری تعریف کے ماتحت اپنے آپ کو نبی لکھتے رہے اور اس مفہوم نبوت کا اپنے میں متحقق ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا اور اس قسم کی نبوت جو آنحضرت ﷺ کی اتباع اور آپ میں فناء ہو کر حاصل ہو کبھی ختم نبوت اور ''**لا نبی بعدی**'' کے مخالف نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اب میں آپ

کی دوسری تحریریں پیش کرتا ہوں جس سے ’’خاتم النّبیین‘‘ اور’’لا نبی بعدی‘‘ کے معنی آپ نے کئے ہیں۔

۱…… ایک طرف تو آپ حسب آیت:’’ماکان محمد ابا احد من رجالکم ‘‘اولاد نرینہ سے جوایک جسمانی یادگار تھی محروم رہے اوردوسری طرف روحانی اولاد بھی آپ کونصیب نہ ہوئی جوآپ کے روحانی کمالات کی وارث ہوتی اورخداتعالیٰ کا یہ قول’ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ‘‘بے معنی۔ظاہر ہے کہ زبان عرب میں’’لکن‘‘ کا لفظ استدراک کے لئے آتا ہے۔یعنی جوامر حاصل نہیں ہوسکا،اس کے حصول کی دوسرے پیرایہ میں خبردیتا ہے جس کی روسے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرتﷺ کی جسمانی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اورآپ نبیوں کے لئے مہر ٹھہرائے گئے ہیں۔یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی اتباع کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔غرض اس آیت کے یہ معنی تھے جن کو الٹا کر نبوت کے آئندہ فیض سے انکار کردیا گیا۔حالانکہ اس انکار میں آنحضرتﷺ کی سراسر مذمت اورمنقصت ہے۔کیونکہ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کوظلی طور پر نبوت کے کمالات سے متمتع کردے اورروحانی امور میں اس کی پوری پرورش کردکھلاوے۔ (چشمہ مسیحی ص۴۳،۴۷،خزائن ج۲۰ص۳۸۸)

۲…… پھر فرماتے ہیں:’’ونعنی بختم النّبوۃ ختم کمالاتھا علی نبینا الذی ھو افضل رسل اللہ وانبیائہ ونعتقد بانہ لانبی بعدہ الاالذی ھو من امتہ ومن اکمل اتباعہ، الذی وجد الفیض کلہ من روحانیہ واضاء بضیائہٖ فھناک لاغیر ولامقام الغیرۃ ولیست نبوۃ اخریٰ ولامحل للغیرۃ‘‘ (مواہب الرحمٰن ص۶۷،خزائن ج۱۹ص۲۸۵،۲۸۶)

اورختم نبوت سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمام کمالات نبوت ہمارے نبی پر جوخدا کے انبیاء اورتمام رسولوں سے افضل ہیں ختم ہوگئے ہیں اورہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کے بعدکوئی نبی نہیں۔مگروہ جوآپ کی امت سے ہواورآپ کے کامل متبعین سے ہواورتمام فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہواورآپ کے نور سے منور ہوا ہو۔پس وہاں غیریت نہیں ہے اورنہ ہی جائے غیریت اورکوئی دوسری نبوت نہیں ہے۔اس لئے ایسی نبوت محل حیرانگی نہیں۔

۳…… پھر فرماتے ہیں:’’وانی علی مقام الختم من الولایۃ کما کان سیدی المصطفیٰ علی مقام الختم من النّبوۃ وانہ خاتم الانبیاء وانا خاتم الاولیاء لاولی بعدی الا الذی ھو منی وعلی عھدی‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۳۵،خزائن ج۱۶ص۶۹،۷۰)

کہ جیسے میرے سردار مصطفیٰﷺ ختم نبوت کے مقام پر تھے۔میں ختم ولایت کے مقام پر ہوں آپ خاتم الانبیاء تھے اورمیں خاتم الاولیاء ہوں۔ان معنوں میں کہ میرے بعد کوئی ولی نہیں ہوسکتا۔مگر وہی جومجھ سے ہواورمیرے طریقے پر ہو۔اس لحاظ سے خاتم النّبیین کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کے بعدکوئی نبی نہیں ہوسکتا۔مگر جوآپ میں سے ہواورآپ کی شریعت کا متبع ہو۔

۴…… عقیدہ کی رو سے جوخداتم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خداایک اورمحمدﷺ اس کا نبی ہے اوروہ خاتم الانبیاء ہے اورسب سے بڑھ کر ہے۔اب بعداس کے کوئی نبی نہیں۔مگروہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اورنہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔پس جوکامل طور پر مخدوم میں فناء ہوکر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں۔

(کشتی نوح ص۱۵،خزائن ج۱۹ص۱۵،۱۶)

۵…… پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ اپنے آپ کوخاتم الاولاد لکھا ہے۔باوجودیکہ یہ اردو زبان میں استعمال کیا گیا ہے اوریہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ آیا یہ خاتم بفتح تاء ہے یا بکسر تاء ہے۔تاہم اس کی تشریح بیان گواہ مدعاعلیہ میں کی جاچکی ہے۔آپ نے اپنے لئے’’خاتم المصلحین‘‘ بھی لکھا ہے۔ملاحظہ ہو (اربعین نمبر۴ص۱۰،خزائن ج۱۷ص۳۵۷)

غرض آنے والے مصلح کے لئے جو ''خاتم المصلحین'' ہے۔ دو مہر عطاء کئے گئے ہیں۔ اب اس سے آپ کا یہ قطعاً منشاء نہیں ہے کہ آپ کے بعد کوئی مصلح نہیں آئے گا۔ بلکہ آپ نے آئندہ مصلح موعود کے آنے کی پیش گوئی کی ہوتی ہے۔

پھر اس طرح آپ فرماتے ہیں: ''اس میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۹۸، خزائن ج۱۷ ص۲۵۷،۲۵۸)

کیا آدم علیہ السلام کے خاتم المخلوقات ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی مخلوق نہیں اور سلسلہ خلق بند ہوگیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آدم علیہ السلام اکمل اور اشرف المخلوقات ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ اکمل اور اشرف المخلوقات ہیں۔ جیسے آدم کے بعد کوئی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مگر جو اس کی نسل سے ہو۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ خاتم النّبیین آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ مگر وہی جو آپ کی روحانی اولاد سے ہو۔

۶…… آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النّبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ سے روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی تھی۔ (حقیقت الوحی حاشیہ ص۹۷، خزائن ج۲۲ ص۱۰۰)

۷…… ''وان قال قائل کیف یکون نبی من ھٰذہ الامة وقد ختم اللہ علی النبوة فالجواب انه عزوجل ماسما ھٰذا الرجل نبیا الا لاثبات کمال نبوة سیدنا خیر البریة فان ثبوت کمال النبی لایتحقق الابثبوت کمال الامة ومن دون ذالک ادّعاء محض لا دلیل علیه عند اھل الفطنة ولامعنی بختم النبوة علی فرد من غیر ان تختتم کمالات النبوة علی ذالک الفرد ومن کمالات العظمیٰ کمال النبی فی الافاضة وھولایثبت من غیر نموذج یوجد فی الامة'' (ضمیمہ حقیقت الوحی حاشیہ ص۱۶، خزائن ج۲۲ ص۶۳۷)

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس امت سے نبی کیسے ہوسکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت پر مہر کردی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے میرا نام نبی آنحضرت ﷺ کے کمال کے اثبات کے لئے رکھا ہے۔ کیونکہ نبی کا کمال اس کی امت کے کمال کے ثبوت سے متحقق ہوتا ہے اور اس کے بغیر تو کمال کا دعویٰ کرنا اہل دانش کے نزدیک دعویٰ بلادلیل ہے اور کسی فرد پر نبوت کے ختم ہونے سے سوائے اس کے اور کیا مراد ہوسکتی ہے کہ اس فرد پر کمالات نبوت ختم ہوگئے اور سب سے بڑا کمال نبی کا یہ ہے کہ وہ دوسروں کو فیضان پہنچانے میں کامل ہے اور اس کا ثبوت جب تک کہ امت میں کوئی نمونہ موجود نہ ہو ثابت نہیں ہوسکتا۔

۸…… آنچہ ناآشنایان حقیقت بہ مغز سخن نارسیدہ بہ لفظ رسول ورسالت ونبی ونبوت اعتراض میکند کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء است ومضمون حدیث لا نبی بعدی بعدازاں آنحضرت ﷺ نبی نتواند بود ایشاں معنی ختم نبوت اصلاً نہ فہمیدہ اند چہ بروجود ذی جود سرور عالم ﷺ کمال درجہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آرے تا درجہ بروجود ذی جود سرور عالم ﷺ کمال درجہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آرے روز قیامت غیرازامت وامت بودن آنحضرت ﷺ ﷺ نبی صاحب شریعت جدیدہ نخواہد رسید چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ راز نیز ہمیں اعتقاد است کما نقلہ محمد طاہر فی تکملہ مجمع بحار الانوار عن عائشة قولوا خاتم الانبیاء ولاتقولوا لا نبی بعدہ الغرض عقیدہ ما این نیست کہ سلسلہ نبوت ختم شدہ است اما کمالات نبوة برذات سرور انبیاء ختم گشت است ہیچ اسرئیل نبی دریں امت نخواہد رسید آنکہ مبعوث شد فی بود مبعوث گروند۔

(تذکرۃ الشہادتین فارسی حاشیہ ص۶، بابت جولائی ۱۹۰۴ء)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے نزدیک خاتم النّبیین اور لا نبی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مستقل یا صاحب شریعت جدیدہ پرانا ہو یا نیا اس امت میں نہیں آسکتا۔ ہاں! ایسا نبی جو فناء الرسول ہوکر نبوت کے مقام کو حاصل کرے تو ایسی نبوت ختم نبوت اور حدیث لا نبی بعدی کے مخالف نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو اپنی تائید میں پیش کرنا بے سود ہے۔ اگر اس بارہ میں زیادہ تحقیق درکار ہو تو ملاحظہ ہو حقیقت النّبوۃ ص۸۲ تا ۱۳۴

(۱۰) انقطاع نبوۃ پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

دوسری آیت جو گواہان مدعیہ نے اپنے زعم میں انقطاع نبوت پر پیش کی ہے۔ وہ آیت: ''**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی**'' کہ جب دین کامل ہو چکا اور نعمت پوری ہو چکی تو اب کسی نبی کی کیا ضرورت؟

۱...... اس آیت میں انقطاع نبوت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اکمال دین اور اتمام نعمت کا ذکر ہے۔

۲...... اکمال دین اور انقطاع نبوت آپس میں لازم نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کے لئے نیا دین لانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ پہلے دین کی اشاعت اور ترویج کے لئے بھی نبی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ آیت: ''**انا انزلنا التوراۃ فیها هدی ونور یحکم بها النّبییون** (مائدہ)'' سے ظاہر ہے۔

۳...... پس اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ ایسا نبی کوئی نہیں آسکتا جو شریعت جدیدہ لائے یا شریعت اسلامیہ کے احکام میں تغیر وتبدل کرے۔

۴...... گواہان اور مختار مدعیہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی حیثیت میں نزول کے قائل ہیں تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں کوئی نقص ہے۔ پس جس غرض کے لئے وہ حضرت عیسیٰ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی غرض کے لئے ہم حضرت مسیح موعود کی آمد کو مانتے ہیں۔

۵...... اگر دین کا مکمل ہونا کسی نبی کے وجود کا مانع ہے تو پھر یہی دین اپنی ترویج اشاعت کے لئے کیوں ایک اسرائیلی نبی کا محتاج ہے۔

۶...... اصل بات یہ ہے کہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہی اس امر کی مقتضی ہے کہ اسی دین کی پیروی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات روحانیہ کو حاصل کرے اور روحانیت کا اعلیٰ درجہ کا ارتقائی مقام جو نبوت کے نام سے موسوم ہے وہ اس مقام پر اس مکمل دین کی متابعت اور کامل نبی آنحضرت ﷺ کی پیروی سے فائز ہو۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

چنانچہ سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلی اپنی کتاب (الانسان الکامل ج۱ ص۷۶) میں تحریر فرماتے ہیں: ''**قال الله تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الیٰ فانقطع نبوۃ التشریع بعده وکان محمد ﷺ خاتم النّبیین لانه جاء بالکمال ولم یجئ بعد ذالک**'' اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱...... آنحضرت ﷺ اکمال دین کی وجہ سے خاتم النّبیین ہوئے ہیں اور اگر یہی آیت: ''**الیوم اکملت ...... الخ!**'' کسی اور نبی پر نازل ہوتی تو وہی خاتم النّبیین ہوتا۔

۲...... لیکن یہ آیت صرف محمد ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ خاتم النّبیین ہوئے۔ کیونکہ آپ نے کوئی حکمت اور کوئی ہدایت اور کوئی علم اور کوئی سر ایسا نہیں چھوڑا جس ضرورت ہو اور آپ نے وہ نہ بتایا ہو۔

۳...... آئندہ جو کاملین آئیں گے وہ آپ ہی کا اتباع کریں گے اور شریعت کو وہ کامل ہی پائیں گے۔

۴...... چونکہ دین کا آپ پر کامل ہونا آپ کے خاتم النّبیین ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لئے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت کا تعلق دین اور شریعت سے ہے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی۔

۵...... آخر میں لکھتے: اس وجہ سے کہ آنحضرت ﷺ نے سب امور جن کی دین میں احتیاج ضروری تھی بیان کردی ہے۔اس لئے آپ کے بعد تشریعی نبوت کا حکم منقطع ہوگیا اور محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کامل دین لے کر آئے اور کوئی نہیں لایا۔

پس اس آیت سے بھی آئندہ باب نبوت کا مسدود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ دین کا کامل ہونا چاہتا ہے کہ اب مقام نبوت جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔اس سے اس دین کے متبعین محروم نہ ہوں۔ بلکہ عندالضرورت اللہ تعالیٰ انہیں اس نعمت سے متمتع فرمادے۔

بقیہ آیات: اسی طرح آیت:''وما ارسلناک الا کآفة للناس ''اور آیت:''قل یآیھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ''اور''لکل قوم ھاد ''پیش کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ آپ کی رسالت وبعثت تمام لوگوں کے لئے ہے۔اس لئے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

سوال کا جواب یہ ہے:

۱...... ان آیات میں آئندہ نبی آنے یا نہ آنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲...... آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے دوسرے انبیاء پر ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ وہ ایک قوم کے لئے آئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ پس اس میں دعوت کی عمومیت کا ذکر ہے۔

۳...... حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔لیکن آپ کے دین کی ترویج کے لئے ان کے بعد بہت سے نبی آئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر لوگوں کو عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے۔اس طرح اگر آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی جو آپ کا متبع اور آپ کی شریعت کو فروغ دینے کے لئے آئے تو اس میں آپ کی دعوت کی عمومیت میں کوئی خلل نہیں پڑتا اور چونکہ وہ آپ کا شاگرد ہوگا اور اس نے تمام فیوض آپ کی متابعت کی برکت سے پائے ہوں گے۔اس لئے اس سے بھی آپ کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت ہوگی اور آیت:''انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا ''کی رو سے آنحضرت جب مثیل موسیٰ ہوئے تو ضروری ہوا کہ جیسے سلسلہ موسویہ میں شریعت موسویہ کی ترویج واشاعت کے لئے نبی آئے۔ یہاں بھی کم ازکم مشابہت کو پورا کرنے کے لئے ایک نبی آئے۔لیکن چونکہ آپ خاتم النّبیین ہیں۔اس لئے وہ نبی آپ کی کمال متابعت کر کے ہی ہوسکتا ہے تاکہ یہ بھی ظاہر ہو کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور آپ کی شاگردی اور اتباع سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج ومشابہت کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور گواہ مدعیہ نمبر الف نے جو آیت:''سراجا منیرا ''پیش کی ہے کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہے۔ایسے ہی آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہے۔اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کر کے کوئی روشن نہیں ہوسکتا۔اسی طرح خاتم النّبیین کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے فیض سے بھی کوئی نبوت کو نہیں پاسکتا اور اس وجہ سے آپ کو صرف سورج ہی نہیں۔ بلکہ منیر سورج قرار دیا گیا ہے۔یعنی دوسروں کو بھی وہ روشن کرنے والا ہے۔ پس چاند، سورج سے روشنی حاصل کر کے منور ہوتا ہے اور دوسروں کو نور پہنچاتا ہے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد وہی شخص منور اور دوسروں کو روشن کرسکتا ہے جس کا نور نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت سے مستفاد ہو۔

اس طرح گواہ مدعیہ نمبر الف نے جو آیت:''قل لئن اجتمعت الانس والجن ''اور آیت:''وبالحق انزلناہ ''اور آیت:''اطیعوا اللہ والرسول ''وغیرہ کسی آیت سے بھی ایسی نبوت کا جس کے ہم قائل ہیں۔انقطاع ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان میں تو نبوت کے بقاء یا انقطاع کا ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

اور آیت: ''میثاق النّبیین'' سے تو نبوت کا بقاء ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے دیگر انبیاء سے میثاق لیا گیا۔ ویسے ہی آنحضرت ﷺ سے بھی لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ حجر کی آیت سے ظاہر ہے اور آیت: ''انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون'' سے بھی یہی نکلتا ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ علم قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا تو اس کی حفاظت معنوی کے لئے ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت ﷺ کی اولاد روحانی سے ہو اور قرآن مجید کی پیروی کی برکت سے اس نے مقام نبوت حاصل کیا ہو۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے جب کہ آنے والا نبی کوئی نیا حکم نہیں لائے گا تو اس کا آنا سوائے تخریب امت ہونے کے اور کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ جواب ہے کہ نبوت فی نفسہ کوئی عذاب نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ پس ایسا نبی جو آنحضرت ﷺ کا پیرو اور آپ کی شریعت کی ترویج واشاعت کے لئے آئے۔ اس کا آنا یقیناً باعث تخریب امت نہیں بلکہ اصلاح امت ہوگا۔

اور مختاران اور گواہان مدعیہ کا اپنا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں وہ آئیں گے اور آنحضرت ﷺ کے دین کی اشاعت کریں گے۔ پس اگر ایک مستقل نبی کے آنے سے آنحضرت ﷺ کی رسالت اور دعوت کے عام اور تمام لوگوں کے لئے ہونے میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی اولاد روحانی میں سے ایک فرد کو حضور کی پیروی کی برکت سے اگر مقام نبوت حاصل ہو جائے تو اس میں کون سا گناہ لازم آجاتا ہے۔

بہرحال گواہان مدعیہ جو آیات اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کی تھیں۔ ان سے قطعاً ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

(۱۱) پیش کردہ احادیث کا صحیح مطلب

مختاران مدعیہ اور گواہان نے جو احادیث انقطاع نبوت کے ثبوت میں پیش کی تھیں۔ ان کے جو جوابات گواہان مدعا علیہ نے دیئے تھے۔ مختاران مدعیہ نے اپنے سکوت سے ان کو صحیح تسلیم کر لیا اور ان کے رد میں کوئی بات پیش نہیں کی۔ اس لئے میں مختصراً ان جوابات کو دہراتا ہوں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعیہ نے دوسو احادیث پیش کیں جن میں سے سترہ احادیث صحیح پیش کی گئیں، محض مغالطہ ہے۔ کسی کے فضول دعویٰ سے کہ اتنی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا اور جو حدیثیں انہوں نے پیش کی تھیں وہ ان کے مفید مطلب نہیں ہیں اور قطعاً ان سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اور کل حدیثیں انہوں نے تیرہ پیش کی ہیں اور یہی ان کے نزدیک سب سے قوی تھیں۔ لیکن ان سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اور پھر ان تیرہ میں سے بھی بعض احادیث بالکل ضعیف ہیں۔

پہلی حدیث کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الّا انه لا نبی بعدی'' کہ اے علی! کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہوتا کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰ کو ہارون تھے۔ مگر ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اب اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ سیاق حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں اصل میں وجہ شبہ حضرت علی اور حضرت ہارون علیہ السلام میں وہ خلافت کا تھوڑا سا زمانہ ہے جو دونوں کو پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو ہارون کو خلیفہ بنا گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وقال موسٰی لاخیه یاهارون اخلفنی فی قومی (اعراف)''

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے ہارون! میری قوم میں تو میرا جانشین رہ۔ اسی طرح پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام تو نبی تھے۔ شاید یہ بھی نبی ہوں تو آپ نے اس کا ازالہ کر دیا کہ میرے بعد نبی نہیں۔

چنانچہ بحار الانوار کی ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ: ’’انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الّا النبوة‘‘ (بحار الانوار ج۹ ص۲۷۸)
کہ تو مجھے ہارون علیہ السلام کی طرح ہے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مگر نبوت میں نہیں۔ یعنی تو نبی نہیں ہے۔
اور (ص۲۷۷) میں ’’الا انه ليس معی نبی‘‘ کے الفاظ ہیں کہ مگر میرے ساتھ کوئی نبی نہیں ہے اور ایک حدیث میں تو صاف لکھا ہے: ’’اماترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انک ليس بنبی انه لاينبغی لی ان اذهب الا وانت خليفتی‘‘ (کنز العمال ج۶ ص۱۵۳)
کہ تو مجھے ہارون کے بمنزلہ پر ہے۔ مگر یہ کہ تو نبی نہیں ہے اور میرے لئے مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور آپ کو اپنا جانشین مقرر نہ کر کے جاؤں۔
اور بعد کے معنی غیر حاضری کے بکثرت قرآن وحدیث میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱…… ’’فانا قد فتنا قومک من بعدک یاموسیٰ (طٰه)‘‘ اے موسیٰ ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد یعنی تیری غیر حاضری میں فتنے میں ڈال دیا ہے۔

۲…… ’’ولما رجع موسیٰ الی قومه غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی (اعراف)‘‘
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراضگی سے افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئے تو فرمایا تم نے میری غیر موجودگی میں میری جانشینی کی ہے۔

۳…… اسی طرح فرمایا: ’’واذ وٰعدنا موسیٰ اربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده (بقره)‘‘

۴…… تو یہاں بھی بعدہ کے معنی ’’بعد ذهابه الی الطور‘‘ ہیں۔ یعنی طور پر جانے کے بعد ان کی غیر حاضری میں تم نے بچھڑے کو معبود بنایا۔

۵…… پس بعد کے معنی غیر حاضری کے کثرت سے زبان عرب میں پائے جاتے ہیں۔ باقی اس امر کی تائید میں حوالہ جات اور مطلب کے لئے ملاحظہ ہوں۔ گواہ مدعاعلیہ۔

اوالمراد انه لم يبعث بعد عيسیٰ نبی بلاشرعة مستقلة وانما مستقلة فان بعث بعده من بعث بتقرير شريعته عيسیٰ رفعه خالد بن سنان اخرجها الحاكم من المستدرک من حديث ابن عباس ولها طرق‘‘ (فتح الباری ج۶ ص۳۵۴)

(۱۲) علماء نے لا نبی بعدی کے کیا معنی کئے

نواب صدیق حسن خان صاحب اقتراب الساعۃ مطبوعہ آگرہ (ص۱۶۲) میں لکھتے ہیں:

۱…… حدیث: ’’لا وحی بعد موتی‘‘ بے اصل ہے۔ ہاں! ’’لا نبی بعدی‘‘ آیا ہے۔ مگر اس کے معنی بھی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔

۲…… اسی طرح ملّا علی قاری بھی فرماتے ہیں: ’’اما حديث لاوحی بعدی باطل لااصل له نعم ورد لانبی بعدی ومعناه عند العلماء انه لايحدث بعده نبی ينسخ شريعه‘‘ (کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ السید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ص۲۲۶)
اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر نمبر۱ میں ذکر ہے کہ حدیث: ’’میری نبوت کے بعد وحی نہیں۔‘‘ باطل ہے اور بے اصل محض ہے۔ ہاں! ’’لانبی بعدی‘‘ آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نئی شریعت لائے اور آپ

کی شریعت کو منسوخ کر دے۔ بقیہ ملاحظہ ہوں بیان گواہ مدعا علیہ۔

دوسری حدیث: جو گواہان مدعیہ نے پیش کی تھی۔’’وکانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء ‘‘ کی ہے۔سوال کا جواب ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ مدعا علیہ اور نیز اس حدیث میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو قسم کے نبی ہوئے تھے۔ایک وہ جو سیاسی تھے۔ جیسے یوشع، سلیمان، داؤد علیہم السلام وغیرہ اور دوسرے غیر سیاسی یعنی جنہوں نے زہد اور تصوف میں اپنی زندگی گزار دی وہ بادشاہ نہ تھے۔ جیسے حضرت زکریا، یحیٰی اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے جس سیاست کو شروع کیا تھا۔اسے ناقص چھوڑ کر وفات پا گئے اور اپنے اتباع کے لئے سیاسی ترقیات کے دروازے کھول گئے۔اس لئے آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سیاست کے لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو اس کام کو سرانجام دیں گے اور وہ ایک دو نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے تو اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی قسم کا نبی امت محمدیہ کے لئے جب کہ وہ حسب پیش گوئی آنحضرت ﷺ یہود کے قدم بقدم چلیں۔کوئی مسیح نفس امتی نبی نہیں آئے گا۔

تیسری حدیث:’’ختم بی النّبوۃ ‘‘ پیش کی ہے۔اس حدیث کے الفاظ پر بھی اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہاں آنحضرت ﷺ نے اپنا مقابلہ پہلے انبیاء سے کیا ہے۔جیسا کہ اس حدیث کی روایتوں میں لفظ’’من قبلی ‘‘ سے ظاہر ہے۔ان انبیاء پر جو مجھ سے پہلے تھے چھ باتوں پر فضیلت دی گئی جن میں ایک یہ ہے کہ میں خاتم النّبیین ہوں۔

’’ختم بی النّبیون ‘‘میں اگر ختم کے معنی بھی لئے جائیں تو’’النبیون ‘‘میں الف لام تخصیص یا عہد کے لئے ہوگا۔یعنی وہ نبی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں جو بالاستقلال نبی تھے۔ پھر بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ آپ کے بعد حضور کے فیضان اور حضور کی پیروی کی برکت اور قوت قدسیہ اور افاضہ روحانیہ کے طفیل آپ کی شریعت کی اشاعت کے لئے کوئی نبی نہیں آسکتا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے معنی تفہیمات الٰہیہ میں یہی کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی نبی نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے شاعر بنائے۔

چوتھی حدیث:’’العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی ‘‘

العاقب کی تفسیر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔اس کا مفصل جواب بیان گواہ مدعا علیہ مختار مدعیہ نے جو حوالہ حاشیہ بخاری سے پیش کیا ہے کہ فتح البخاری میں یہ لکھا ہے کہ ترمذی میں بعد نبی کے الفاظ آئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے:’’فظاھر الادراج ‘‘ کہ یہ لفظ بعد کے داخل شدہ ہیں۔

پس شارح’’لیس بعدہ نبی ‘‘ کے الفاظ کو دیگر بزرگوں کی طرح کسی کی طرف سے داخل شدہ قرار دیتا ہے اور العاقب کے معنی (بخاری ج۲ص۷۳۷ حاشیہ نمبر۷) میں یہ لکھا ہے:’’الذی یخلف فی الخیر من کان قبلہ ‘‘ کہ جو نیکی میں اپنے سے پہلے کا جانشین ہو۔

پانچویں حدیث:’’لم یبق من النّبوۃ الا المبشرات ‘‘ سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت منقطع ہے۔اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

پس مبشرات بھی نبوۃ کی ایک قسم ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نبوت میں سے صرف مبشرات کی نوع باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ حکیم محمد حسین رئیس امروہہ اپنی کتاب’’کواکب دریّہ‘‘ میں لکھتے ہیں:’’نبوت لغت میں بمعنی خبر دینے کے لئے ہے۔امور آئندہ اور اس کے اقسام میں سے بخصوصیت الٰہیہ جس میں کسب کو دخل نہ ہو اور جو بخصوصیت الٰہیہ ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ایک: خواب میں روح رب

اعظم خود ارشاد کرے۔ دوسری: مشاہدہ میں روح الاعظم کے ارشاد ہے۔ تیسرے: ملک خواب میں کہے جو مشاہدہ میں آجاوے۔ پانچویں: کوئی نبی خواب میں فرمادے۔ چھٹے: کوئی نبی مشاہدہ میں فرمادے۔ ساتویں: صلصلۃ الجرس خواب میں دریافت ہو۔ آٹھویں: مشاہدہ میں بطور صلصلۃ الجرس دریافت ہو۔ یہ سخت ترین اقسام وحی سے ہے اور اس میں سے کبھی شیطان بھی چرالیتا ہے۔ نویں: روح القدس یعنی اسم رحمان ہے کہ مقام فنا یا بقاء میں دریافت ہو۔ الغرض اصطلاح میں نبوت بخصوصیت الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریعی جو ختم ہوگئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے۔ اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے رویاء بھی ہے۔

(کوکب دریہ ص۱۴۷،۱۴۸)

پس اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مبشرات کی جو ادنیٰ قسم تھی رؤیا بیان کی ہے۔ ورنہ ان تمام بزرگان دین اور ائمہ اسلام کو جنہوں نے رؤیا کے اوپر کشوف اور وحی الٰہی اور مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کے دروازہ کو آنحضرت ﷺ کے بعد مفتوح مانا ہے جھوٹا ماننا پڑے گا۔

چھٹی حدیث: ''انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم'' اور ''ان مسجدی آخر المساجد'' سے مختار مدعیہ اور گواہان نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ یہ حدیث ابن ماجہ سے روایت کی ہے اور اس کے راویوں میں سے ایک روای اسماعیل بن رافع ہے جن کے متعلق میزان الاعتدال (ج۱ص۹۰) میں لکھا ہے: ''ضعفہ احمد و یحیٰی وجماعۃ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ کلھا ممافیہ نظر'' کہ امام احمد اور یحییٰ (ابن معین) اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے اور امام دارقطنی اور دوسرے ائمہ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی تمام احادیث کو قبول کرنے میں توقف ہے۔ صرف امام بخاری نے اسے مقارب الحدیث یعنی درمیانہ قرار دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس کی حدیث لے لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن باقی ائمہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اور اسے متروک الحدیث مانتے ہیں۔

اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن محمد حمادی کے متعلق میزان الاعتدال (ج۲ص۱۰۴) میں لکھا ہے: ''قال ابن معین یروی المنکر عن المجھولین. قال ابوحاتم صدوق یروی عن المجھولین، احادیث منکرہ فیفسدحدیثہ بذلک وقال ابن معین ایضاً ثقہ وقال وکیع ماکان احفظہ للطوال وقال عبداللہ بن احمدبن حنبل عن ابیہ ان المحاربی کان یدلس ولانعلمہ سمع من معمر''

ابن معین نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: سچا تو ہے لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام حدیث خراب ہوجاتی ہے اور وکیع نے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس نے معمر سے سنا ہو۔

باوجودیکہ اس کے راوی اتنے ثقہ نہیں کہ اس کی حدیث کو یقینی طور پر صحیح مان لیا جائے۔ مگر تاہم اس حدیث کے معنی بالکل واضح ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اسلام کی تخریب میں مساعی ہوگا۔ اس کے بالمقابل آپ نے اپنی نسبت آخرالانبیاء فرمایا ہے اور ساتھ ہی ''آخر الامم'' ذکر فرما کر واضح کردیا کہ آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی مستقل امت بنانے والے نبی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مدعیہ نمبرا نے جو حدیث: ''اوّل النبیین فی الخلق'' کنزالعمال سے پیش کی تو وہ بھی ابن بلال سے مروی ہے جو کہ مسلم کتب صحاح میں سے نہیں ہے۔ دوسرے اس میں ''النّبیین'' سے مراد بھی آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں۔ آپ ان کی نسبت سے یقینی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد ویسا کوئی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مدعا علیہ نمبر الف نے دو حدیثیں کنز العمال سے ایسی پیش کی ہیں جن میں صرف آپ کا خاتم النّبیین ہونا مذکور ہے اور آپ کے خاتم النّبیین ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے اور ہم بصدق دل یقین رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ یاد رہے کہ گواہ نمبر۲ کے عنوان کے ماتحت چار حدیثوں کا ذکر آ گیا ہے۔

ساتویں حدیث: ''مثلی ومثل الانبیاء من قبلی'' اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

۱...... جس قسم کے پہلے نبی آیا کرتے تھے صاحب شریعت یا مستقل۔ یعنی براہ راست نبوت حاصل کرنے والے۔ اس قسم کا اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور درحقیقت یہاں پہلے نبیوں کی نسبت سے جو آپ نے تشبیہ دی ہے تو وہ شریعت کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''فکانہ شبہ الانبیاء وما بعثوبہ من ارشاد الناس ببیت است قواعدہ ورفع بنیانہ وبقی منہ موضع بہ یتم اصلاح ذالک البیت...... فان شریعۃ کل نبی بالنسبۃ الیہ کاملۃ بہ فالمراد ھنا النظر الی الاکمل بالنسبۃ الی شریعتہ المحمدیۃ مع مامضی من الشرائع الکاملۃ'' (فتح الباری ج۶ ص۴۰۷)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اس حدیث سے جو تشبیہ بیان ہوئی ہے تو وہ شریعت محمدیہ کے بہ نسبت پہلی شرع کاملہ کے اکمل ہونے کے اظہار کے لئے ہے۔

۲...... دوسرا امر اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے نبیوں میں سے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آٹھویں حدیث: ''لو کان بعدی نبی لکان عمر'' حضرت مسیح موعود نے اس حدیث سے جو آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کے بند ہونے پر استدلال کیا ہے تو اس سے مراد وہی نبوت ہے جو مستقل اور براہ راست اور بغیر اتباع آنحضرت ﷺ کے حاصل ہو۔ باقی اس حدیث پر معنی اور تفصیل ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

نویں حدیث: ''سیکون فی امتی ثلثون کذابون'' کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱ ص۵۹ تا ۶۰

اس میں ایک بات اور قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا تیس کا عدد معین فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا بھی آئے گا اور یہ تیس مدعیان نبوت کاذبہ تو مدت ہوگئی پہلے ہو چکے۔ جیسا کہ اکمال کے حوالہ سے ثابت ہے۔

ہاں! ایک حدیث کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جو طبری نے تہذیب الآثار میں ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: ''سیکون بعدی ثلاثون کلھم یدعی انہ نبی ولا نبی بعد الا من شاء اللہ'' (اکمال الاکمال ج۱ ص۲۶۵) کہ میرے بعد تیس دجال ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر جسے خدا تعالیٰ نبی بنانا چاہے گا وہ نبی ہوگا۔ پس اس روایت میں یہ استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا نبی بھی آنا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں:

بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس (۳۰) دجال آئیں گے۔ اے بدقسمت قوم! کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہوگئیں اور بیرونی حصے بھی انتہاء کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدد آیا کرتے تھے وہ بات شاید نعوذ باللہ! خدا کو بھول گئی کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔ تم خاک میں مل گئے۔ مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب گئے۔ مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔ تم میں سے روحانیت جاتی رہی۔ صدق وصفا کی بو نہ رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے۔ خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے۔ صرف زبان کی چالاکی

اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے۔ خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا۔ مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔ اس لئے خدا نے تمہیں تاریکی میں ہی چھوڑ دیا۔ اب اس صورت میں تم اور غیر قوموں میں کیا فرق ہے۔ کانا ایک اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔ ہائے افسوس! ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا۔ وہ کیسی تیرہ وتاریک آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ میں ان کو نظر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہے اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو گند سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو اٹھ کر نماز میں دعائیں کریں اور روئیں اور نعرے ماریں تو امید ہے خدائے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ میں کون ہوں۔ چاہئے کہ خدا کے استغناء ذاتی سے ڈریں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۴۵ تا ۱۴۷، خزائن ج ۲۱ ص ۳۱۳ تا ۳۱۵)

(۱۴) اجماع کی بحث

مختار مدعیہ وگواہان نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ''خاتم النّبیین'' کے معنوں پر کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ شرعی نہ غیر شرعی۔ تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ گزشتہ بحث سے بالکل واضح ہے کہ ان معنوں پر نہ صحابہ کا اجماع ہوا۔ نہ ان کے بعد کسی اور عصر میں اجماع ثابت ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ہم نے ائمہ اور علماء کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ خاتم النّبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آ سکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو پھر صحابہ کے اجماع کے ایک قسم کے سواء باقی اجماعوں کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ (ارشاد الفحول ص ۷۷ مطبوعہ مصری) میں لکھا ہے: ''اجماع صحابہ کا بلاخلاف حجت ہے اور قاضی عبدالوہاب سے منقول ہے کہ بعض مبتدع لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کا اجماع بھی حجت نہیں اور صرف صحابہ کے اجماع کے حجت ہونے کی خصوصیت کی طرف داؤد ظاہری گئے ہیں۔ ابن حبان کی کلام سے بھی جو انہوں نے اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ یہی ظاہر ہے اور یہی بات امام احمد بن حنبل سے مشہور ہے۔ کیونکہ ابوداؤد نے جوان سے روایت کی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ اجماع یہ ہے کہ جو آنحضرت یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے۔ اس کی اتباع کی جائے اور وہ تابعین سے جو ثابت ہوگا اس کے بارے میں مخیّر ہیں، چاہے قبول کرے یا نہ۔ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جب صحابہ کسی بات پر اجماع کریں تو ہم اسے تسلیم کریں گے اور اگر تابعین اجماع کریں تو ہم ان کی مزاحمت کریں گے۔

اور ابن وہب نے کہا ہے: داؤد اور اس کے اصحاب کا مذہب یہی ہے کہ اجماع صرف صحابہ کا ہی اجماع ہے اور اس قول کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے تو ہم جواب دیں گے کہ وہ اجماع دو وجہ سے جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت نے خبر دی ہے کہ ایک گروہ میری امت سے ایسا ہوگا جو حق پر مرے گا اور دوسری یہ کہ ملکوں کی وسعت اور کثرت امت کی وجہ سے ان کے تمام اقوال کا ضبط کرنا ناممکن ہے اور جو شخص اس اجماع کا دعویٰ کرے۔ ایسے شخص کا کذب ظاہر ہے۔

پس جب کہ صحابہ کے بعد اجماع کا وجود ہی ناممکن ہوا تو یہ کہنا کہ خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے بالکل کذب اور بہتان ہے اور باقی رہا صحابہ کا اجماع تو اس کے متعلق ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کبھی اور کسی وقت خاتم النّبیین کے معنی پر نہیں ہوا۔ باقی ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ ص ۶۰ تا ۶۲

اور بعض اقوال جن میں یہ لکھا ہے: ''**لا یختلف فیه اثنان**'' کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس میں دو شخص بھی اختلاف نہیں کرتے تو صرف کسی عالم کے ہی یہ کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ جیسے کہ ارشاد الفحول کے حوالہ سے ظاہر ہے......

ثابت ہے جس میں امام مالک نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا کہ اس میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف موجود تھا۔ اس طرح امام شافعی نے کہا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ حالانکہ اس میں خلاف مشہور ہے۔ پس کسی کے ایسا کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔

گواہان مدعاعلیہ نے جو حوالہ اجماع کے متعلق اپنی تائید میں نورالانوار سے پیش کیا تھا اس کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ اجماع الصحابۃ نصاً کا جو مفہوم لیا گیا ہے کہ ہر ایک تصریح کرے، یہ صحیح نہیں۔ بلکہ یہ اجماع سکوتی ہی کے مقابل میں ہے۔ مختار مدعیہ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ نہ تو اس نے نورالانوار کی عبارت کو غور سے دیکھا اور نہ اس کے سمجھنے کی کوشش کی۔ نورالانوار کی عبارت یہ ہے: ''فالاقویٰ اجماع الصحابۃ نصامثل ان یقولوا جمیعا اجمعنا علی کذا فانہ مثل الایۃ والخبر المتواتر حتی یکفر جاحدہ ومن الاجماع علیٰ خلافۃ ابی بکر ؓ ثم الذی نص البعض وسکت الباقون من الصحابۃ وھو المسمی بالاجماع السکوتی ولایکفر جاحدہ'' (نورالانوار ص۱۸۹)

کہ سب سے اقویٰ اجماع صحابہ کا ہے۔ جو نصاً ہو۔ یعنی سب کے سب بالاتفاق یہ کہیں کہ ہم نے اس پر اجماع کیا ہے تو وہ آیت اور خبر متواتر کی طرح ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہوگا اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر جو اجماع ہوا وہ اسی قسم کا تھا اور اس کے بعد وہ اجماع ہے کہ جس میں بعض صحابہ نے تو اظہار رائے کیا اور باقی صحابہ خاموش رہے اور ان کی مخالفت نہ کی تو یہ اجماع سکوتی کہلائیں گے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوگا۔

اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ نصاً سے مراد وہی ہے جو گواہان مدعیہ کی ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اجماع سے مراد امت کا اجماع ہے۔ یہ شرط نہیں کہ صحابہ اہل بیت کا اجماع ہو۔ سو اس کے متعلق اوپر کافی ذکر کیا جاچکا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ کہہ دینا نامناسب نہیں ہے کہ یہاں مابہ النزاع وہ اجماع ہے جس کے انکار سے کفر لازم آوے اور وہ جیسا کہ نورالانوار کی عبارت سے ظاہر ہے۔ وہی اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع نصاً ہو۔ یعنی سب کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں اور اگر ان سے سکوتی اجماع ثابت ہو تو اس کا منکر بھی کافر نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے منکر کو کافر کہا جائے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نمبر۳ نے بھی ۲۸؍اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہ کا قطعی ہے اور منکر اس کا کافر ہے اور مابعد کے اجماع کا منکر مبتدع اور فاسق ہے۔

لیکن نہ گواہان مدعیہ اور نہ مختار ان مدعیہ اس امر کا ثبوت دے سکے ہیں کہ خاتم النّبیین کے ان معنوں پر جو گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں۔ صحابہ نے نصاً اجماع کیا تھا۔ پس جب صحابہ کا ان معنی پر ایسا اجماع ثابت نہیں تو اس کے سوا دوسرے معنی کرنے والے کو کافر قرار دینا مذہب حنفیہ کی رو سے بھی جائز نہیں ہے۔ مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا کہ گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں اجمعت الامۃ کے الفاظ دکھائے ہیں کہ ان کے پیش کردہ معنی پر امت نے اجماع کیا ہے۔ اگرچہ اس کا جواب بھی اوپر گزر چکا ہے۔ مگر پھر بھی میں یہاں ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی شخص کا اجمعت الامۃ کہہ دینا بھی ثابت نہیں کرتا کہ واقعی طور پر امت کا اس پر اجماع بھی ہو۔ چنانچہ کتاب الابانہ میں لکھا ہے: ''اجمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسیٰ الی السماء'' (کتاب الابانہ مطبوعہ حیدرآباد ص۴۱)

کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ حالانکہ امام مالک نے ان کی وفات کے متعلق تصریح کی ہے اور ۹؍اگست کو بوقت جرح عدالت کے روبرو جب ان کے قول کو پیش کیا گیا تو گواہ مدعیہ نمبر۳ اس کے خلاف ان کا کوئی قول نہ پیش کر سکا اور اس طرح اور بھی اکابر نے مسیح کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔ پس کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔

اجماع ثابت نہیں ہوجاتا۔ خصوصاً جب کہ اس کے خلاف ائمہ کے اقوال بھی موجود ہوں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام امت کا اگر اجماع قرار دیا جاسکتا ہے تو صرف اس بات پر کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نئی شریعت لانے والا نبی کوئی نہیں ہوسکتا اور گواہان مدعاعلیہ نے (مسلم الثبوت ج۲ص ۱۷۱) سے امام رازی کا یہ مذہب پیش کیا تھا کہ وہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کو مستبعد خیال کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ یہ کہتا ہے کہ اس کے نیچے فواتح الرحموت میں اس کی تردید موجود ہے۔ حالانکہ جس کتاب سے گواہان مدعیہ نے حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے حاشیہ میں رازی کی تائید کی گئی اور حضرت مسیح موعود نے (شہادت القرآن ص۲، خزائن ج۶ص ۲۹۸) میں تواتر معنوی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ مسیح موعود کے آنے کے متعلق اس قدر روایات آئی ہیں کہ جن سے قدر مشترک کو کہ مسیح آئے گا متواتر ماننا پڑتا ہے۔ تو اتر معنوی تو اس کا یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی آئیں گے۔ اس کو آپ نے رد فرمایا ہے۔ اس لئے کہ پیش گوئی کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے اور اس طرح مجتہد بھی سمجھنے میں خطاء کرسکتا ہے۔

(۱۴) مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی وجہ

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱

(۱۵) اسلامی بادشاہوں کے فیصلے

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱

(۱۶) مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱

اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے بعد مسیلمہ نے احکام میں تغیر وتبدل کیا اور حجج الکرامۃ میں جو واقعات مذکور ہیں وہ صحیح ہیں۔

(۱۷) علماء نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ثابت کرنے کے لئے مفسرین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے جو میں ان کے اقوال کا صحیح مفہوم بیان کروں۔ اصولی طور پر بتادینا چاہتا ہوں کہ مفسرین نے جو کسی آیت سے کچھ سمجھا ہو وہ دوسرے پر حجت ملزمہ نہیں ہوسکتی۔ مفسرین تو کجا رہے۔ صحابہ ؓ کا فہم بھی حجت قطعیہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان سے بھی سمجھنے میں غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے مثالوں سے واضح کرچکا ہوں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب (عقد الجید فی الحکام الاجتہاد والتقلید ص۳۹ تا ۴۱، مطبوعہ صدیقی لاہور) میں لکھتے ہیں:

پس ابن حزم کا قول یہ ہے جو کہتا ہے کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو حلال نہیں کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے قول کو بلادلیل اخذ کرے۔ بدلیل اس آیت کے ’’اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم‘‘ کہ تم اسی کے پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اس کے سواء اور رفیقوں یا اولیاء کی پیروی مت کرو اور بدلیل آیت: ’’واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ…… الخ!‘‘ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم پیروی کرو اس کی جو خدا نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو پیروی کریں گے اسی چیز کے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے جو تقلید نہ کرے۔ ’’فبشر عبادی الذین یستمعون

القـول ’’ کہ تو بشارت دے میرے ان بندوں کو کہ جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور پھر اسی میں سے اس بات کو اختیار کر لیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور وہی عقل والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’فـان تـنـازعـتـم فـی شئ فـردوہ الی اللہ والـرسـول ‘‘ پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت حادثے کا لوٹانا بجز قرآن کریم اور حدیث کے کسی طرف مباح نہیں کیا اور اس سے تنازع کے وقت کسی قائل کے قول کی طرف رد کرنا حرام ہوگیا۔ کیونکہ وہ قرآن اور سنت کے سواء ہے اور تمام صحابہ کا اجماع اوّل سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اوّل سے آخر تک اور تبع تابعین کا اجماع اوّل سے آخر تک اس تقلید سے باز رہنے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے کسی انسان کے قول کی طرف یا اپنے سے پہلے کے قول کی طرف قصد کرے۔ پھر وہ تمام اقوال کو اخذ کر لے۔ پس جس شخص نے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال یا امام شافعی کے تمام اقوال یا امام احمد کے تمام اقوال اخذ کئے اور ان میں سے ان کے علاوہ اپنے متبوع کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیا اور جو قرآن وحدیث میں آیا ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ جب تک کہ اس کو کسی انسان معین کے قول سے مطابق کرے تو وہ خوب سمجھ لے کہ اس نے تمام امت اوّل سے آخر تک کے یقیناً خلاف کیا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور وہ اپنے واسطے سارے تینوں تعریف کئے ہوئے زمانوں میں نہ سلف پاتا ہے اور نہ امام تو اس نے بے شک مؤمنین سے الگ راہ اختیار کی۔ اس وجہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

اور اسی طرح ائمہ اربعہ کے اقوال جس میں انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہماری کوئی اندھی تقلید نہ کرے۔ بلکہ اگر کوئی قول ہمارے اقوال سے اچھا دیکھے تو اس کو اختیار کرے۔ دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱

اور اگر مفسرین کی تفسیروں کا نمونہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱

باوجودیکہ مفسرین کے اقوال کسی پر حجت نہیں ہیں۔ تاہم مختار مدعیہ کے پیش کردہ حوالہ جات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ان سے بھی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی جس نبوت کو بند قرار دیا ہے وہ ایسی نبوت ہے کہ جس سے شریعت اسلامیہ کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ ان کی مثالوں سے واضح ہے۔

چنانچہ پہلا حوالہ جو زیادہ تر گواہوں نے پیش کیا ہے وہ (ابن کثیر ج۸ ص۹۱،۹۲) کا ہے جو ’’فـمـن رحـمـت اللہ تـعـالیٰ ‘‘ سے شروع ہوتا ہے اور ’’افعالھم ‘‘ تک ختم ہوگا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ایک رحمت محمد ﷺ کو بھیجنا۔ پھر آپ کو ’’خـاتـم الانبیاء والمرسلین ‘‘ کے لقب اور دین حنیف کے کامل کردینے سے مشرف فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول ﷺ نے سنت متواترہ میں اس بات کی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ جان لیں خدا کے بندے کہ ہر وہ شخص کہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد اس مقام کا دعویٰ کرے تو وہ کذاب، افاک، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا۔ خواہ کتنے ہی شعبدہ بازی جادوگری کے اقسام اور طلسمات اور نیرنگیاں دکھاوے۔ کیونکہ نبی صادق سے یہ سب باتیں عقلمندوں کے نزدیک محال ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اسود عنسی سے یمن میں اور مسیلمہ کذاب سے یمامہ میں برے حالات اور بیہودہ باتوں سے ظاہر کیا جن سے ہر ذی عقل وفہم جان گیا کہ یہ دونوں کاذب ہیں، گمراہ ہیں۔ اسی طرح ہر ایک اس مقام کا مدعی قیامت کے روز تک ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مسیح دجال پر ختم ہو جائیں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور کو پیدا کرے گا کہ ان کے کرنے والے کے جھوٹ پر علماء اور مؤمنین گواہی دیں گے اور یہ خداوند تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر بہت بڑی مہربانی ہے کہ وہ فی الواقعہ نہ کسی نیکی کا حکم کرتے ہیں اور نہ کسی برائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اتفاقی طور پر یا جس میں ان کا کوئی خاص مقصد ہو اور وہ اپنے اقوال وافعال میں نہایت درجہ کے جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’ھل أنبئکم علیٰ من تنزل الشیٰطین تنزل علیٰ کل افاک اثیم ‘‘

اس حوالہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ایسے انبیاء کی آمد ممتنع ہے جو مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی طرح ہوں اور جو نہ امر بالمعروف اور نہ نہی عن المنکر کریں، بلکہ اوّل درجہ کے فاسق اور فاجر اور لوگوں کو فسق وفجور کی طرف بلانے والے ہوں۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے حالات زندگی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایسے نبی کا آنا جو متبع شریعت محمدیہ ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو۔ اس کا اس میں ذکر نہیں ہے اور حضرت مسیح کا تو یہ چیلنج ہے کہ: ''تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹ یا دغا کا الزام میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تاکہ تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں سے ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔'' (تذکرۃ الشہادتین ص۶۲، خزائن ج۲۰ ص۶۴)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے (اشاعۃ السنۃ ج۷ نمبر۹ ص۲۸۴) میں آیت: ''ھل أنبئکم علی من تنزل الشیطین'' جسے حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے، پیش کر کے حضرت مرزاصاحب کے مخالفین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

مؤلف براہین احمدیہ مخالف وموافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

اور یہ مولوی محمد حسین بٹالوی وہی ہیں جن کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے سبیل الرشاد میں رئیس قوم غیر مقلدین لکھا ہے اور ان کے قول کو بطور حجت کے پیش کیا ہے۔ (سبیل الرشاد ص۱۶)

دوسرا حوالہ (روح المعانی ج۷ ص۶۵) کا پیش کیا ہے: ''وکونہ ﷺ خاتم النّبیین مما نطقت بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ یقتل ان یصر'' یعنی حضور کا خاتم النّبیین ہونا ان باتوں میں سے ہے جن کو قرآن پاک نے بیان کیا اور سنت نے اسے کھول دیا اور امت نے اس پر اجماع کیا۔ پس وہ شخص کافر ہوگا جو اس کے خلاف دعویٰ نبوت کرے اور قتل کیا جائے گا وہ جس نے اصرار کیا۔ جو شخص ایسی نبوت کا دعویٰ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین نہیں مانتا یا آنحضرت ﷺ کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ کافر ہوگا۔ پس حوالہ سے بھی اس نبوت کا امتناع ثابت نہیں ہوسکتا جس کے ہم اور دیگر علماء واولیاء اور مجددین امت قائل ہیں۔

تیسرا حوالہ شفا قاضی عیاض کی شرح مؤلفہ ملّا علی قاری (ج۲ ص۵۱۸، ۵۱۹) کا ہے: ''وکذالک من ادعی النبوۃ احد مع نبینا کاصحاب مسیلمۃ واسود عنسی وبعدہ کالعیسویۃ من الیھود القائلین بتخصیص رسالتہ الی العرب خاصۃ وکالکرامیہ لانھم اباحوا المحرمات القائلین بتواتر الرسل وکاکثر الرفضۃ القائلین بمشارکۃ علی ؓ مع الرسالۃ النّبی ﷺ ای حال وجودہ وبعدہ وکذالک کل امام عند ھٰؤلاء یقوم مقامہ فی النّبوۃ والحجۃ یعنی ان ارادوا بھا الحقیقۃ والافی المنزلۃ المجازی لاتوجب الکفر والبدعۃ'' یعنی کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی کو نبی قرار دے۔ جیسے اسود عنسی اور مسیلمہ کے پیرو یا آپ کے بعد یہود کا عیسوی فرقہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت صرف عرب کے لئے مخصوص ہے اور کرامیہ کی طرح جو تواتر رسل کے قائل ہیں جنہوں نے محرمات کو بھی جائز قرار دے دیا تھا اور اکثر رافضیوں کی طرح جو حضرت علی ؓ کے رسالت، رسول کریم ﷺ کی رسالت میں مشارکت کے معتقد ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی اور اسی طرح ان کے نزدیک ان کا ہر امام آنحضرت ﷺ کا قائم مقام ہوا ہے۔ نبوت اور حجت ہونے میں، یعنی اگر وہ اس سے حقیقی نبوت مراد لیں ورنہ مجازی نبوت کفر اور بدعت کا موجب نہیں ہے۔

اس میں بھی اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور یہود کے قبائل کی مثال دے کر جن کے متعلق یہ ثابت شدہ امر ہے کہ انہوں نے اسلامی شریعت کے احکام کو منسوخ کیا اور اسلامی محرمات کو حلال قرار دیا۔ یہ بتاتا ہے کہ جو نبوت آنحضرتﷺ کے بعد منقطع ہے وہ وہی مستقل اور حقیقی نبوت ہے جس میں اسلامی شریعت کو منسوخ ماننا پڑے۔ چنانچہ اخیر میں بھی اس کو کھول دیا گیا ہے کہ مجازی نبوت کفر کو واجب نہیں کرتی۔

اس عبارت سے ثابت ہے کہ اگر علی وجہ المجاز کسی کو نبی مانیں تو اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود بھی فرماتے ہیں: ’’سمیت نبیاً من اللہ تعالٰی علٰی طریق المجاز لاعلی وجہ الحقیقۃ‘‘

(ضمیمہ حقیقت الوحی الاستفتاء ص ۶۵، خزائن ج ۲۲ ص ۶۸۹)

اسی طرح (انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۷) میں فرماتے ہیں: ’’ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی ورسول علی وجه الحقیقة. والافتراء وترک القرآن واحکام الشریعة الغرا فهو کافر کذاب‘‘

ترجمہ: اور جو شخص ہمارے رسول اور سردار کے بعد یہ کہے کہ میں علیٰ وجہ الحقیقۃ نبی اور رسول ہوں اور افتراء کے طور پر کہے اور قرآن مجید اور شریعت غرا کے احکام کو چھوڑے تو کافر اور کذاب ہے۔

اور (سراج منیر ص ۳، خزائن ج ۱۲ ص ۵) میں فرماتے ہیں: ’’مگر یاد رکھو کہ خدا کے کلام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد نہیں جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔‘‘

بقیہ حوالوں کا جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱

(۱۸) علماء کے نزدیک رسول اور نبی کی تعریف

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے علماء نے جو نبوت کا انکار کیا ہے، یہ تو اس تعریف کے مطابق کیا ہے جو ان کے نزدیک تھی کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ نبی کے لئے بھی پہلے رسول کی اتباع لازم نہ تھی۔ بلکہ روح الامین خود ان کے پاس شریعت وغیرہ لاتا تھا جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے۔

جیسا کہ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۸) سے ظاہر ہے اور اسی تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود نے (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۵۳۴، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷) میں فرمایا ہے کہ: ’’قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جس نے عقائد اور احکام دین بذریعہ جبرئیل حاصل کئے ہوں اور قرآن مجید کی آیت: ’’انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنّبیین‘‘ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کیونکہ جب آنحضرتﷺ نے علوم دینیہ، بذریعہ جبرئیل سیکھے تو لازماً ماننا پڑا کہ پہلوں کو بھی اس طرح علوم دینیہ حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عالم کا قول صراحۃً ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے اور وہ امام ملّا علی قاری ہیں۔ کیونکہ وہ شرح فقہ اکبر میں یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرتﷺ کے بعد دعویٰ نبوۃ کرے وہ بالاجماع کافر ہے۔ موضوعات کبیر میں وہ خاتم النّبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرتﷺ کے ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔ اسی طرح اشاعۃ الاشراط الساعۃ میں ان کا یہ قول درج ہے کہ ’’لانبی بعدی‘‘ کے معنی ’’لانبی ینسخ شرعه‘‘ کے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ پس ان دونوں قولوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں علماء سابقین نے آنحضرتﷺ کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہ وہی نبوت ہے جو نئی شریعت والی ہو اور اسلامی احکام کو منسوخ قرار دے۔ لیکن ایسی نبوت جس کے ہم مدعی ہیں جو آنحضرتﷺ کی اتباع میں بطور انعام ملتی ہے اور کوئی نئی شریعت اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا حامل قرآن پاک کا پیرو اور سنت رسول کا خادم ہوتا ہے تو ایسی نبوت کو یا تو علماء نے جائز قرار دیا ہے یا ایسی نبوت کے متعلق انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔‘‘

خلاصہ کلام یہ کہ گواہان اور مختار مدعیہ کا علماء سابقین کے اقوال کو ہمارے خلاف پیش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انہوں نے جو نبی اور رسول کی تعریف کی ہے اس کی رو سے ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

(۱۹) ظلّی ...... بروزی

ظلّی اور بروزی کے لئے ملاحظہ ہو بیان مطلوبہ گواہ مدعا علیہ نمبرا۔ نیز بروز کا ذکر خواجہ غلام فرید صاحب نے اشارات فریدی میں بھی لکھا ہے:''والبروز ان یفیض روح من ارواح الکمل علی کامل کما یفیض علیه التجلیات وهو یصیر مظهره و یقول انا هو'' (اشارات فریدی حصہ۲ص۱۱۰)

پھر فرماتے ہیں کہ:''از حضرت آدم صفی اللہ تا خاتم الولایت امام مہدی حضور حضرت محمد ﷺ بارز اند پس اوّل بار آدم علیہ السلام بروز کردہ اند۔ اوّل قطب حضرت آدم علیہ السلام شدہ است۔ الی ان قال تا آنکہ ایام مہدی بروز خواہند فرمودہ۔ پس حضرت آدم تا مہدی ہمہ انبیاء علیہم السلام وکمل اولیاء کہ قطب مدار شدہ اند۔ ہم مظاہر روح محمدی ﷺ ہستند وروح مرادشان بروز وظہور فرمودہ است۔''

(اشارات فریدی حصہ دوم ص۱۱۱،۱۱۲)

(۲۰) کیا حضرت مسیح موعود تناسخ کے قائل تھے

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبرا۔ چونکہ مختار مدعیہ نے بحث میں یہ کہا ہے کہ گواہان مدعیہ میں سے کسی نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) پر تناسخ کا الزام نہیں لگایا۔ اس لئے جب وہ گواہ نمبر۲ کے قول کو جوانہوں نے تریاق القلوب کے حوالہ کے بارہ میں کہا تھا۔ رد کرتے ہیں تو پھر مجھے بھی اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۱) کیا حضرت مسیح موعود نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے

گواہان ومختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام قائم کیا ہے کہ آپ نے صاحب شریعت جدیدہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے جو باتفاق فریقین کفر ہے۔ سو ان حوالوں کے جوابات لکھنے سے پیشتر حضرت مسیح موعود کی بعض عبارات پیش کرتا ہوں جن سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آپ قرآن شریف کے بعد کسی اور شریعت کا نزول جائز قرار نہیں دیتے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱...... ''بل الحدیث یدل علی النبوة التامة الحاملة الوحی شریعته قد انقطعت'' بلکہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبوت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہو وہ منقطع ہو چکی ہے۔ (توضیح مرام ص۲۰، خزائن ج۳ص۶۱)

۲...... ''اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع یا حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کے ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کرسکتا ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔'' (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۳۷،۱۳۸، خزائن ج۳ص۱۷۰)

۳...... ''قرآن مجید کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔'' (نشان آسمانی ص۲۸، خزائن ج۴ص۳۹۰)

۴...... ''جو شخص قرآن مجید اور شریعت غراء کے احکام کو ترک کر کے نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کافر اور کذاب ہے۔''

(انجام آتھم حاشیہ ص۲۷، خزائن ج۱۱ص۲۷)

۵...... ’’قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔‘‘ (کشتی نوح حاشیہ ص۲۲،خزائن ج۱۹ص۲۴)

۶...... ’’یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب شریعت ہو یا بلاواسطہ متابعت آنحضرتﷺ وحی پاسکتا ہو، بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔‘‘

(ریویو برمباحثہ چکڑالوی وبٹالوی ص۶،خزائن ج۱۹ص۲۱۳)

۷...... ’’یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرتﷺ کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھا دے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔‘‘

(الوصیت ص۱۱ حاشیہ،خزائن ج۲۰ص۳۱۱)

۸...... ’’خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔‘‘ (چشمہ معرفت ص۳۲۴،۳۲۵،خزائن ج۲۳ص۳۴۰)

۹...... ’’اور کسی کو مجال نہیں کہ وہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن کریم کا منسوخ کر سکے۔‘‘

(اخبار عام ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء، بحوالہ حقیقت النبوۃ ص۲۷۱،انوار العلوم ج۲ص۵۸۱)

۱۰...... ’’نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ حاصل کرلے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لاوے۔ کیونکہ شریعت آنحضرتﷺ پر ختم ہے۔‘‘

(تجلیات الٰہیہ ص۹، حاشیہ خزائن ج۲۰،ص۴۰۱)

۱۱...... ’’میری مراد نبی سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ! آنحضرتﷺ کے مقابلہ پر کھڑا ہوکر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہے جو آنحضرتﷺ کے اتباع سے حاصل ہے۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۶۸،خزائن ج۲۲ص۵۰۳)

۱۲...... ’’ہم نبی ہیں۔ ہاں! یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔‘‘

(بدر۵؍مارچ ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۷۲،انوار العلوم ج۲ص۵۸۲)

۱۳...... ’’یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرتﷺ کے اقتداء اور متابعت سے باہر ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔‘‘

(اس حوالہ میں ہر ایک کتاب کا لفظ قابل غور ہے) (اخبار عام ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء، بحوالہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۷۰،انوار العلوم ج۲ص۵۸۰)

۱۴...... ’’میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں ہوں اور نہ ہی میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول ومقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ ص۴،خزائن ج۱۸ص۲۱۰، بحوالہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۴،انوار العلوم ج۲ص۵۷۵)

اب حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا اقوال سے جو ابتداء دعویٰ سے آخر تک کے ہیں۔ چنانچہ اخبار عام کا حوالہ تو آپ کی وفات سے تین دن پہلے کا ہے۔ان سب سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو غیر شرعی نبی تحریر فرماتے رہے ہیں۔اب جو شخص حضرت مسیح موعود کی ان توضیحات کے بعد آپ کی کسی عبارت سے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ آپ کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ غلطی ہے اور مؤلف کے خود انہی توضیحات کے مخالف مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ نمبر۲ جرح کے جواب میں اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی کسی خاص کتاب کو شریعت قرار نہیں دیا ہے۔

اور نہ ہی مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ کہا ہے کہ میری وحی وحی شریعت ہے۔لیکن اربعین کی عبارت سے ایسا ثابت ہوتا ہے۔

لیکن مذکورہ بالا تمام تصریحات ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اربعین یا آپ کی کسی عبارت سے ان عبارتوں کے خلاف مفہوم لینا عقل وانصاف کے خلاف نہیں۔ بلکہ خود مدعیہ کے گواہان کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱ راگست کو مکرر بیان میں کہا کہ: ’’اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکور ہوں اور ان میں ایک قول مبہم ہے تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا اور ۳۱ راگست کو گواہ نمبر۴ نے بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا۔‘‘

پس گواہوں کے اقرار کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جن اقوال سے گواہوں نے آپ کے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے۔ان اقوال کی وہ تشریح کی جانی چاہئے جو حضرت مسیح موعود کے مفصل اور واضح اقوال کے مطابق ہے اور وہ اقوال کہ جن میں سے کہ چند اوپر درج کئے جاچکے ہیں۔ اس امر کو باصراحت ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو صاحب شریعت جدیدہ اور مستقل نبی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

جن اقوال سے گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کا دعویٰ صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان (مطبوعہ ص۷۷تا۹۰) گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

اور چوتھے حوالہ کے جواب میں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام وقت کی اطاعت اور اس کی تعلیم پر چلنا اس وقت کے لوگوں کے لئے نجات کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید جنہیں نواب صدیق حسن خان صاحب نے (حجج الکرامہ ص۱۴۷) میں مجدد صدی سیزدھم قرار دیا ہے اور گواہان کے نزدیک بھی وہ ایک بہت بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب منصب الامامت میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ امام وقت کی اطاعت کئے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوسکتی اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حدیث: ’’من لم یعرف امام زمنه فقد مات میتة الجاهلیة‘‘ پیش کی ہے۔یعنی جس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ان کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’ازاں جملہ توقف نجات آخر دیست اویعنی چنانکہ اگر کسے باہزار وجہ در معرفت الٰہیہ وتہذیب نفس جدو جہد تمام وسعی مالا کلام بجا آورد اما وقتیکہ ایمان بالرسل ندارد ہرگز اخروی بدست نخواہد آورد وخلاص از غصب جبار ودرکات نارنخواہد یافت ہم چنیں ہر چند عبادات شرعیہ وطاعت دینیہ بجا آورد وجدوجہد تمام در امتثال احکام اسلام بروئے کار آرد۔ اما وقتیکہ در اطاعت اماوقت گردن اونتہد واقرار باامامت اونکند ہرگز عبادات مذکور در آخرت کار آمدن نیست واز دار وگیر رب قدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة. وقال النبی ﷺ من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة‘‘

(منصب امامت ص۶۳،۶۴)

پس حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ میری اطاعت اور میری تعلیم کو ماننا جو عین قرآن مجید کی تعلیم ہے اور اس کو مدار نجات قرار دینا آپ کو صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں بناتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت ﷺ کے فیض سے علیحدہ ہوکر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جاوے اور آنحضرت ﷺ کی سچائی دکھلائی جائے۔'' (چشمہ معرفت ص۳۲۵، خزائن ج۲۳ ص۳۴۱)

اور (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۸۷، خزائن ج۳ ص۴۱۷) پر فرماتے ہیں: ''ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام وکشف وغیرہ نازل ہورہی ہے وہ محمد ﷺ کے طفیل سے اور ان کے توسط سے ہے۔''

پس اس قسم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اﷲتعالیٰ نے ہی آپ قرآن مجید سکھایا ہے اور آپ کی وحی قرآن مجید کے موافق ومطابق اور شریعت اسلامیہ کی خادم ہے۔ پس آپ کا آپ کی وحی اور تعلیم اور بیعت کو مدار نجات قرار دینا، اس لئے نہیں ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت لائے ہیں۔ بلکہ قرآن شریف کی صحیح تعلیم کو پیش کر کے منوانا مراد ہے۔

آٹھواں حوالہ: ہمیں ان فتوؤں کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہئے جو خود فرقہ مختلفہ کے علماء نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینے کے لئے دیئے ہیں۔

چنانچہ دیوبندیوں کے واجب التعظیم بزرگ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس سوال پر ''کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بدعقیدہ ہو پڑھے یا دوسری جگہ پڑھے۔'' یہ جواب دیا کہ: ''جس کے عقیدہ درست ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۵۷)

اور اسی طرح الفتح المبین میں مولوی نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تمام معتقدین کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: ''مذہب غیرمقلدین اہل سنت والجماعت سے خارج ہے تو اہل سنت کی نماز لامذہبوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور بالکل غیرجائز اور نادرست ہے۔'' (ص۴۵۸)

اور لکھا ہے: ''اس فرقۂ لامذہب کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور سبب فتنہ فساد کے ان کو مساجد میں آنے نہ دینا بجا اور درست ہے۔'' (ص۴۵۹)

اس فتویٰ پر دوسو علماء کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں جن میں مولوی رشید احمد گنگوہی بھی شامل ہے اور اسی کتاب کے (ص۴۵۱) پر ہے کہ: ''جب کہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتداء جائز نہ ہوئی۔ جیسا کہ فتویٰ عالمگیری وجامع الرموز میں مرقوم ہے: ''اما الاقتداء بشافعی فلابأس به اذالم یتعصب لم یبغض للحنفی'' پس ان غیرمقلدین لامذہب کے پیچھے بطریق اولیٰ جائز نہ ہوئی۔''

پس اگر ان لوگوں کے فتویٰ سے کہ خلاف فرقہ کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی حرام ہے اور ان کی امامت میں اقتداء کرنا جائز نہیں۔ اس سے وہ صاحب شریعت نبی نہیں ہوجاتے تو حضرت مسیح موعود کے غیراحمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر حکم دینے پر آپ کا مدعی نبوت تشریعی کا نتیجہ نکالنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

بیانوں کے علاوہ مختار مدعیہ نے جرح میں آپ کو مدعی نبوت تشریعیہ ثابت کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کی کتب سے چند حوالے پیش کئے ہیں۔

پہلا حوالہ: ''گورنمنٹ انگریز اور جہاد ص۱۴،۱۵، خزائن ج۱۷ ص۱۵'' کا پیش کیا ہے جو یہ ہے: ''دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آج سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔'' اتنی عبارت

مختار مدعیہ نے کوٹ کی ہے جس سے ثابت کرنا چاہے کہ آپ نے شریعت اسلامیہ کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حالانکہ اگر مختار مدعیہ اس کے ساتھ کی عبارت جوان الفاظ کے آگے تھی مطالعہ کرتا تو بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ یہ حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ آنخضرت ﷺ نے مسیح موعود کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ مسیح جب آئے گا تو وہ دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: ''اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا بھی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔''

نیز اس کتاب میں آپ نے اسلامی جہاد کی حقیقت بیان کی ہے کہ اسلام میں جہاد یعنی تلوار سے دین کی حمایت کے لئے لڑنا اسلام میں کن حالات میں جائز قرار دیا گیا تھا۔ پھر لکھا ہے: ''اس لئے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر لوگ وحشی کاربند ہو رہے ہیں، یہ اسلامی جہاد نہیں ہے بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں۔'' (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۸،۹، خزائن ج ۱۷ ص ۹،۱۰)

پس ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت مذہب کے لئے تلوار نہ اٹھانے کا حکم حضرت مسیح موعود نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا کہ اس وقت شریعت اسلامیہ کی رو سے دین کے لئے تلوار سے جہاد کرنا ناجائز ہوگا۔

ان تمام مولویوں کا بخاری کی حدیث کے مطابق عقیدہ ہے کہ جب مسیح آئے گا تو وہ قرآن مجید کے صریح حکم ''حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون'' کہ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کو لے کر ان سے جنگ کو ترک کیا جائے...... کے خلاف جزیہ نہیں قبول کرے گا اور جو مسلمان نہیں ہوگا اس کو تلوار کے گھاٹ اتارے گا۔

اور (اربعین نمبر ۴ ص ۱۳، خزائن ج ۱۷ ص ۴۴۳ حاشیہ) کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا کہ اس وقت موجبات جہاد مفقود ہوں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ: ''مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔''

اور (اعجاز احمدی ص ۳۴، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۴) کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اور مولوی محمد حسین بٹالوی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ: ''گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیالوں کو دلوں سے مٹایا جائے اور ایسے خونریز مہدی اور خونریز مسیح سے انکار کیا جائے۔''

یہ اس لئے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ پر ایک میموریل کے ذریعہ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مسلمان ایسے مہدی اور ایسے عیسیٰ کے منتظر نہیں ہیں جو عیسائیوں کے ساتھ لڑے گا اور یہ یقین دلانا چاہا کہ میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا جو خون ریزی سے قیامت برپا کر دے گا اور نہ کوئی ایسا مسیح آئے گا جو آسمان سے اتر کر اس کا ہاتھ بٹائے گا اور اس قسم کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔

پس چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے وقت جہاد کے متعلق وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ اس لئے آپ نے اسے مخاطب کر کے لکھا ہے کہ اگر واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ تم نے میموریل کے ذریعہ ظاہر کیا ہے تو ان لوگوں کے دلوں سے جہاد کے مسئلہ کے خیال کو دور کیا جائے اور اس طرح سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا لوگوں پر نفاق ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ لوگوں سے وہ یہ کہتا تھا کہ ایسے مہدی سے انکار کرنا کفر ہے اور گورنمنٹ کو لکھا کہ ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا۔

اور اسی طرح (حقیقت المہدی ص۲۲) کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ جہاد سیفی کا وقت گزر چکا ہے اور اس وقت قلمی اور روحانی جہاد کی ضرورت ہے اور اس طرح (تحفہ گولڑویہ ص۷۹، خزائن ج۱۷ص۲۲۳) کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ: ''اسی وقت تک جہاد تھا کہ جب اسلام پر مذہب کے لئے تلوار اٹھائی جاتی ہے۔ اب خود بخود ایسی ہوا چلی ہے جو ہر ایک فریق اس کارروائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو مذہب کے لئے خون کیا جائے۔''

اب جب کہ دیگر مذاہب کی طرف سے اسلام پر مذہب کے لئے تلوار نہیں اٹھائی جاتی اس لئے شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ دیگر مذاہب پر تلوار اٹھائی جائے۔ اس لئے جہاد سیفی کا وقت نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب ''اقتراب الساعۃ'' مطبوعہ بنارس کے (ص۷) میں فرماتے ہیں:

جو لوگ اس علم سے ناواقف ہیں وہی فتاویٰ جہاد کا حق میں ہر فتنہ کئے دیتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں مدت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں ہے یا تھا، مگر اب منسوخ ہوگیا ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان وکافر میں ہو یا باہم مسلمانوں کے مشکل ہے کہ جہاد شرعی ٹھہر سکے۔ خلق کا یہ حال ہے کہ جو لوگ اچھے کام رات دن کرتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ حج زکوٰۃ یا جو مال اپنے اوپر یا اپنے گھر پر صرف کر کے اٹھاتے ہیں۔ اس میں بھی تو ان کی نیت مطابق شرع کے نہیں ہوتی ہے یا تو دکھانا، سنانا ناموری حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے یا اسراف وتبذیر میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر بھلا خدا کی راہ میں جان دینے کو بے مطلب دنیا کے آج کل کون نکل سکتا ہے وہ دن گئے کہ لوگ دین کے پیچھے دنیا پر لات مارتے تھے۔ اب تو جو کام دین کے پردہ میں بھی ہوتا ہے وہ بھی غالباً دنیا طلبی کے لئے ہی ہوتا ہے۔ پھر اس جدال وقتال کو کس طرح جہاد دین سمجھا جائے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ شریعت اسلامیہ میں جہاد سیفی کب واجب ہوتا ہے اور اس کی غرض کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث اور اولیاء امت کے اقوال سے ثابت کرتا ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد تین اقسام پر مشتمل ہے۔ جہاد اکبر، جہاد کبیر، جہاد اصغر۔ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں: ''**کلمة حق عندسلطان جائر الجهاد الاكبر** (مشکوٰۃ)'' کہ ظالم اور جابر حاکم کے سامنے سچی بات کہنا جہاد اکبر ہے اور (تفسیر روح البیان ج۱ص۱۹۰) میں لکھا ہے: ''**قال ان افضل الجهاد كلمة حق عندسلطان جائر وانما كانت افضل لان الجهاد بالحجة والبرهان جهاد اكبر بخلاف الجهاد بالسيف والسنان فانه جهاد اصغر** ''یعنی آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ جہاد میں سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے اور یہ اس لئے افضل ہے کہ حجت اور برہان کا جہاد جہاد اکبر ہے اور سیف وسنان کا جہاد جہاد اصغر ہے۔''

اور جب حضور غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا: ''**رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** '' کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضور کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں اللہ کے راستہ میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں۔ فرمایا کیا تیرے والدین ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! ''**قال فيهما فجاهد** ''یعنی آپ نے فرمایا کہ ان کے معاملہ میں جہاد کر تو آپ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**ولو شئنا لبعثنا فى كل قرية نذيرا فلا تطع الكافرين وجاهدهم به جهادا كبيرا**''

اس آیت میں جو مکی ہے۔ کافروں سے قرآن مجید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور اس جہاد سے مراد وعظ ونصیحت ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے تصریح کی ہے۔

پس قرآن مجید واحادیث رسول کریم نے لسانی، مالی جہاد اور اہواء نفسانیہ کی اماتت اور اپنی تمام حرکات وسکنات کو شریعت کے مطابق کرنے کو جہاد کبیر اور جہاد اکبر قرار دیا ہے اور جہاد بالسیف کو جہاد اصغر کہا ہے۔ جہاد کبیر اور جہاد اکبر ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہیں۔لیکن جہاد اصغر کے لئے چند شرائط ہیں جب وہ پائے جائیں تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔

(۱) جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے

جب ہم آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اور حضور کے جان نثار صحابہ ؓ نے اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی۔ جب تک کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو اور آپ کے جانباز صحابہ کو انواع واقسام کی ایذائیں پہنچا کر جنگ کے لئے مجبور نہ کر دیا اور جب تنگ آمد بجنگ آمد والی حالت پیدا ہوگئی تو آپ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ کیونکہ دشمن بعض صحابہ کو گرم پتھر پر لٹاتے اور وہ سخت گرمی کی حالت میں شدت پیاس سے باہر زبان نکالتے اور نہایت عجز اور آہ وزاری سے پانی طلب کرتے۔ مگر انہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا اور بعض کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی۔ مسلمانوں کا باہر نکلنا دشوار ہوگیا اور زمین ان پر تنگ کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی یہ ہے:

’’ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ان اللہ لایحب کل خوان کفور. اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان اللہ علی نصرهم لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (الحج:۳۸،۳۹)‘‘

اس آیت کریمہ سے اذن قتال کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوتی ہیں:

۱...... جس جنگ کی صحابہ کو اجازت دی گئی تھی وہ دفاعی تھی۔

۲...... جن کو اجازت دی گئی وہ مظلوم تھے۔

۳...... انہیں مظلومی کی حالت میں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔

اوران پر یہ ظلم وستم صرف اس کہنے کی وجہ سے روا رکھا گیا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی محض اختلاف عقائد اور دین کی بناء پر انہیں قتل کیا گیا اور گھروں سے نکالا گیا۔ ایک دوسری آیت: ’’وقاتلوهم حتیٰ لاتکون فتنة‘‘ میں قتال کی غرض بیان کی گئی ہے جو بخاری میں مذکور ہے کہ ایک شخص ابن عمر کے پاس آیا اور کہا کیا وجہ کہ آپ ایک سال تو حج کرتے ہیں اور دوسرے سال عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ تو آپ ترک کر کے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے بار بار ترغیب دی ہے۔ اس پر حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اوّل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ دوسرے پانچ نمازیں پڑھنا۔ تیسرے روزے رمضان شریف کے رکھنا۔ چوتھے زکوٰۃ دینا اور پانچویں بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا۔ (یعنی اس میں جہاد کا ذکر نہیں) تو اس شخص نے کہا: کیا آپ آیت: ’’وان طآئفتان من المومنین اقتتلوا‘‘ اور آیت: ’’وقاتلوهم حتی لاتکون فتنه ...... الخ!‘‘ نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا: ہم اس غرض کو آنحضرت ﷺ کے عہد میں پورا کر چکے ہیں۔ ’’وکان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینه اما قتلوه واما یعذبوه حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنه (بخاری)‘‘ یعنی اس وقت مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور کفار اسلام قبول کرنے والے ہر شخص کو فتنہ وفساد اور مصائب میں مبتلا کرتے تھے یا تو اسے قتل کر دیتے تھے یا ہمیشہ تکلیف میں رکھتے۔ یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔

پس آیت اور حضرت ابن عمر کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف اس وقت واجب ہوتا ہے۔ جب دین کے معاملہ میں جبر واکراہ سے کام لیا جائے اور جب کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے تلوار کے زور سے روکیں اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا

اسے ہمیشہ عذاب اور تکلیف دیتے رہیں۔ ایک مقتداء تابعی حضرت عطاء ابن ابی رباح کا جو اپنے زمانہ میں مکہ شریف کے مفتی تھے، یہی فتویٰ ہے۔ یہ علم حدیث اور فقہ میں جابر بن عبداللہ بن انصاری اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر جیسے صحابہ کبارؓ کے شاگرد رشید تھے۔

(۲) حضرت مسیح موعود کا مذہب جہاد بالسیف کے بارہ میں

جہاد بالسیف کے فرض وواجب ہونے میں جو مذہب آنحضرتﷺ کے صحابہ کا تھا۔ وہی حضرت مسیح موعود کا ہے۔ چنانچہ آپ ایک پادری کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اور اس نکتہ چین نے جو جہاد اسلام کا ذکر کیا ہے اور گمان کرتا ہے کہ قرآن بغیر لحاظ کسی شرط کے جہاد پر برانگیختہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ اور افتراء نہیں۔ اگر کوئی سوچنے والا ہے۔ جاننا چاہئے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں سے لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مؤمنوں کو ان کے گھروں سے اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔'' **اولئک الذین غضب اللہ علیہم ووجب علی المومنین ان یحاربوھم ان لم ینتھوا** '' یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔'' (نور الحق حصہ اوّل ص۴۵، خزائن ج۸ ص۶۲)

موجودہ حالات میں واقعات بالا اور شرائط مذکورہ جہاد بالسیف کی نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود نے قرآن مجید کے عین منشاء کے مطابق یہ فتویٰ دیا کہ اب دینی جنگ حرام ہے۔ آپ نے یہ فتویٰ حکم جہاد کی تنسیخ کے لئے نہیں دیا کہ حضرت مسیح موعود پر یہ افتراء کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضور فرماتے ہیں: ''بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے۔ اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پاکر اپنی طبعی موت سے بمقام سرینگر کشمیر مرگیا اور نہ وہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہب جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔ پس سنو! اے نادانو!! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔'' (کشتی نوح ص۶۸ حاشیہ، خزائن ج۱۹ ص۷۵)

انبیاء اقدسین کا طرز عمل

اسی طرح صحابہؓ جب کفار مکہ کے بے پناہ شدائد سے تنگ آکر آنحضرتﷺ کے ماتحت بادشاہ حبشہ کے ملک میں چلے گئے، جو ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ مہاجرین صحابہ اس حکومت اور بادشاہ کے قوانین کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہے۔ کبھی سرکشی اور سول نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ان صحابہ کے قائد حضرت جعفر ابن ابی طالب نے برسر دربار بادشاہ کی تعریف کی کہ: '' **ان قومنا بغوا علینا وارادوا فتنتنا عن دیننا فخرجنا الی دیارک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لانظلم عندک ایھا الملک** '' (تاریخ الامم اسلامیہ للخضری ص۱۰۸)

''کہ ہم پر ہماری قوم نے چڑھائی کی اور ہمیں ہمارے دین سے پھسلا کر فتنہ میں ڈالنا چاہا تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے اور ہم نے دوسروں پر تجھے ترجیح دی اور تیرے قرب کو ہم نے پسند کیا اور اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ تیرے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔'' غرضیکہ

ہمارے مخالف صحابہ کے طرز عمل سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ انہوں نے کسی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے جنگ کی ہے۔

حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا مذہب

تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد بریلوی اور ان کے جان باز و جان نثار حواری مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید جنہوں نے اپنے زمانہ کے ظالم سکھوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ دینے پر جہاد کیا اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ ان کا مذہب بھی وہی ہے جو حضرت مسیح موعود کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہندوستان پنجاب میں نہایت عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ سید اسماعیل شہید کو اخبار اہل حدیث میں خاتم الشہداء لکھا ہے۔ (اہل حدیث ۱۵ر مئی ۱۹۰۸ء) اور سید صاحب بریلوی کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے حجج الکرامۃ میں مجددین میں شمار کیا ہے۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری مؤلف (سوانح احمدی ص۵) میں لکھتے ہیں:

۱...... ’’یہ سب صحیح روایت ہے کہ اثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید وعظ فرمارہے تھے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریاء اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔‘‘

۲...... صاحب مخزن لکھتا ہے کہ: ’’(سید صاحب) ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کو کافر تھی۔ مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رو ریائی اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی کے جہاد کرنے کو مانع تھیں۔ اس واسطے آپ کو منظور ہوا کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھے، جہاد کیا جائے۔‘‘ (سوانح احمدی ص۴۵)

۳...... ’’یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کے کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جاوے گا۔ کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا، یہ ایک ایسا امر محال ہے جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں سے بالکل جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یہاں ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی اور سرکار انگریزوں کو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہب اور عبادت اسلامی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب، طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔ یہ جواب باصواب سن کر سائل خاموش ہو گیا اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی۔‘‘

۴...... اسی کتاب (سوانح احمدی ص۱۱۵) پر سید صاحب کا ایک خط درج کیا ہے جس میں مذکور ہے نہ باکسے از امراء مسلمین منازعت داریم نہ کسے از روساء مومنین مخالفت باکفار لئام مقابلہ داریم نہ بامدعیان اسلام۔ صرف بادراز موئیاں (بمعنی بال والے) جو یان مقابلہ ایم نہ باکلمہ گویان و نہ اسلام جویان و نہ باسرکار انگریزی کہ او مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرائض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است۔‘‘

۵...... اسی کتاب کے (ص۱۳۹) پر لکھا ہے: اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی

سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔

اب ایک طرف قرآن مجید وحدیث اور صلحائے امت اور مجددین ملت ہیں جو حضرت سیدنا مسیح موعود کی مسئلہ جہاد میں تائید کرتے ہیں اور دوسری طرف گواہان اور مختاران مدعیہ ہیں جو علوم شرعیہ سے محض ناواقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود پر تنسیخ جہاد کا الزام لگاتے ہیں۔ اس سے عدالت بخوبی معلوم کرسکتی ہے کہ کون سا فریق حق پر ہے۔

قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ مذکورہ بالا دلائل میں سے دلیل نمبر۱ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ آیت: ''یٰبنی آدم اما یاتینکم رسل '' میں خطاب ان بنی آدم سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں تھے اور اس کے لئے انہوں نے ابن جریر کی ایک روایت پیش کی ہے اور ابن جریر کے متعلق حضرت مسیح موعود نے خود لکھا ہے کہ وہ رئیس المفسرین ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم اس کے سیاق وسباق سے خودبخود واضح ہو تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روایت کے پیچھے پڑیں اور اگر کوئی روایت اس صریح مفہوم کے جو کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ مخالف مفہوم بیان کرتی ہو تو وہ بوجہ قرآن مجید کے صریح مفہوم کے مخالف ہونے کے ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

چنانچہ آیت متنازعہ کے سیاق وسباق سے وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے جو گواہان مدعاعلیہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ اسی آیت سے پہلے بھی بنی آدم کے ساتھ خطاب موجود ہے جو یہ ہے: ''یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجدو کلوا واشربوا ولاتسرفوا انہ لایحب المسرفین '' اس آیت میں یا بنی آدم کے ساتھ یہ جو خطاب کیا گیا ہے تو وہ انہیں لوگوں کے لئے ہے جو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھے یا بعد میں آئیں گے۔ اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں بھی آیا ہے کہ مشرک مرد اور عورتیں بیت اللہ کا ننگے ہوکر طواف کرتے تھے اور اسے موجب ثواب سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاردی: ''خذوا زینتکم عند کل مسجد...... الخ!'' یعنی ننگے طواف نہیں کرنا چاہئے اور اس آیت کے شان نزول میں جو بھی روایات آتی ہیں انہیں معنوں کی مؤید ہیں اور اس سے بھی پہلی آیت: ''یٰبنی آدم لایفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنۃ '' سے بھی ظاہر ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے اور سورت کا ابتداء بھی انہیں معنوں کی تائید کرتا ہے اور حضرت آدم کا واقعہ بھی ضمنی طور پر درمیان میں آیا ہے اور آیت ''متنازعہ فیھا '' کے بعد جو آیات ہیں وہ بھی ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے منکرین، مکذبین کے متعلق فرمایا ہے کہ: ''قال ادخلوا فی امم قدخلت من قبلکم من الجن والانس فی النار '' کہ مکذبین کو ان کی وفات کے بعد کہا جائے گا کہ تم بھی آگ میں ان امتوں کے ساتھ داخل ہوجاؤ جو تم میں سے قبل جن اور انس سے گزر چکی ہیں۔

پس یہ آیت بھی بتارہی ہے کہ آیت ''متنازعہ فیھا '' میں انہیں لوگوں سے خطاب ہے جن سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں اور وہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کے نزول کے وقت موجود تھے یا ان کے بعد آنے والے تھے اور یہی بات گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں بحوالہ اتقان امام جلال الدین سیوطی کی کتاب سے نقل کی تھی۔ جس کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے صریح غلط بیانی کی کہ گواہان مدعاعلیہ نے اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی اور جو روایت مختار مدعیہ نے پیش کی ہے وہ کوئی مرفوع متصل نہیں ہے اور اس کا نفس مضمون اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی ذریت کو اپنی ہتھیلی میں رکھا اور پھر ان کو ''اے بنی آدم'' سے خطاب کیا۔ اوّل تو اس میں آدم اور اس کی اولاد کا ہتھیلی میں رکھنے کا ذکر ہے اور خطاب میں آدم کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں مطلقاً اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں ہے کہ یہ قول جس کا ''حکایتاً عن الماضی '' ہے۔ ثالثاً اس روایت کے راوی بھی کوئی زیادہ ثقہ نہیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن زیاد کے متعلق ابن قطان نے کہا ہے کہ بعض اس کو ثقہ کہتے ہیں: ’’ولٰکن الحق فیہ انہ ضعیف ‘‘یعنی اس کے متعلق سچی بات یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال)

اور ایک راوی ہیاج ہے جس کے متعلق یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں اور پھر یہ روایت بھی صحابی سے نہیں بلکہ تابعی سے ہے اور تابعین کے متعلق لکھا ہے: ’’قال شعبۃ بن الحجاج وغیرہ اقوال التابعین فی الفروع لیست حجۃ فکیف تکون حجۃ فی التفسیر ‘‘کہ شعبہ وغیرہ نے کہا ہے کہ تابعین کے اقوال تو ضروریات دین میں بھی حجت نہیں تو وہ تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں۔ (ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان ج۱ ص۷)

اورعلاوہ ازیں تفسیروں میں جو روایات آئی ہیں۔ ان کے متعلق بزرگان سلف نے کوئی اچھی رائے ظاہر نہیں کی۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ’’ھٰذالتفاسیر التی اسندوھا الٰی ابن عباس غیر مرضیۃ. ورواتھا مجاھیل‘‘ (اتقان ج۲ ص۲۲۴، مصری)

یعنی یہ لمبی لمبی تفسیریں جن کو ابن عباس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ سب ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی مجہول ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ’’وقد جمع المتقدمون فی ذٰلک وادعوا الا ان کتبھم ومنقولاتھم تشتمل علی الغث والسمین والمقبول والمردود‘‘ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۶۰، مصری)

یعنی متقدمین نے تفسیری باتیں جمع کی ہیں اور ایک حد تک خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور ان کی درج شدہ باتوں میں اعلیٰ اور ناقص، مقبول ومردود سب قسم کی باتیں پائیں جاتی ہیں۔ پھر (ص۲۶۱) میں لکھا ہے: ’’فامتلات التفاسیر من المنقولات عندھم الی مثل ذٰلک ‘‘یعنی متقدمین کی تفاسیر محض منقول باتوں سے بھر گئیں جو ان تک یہودیوں اور عیسائیوں سے پہنچی ہیں اور وہ سب ایسی ہی خبریں ہیں جو یہود ونصاریٰ کی روایات پر مشتمل ہیں اور وہ تفاسیر ایسی نہیں ہیں جو احکام سے متعلق ہوں کہ ان اقوال کی صحت کی جائے تا ان پر عمل واجب ہو اور ایسی صحت تلاش کرنے کے بارہ میں مفسرین نے بہت تساہل استعمال کیا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود کے ابن جریر کو رئیس المفسرین لکھنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ بلکہ آپ نے اسے رئیس المفسرین علماء متقدمین کے قول کے مطابق لکھا ہے۔ چنانچہ (فتح البیان ج اوّل ص۱۰/۱۰۳) میں بحوالہ اتقان مصنفہ امام جلال الدین سیوطی لکھا ہے: ’’کتابہ اجل التفاسیر واعظمھا یتعرض لتوجیہ الاقوال وترجیح بعضھا علی بعض والاعراب والاستنباط فھو یفرق بذالک علی تفاسیر المتقدمین‘‘ (فتح البیان ج اوّل ص۱۰)

کہ ابن جریر کی کتاب تفسیر باقی تفسیروں کی نسبت جلیل اور عظیم الشان ہے۔ کیونکہ وہ اقوال کی توجیہہ کرتا اور بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتا ہے اور خود استنباط کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تفسیر متقدمین کی تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے ابن جریر کی جو روایات آئینہ کمالات اسلام میں لکھی ہیں وہ بطور استدلال نہیں لکھیں، بلکہ پہلے قرآن مجید کی آیت سے ایک مضمون بیان کیا ہے اور تائیدی طور پر ان روایات کو فریق مخالف پر اپنا مدعا منوانے کے لئے ذکر کی ہیں اور ایسا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں جو روایات درج کی ہوں، ان کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ مختار مدعیہ نے اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگوں کو ’’یا بنی آدم‘‘ کی بجائے ’’یاآیھا الناس‘‘ سے قرآن مجید میں خطاب کیا جاتا تھا اور ’’یا بنی آدم‘‘ سے جو یہاں خطاب کیا گیا ہے تو اس کا امت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ آدم سے لے کر بعد کے تمام لوگوں کو خطاب ہے اور اس آیت میں ذات آدم کو جو خطاب تھا، اس کا حکم خاتم النّبیین سے ختم ہو چکا تھا۔

سوجیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں آنحضرتﷺ کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے اور اتقان میں بھی امام جلال الدین سیوطی نے یہی لکھا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ پر اس کو واضح کرنے کے لئے نامناسب نہ ہوگا کہ اس کے مسلم مقتداء بانی مدرسہ دیوبند کا قول بھی ذکر کیا جاوے کہ ’’یا بنی آدم‘‘ سے آنحضرتﷺ کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’علیٰ ھٰذ القیاس ‘‘رسول اللہﷺ کے زمانہ کے آدمیوں کو خداوند کریم اس آیت میں ’’یٰبنی آدم لایفتننکم الشیطان‘‘ اور نیز اور آیت میں بنی آدم فرماتا ہے۔ حالانکہ حضرت کا ان میں سے کوئی بھی بیٹا نہ تھا۔ اگر تھے بھی تو کہیں اڑ سنگ کے پڑ سنگ جاکر اولاد کی اولاد ہوتی ہے۔

(ہدیۃ الشیعہ ص۲۹۰)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ آیت کے ما لحق و ماسبق کی رو سے آنحضرتﷺ کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے تو مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس کا حکم آیت ’’خاتم النّبیین‘‘ سے ختم ہو چکا غلط ہوگیا۔ کیونکہ اگر آنحضرتﷺ کے بعد کسی قسم کے رسول کا آنا ممتنع اور محال تھا تو اس آیت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے نہ کہ اخبار میں اور یہ بات کہ آئندہ رسول آئیں گے۔ از قبیل اخبار ہے نہ از قبیل احکام۔

اور ’’اما یاتینکم‘‘ میں فرضی صورت دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بلکہ امر واقع کا بیان ہے۔ ورنہ منکرین نبوت جمیع انبیاء تو یہ بھی کہہ دیں گے کہ ’’امایاتینکم من ھدی‘‘ بھی فرضی صورت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ واقع میں بھی آئیں گے۔ جب خدا تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کر کے ایک خبر دیتا ہے تو اس سے مراد فرضی صورت نہیں ہوا کرتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ کو یہ وہم صرف اما سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مضارع مؤکد بنون تاکید پر لام کی بجائے اما بھی آجاتا ہے اور وہ فرض کے لئے نہیں۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کو فرمایا: ’’واما ترین من البشر احداً فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا‘‘ اب ظاہر ہے کہ حضرت مریم سے خدا تعالیٰ نے اما ترین کلام کی تھی تو اس کی مراد یہی تھی کہ تو انسان کو دیکھے تو ان سے کلام نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے موقعہ پر انہیں جواب دینے کی بجائے اپنے بچے کی طرف اشارہ کردیا تو اس نے ان سے کلام کی۔ پس اسی طرح اس آیت میں بھی فرضی صورت میں کلام نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت: ’’قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھد الظالمین‘‘

اس آیت سے گواہ مدعیہ نمبر۲ نے استدلال کیا تھا کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے نبی بنانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور امتناع نبوت کی وجہ ان کا ظالم ہونا بتائی ہے کہ یہ وعدہ اس وقت تک پورا ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ ظالم نہ ہوں۔

پس دو ہی صورتیں ہیں، یا تو یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام آل ابراہیم علیہ السلام ظالم ہوگئی ہے، یا یہ مانا جائے کہ ان میں نبوت کا پایا جانا ممکن ہے۔

اس پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اوّل ذریت کا لفظ جسمانی نسل پر بولا جاتا ہے روحانی پر نہیں۔ دوم جسمانی طور پر مرزا صاحب ذریت ابراہیم سے نہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذریت کا لفظ عربی زبان میں روحانی نسل پر بولا جاتا ہے۔ مختار مدعیہ پر حجت قائم کرنے کے لئے میں یہاں پر لغت عرب کے حوالے چھوڑتا ہوا صرف اس کے مقتداء و مسلمہ عالم بانی مدرسہ دیوبند کے قول پیش کردینے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: ’’ہوسکے ہے کہ ذریت سے مراد مرید اور متبع ہی مراد ہو۔ چنانچہ عربیت کے محاورات میں اپنے زمرہ کے لوگوں کو آل اور ذریت کہہ دیا کرتے ہیں۔‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص۳۰۴)

اس سے اعتراض کی پہلی جز جس میں مختار مدعیہ کی تحدی پائی جاتی تھی کہ ذریت کا لفظ صرف جسمانی اولاد پر بولا جاتا ہے، غلط ثابت ہوئی اور دوسری جز تو بدیہی طور پر باطل ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''واللہ جمع فیھم النسل اسحاق واسماعیل من کمال الحکمۃ والمصلحۃ'' (استفتاء ص۷۷، خزائن ج۲۲ ص۷۵۳) کہ میرے باپ دادوں میں کمال حکمت اور مصلحت کی بناء پر اسحاق اور اسماعیل کی نسل جمع ہوگئی۔ پس آپ بلاریب ابرہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو نبی فارس مانا جائے تو بھی آپ حضرت اسحاق کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت ابرہیم کی اولاد میں سے ہیں اور اگر مغل یعنی ترکی نژاد سمجھا جائے تو بھی۔ کیونکہ ترک ابراہیم علیہ السلام کی لونڈی (بیوی) قطورہ کی اولاد سے ہیں۔ جیسے عرب حضرت ہاجرہ کی اولاد سے اور ترکوں کا قطورہ کی اولاد سے ہونے کا ذکر ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ ص۵۶)

تیسری آیت: ''اللہ یصطفٰی من الملائکۃ رسلا ومن الناس'' کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل کے لئے یکساں طور پر استعمال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر وہ حقیقی طور پر دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے تو وہ لفظ مشترک ہوا۔ مگر مشترک میں دونوں معنی مراد نہیں ہوسکتے۔ اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مضارع کا حال اور استقبال دونوں کے لئے یکساں طور پر ہونا جب تک کہ کوئی قرینہ کسی ایک میں سے اس کو مختص نہ کرے۔ ہر ایک شخص جو عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے۔

چنانچہ منجد میں لکھا ہے: ''المضارع صیغۃ الفعل التی تدل علی الحال او الاستقبال'' کہ مضارع فعل کا ایک صیغہ ہے جو حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے اور خود گواہان مدعیہ میں سے گواہ نمبر۱ نے جرح کے جواب میں تسلیم کیا ہے کہ: ''مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں کے لئے آتا ہے۔''

اور کسی لفظ کا دونوں معنوں میں مشترک ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ اگر کسی جگہ اس کے دونوں معنی الگ ہوسکتے ہوں تو صرف اشتراک کی وجہ سے نہ لئے جائیں۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ ''رأیت عینہ'' اور اس سے مراد آنکھ اور چشمہ دونوں ہوسکتے ہوں تو دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔ جب تک کہ اسے کوئی خاص قرینہ ایک معنی میں معین نہ کردے اور آیت میں یہ صیغہ خدا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے بیان استمرار کے معنی ہی موزوں ہوسکتے ہیں۔

چوتھی آیت: ''اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم'' کے متعلق مختار مدعیہ نے جرح میں (ایام الصلح ص۱۶۳، خزائن ج۱۴ ص۴۱۱) کا حوالہ دیا تھا کہ حضرت مرزاصاحب نے اس آیت کے وہ معنی نہیں کئے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں۔ ایام الصلح میں آپ یہ آیت لکھ کر فرماتے ہیں: ''اس جگہ مفسر قائل ہیں کہ ''صراط الذین انعمت علیھم'' کی ہدایت سے غرض تشبیہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت ہے۔''

اس عبارت سے آپ نے ان لوگوں کو جواب دے دیا جو ایک مستقل نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل تھے اور مخالفین کے اس قول کا کہ مثیل نبی نبی ہوتا ہے، جواب دیا ہے اور مفسرین کے قول سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی کو نبیوں کے ساتھ تشبیہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہے اور یہ معنی ان معانی سے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں متضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ ایام الصلح میں جس قسم کی نبوت کا انکار کیا گیا ہے اس قسم کی نبوت گواہان مدعا علیہ اس آیت سے ثابت نہیں کرتے اور اس قسم کی نبوت اس آیت سے حضرت مسیح موعود نے خود ثابت کی ہے۔ جیسا کہ (کشتی نوح ص۴۴، خزائن ج۱۹ ص۴۷،۴۸) میں فرماتے ہیں: ''کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آئے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت میں اس زمانہ میں ہزارہا یہودی صفت لوگ پیدا کرے اور ہزارہا عیسائی مذہب میں داخل کرے، مگر ایک شخص بھی ایسا نہ ظاہر کرے کہ

جو انبیاء گزشتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہوتا۔ پیش گوئی جو آیت: ’’اھدنا الصراط المستقیم‘‘ سے مستنبط ہوتی ہے وہ ایسی ہی پوری ہوجائے۔ جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہوجانے کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔‘‘

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بناء جن پر تیرا انعام ہوا یہ غلط ہے۔ حالانکہ اس پر آیت میں جو دعا ہے اس کا یہی مفہوم ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ایک مؤمن یہ دعا نہیں کرتا کہ وہ ان کا راستہ ہی دیکھنے پر خوش ہوجائے اور اسے منعم علیہ گروہ میں داخل نہ کیا جائے۔ اگر وہ منعم علیہ گروہ میں داخل نہیں ہوگا تو یقیناً ’’مغضوب علیھم یاضالین ‘‘میں سے ہوگا اور آیت: ’’من یطع اللہ والرسول فاولٓئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النّبیین ‘‘پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آیت میں معیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نبی ہوجائیں گے۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے اور اپنی تائید میں ایک تو بخاری سے حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات کے وقت یہ آیت: ’’مع الذین انعم اللہ علیھم ‘‘پڑھی اور دوسری حدیث: ’’التاجر الصدوق الامین مع النّبیین ‘‘تاجر صدوق امین نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ان دونوں روایتوں سے مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس آیت سے جو مفہوم گواہان مدعا علیہ نے نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں روایتیں اس مفہوم کے مخالف نہیں ہیں جو گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ آیت وفات کے وقت پڑھی تو اس پڑھنے سے کس طرح ثابت ہوگیا کہ آپ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ آپ نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوں اور نبیوں میں شامل نہ ہوں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ تو نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النّبیین تھے۔ پس آنحضرت ﷺ تو بے شک نبیوں ہی کے رتبہ میں ہوں گے۔ کیونکہ آپ نبی تھے اور تاجر صدوق بھی ضرور انہیں لوگوں میں سے ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا تو وہ بھی اپنے مقام کے لحاظ سے ضروران چار گروہوں میں شامل ہوگا۔

اس کے قطعاً یہ معنی نہیں کہ اگر وہ نبی نہیں تو نبیوں کے ساتھ ہوگا اور اگر صدیق نہیں تو صدیقوں کے ساتھ ہوگا اور اگر یہ مراتب آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ چاروں گروہ جنت میں ایک ہی مقام پر ہوں گے۔ بلکہ ان کے مقامات اور مراتب کا مختلف ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ پس تاجر صدوق ان چاروں مراتب میں سے جس مرتبہ میں ہوگا وہ اس مرتبہ والوں میں شامل ہوگا اور اگر ’’مع الذین انعم اللہ علیھم ‘‘کے معنی بقول مختار مدعیہ یہ لئے جائیں کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے نہ یہ کہ ان میں سے ہوں گے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو خدا اور رسولوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر انعام کیا۔ لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن پر انعام ہوا۔ یعنی امت محمدیہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ تو ہوگی منعم علیہ نہیں ہوگی۔ نبیوں کے ساتھ ہوں گے، لیکن نبی نہ ہوں گے۔ شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے لیکن شہید اور صالح نہ ہوں گے۔

اور اس مفہوم کو کوئی عقلمند انسان ماننے کے لئے تیار نہیں۔ رہی یہ بات کہ صرف مع کے معنی ایسی معیت کے ہوتے کہ جن کے ساتھ کسی کو معیت حاصل ہے، ویسا ہی ہوجائے اور اس کا بھی وہی مقام ہو جو دوسرے کا مقام ہے تو یہ معنی قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو دعا سکھاتا ہے جن میں ’’توفنا مع الابرار ‘‘کے الفاظ موجود ہیں کہ اے خدا! تو ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے۔ یہاں پر ’’مع‘‘ سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے جس دن نیک مریں اس دن ہمیں بھی مار ڈال۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ایسی حالت میں وفات دے کہ ہم نیک ہوں۔

اسی طرح ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا ہے: ’’ابیٰ ان یکون مع الساجدین (الحجر) ‘‘اور دوسری

آیت میں فرمایا:''لم یکن من الساجدین (اعراف)''تو ایک آیت میں مع استعمال کیا اور دوسری میں من استعمال کیا جن سے ثابت ہوا کہ مع بمعنی من بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی آیت:''فاکتبنا مع الشاھدین'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:''عن ابن عباس اکتبنامع الشاھدین ای اکتبنافی زمرۃ الانبیاء لان کل نبی شاھد لقولہ قال اللہ تعالٰی فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین وقد اجاب اللہ تعالٰی دعاء ھم وجعلھم انبیاء ورسلہ فاحیوا لموتی وصنعوا کل ماصنع عیسٰی''

۲...... ''انہ تعالٰی قال شھداللہ انہ لآالہ الاھو والملآئکتہ واولوالعلم فجعل اولواالعلم من الشاھدین وقرن ذکرھم بذکر نفسہ وذالک درجۃ عظیمۃ ومرتبۃ عالیہ فقالوا فاکتبنا مع الشاھدین ای اجعلنا من تلک الفرقۃ الذین قرنت ذکرھم بذکرک''

۳...... ''فاکتبنا مع الشاھدین ای اجعلنا ممن یکون فی شھود جلالک حتی نصیر مستحقرین لکل مایصل الینا من المشاق والمتاعب فحینئذٍ یسھل علینا الوفاء بماالزمناء من نصرۃ رسولک ونبیّک'' (تفسیر کبیر ج۲ ص۶۸)

ان مذکورہ بالا تینوں عبارتوں کا بالترتیب ترجمہ حسب ذیل ہے۔

۱...... ابن عباس نے''اکتبنا مع الشاھدین'' کا جو ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں انبیاء کے زمرہ میں لکھ لے۔ کیونکہ ہر ایک نبی اپنی قوم پر شاہد ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی دریافت کریں گے اور ان سے بھی جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالٰی نے ان کی اس دعا کو قبول کیا اور انہیں انبیاء اور رسل بنایا۔ پھر انہوں نے مردے زندہ کئے اور انہوں نے وہ تمام باتیں کر دکھائیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کی تھیں۔

۲...... اللہ تعالٰی نے اور اس کے فرشتوں اور اہل علم نے اس بات کی گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اہل علم کو بھی خدا نے گواہ ٹھہرایا ہے اور ان کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے اور یہ ایک بڑا درجہ اور اعلیٰ شان کا مرتبہ ہے تو انہوں نے یہ دعا کی کہ ہمیں شاہدوں کے ساتھ لکھ لے۔ یعنی ہمیں اس فرقہ میں سے کر دے جس کا ذکر تو نے اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔

۳...... ''فاکتبنا مع الشاھدین'' یعنی ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تاکہ ہم تمام مشقتوں اور تکلیفوں کو جو ہمیں پہنچیں حقیر جانیں اور جو ہم نے تیرے رسول اور تیرے نبی کی نصرت کا عہد اپنے اوپر لیا ہے، اسے سہولت کے ساتھ بجا لاسکیں۔

اسی طرح اللہ تعالٰی ان صفات کا جن کا ایک مؤمن میں پایا جانا ضروری ہے، ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے:''فاؤلٓئک مع المؤمنین'' یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے تو اس آیت میں ''مع المؤمنین'' کے معنی یہی ہیں کہ وہ مؤمن ہوں گے۔

اور اسی طرح لسان العرب میں ''کونوا مع الصادقین'' کے معنی ''کونوا صادقین'' لکھے ہیں کہ تم صادق بنو۔

مختار مدعیہ نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا یہ اعتراض کیا ہے کہ اس طرح تو ''وھو معکم'' سے کبھی بندہ بھی خدا ہو جائے گا۔ کیا مختار مدعیہ خدا کی بندے سے معیت اور ایک انسان سے انسان کی معیت کو ایک ہی قسم کی جانتا ہے۔ خدا کی معیت تو انسان کی معیت سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس سے اسے انسانوں کی انسانوں سے معیت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس آیت متنازعہ فیہا کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے بھی ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ جن پر خدا تعالٰی کا انعام ہوا۔ یعنی نبی، صدیق اور صالحین میں سے یعنی جو جس مرتبہ کے لائق ہوگا اسے خدا تعالٰی وہ مرتبہ عطاء کرے گا۔

اور آیت:''واذ اخذنا میثاق النّبیین ومنک ومن نوح ''اوراسی طرح''وما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ ''اور''ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشآء '' سے گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے بقاء نبوت پر جو استدلال کیا ہے وہ اس کے بیان میں تفصیل سے مذکور ہے اور مختار مدعیہ نے اس پر جو سوالات کئے ان کا جواب بھی اس میں موجود ہے۔البتہ آیت:''لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم '' کے متعلق جو بحث مختار مدعیہ نے کی ہے وہ قابل التفات ہے۔

گواہ مدعا علیہ نے یہ آیت خلافت جسمانی اور خلافت روحانی دونوں پر چسپاں کی ہے۔لیکن مختار مدعیہ نے ۱۲/اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔''وعد اللہ الذین آمنوا منکم '' سے مراد صرف صحابہ ہیں۔''خلافت فی الارض '' کے معنی نبی بنانے کے نہیں جن بنی اسرئیل کی خلافت ارضی کے ساتھ ان کو تشبیہ دی گئی ہے اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ اس سے سرزمین بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے۔نبوت وغیرہ نہیں۔لہٰذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہے جو صحابہ کرام کی حکمرانی سے پوری ہو چکی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ''وعد اللہ الذین آمنوا منکم '' سے صرف صحابہ کو مراد سمجھنا الفاظ قرآن کریم کی عمومیت کا بلا دلیل باطل کرنا ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں جو خطابات مؤمنوں سے کئے گئے ہیں۔ان سے صرف صحابہ ہی مقصود نہیں بلکہ امتی لوگ بھی مراد ہیں۔چنانچہ''یوصیکم اللہ فی اولادکم ''میں بھی ''یوصیکم ''اور''اولادکم ''میں وہی خطاب موجود ہے۔اب اگر اسی خطاب کے مخاطب صرف صحابہ ہی لئے جائیں تو پھر دوسرے امتی اس حکم سے آزاد ہو جائیں گے۔چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب اس آیت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ متکلم اس کے رسول اللہ ﷺ ہیں اور مخاطب امتی۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۵۵)

پس آیت مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والے امتی مراد ہیں اور یہ کہنا کہ یہ آیت صرف خلافت جسمانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے خلافت روحانی سے نہیں۔بالکل غلط ہے کیونکہ خلافت جسمانی یعنی بادشاہت تو ایسے لوگوں کو بھی مل جاتی ہے جو نیک اور مؤمن نہیں ہوتے۔پس محض خلافت جسمانی کو ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقید کرنا واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے۔

نیز اس کا جو نتیجہ دین کا مضبوط ہو جانا نکالا گیا ہے یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں صرف خلافت جسمانی مراد نہیں ہے۔بلکہ خلافت روحانی بھی اور دین کو متمکن کرنے والی درحقیقت خلافت روحانی ہوتی ہے نہ کہ خلافت جسمانی۔اگر مختار مدعیہ اس امر کی دلیل پہلے مفسرین سے چاہے تو تفسیر کبیر موجود ہے۔امام فخرالدین رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''ان الاستخلاف بالمعنی الذی ذکرتموہ حاصل بجمیع الخلق فالمذکور ھٰھنا فی معرض البشارۃ لابد وان یکون مغایرا لہ واماقولہ تعالٰی کما استخلف الذین من قبلھم فالذین کانوا قبلھم قد کانوا خلفاء تارۃ بسبب النبوۃ وتارۃ بسبب الامامۃ والخلافۃ حاصلۃ فی الصورتین ''(تفسیر کبیر ج۶ ص۴۲۸،۴۲۹) یعنی جن معنوں میں اختلاف کا تم نے ذکر کیا ہے اور خلافت جسمانی مراد لی ہے تو یہ خلافت تو تمام مخلوقات کو حاصل ہے۔پس جس خلافت کا یہاں بطور بشارت کے ذکر کیا گیا ہے۔ضروری ہے کہ وہ ان کے مغائر ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول میں جو پہلوں کے استخلاف کا ذکر کیا گیا ہے تو جو لوگ مسلمانوں سے پہلے تھے،ان میں خلفاء کبھی نبوت کی وجہ سے کبھی امامت کی وجہ سے ہوتے تھے اور خلافت ان دونوں صورتوں میں حاصل ہوتی۔اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جیسے پہلے خلافت روحانی وجسمانی تھی ویسے ہی اس امت میں بھی ہوگی۔پھر اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''واما قولہ کما استخلف الذین من قبلھم یعنی کما استخلف ھارون ویوشع وداؤد و سلیمان وتقدیر النظم یستخلنھم کما استخلف الذین من قبلھم من ھٰولاء الانبیاء علیھم السلام ''یعنی خدا تعالیٰ کے قول کہ جیسے ان سے پہلے خلیفے بنانے سے مراد ہارون اور یوشع اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خلیفے ہیں اور اس آیت کا معنی ہے کہ خدا انکو ان پہلے نبیوں کے خلیفے بنانے کی طرح خلیفے بنائے گا۔ (تفسیر کبیر ج۶ ص۴۲۸،۴۲۹)

اور لکھتے ہیں: ’’واما قوله تعالیٰ ولیمکنن لهم دینهم للذی ارتضیٰ لهم وهو الاسلام‘‘ کہ ’’ولیمکنن لهم‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ یعنی اسلام کو ثابت اور مضبوط کرے گا۔ اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ جو استدلال اس آیت سے گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے خلافت روحانی اور جسمانی پر کیا ہے۔ وہی صحیح ہے۔

احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱

مختار مدعیہ نے نواس بن سمعان کی حدیث پر جس میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے لقب سے پکارا ہے کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے (ازالہ اوہام ص۲۳۷، خزائن ج۳ ص۲۲۰) میں لکھا ہے کہ: ’’اس راوی نے اس حدیث کے بیان میں دھوکہ کھایا ہے۔‘‘

جواب: حضرت مسیح موعود کا اس قول سے قطعاً یہ منشاء نہیں ہے کہ نواس کی روایت موضوع ہے اور اس میں جو لفظ نبی اللہ کا وارد ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دجال کے متعلق جو بعض باتیں جو بخاری اور مسلم کی متفق حدیثوں سے اختلاف رکھتی ہیں صرف ان کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ تو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکا کھایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشقی حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے، خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ نواس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکا کھایا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے۔ مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث ...... کو قطعی اور یقینی سمجھتے تھے اور نواس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استعارات وکنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔‘‘

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۲۳۷، ۲۳۸، خزائن ج۳ ص۲۲۰)

اور اس امر کا ذکر کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی متعدد کتب میں کیا ہے اور مختار مدعیہ نے (سراج منیر ص۳، خزائن ج۱۲ ص۵) سے جو حوالہ پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ: ’’حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے جو نبی کا لفظ آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔‘‘

وہ اس لحاظ سے ہے کہ حقیقی نبی سے آپ صاحب شریعت اور مستقل نبی مراد لیتے ہیں اور اس کے مقابل میں آپ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کو جو حدیثوں میں نبی کہا گیا ہے تو اس سے مراد حقیقی نبی نہیں ہے اور دوسری حدیث کہ ابوبکر میری امت میں سب سے افضل ہیں۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یہ اتنی واضح حدیث تھی کہ اس پر مختار مدعیہ کو چاہئے تھا کہ وہ خاموش رہتا۔ مگر اس پر بھی اس نے کہہ دیا کہ اس جگہ ’’الّا ان یکون نبی‘‘ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حقیقی طور پر نبی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ایک تو نبی کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے جس کو کسی خاص فرد کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں۔ دوسرے اس حدیث کے الفاظ میں یہ امر صاف مذکور تھا کہ ابوبکر اس امت میں سب سے افضل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو۔ یعنی اگر امت میں سے کوئی نبی تو وہ افضل ہوگا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابوبکر کا مقابلہ پہلے انبیاء سے نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ہے جو کہ اس امت میں سے آئے۔ پس اس حدیث سے ایک تو نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ امتی ہوگا جس نے تمام کمالات آنحضرت ﷺ کی اتباع کے نتیجے میں حاصل کئے ہوں گے۔

۲۳

خلاصہ ملاحظہ ہو

بیان مطبوعہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ ص۹۶، ۹۷۔

تیسری وجہ تکفیر کا رد

گواہان مدعیہ نے تیسری وجہ تکفیر یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے قیامت اور نفخ صور وغیرہ اور قیامت کے دن مردوں کے قبروں سے جی اٹھنے وغیرہ کا انکار کیا ہے۔

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبرا۔

نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل حوالہ جات جن میں حضرت مسیح موعود نے صاف طور پر بعث بعد الموت اور روز قیامت اور اعمال کی جزاوسزا کا صریح طور پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

۱...... خداتعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔

''آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت واشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ فاتقوا اللہ ولا تقولوا لست مسلما واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون''

(ازالہ اوہام ٹائٹل پیج ص۲، خزائن ج۳ ص۱۰۲)

۲...... ''ونعتقد ان الجنۃ حق والنار حق وحشر الاجساد حق'' یعنی ہمارا اعتقاد ہے کہ جنت برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے۔ حشر اجساد بھی برحق ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۷، خزائن ج۵ ص۳۸۷)

۳...... ''ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے: ''لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اٰمنا باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والجنۃ والنار والبعث بعد الموت'' یعنی ہم ایمان لاتے ہیں خداتعالیٰ پر فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی سب کتابوں پر جنت اور جہنم پر اور بعث بعد الموت پر۔ (انوار الاسلام ص۳۴، خزائن ج۹ ص۳۵)

۴...... ''ونؤمن بالملائکۃ ویوم البعث والجنۃ والنار'' اور ہم فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (نورالحق حصہ اوّل ص۵، خزائن ج۸ ص۷)

۵...... ''یہ بات نہایت بدیہی اور عندالعقل مسلم اور قرین قیاس ہے کہ جیسا کہ انسان دنیا میں ارتکاب جرائم یا کسب خیرات اور اعمال صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے۔ ایسا ہی جزاوسزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہئے۔ یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اخروی سے حصہ ملنا چاہئے۔''

(نورالقرآن حصہ دوم، خزائن ج۹ ص۴۲۱،۴۴۲)

۶...... ''پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ بہشت جو جسم وروح کے لئے دارالجزاء ہے وہ ایک ادھورا اور ناقص دارالجزاء نہیں۔ بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزاء ملے گی۔ جیسا کہ جہنم میں اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزادی جائے گی۔'' (نورالقرآن حصہ دوم ص۳۱، خزائن ج۹ ص۴۲۳،۴۲۴)

۷...... ''قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھیں گے وہ کہیں گے۔'' وما لنا لانری رجالا کنا نعدھم من الاشرار'' یعنی ہمیں کیا ہو گیا کہ دوزخ میں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص۲۱، خزائن ج۲۰ ص۲۱۸)

۸...... ’’اور یوم آخر قرآن شریف کی رو سے یہ ہے جس میں مردے بھی اٹھیں گے اور پھر ایک فریق بہشت میں داخل کیا جائے گا جو جسمانی اور روحانی نعمت کی جگہ ہے اور ایک فریق دوزخ میں داخل کیا جائے گا جو روحانی اور جسمانی عذاب کی جگہ ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص ۱۴۱، خزائن ج ۲۲ ص ۱۴۵)

۹...... ’’ایسا عقیدہ جو مؤمنین مطہرین بلاتوقف بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ میری طرف سے نہیں بلکہ یہی عقیدہ ہے جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اجساد ہوگا اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی حق ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا (یعنی فوت ہوتے ہی داخل ہونا) صرف اجمالی رنگ میں ہے اور اس صورت میں جو مؤمنوں کو مرنے کے بعد بلاتوقف اجسام دیئے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں۔ مگر حشر اجساد کا دن تجلی اعظم کا دن ہے۔ اس دن کامل اجسام ملیں گے۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۱۳ حاشیہ، خزائن ج ۲۱ ص ۳۸۷ حاشیہ)

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے جو بحث کی ہے وہ قطعاً قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے متعدد جگہ اپنی کتب میں ان سب عقائد کا بیان فرمایا ہے اور جو آیات اور احادیث ان مسائل کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ملحدین کے اعتراضات کو ملحوظ رکھ کر ان سب میں تطبیق فرمائی ہے تو یہ تقریر جو ازالہ اوہام میں بیان ہوئی ہے تو وہ ان مختلف حدیثوں اور آیات کی تطبیق میں ہے۔ مختار مدعیہ نے ۱۲/ اکتوبر کی بحث میں کچھ آیات سنائی تھیں جن سے بزعم خود اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگ قبروں سے اٹھائیں جائیں گے اور نفخ صور ہوگا۔ مگر مرزاصاحب کے نزدیک جب جنتی جنت میں رہیں گے اور دوزخی دوزخ میں تو قبروں میں سے جو نکلے گا اور نفخ صور اس کو جمع کرے گا۔ سو اس سوال کا جواب حضرت مسیح موعود کے کلام سے اوپر گزر چکا ہے۔ میں مختار مدعیہ سے اگر وہ بھی ظاہری قبور مراد کہتا ہے تو وہ قومیں جو مردوں کو جلاتی ہیں یا جو سمندروں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں یا جنہیں درندے کھا جاتے ہیں وہ کن قبروں سے اٹھیں گے۔ اگر تمام لوگ قیامت کے روز تک اپنی قبروں میں ٹھہرے رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا تو ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ ’’اغرقوا فادخلوا ناراً (نوح)‘‘ کہ نوح کے مخالف غرق کئے گئے۔ پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا اور اسی طرح فرماتا ہے: ’’النّار یعرضون علیها غدواوعشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشدالعذاب ‘‘ کہ فرعونی صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو، اس دن ہم حکم کریں گے کہ فرعون کو ’’اشدا العذاب ‘‘ میں ڈالو اور آیت: ’’یٰآیتها النفس المطمئنة ارجعی الٰی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ‘‘ اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو نفس خدا کی طرف سے تسلی پا گیا ہوا سے دیگر بندگان الٰہی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس طرح ایک مؤمن کو بلاتوقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’قیل ادخل الجنة قال یالیت قومی یعلمون ‘‘ اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج میں اور اس کے علاوہ بھی جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت کو دیکھا تو اس میں اکثر ضعفاء تھے اور شہداء کے متعلق تو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہیں مردے مت کہو۔ ’’بل احیآء عندربهم یرزقون ‘‘ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور وہ رزق پاتے ہیں۔

اور امام ابن حزم فرماتے ہیں: ’’هٰکذا نص رسول اللہ ﷺ علٰی ان ارواح الشهداء فی الجنة وکذالک الانبیاء بلاشک‘‘ (کتاب الفصل ج ۲ ص ۱۳۴)

یعنی اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نص کے طور پر بیان کیا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں اور اسی طرح انبیاء کی ارواح بھی بلاشک جنت میں ہیں۔ پس اگر کوئی شخص مرنے کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا تو مختار مدعیہ ان آیات اور اپنے اس عقیدہ میں کہ مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ تطبیق کر کے دکھائے اور یہ بھی یاد رہے کہ جن قبور کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ یہ قبریں نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے برزخی قبریں مراد ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:''ثم اماته فاقبره ''یعنی پھر خداتعالیٰ انسان کو مارتا ہے اور پھر اس کے لئے قبر بناتا ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:''القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرة النيران (ترمذی)'' کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزاصاحب محض الفاظ مانتے ہیں معنی کچھ نہیں۔ درحقیقت اس کے اپنے اوپر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ ان آیت کے معنی پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ بغیر کسی غور اور فکر کے مومنوں کی شان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم حشر اجساد اور''بعث من فی القبور ''اور دیگر تمام امور اخروی پر ایمان لاتے ہیں اور نفخ صور کو بھی مانتے ہیں۔ مختار مدعیہ نے شہادۃ القرآن اور چشمہ معرفت کے چند حوالے پیش کر کے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود نفخ صور کے منکر ہیں۔ حالانکہ شہادۃ القرآن میں ہی آپ نے آیت:''ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ''کے تحت میں لکھا ہے:''یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔'' (شہادۃ القرآن ص۲۵، خزائن ج۶ ص۳۲۱)

اسی طرح (شہادۃ القرآن ص۶۴، خزائن ج۶ ص۳۶۰) پر بھی فرماتے ہیں: کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں بلکہ روحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

دیکھو ان دونوں جوابوں میں جو شہادۃ القرآن میں ہی موجود ہیں کیا نفخ صور کا اقرار موجود نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا کس قدر خلاف واقع ہے کہ آپ نے نفخ صور سے انکار کیا ہے۔ آپ نے آیت:''ونفخ فی الصور فجمعنا هم جمعا ''کی آیت میں نفخ صور سے مراد مسیح موعود لی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے سباق وسیاق سے ظاہر ہے کہ یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:''دوسرے مقام میں فرمایا ہے:''فاذا جاء وعد ربی جعله دکا وکان وعدربی حقا. وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض ونفع فی الصور فجمعناهم جمعا (الجزء:۱۶)''

یعنی جب وعدہ خداتعالیٰ کے نزدیک آجائے گا تو خداتعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردے گا جو یاجوج وماجوج کی روک ہے اور خداتعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور ہم اس دین یعنی یاجوج وماجوج کی سلطنت کے زمانے میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے۔ تاکہ ایک دوسرے میں موجزنی کریں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنے مذہب ودین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے۔ اس طرح اقوام موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تاکہ ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی۔ ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لئے کوشش کرے گا اور وہ اپنی لڑائیوں میں ہوں گے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا۔ تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کردیں گے۔ صور پھونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اس وقت عباداللہ کے موافق خداتعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا اور اس کے دل میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔'' (شہادۃ القرآن ص۱۵،۱۶، خزائن ج۶ ص۳۱۱)

قرآن مجید کے ۹ مقامات پر نفخ صور کا ذکر آیا ہے۔ پس اگر ان میں سے کسی ایک مقام کی نسبت آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اس کے سیاق کے لحاظ سے وہ اس زمانہ کے لئے بطور پیش گوئی کے ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ آپ مطلقاً نفخ صور کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت کے ماتحت جیسے کہ (شہادۃ القرآن ص۲۵، خزائن ج۶ ص۳۲۱) کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ قیامت کے وقت جو نفخ صور ہوگا اسے تسلیم کرتے ہیں۔

پھر مختار مدعیہ نے یہ فرض کر کے حضرت مسیح موعود نے جب قیامت کا ہی انکار کر دیا تو پل صراط وغیرہ کا بھی انکار کر دیا۔

حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت ہر ایک اس چیز کو مانتی ہے جو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ پل صراط کے متعلق بھی فرماتے ہیں: ''یہی صورت جسمانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آجائے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ درحقیقت ایک صراط ہے جو پل کی شکل پر دوزخ کے اوپر بچھایا گیا ہے جس کے دائیں بائیں دوزخ ہے۔ تب ہم مامور کئے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں صراط مستقیم پر چلتے رہے ہیں اور دائیں بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس صراط سے بھی خوف نہیں ہوگا اور نہ جہنم کی بھاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا۔ بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گزر جائیں گے۔ لیکن جو شخص دنیا میں صراط مستقیم پر نہیں چل سکا وہ اس وقت بھی چل نہیں سکے گا اور دوزخ میں گرے گا اور جہنم کی آگ کا کندہ بن جائے گا۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص۱۴۷، ۱۴۸، خزائن ج۵ ص ایضاً)

مختار مدعیہ نے جس رنگ سے تکفیر کی اس کو دیکھ کر بے اختیار حضرت مسیح کا مقولہ یاد آتا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ یہی مختار مدعیہ ہے جس نے مولوی احمد رضا خان کے فتاویٰ تکفیریہ کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب شہید کے متعلق مولوی احمد رضا خان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''جو شہید مظلوم خان صاحب کے نزدیک وہابی نہیں بلکہ ان کے باپ ہیں اور مقتداء وپیشواء اور ان سے خان صاحب کے نزدیک ایک نہیں بلکہ متعدد کیا بے شمار کفر سرزد ہوئے ہیں جن کی بناء پر ان پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً موجودہ کثیرہ کفر لازم۔'' (الکواکب الیمانی علی اولاد الزوانی ص۹۰)

لیکن اگر مختار مدعیہ اپنی عبارتوں کو بالمقابل رکھ کر اس عبارت کو پڑھتا تو اس کو معمولی سمجھ کر ذکر بھی نہ کرتا۔ مولوی احمد رضا خان کی مذکورہ بالا تحریر مختار مدعیہ کی تحریر کے مقابل میں کچھ چیز نہیں۔

چنانچہ مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود کے متعلق کہتا ہے: حشر اجساد تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے اور ایک آیت کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہٰذا کم از کم سو وجہ کفر وارتداد مرزا صاحب کی ہوئی اور چونکہ بحث ''من فی القبور'' بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کروڑوں کیا اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک شخص کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا بے شمار وجھوں سے کافر اور مرتد ہوئے۔

اب بتاؤ مختار مدعیہ کی تحریر مولوی احمد رضا خان کی تحریر سے تکفیر میں بڑھی ہوئی ہے یا نہیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ اسے قابل اعتراض سمجھتا ہے۔

چوتھی وجہ تکفیر:

توہین انبیاء علیہم السلام

حضرت مسیح موعود نے کسی نبی کی توہین نہیں کی

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے انبیاء کی توہین کی ہے اور جو انبیاء کی توہین کرے وہ کافر اور مرتد ہے۔ اس کے جواب کے لئے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

حضرت مسیح موعود ان کے اس اعتراض کا خود جواب دیتے ہیں: ’’اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ’’لعنة الله على الكاذبين‘‘ اور ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں۔‘‘

(انوار الاسلام ص۳۴، خزائن ج۹ ص۳۵)

۱...... مختاران مدعیہ نے انبیاء کی توہین ثابت کرنے کے لئے پہلا حوالہ یہ پیش کیا ہے اور یہ حضرت اقدس مسیح موعود کا شعر ہے:

آنچہ داد است ہر نبی را جام ‎ ‎ داد آں جام را مرا بتمام

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

سو اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

اور مختار مدعیہ نے اس سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفان کا جو جام اور انبیاء علیہم السلام کو پلایا ہے میرے سید ومطاع حضرت محمد ﷺ کے طفیل سے وہی جام مجھے بھی پلایا ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت اقدس کو تمام انبیاء کے عرفان سے معہ حضرت محمد ﷺ سے عرفان کے زیادہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس قول سے کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اپنے واحد ماننے کی جو توفیق عطاء فرمائی ہے۔ وہی توفیق مجھے بھی عطاء فرمائی ہے۔ یہ مطلب نکالے کہ اس قائل نے اپنی توفیق کو تمام انبیاء کی توفیق کے برابر بنا کر تمام انبیاء پر اپنی فوقیت جتائی ہے۔ حالانکہ یہ مطلب لینا بالکل باطل ہوگا۔ صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی خدا تعالیٰ کو واحد مانتا تھا، اسی طرح میں بھی واحد مانتا ہوں نہ یہ کہ ان سب کا مجموعی طور پر واحد ماننا میرے واحد ماننے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

علی ہذا القیاس! حضرت اقدس کے شعر کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہر نبی کو جو جام عرفان دیا گیا ہے، وہی جام لبالب مجھے بھی دیا گیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی غلامی کے طفیل اپنا جام عرفان پلانے میں کسی سے کم نہیں رکھا، بلکہ جو جام ان کو پلایا وہی مجھے بھی پلایا۔ جیسا کہ اسی نظم میں آپ فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ‎ ‎ من بعرفان نہ کمترم زکسے

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

اگر آپ کا مقصود وہ ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ اس صورت میں تو آپ یہ فرماتے کہ میں ان سے بہت بڑھا ہوا ہوں۔ پھر یہ کیوں فرماتے کہ:

وارث مصطفیٰ شدم بہ یقیں شدہ رنگیں برنگ یار حسیں

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

یعنی مجھے جو جام عرفان الٰہی پلایا گیا ہے اور جس میں مجھے کسی سے کم نہیں رکھا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کا وارث اور حضور کے رنگ سے رنگیں کیا گیا ہوں۔ اسی نظم میں یہ کیوں فرماتے:

لیک آئینہ ام ز رب غنی از پئے صورت مہر مدنی

(نزول المسیح ص۱۰۰، خزائن ج۱۸ ص۴۷۸)

یعنی میں آنحضرت ﷺ کی شکل مبارک کے لئے بطور آئینہ ہوں اور جس طرح آئینہ جس چیز کے سامنے ہو، اس کی صورت اپنے اندر لے لیتا اور دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح میں آنحضرت ﷺ کی شکل مبارک دوسروں کو دکھانے والا ہوں۔ اگر شعر مذکور کا وہ مطلب ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے تو اس شعر کے آگے ہی یہ شعر کبھی نہ لکھے جاتے۔ اس مضمون کو جام مجھے پلایا گیا وہ آنحضرت ﷺ کی غلامی کے طفیل پلایا گیا ہے۔ حضرت اقدس نے جابجا تحریر فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''اور وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسول مقبول پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں۔ بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ان تک ان نعمتوں سے حصہ پاتے ہیں اور جو شربت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کو پلایا گیا وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نوران میں روشن ہے۔ نبی یعقوب کے پیغمبروں کی ان سے برکتیں ہیں۔ سبحان اللہ ثم سبحان اللہ! حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کس شان کے نبی ہیں، اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے۔ جس کے ناچیز خادم، جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ امت، جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔'' **اللھم صل علٰی نبیک وحبیبک سید الانبیاء وافضل الرسل وخیر المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم''**

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ نمبر ۱۱ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷، خزائن ج۱ ص ۲۷۱، ۲۷۲)

۲...... دوسرا حوالہ توہین انبیاء کے متعلق یہ پیش کیا گیا ہے:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفان نہ کمترم زکسے

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

اور اگر حضرت مسیح موعود کا یہ قول موجب توہین انبیاء ہوسکتا ہے تو شارح فصوص الحکم حضرت شیخ عبدالرزاق قاشانی جو مہدی موعود کو عرفان الٰہی میں آنحضرت ﷺ کے سواء تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق ظاہر کرتے ہیں۔ بہت بڑے توہین انبیاء کرنے والے ٹھہریں گے۔ کیونکہ وہ شرح (فصوص الحکم مطبوعہ مصر ص۵۲، ۵۳) میں لکھتے ہیں: **''المھدی الذی یجیٔ فی آخر الزمان فانہ فی الاحکام الشرعیہ تابعاً محمد ﷺ وفی المعارف والعلوم والحقیقہ تکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین ولا ینافض ماذکرنا لان باطنہ باطن محمد ﷺ''**

یعنی وہ امام مہدی جو آخری زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں تو آنحضرت ﷺ کے ہی تابع ہوں گے۔ لیکن معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء ان کے تابع ہوں گے اور یہ بات ہمارے مذکورہ قول کے مناقض نہیں۔ کیونکہ ان کا باطن آنحضرت ﷺ کا ہی باطن ہوگا۔

۳...... تیسرا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے:

زندہ شد ہر نبی بآمدنم　　ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

(نزول المسیح ص۱۰۰، خزائن ج۱۸ ص۴۷۸)

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔

اور اس مضمون کا ایک شعر دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے:

فقط ایک آپ کے دم سے نظر آتے تھے سب زندہ　　بخاری و غزالی و بصری و شبلی و شیبانی

۴...... چوتھا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے:

تکدر ماء السابقین و عیننا　　الی آخر الایام لا تتکدر

(ضمیمہ نزول المسیح ص۵۸، خزائن ج۱۹ ص۱۷۰)

اور اس کا ترجمہ کر کے کہ نبیوں کے پانی خشک ہوگئے، لیکن ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہوگا۔ حضرت اقدس مسیح موعود کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آپ نے تمام انبیاء حتیٰ کہ سید الانبیاء آنحضرت ﷺ کے مبارک چشمہ کے بھی خشک ہوجانے اور صرف اپنے چشمے کے ہمیشہ جاری رہنے کا دعویٰ کر کے تمام انبیاء حتیٰ کہ حضور سید المرسلین پر بھی اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے خود اس شعر کا جو ترجمہ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ: ''دوسروں کے پانی جوامت میں سے تھے خشک ہوگئے۔ مگر ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہوگا۔''

اس ترجمے سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے سابقین کے لفظ سے اس امت کے لوگ مراد لئے ہیں نہ کہ تمام انبیاء اور قرآن مجید کے متعلق تو اسی کتاب (اعجاز احمدی ص۵۵، خزائن ج۱۹ ص۱۶۷) پر فرماتے ہیں:

واللہ فی القرآن کل حقیقہ　　وآیاتہ مقطوعۃ لاتغیر

معین معین الخلد نورمعیننا　　ھداہ غیر الماء لایتکدر

اور بخدا قرآن شریف میں ہر ایک حقیقت ہے اور اس کی آیتیں قطعی ہیں جو بدلتی نہیں۔ وہ صاف پانی ہے بہشت کا پانی ہمارے خدا کا نور ہدایت اس کی صاف زلال ہے مکدر نہیں ہے۔

پس شعر اوّل کے ترجمہ کی موجودگی میں جو حضرت اقدس نے خود کیا ہے اور پھر ان دونوں شعروں اور ان کے ترجموں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ نتیجہ نکالنا کہ شعر اوّل میں سابقین سے تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

افلت شموس الاوّلین و شمسنا　　ابد العلی افق السماء لا تغرب

(مقامات امام ربانی ص۱۰۴)

اس شعر میں اوّلین کے سورج غروب ہو جانے اور اپنے سورج کے ہمیشہ درخشان رہنے اور کبھی غروب نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے تو کیا اس شعر کے لفظ اوّلین سے مختار مدعیہ تمام نبیوں کو معہ سیدنا نبی کریم ﷺ کے مراد لے کر یہ مطلب سمجھا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے تمام نبیوں حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ کے سورج کا بھی غروب ہو جانا ظاہر کر کے اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے کا دعویٰ کیا ہے اور اس طرح آنجناب نے تمام انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے بلکہ اس شعر کا مطلب وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی نے (مکتوبات ج۳ ص۲۵۲، مکتوب نمبر۱۲۳) میں فرمایا ہے: ''مراد از شمس آفتاب فیضان ہدایت وارشادات واز فول آن عدم فیضان مذکورہ وچوں بوجود حضرت شیخ معاملہ کہ باولین متعلق داشت بادقرار گرفت دادواسطہ وصول رشد وہدایت گردید چنانچہ پیش از وی اولیں بودہ اند ونیز تا معاملہ توسط فیضان برپا است بتوسل اوست ناچار است آمد کہ: ''افلت شموس الاولین ...... الخ!'' یعنی شمس سے مراد آفتاب فیضان وارشادات ہے اور اس کے غروب ہونے سے فیضان وارشادات مذکورہ کا مفقود ہونا اور جب اس معاملہ نے جو اولین سے تعلق رکھتا تھا۔ سیدی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے وجود پر قرار پکڑا اور آپ رشد وہدایت کے رسول کا واسطہ ذریعہ ٹھہرے۔ جیسا کہ آپ سے پیشتر اولین ہوئے ہیں اور جب تک بھی کہ فیضان کے توسط کا معاملہ برپا ہے۔ آپ ہی کے توسل سے ناچار آپ کا ''افلت شموس الاولین ...... الخ!'' فرمانا راست آیا۔ یعنی آپ سے پہلے اولیائے امت کے جو فیضان اپنے اپنے زمانوں میں جاری تھے وہ بند ہوگئے اور چشمہ فیضان حضرت شیخ بنا دیئے گئے جو مطلب حضرت شیخ جیلانی کے شعر میں امام ربانی مجدد الف ثانی نے بیان فرمایا ہے، وہی مطلب حضرت اقدس کے شعر کا ہے جو معنی حضرت شیخ کے شعر میں لفظ اوّلین کے ہیں وہی معنی حضرت اقدس کے شعر میں سابقین کے مختار مدعیہ کا اختیار ہے۔ جو چاہے وہ مطلب لے لے۔ مگر دونوں شعروں کا مطلب ایک ہی نہیں ہوگا جو مراد ایک شعر میں لفظ اولین کی ہے، وہی دوسرے شعر میں لفظ سابقین کی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو تمام انبیاء معہ حضور سید الانبیاء کے مراد لئے ہیں اور دوسری جگہ صرف اولیائے امت اور مختار مدعیہ نے شعر سے اولیاء امت کی جو توہین نکالی ہے۔ اس کا جواب بذیل عنوان اولیائے امت آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۵...... پانچواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے:

مقام او مبین از راہ تحقیر　　بدو دانش رسولاں ناز کردند

اور کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ زمانہ بدترین زمانہ ہے اور خود گواہان مدعا علیہ نے بھی اسے بدترین زمانہ ہی کہا ہے۔

جواب: گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زمانہ کے مولویوں کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ بدترین مخلوقات ہوں گے اور ضلالت اور گمراہی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے مسیح موعود کے آنے کی بشارت دی ہے اور اس کے اور اس کی جماعت کے ذریعہ اسلام کی جو تبلیغ اور اشاعت ہوگی۔ اس پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ باوجود یہ کہ

مولوی اور دوسرے مخالفین اسلام اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں گے اور تمام منصوبے اس کی ہلاکت کے کریں گے اور اس کی جماعت کا استحصال کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ مگر خداتعالیٰ کی نصرت اس کے اور اس کی جماعت کی شامل حال ہوگی اور وہ روزافزوں ترقی کرتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے گا کہ تمام دنیا میں اسلام کا سورج چمکے گا۔ آنحضرتﷺ کی حمدوستائش سے زمین معمور ہوجائے گی۔ جیسا کہ منصب امامت کے حوالے سے لکھا جاچکا ہے اور آنحضرتﷺ فرماتے ہیں کہ: ’’انی لارجو ان طال بی عمر ان القی عیسٰی بن مریم فان عجل بی موت فمن لقیہ منکم فلیقرأ من السلام اخرجہ مسلم واحمد باسنادین رجالھما رجال الصحیحین‘‘ (حجج الکرامہ ص۴۲۹)

یعنی میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اگر میری عمر لمبی ہوجائے تو میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ملوں۔ پس اگر میں پہلے وفات پاگیا تو جو تم میں سے اسے ملے تو اسے میری طرف سے سلام کہے اور اس جگہ عیسیٰ بن مریم سے حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی مراد نہیں بلکہ محمد عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت مسیح موعود مراد ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ بن مریم اسرائیلی نبی سے تو رسول اللہ معراج میں مل چکے تھے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ دجال کے فتنہ سے تمام انبیاء اپنی قوموں کو ڈراتے آئے ہیں اور اس کے فتنہ سے بڑھ کر نہ کبھی فتنہ ہوا اور نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

پس جیسے رسول اللہﷺ اور دیگر انبیاء نے دجال کے فتنہ ہائلہ سے ڈرایا، ویسا ہی انہیں اس شخص کا بھی علم دیا گیا ہوگا جو اس کے فتنہ کو دور کرے گا اور وہ فریقین کے نزدیک مسیح موعود ہے جو ہمارے نزدیک حضرت مرزاصاحب کے آنے سے پورا ہوچکا۔ چنانچہ (دلائل النبوۃ ج۱ص۱۴) میں ابوہریرہ سے ایک روایت آئی ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رب میں الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جن کو علم اوّل وعلم آخر دیا جائے گا اور وہ قرون ضلالت مسیح دجال سے مقاتلہ کریں گے۔ پس تو اس کو میری امت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ احمد کی امت ہے۔ نیز ملاحظہ (حجج الکرامہ ص۱۳۰) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ: ’’شیخ ابوالحسن شاذلی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ قطب زمان خود بود از واقعہ کہ دین چنیں خبر دادہ است کہ حضرت رسالت مآبﷺ باموسیٰ وعیسیٰ مفاخرت ومباہات کردہ است بغزالی۔‘‘ (نفحات الانس معہ سلسلۃ الذہب مطبوعہ نولکشور ص۲۲۹)

پس جب امام صاحب غزالی کے وجود سے آنحضرتﷺ نے مفاخرت اور مباہات کا اظہار کیا تو حضرت مسیح موعود بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں اور آنحضرتﷺ کا ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی اپنے لائق بیٹے کے اچھے کاموں پر ناز کرے۔ پس جیسے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کے کاموں پر ناز کرنا بیٹے کی عزت افزائی کا موجب ہے نہ کہ باپ کی ہتک کا۔ ویسے ہی آنحضرتﷺ کا اپنے روحانی بیٹے مسیح موعود کے خدمات اور کاموں کے حال معلوم کر کے اس کے وقت پر ناز کرنا اس کو عزت بخشتا ہے نہ کہ نعوذ باللہ! حضور کی ہتک اور دوسرے انبیاء اس زمانہ کے مولویوں کی طرح حاسد نہیں ہیں کہ وہ کسی کے کمال کو دیکھ نہ سکیں۔ اس لئے آنحضرتﷺ کے اپنے کامل فرزند روحانی پر ناز کرنے کو دیکھ کر اور انبیاء کا بھی ناز کرنا ایک لازمی امر تھا اور ناز کرنا موجب توہین نہیں ہوتا۔ ایک بیٹا اپنے باپ اور باپ اپنے بیٹے پر اور بڑا بھائی چھوٹے بھائی پر بھی ناز کرسکتا ہے اور ناز کرنے کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں ہے۔

۶…… چھٹا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ:

روضہ آدم کہ تھا جو نا مکمل اب تلک　　میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۱۳، خزائن ج۲۱ص۱۴۴)

اس شعر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے اور اپنی طرف وہ بات منسوب کی جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس شعر سے حضرت مسیح موعود کا یہ مقصد نہیں کہ اپنی فضیلت تمام انبیاء پر ظاہر کریں۔ بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ شخص جس آخر زمانہ میں آنا مقدر تھا اور جس کی آمد پر تکمیل اشاعت موقوف تھی، وہ میں ہوں اور میرے آنے سے وہ بات پوری ہوگئی کہ روضہ آدم جس سے مراد نسل انسانی ہے...... کی ہدایت کے لئے جو آخری ہدایت اور آخری شریعت نازل ہوئی تھی اس سے فیضیاب ہونے کا وقت اب آ گیا ہے اور اب آپ اور آپ کی جماعت کے ذریعہ دنیا کی تمام اقوام کو وہ ہدایت پہنچی ہے اور پہنچتی رہے گی۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کی قومیں دین اسلام کو قبول کرلیں اور جیسا کہ انسان حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ایک قوم تھے، اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ایک قوم کی صورت میں ہو جائیں۔ چنانچہ اسی نظم میں جس کے شعر کے مطلب پر یہ کلام ہو رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰۲، خزائن ج۲۱ ص۱۳۲)

ملت احمد کے مالک نے جو ڈالی تھی بنا — آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزان دیار
گلشن احمد بنا ہے مسکن باد صبا — جس کی تحریکوں سے سنتا ہے بشر گفتار یار

اور اس مضمون کو آپ نے (چشمہ معرفت ص۸۲،۸۳، خزائن ج۲۳ ص۹۰،۹۱) میں یوں فرمایا ہے:’’اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس خدا نے نہ چاہا کہ وحدۃ اقوامی آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہوگیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانے میں انجام کو پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اس امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اس کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت ﷺ ہیں اور اس کے آخر پر مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا ہوئے۔ کیونکہ وحدۃ اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوۃ کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ ایک اشارہ کرتی ہے۔’’ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ‘‘

پس آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہوئی۔ لیکن تکمیل اشاعت کا زمانہ وہ نہیں تھا۔ کیونکہ اشاعت کے اسباب اس وقت پیدا نہیں کئے گئے تھے اور تکمیل اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقرر تھا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی کے ذریعہ سے ہو۔ علماء متقدمین اس امر کے قائل ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب (منصب امامت ص۵۶) میں لکھتے ہیں:’’قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ‘‘ وظاہر است کہ ابتداء ظہور دین در زمان پیغمبر ﷺ بوقوع آمدہ و اتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:’’قال اللہ تعالیٰ قل یآیھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا وظاہر است کہ تبلیغ رسالت بنسبت جمیع ناس ازاں جناب متحقق نگشتہ بلکہ مردعوت از آنجناب شروع گردیدہ یوما فیوما بالواسطہ خلفاء راشدین وائمہ مہدیین اوبتزاید کشید تا ازینکہ بواسطہ امام مہدی خواہد رسید۔‘‘ (منصب امامت ص۵۶)

اوراسی مضمون کی طرف حضرت مسیح موعود نے شعر مذکورہ بالا میں اشارہ فرمایا ہے۔

۷...... ساتواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے:

منم مسیح زمان ومنم کلیم خدا　　منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب ص۳،خزائن ج۱۵ص۱۳۴)

حالانکہ اس شعر کا کسی نبی کی توہین سے کچھ بھی تعلق نہیں۔اس میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے کہ میں مسیح بھی ہوں اور کلیم خدا بھی کہ خداتعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے اور بروزی طور پر محمد واحمد بھی ہوں اور جیسا کہ اپنے دوسرے مقامات پر تشریح فرمائی کہ محمد واحمد کا نام بروزی طور پر مجھے عطاء کیا گیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خادم اور آپ کے قائم مقام ہوں۔چنانچہ اس قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں:

بروے یار کہ ہر گز نہ رتبتے خواہم　　مگر اعانت اسلام مدعا باشد

پناہ بیضہ اسلام آن جوان مردیست　　کہ خون بدل زپئے دین مصطفیٰ باشد

(تریاق القلوب ص۲تا۵،خزائن ج۱۵ص۱۳۱تا۱۳۷)

اوراس کی تائید (تریاق القلوب ص۷،خزائن ج۱۵ص۱۴۱) کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے:’’اے تمام، وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور تمام وہ انسانی روحو جو مشرق ومغرب میں آباد ہو۔میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال وتقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔‘‘

۸...... آٹھواں حوالہ یہ پیش کیا ہے:

آدم نیز احمد مختار　　در برم جامہ ہمہ ابرار

(نزول المسیح ص۹۹،خزائن ج۱۸ص۴۷۷)

اوراس پر بھی وہی اعتراض کیا ہے جو اس سے پہلے شعر پر کیا تھا۔سو اس کا جواب بھی بالکل وہی ہے جو حوالہ نمبرا میں گزر چکا ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار ﷺ بھی اور مجھ پر ان تمام ابرار کا جامہ ہے جو آدم سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک ہوئے۔اس لحاظ سے میں آدم بھی ہوں اور موسیٰ بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں اور احمد مختار ﷺ بھی ہوں۔کیونکہ جو جامہ علم ومعرفت کا ان پر خدا کی طرف سے پہنایا گیا تھا۔وہی خداتعالیٰ نے مجھے بھی اپنے فضل سے باتباع آنحضرت ﷺ پہنایا ہے۔

۹...... نواں حوالہ پیش کیا ہے:

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں　　نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰۳،خزائن ج۲۱ص۱۳۳)

اوراسی طرح انہوں نے (حقیقت الوحی ص۷۳،خزائن ج۲۲ص۷۶ حاشیہ) میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں۔شیث ہوں۔یعنی انبیاء کے نام مجھے دیئے گئے ہیں...... پیش کیا ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کسی نبی کو بہت سے نام دیئے جائیں تو اس سے

دوسرے انبیاء کی توہین کیسے لازم آتی ہے۔ اس میں تو انبیاء کی عزت کا اظہار ہے۔ کیونکہ مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دیا جائے تو بالعموم مشبہ بہ میں وجہ مشبہ اقویٰ طور پر پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود اپنی کتاب (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۹، خزائن ج۲۱ ص۱۱۶،۱۱۷) میں مختلف ناموں کے دیئے جانے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں: ''خداتعالیٰ نے میرا احمد ومحمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ خاتم نبوت ہیں۔ ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے اور بعد اس کے میری نسبت براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ بھی فرمایا: ''جری اللہ فی حلل الانبیاء ''یعنی رسول خدا تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرایہ میں اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جس قدر انبیاء علیہم السلام خداتعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ خواہ اسرائیلی ہوں یا غیر اسرائیلی، ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے...... اور اس میں سے یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا۔ اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان سے مشابہ ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں...... اور جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مری اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو عذابوں سے ڈرنا چاہئے۔ اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں۔ محض حکم الٰہی نے مہلت دے رکھی ہے اور یہ فقرہ کہ ''جری اللہ فی حلل الانبیاء'' بہت تفصیل کے لائق ہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۹، خزائن ج۲۱ ص۱۱۶،۱۱۷)

اسی طرح آپ نے (ص۸۸،۸۹،۹۰) پر ان اسماء کی وجہیں تحریر کی ہیں اور (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۱) میں یہ لکھ کر کہ خداتعالیٰ نے نبیوں کے نام سے مجھے خطاب فرمایا ہے لکھا ہے: ''سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ہر ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو۔''

بایزید بسطامی کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ: ''ایک نے آپ سے کہا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ خدا کے بزرگ وبلند بندے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا وہ سب میں ہی ہوں۔'' (تذکرۃ الاولیاء ص۱۴۹)

چنانچہ اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب اپنی کتاب (فوائد فریدیہ ص۴۰) میں حضرت فضیل ابن عیاض کا قول نقل فرماتے ہیں:

''فرمودہ است انا العرش والکرسی واللوح والقلم وانا الجبرئیل والمیکائیل والعزرائیل والاسرافیل وانا موسیٰ وعیسیٰ ومحمد''

اور (ص۴۱) میں نقل فرماتے ہیں: ''حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرمودہ است کہ من حجتم بر ملائکہ وگوسفندمن حجت است بر علماء وفقہاء۔''

اور اسی صفحہ پر نقل فرماتے ہیں: ''حضرت ابوالحسن نوری فرمودہ است نظرت یوما الی النور فلم ازل انظر الیہ حتی صرت ذالک النور''

اور بھی بہت سے بزرگوں کے خواجہ صاحب نے اقوال نقل کئے ہیں۔ کیا مختار مدعیہ ان سب کو کافر ومرتد قرار دے گا۔

پس اگر کسی مشابہت کی وجہ سے حضرت مرزاصاحب کو مختلف انبیاء کے نام دیئے گئے تو اس سے نہ تو کسی نبی کی توہین لازم آتی ہے اور نہ اس سے دوسرے انبیاء پر آپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ اور مسیح موعود

گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ آپ نے حضرت رسول کریم ﷺ کی توہین کی ہے اور اپنے کو ان پر فضیلت دی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو، بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱، ۲۔

۱...... پہلی توجہ توہین گواہان مدعیہ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آیات قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو چند مراتب اور مقامات علویہ سے مشرف فرمایا تھا۔ انہیں اپنے اوپر چسپاں کر لیا۔

اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱۔

اور حضرت مسیح موعود نے ایسے الہاموں کے متعلق اپنی کتاب براہین احمدیہ میں جس میں کہ یہ سب الہامات درج ہیں تحریر فرمایا ہے: ''اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہئے کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آں رسول مقبول کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہوسکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت ﷺ کے کمالات قدسیہ سے شریک ومساوی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق ''ارشدک اللہ'' تم متوجہ ہوکر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم ولاجواب کرتی رہیں۔ اسی طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت ﷺ کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں۔ خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشے کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ ''من جانب اللہ'' ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار وبرکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۲، ۲۴۳، خزائن ج۱ ص۲۶۸، ۲۶۹ حاشیہ در حاشیہ)

پھر فرماتے ہیں: ''اور ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مؤمن کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت ﷺ اور دوسرے سب طفیلی ہیں اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک مدح وثنا جو کسی مؤمن کے الہام میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت ﷺ کی مدح ہوتی ہے اور وہ مؤمن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے اور وہ بھی محض خداتعالیٰ کے لطف واحسان سے نہ کسی اپنی لیاقت وخوبی سے۔''

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ ص۴۸۷ تا ۴۸۹، خزائن ج۱ ص۵۸۰، ۵۸۱)

پھر آپ کا ایک الہام ہے: ''کل برکۃ من محمد ﷺ فتبارک من علم وتعلم'' یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پر بہ پیرایہ الہام وکشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد ﷺ کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۵۸۷، خزائن ج۳ ص۴۱۷)

اور فرماتے ہیں:

۱...... ''رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں...... اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں جس سے خدا مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۲۷۴، خزائن ج۲۲ ص۲۸۶)

۲...... ’’میری مراد نبوت سے کثرۃ مکالمت اور مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل کی ہے۔‘‘
(تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸، خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳)

۳...... ’’یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں بلکہ آسمان پر ایک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱، بحوالہ حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، انوار العلوم ج ۲ ص ۵۷۵)

۴...... ’’اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اس سے فیضیاب ہیں۔‘‘ (چشمہ معرفت ص ۲۱۰، خزائن ج ۲۳ ص ۲۱۸،۲۱۹)

اس سے مختار مدعیہ کا وہ اعتراض باطل ہوگیا جو اس نے ۱۲؍اکتوبر کی بحث میں کیا تھا کہ مرزا صاحب مقام نبوۃ کے مدعی ہیں وہ جس چیز کو ثابت کرتے ہیں۔ بطریق استحقاق اور بطریق منصب کے ثابت کرتے ہیں برخلاف دوسرے اولیاء کے۔ کیونکہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے وہ بطفیل آنحضرت ﷺ ملا ہے۔ آپ کو بالاستقلال کسی کمال کے حاصل کرنے کا دعویٰ نہیں ہے۔ نیز ۱۲؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے صوفیہ کے حوالوں کے متعلق جو اصولی طور پر بحث کی ہے وہ بالکل بے محل ہے۔ کیونکہ اس نے مثالوں میں یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اگر کوئی ولی کہے کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا یا مقام محمود میں گیا تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہوسکتا ہے کہ میں ان مقامات کی دور سے زیارت کی۔ حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے اس قسم کی حوالہ جات پیش نہیں کئے تھے۔ بلکہ انہوں نے جس جس مدعا کے اثبات کے لئے اولیاء کے حوالے پیش کئے ہیں ان سے ان کا مدعا بالکل واضح اور ثابت ہے اور مختار مدعیہ نے جو تاویل کی ہے۔ اس کو ان حوالہ جات کے مطلب سے دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔

(۲) عینیت کا دعویٰ

گواہان مدعیہ نے جو حضرت مسیح موعود پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ نے عین محمد ہونے کا دعویٰ کر کے آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے دے دیا تھا۔ ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ گواہ مدعا علیہ نمبر ۱،۲۔ ان کے جواب پر مختار مدعیہ نے یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو محمد واحمد قرار دے کر عینیت کا دعویٰ کیا ہے۔ گواہوں نے جواب دیا ہے کہ یہ عینیت جسمانی نہ تھی یہ بالکل غلط جواب ہے روحیں ایک تھیں یا دو اگر یہ مطلب ہے کہ جسم دو تھے روح ایک تھی تو یہ عین تناسخ ہے جو سب کے نزدیک باطل اور اگر مرزا صاحب میں دو روحیں تھیں تو نبی کی کون سی روح تھی اگر مرزا صاحب کی روح تھی تو پھر وہی خرابی لازم آئی یعنی ختم نبوت کا انکار اور اگر آنحضرت کی روح تو پھر مرزا صاحب نبی نہ ہوئے۔ (دیکھو بحث ۱۲؍اکتوبر)

چونکہ گواہان مدعا علیہ کا جواب بالکل واضح ہے اور اس جواب پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں یہاں پر گواہان مدعا علیہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دینے پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ جوب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱ اور اس جواب میں بحوالہ (مثنوی دفتر چہارم ص ۱۵۰) یہ حوالہ بھی پیش کیا گیا تھا کہ: ’’بایزید چوں قطب وقت بود عین رسول اللہ ﷺ بود چرا کہ قطب نے باشد مگر برقطب محمد ﷺ وہر کہ قطب کسے بود عین آنکس است۔‘‘ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا اور اس پر اعتراض کر دیا کہ بایزید بسطامی کیسے رسول اللہ ﷺ کے عین ہوگئے تھے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے کہیں بھی اپنے لئے عین محمد ﷺ کے الفاظ نہیں فرمائے۔ بلکہ

آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مجھے بروزی طور پر محمد واحمد کا نام دیا گیا ہے اور میرے اوران کے درمیان شاگرد واستاد کی نسبت ہے اور ظل اوراصل کی ہے۔ آنحضرت ﷺ استاد ہیں اوراصل ہیں اور حضرت مسیح موعود آپ کے شاگرد اور ظل ہیں اور امام ربانی بھی (مکتوبات ج۱، ص۲۶۶،مکتوب نمبر۲۸) میں فرماتے ہیں کہ:''انبیاء علیہم السلام کے حامل تمبع بہ سبب کمال متابعت انہی میں جذب ہو جاتے ہیں اوران کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں کہ تابع ومتبوع یعنی نبی اورامتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔سوائے اوّل اورآخر ہونے کے اوراصل اورظل کے۔''

اورحضرت مسیح موعود نے صاف فرمادیا ہے:''آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اورہمت اورہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اورمجازی طور پر اپنا نام احمد ومحمد اس کو عطاء کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۱۰۱،خزائن ج۱۷ص۲۶۳)

پس حضرت مسیح موعود نے حقیقی طور پر وہ محمد ﷺ ہونے کا جو آج سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔

(۳) حقیقی خاتم

مختارمدعیہ نے ۹؍اکتوبر کی بحث میں بحوالہ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے متعلق کہا ہے کہ میں حقیقی خاتم ہوں اوررسول مقبول کو بھی قرآن مجید میں خاتم النّبیین کہا گیا ہے۔حقیقت کے مقابل میں مجاز ہوتا ہے تو گویا آنحضرت ﷺ مجازی خاتم النّبیین ٹھہرے یہ صریح کفراورتوہین ہے۔

جواب: مختارمدعیہ کا یہ ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود نے کہیں بھی اپنے آپ کو حقیقی خاتم النّبیین نہیں کہا اورنہ آنحضرت ﷺ کو مجازی خاتم النّبیین کہا ہے جس عبارت پر مختارمدعیہ نے اعتراض کی ہے اس میں اس کی تردید موجود ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:''ختمت النبوة علیٰ نبینا ﷺ فلا نبی بعده الا الذی نوربنوره وجعل وارثه من حضرت الکبریاء واعلموا ان الختمیة اعطیت من الازل لمحمد ﷺ ثم اعطیت لمن علمه روحه وجعله ظله فتبارک من علم وتعلم فان الختمیة الحقیقیة کانت مقدرة فی الالف السادس الذی هویوم سادس من ایام الرحمان لیشابه اباالبشر من کان هو خاتم نوع الانسان''

''یعنی آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی۔اب آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔مگر وہی جو آپ کے نور سے منور کیا جائے اورجناب الٰہی سے آپ کا وارث بنایا جائے۔یادرکھو کہ ازل سے محمد ﷺ کو ختمیت عطاء کی گئی۔پھر اس شخص کو عطاء کی گئی جس کو اس کی روح نے سکھایا اوراسے اپنا ظل بنایا۔پس بابرکت ہے وہ جس نے سکھایا اورجس نے سیکھا۔پس حقیقی ختمیت چھٹے ہزار میں مقدر تھی جو خدا کے دنوں سے چھٹا دن ہے تا اس سے حضرت ابوالبشر آدم کی بھی اس شخصیت سے مشابہت پائی جائے جو نوع انسان کا خاتم ہے۔''

(ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ب،خزائن ج۱۶ص۳۱۰)

یہ عبارت خود بتارہی ہے کہ آنحضرت ﷺ حقیقی خاتم النّبیین ہیں۔کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔مگر وہی جو آپ کے نور سے منور ہو۔پس جو شخص نبوت کا مقام آنحضرت کی اتباع کی برکت سے پائے گا تو وہ حقیقی خاتم النّبیین کیسے ہوسکتا ہے۔دوسرے حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا شاگرد اور وارث بتایا ہے۔پس جو آپ کو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ بطور وراثت کے ہے اورنیز آپ نے اپنی بعثت کو بروزی طور پر آنحضرت ﷺ کی بعثت قراردیا ہے۔جیسا کہ (اقتباس الانوار ص۵۲) میں بھی لکھا ہے:''محمد بود کہ

آدم درمبدٔ ظہور نمود یعنی بطور بروز درابتداء عالم روحانیت محمد مصطفیٰ در آدم متجلی شد وہم او باشد کہ در آخر بصورت خاتم ظاہر گردد یعنی در خاتم الولایت کہ مہدی است یز روحانیت محمد مصطفیٰ بروز وظہور خواہد کرد وتصرفہا خواہد نمود۔'' (ایام الصلح ص۱۳۸، خزائن ج۱۴ص۳۸۳)

اور جو ختمیت آپ کو عطاء کی گئی ہے وہ بلحاظ ولایت کے ہے اور آنحضرت کو ختمیت بلحاظ نبوت کے ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین العربی فرماتے ہیں:''فکل نبی من لدن اٰدم الی اٰخر نبی مامنهم احد یأخذ الامن مشکاة خاتم النّبیین وان تأخر وجود طینته فانه بحقیقة موجود وهوقوله کنت نبیاً واٰدم بین الماء والطین وغیره من الانبیاء ماکان نبیاً الاحین بعث وکذالک خاتم الاولیاء کان ولیا وآدم بین الماء والطین وغیره من الاولیاء ماکان ولیا الابعد تحصیله شرائط الولایة من الاخلاق الالهیة فی التصاف بها من کون الله یسمی بالولی لحمید فانه الولی الرسول النّبی وخاتم الاولیاء الولی الوارث الاخذ عن الاصل المشاهد للمراتب وهو حسنة من حسنات خاتم الرسل محمد ﷺ'' (فصوص الحکم ص۳۰)

''یعنی آدم سے لے کر آخری نبی تک انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو خاتم الانبیاء کے طاق دان سے نور نہ لیتا ہو۔ اگرچہ آنحضرت کا وجود عنصری متاخر ہو۔ لیکن وہ اپنی حقیقت کے ساتھ موجود تھے اور یہ امر خاتم الانبیاء کے اس قول سے ثابت ہے کہ میں اس وقت نبی تھا۔ جب کہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آنحضرت کے سوا دوسرے انبیاء میں سے کوئی نبی نہیں تھا۔ مگر جس وقت کہ وہ مبعوث ہوئے اور اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت ولی تھے۔ جب کہ آدم پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے اور اس کے سوا اولیاء میں ولی نہیں ہوا۔ مگر جس وقت کہ اس نے ولایت کی شرائط اخلاق الٰہی کو ولایت سے متصف ہوکر حاصل کر لیا اور یہ شرائط ولایت کی بہ سبب اللہ تعالیٰ کا نام ولی حمید ہونے کے ہے۔ پس خاتم الرسل کی نسبت باعتبار ان کی ولایت کے خاتم الاولیاء کی طرف ایسی ہی ہے۔ جیسے انبیاء اور رسولوں کی نسبت اس کی طرف۔ پس تحقیق وہ ولی اور رسول اور نبی تھے اور خاتم الاولیاء ولی اور وارث اور لینے والا اصل معدن سے اور مشاہدہ کرنے والا مراتب کا ہے اور وہ خاتم الاولیاء خاتم الرسل محمد ﷺ کے درجات حسنات میں سے ایک درجہ حسنہ کا مظہر ہے۔''

پس باوجودیکہ ختمیت حقیقۃ حضرت مسیح موعود کے لئے خاتم ولایت ہونے کے لحاظ سے لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ختم نبوت کے لحاظ سے حقیقی ختمیت آنحضرت ﷺ کو بالاستقلال حاصل ہے اور حضرت مسیح موعود کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع میں ہوئی ہے اور بطور وراثت کے۔ چنانچہ ختمیت کے لحاظ سے آپ کا دعویٰ خاتم الاولیاء ہونے کا ہے۔ چنانچہ آپ خطبہ الہامیہ میں بھی جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے۔

فرماتے ہیں:''میں ولایت کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں۔ جیسا کہ ہمارے سید آنحضرت ﷺ نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے اور وہ خاتم الانبیاء ہیں اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں۔ مگر وہ جو مجھ سے ہوگا اور میرے عہد پر ہوگا۔''

(خطبہ الہامیہ ص۳۸، خزائن ج۱۶ص۶۹،۷۰)

اور فرماتے ہیں:''براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ خاتم نبوۃ ہیں۔ ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۹، خزائن ج۲۱ص۱۱۶)

پس مختار مدعیہ کا یہ قول کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو حقیقی خاتم النّبیین اور آنحضرت ﷺ کو مجازی قرار دیا ہے، محض بہتان ہے۔

(۴) معجزات کی تعداد

مختار مدعیہ نے تحفہ گولڑویہ کے حوالے کی بناء پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے معجزات تین لاکھ بیان کئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے تین ہزار اس کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے۔ اس لئے اب اس کے جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱،۲۔

اصل بات یہ ہے کہ مختار مدعیہ کو اس امر سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود کے کلام سے کہ نشان بھی خرق عادت ہے اور معجزہ بھی خرق عادت ہے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے جہاں نشان کو خرق عادات قرار دیا ہے وہیں نسان کی تقسیم بھی بیان کی ہے۔ جس سے بیّن طور پر معجزہ اور نشان میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر معجزہ نشان ہوتا ہے۔ لیکن ہر نشان کو کسی کا معجزہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مثلاً حضرت مسیح نے بعض لوگوں کو آپ کی صداقت کے متعلق خوابیں یا آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں کا اس زمانہ کے متعلق ظاہر ہونا اپنے نشانات میں سے شمار کیا ہے۔ لیکن ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آپ کے معجزات ہیں۔

پس جہاں نشانات کا ذکر کیا ہے وہاں آنحضرت کے نشانوں یا معجزات کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کے ویسے نشانات کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہوسکتا اور تحفہ گولڑویہ میں جہاں مقابلہ میں آنحضرت کے معجزات کا ذکر کیا ہے، وہاں اپنی پیش گوئیاں سو۱۰۰ کے قریب بتائی ہیں اور آنحضرت ﷺ کے تین ہزار معجزات اور یہ بھی فریق مخالف کے مسلمات کی بناء پر کہا ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود کا مذہب یہی ہے کہ آپ کے معجزات قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے اور گواہان مدعا علیہ حضرت مسیح موعود کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کی تائید میں جو ظاہر ہوتا ہے وہ بھی آنحضرت ﷺ کے معجزات ہیں اور آپ کو مکالمہ ومخاطبہ کا شرف بھی آنحضرت ﷺ کے فیض سے ملا ہے۔

(۵) حضرت مسیح موعود کا نبی ہونا

مختار مدعیہ نے ۹؍اکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بہت سی عبارات میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی ہے۔ (ازالہ اوہام ص۲۲۵، خزائن ج۳ ص۳۹۳) اور اپنے آپ کو ان سے بڑا قرار دے کر نبی مانا ہے اور یہ صریح توہین آنحضرت ﷺ کی ہوئی۔ کیونکہ جب مسیح جیسے گھٹیل کم درجہ نبی کا آنا اسلام کی بربادی اور آنحضرت کی ہتک ہے تو بہت بڑے نبی کے آنے کی وجہ سے تو اسلام کی بربادی اور آنحضرت ﷺ کی توہین زیادہ ہوئی ہے۔

جواب: مختار مدعیہ کا یہ ایک مغالطہ ہے یا حضرت مسیح موعود کی تحاریر سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ آپ نے مسیح علیہ السلام کے آنے کو جو فساد عظیم قرار دیا ہے تو اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ آئیں تو یا وحی نبوت یعنی نبوۃ مستقلہ کا دروازہ جو بلاواسطہ اتباع آنحضرت ﷺ ہے، کھلا ماننا پڑے گا یا ان کا مسلوب النبّوۃ ہوکر آنا تسلیم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۲۲۵، خزائن ج۳ ص۳۹۳) کی عبارت جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے یہ ہے: ''اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النّبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے۔ اس سے تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوۃ سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔''

اور (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۶۹، خزائن ج۳ ص۴۰۷) میں فرماتے ہیں: ''صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے، وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بھی ممتنع ہے۔''

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ امتی کا مفہوم یہ ہے کہ جو بغیر اتباع آنحضرت ﷺ اور بغیر اتباع قرآن شریف

محض ناقص اور گمراہ بے دین ہو۔ پھر آنحضرت ﷺ کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اس کو ایمان اور کمال نصیب ہوا اور یہ خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کرنا کفر ہے۔ کیونکہ وہ ایک مستقل نبی تھے اور خداتعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آنحضرت کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے۔

لیکن ایک امتی کا آنحضرت ﷺ کی اتباع اور آپ میں فنا ہوکر نبوت کے مرتبہ کا حاصل کرنا نہ قرآن مجید کے مخالف ہے اور نہ احادیث کے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ تو خاتم النّبیین ہیں۔ پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح آسکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پرانا، نبی نہیں آسکتا۔ جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ کو آخری زمانہ میں اتارتے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو نبی مانتے ہیں۔ بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوۃ کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ معصیت ہے اور آیت: ''ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لانبی بعدی'' اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادۃ ہے۔ لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ جو فرمایا: ''ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین'' اور اس آیت میں ایک پیش گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفون کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد پیش گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوۃ کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی ''فنافی الرسول'' کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے، اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لئے اس کا نبی ہونا حیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے۔''
(ایک غلطی کا ازالہ ص۱،۲، خزائن ج۱۸ ص۲۰۷،۲۰۸)

پس مستقل نبی کے آنے سے جس کی نبوۃ آنحضرت ﷺ کی اتباع کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس سے فساد عظیم لازم آتا ہے نہ کہ جس قسم کی نبوۃ کا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا ہے۔

اور جو حوالہ مختار مدعیہ نے اخبار الحکم کا پیش کیا ہے کہ پہلے انبیاء تو آنحضرت ﷺ کے خاص خاص صفات میں ظل تھے اور اب ہم تمام صفات میں نبی کریم ﷺ کے ظل ہیں۔ یہ ڈائری ہے۔ اوّل تو ضروری نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے من وعن الفاظ ڈائری نویس نے نقل کئے ہوں۔ لیکن بصورت تسلیم اس میں بھی آنحضرت ﷺ کی کوئی توہین نہیں اور نہ دوسرے نبیوں کی توہین ہے۔ کیونکہ ان کی نبوت بالاصالہ اور بالاستقلال تھی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے: ''پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت ﷺ کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر وہ ان نہایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آنحضرت ﷺ کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے۔''
(براہین حصہ پنجم ص۱۹۲، خزائن ج۲۱ ص۳۶۴)

پس پہلے انبیاء کا آنحضرت ﷺ کے خاص خاص صفات میں ظل ہونے سے یہ مراد یہ ہے کہ ان میں صفتیں بالاستقلال و بالاصلاۃ پائی گئی تھیں۔ وہ تمام کی تمام آنحضرت ﷺ میں اکمل طور پر پائی گئیں۔ پس اس کمال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو آنحضرت ﷺ کو ہر اس صفت میں جس سے پہلے نبی متصف ہوئے حاصل تھا۔ ان کے لئے ظل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ گویا اصل میں ان تمام صفات کے مستحق تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ لیکن آپ کو جو صفات حاصل ہوئیں وہ بالواسطہ نہ تھیں۔ بلکہ مستقل اور بلاواسطہ تھیں اور حضرت مسیح موعود کو جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ تھا نہ بالاستقلال۔ اس لئے یہاں تفاضل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ آپ اسی عبارت میں فرماتے ہیں: ''کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطاء کئے گئے اور پھر مولانا روم کا یہ شعر پیش کیا ہے:

نام احمد نام جملہ انبیاء ست　　چوں بیامد صد نود ہم پیش ماست

اور ظلی طور پر جو کمالات امت محمدیہ کو حاصل ہوئے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ محی الدین ابن عربی، سید عبدالقادر جیلانی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں: ''یامحشر الانبیاء اوتیتم اللقب واوتینا مالم تؤتوا'' (فتوحات مکیہ ج۲ ص۱۰۰)

یعنی انہوں نے فرمایا کہ اے انبیاء کے گروہ تمہیں تو نبوت کا لقب دیا گیا اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا۔

اسی طرح سید محمد بن نصیرالدین جعفری المکی الحسینی خلیفہ حضرت چراغ دہلوی بحرالمعانی ص۱۶ میں فرماتے ہیں: ''اے محبوب اگر موسیٰ علیہ السلام کہ مظہر ذات اوست درآئینہ محمدی ﷺ رب ارنی ہرگز خبر بہ لن ترانی نخوردے۔ اما چوں بیرون آئینہ اونظر است لامحالہ خبر بہ لن ترانی خورد وآنکہ اے محبوب موسیٰ علیہ السلام اگر درعہد حضرت نبی ﷺ بودے چوں محال اوبدیدے۔ گویا کہ جمال حضرت جل وعلا دیدے وتسکین یافتے کہ من رانی فقدرای ربی زہے بیچارگی کہ درذات موسیٰ شد بعد از خبر بہ لن ترانی درآئینہ محمدی ﷺ از حضرت احدی جل جلالہ روشن کرد بعدہ تمنا بردو بگفت کہ: ''اللّٰھم اجعلنی من امتہ محمد ﷺ وآلہ واصحابہ واحبابہ وسلم''

پس آنحضرت ﷺ کی اتباع سے وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو پہلوں کو حاصل نہ ہوئے تھے۔

اسی طرح (ص۳۳) میں لکھا ہے: ''امام مجاہد میگوید کہ بالائے عرش ہفتاد حجاب از نور وظلمت است چوں موسیٰ ازیں خبر یافت سلوک آغاز میکردن۔ وے شنید کہ یا موسیٰ ہٰذا المقام ومنزل مخصوص بمحمد وامتہ۔''

پس جو چیز کہ موسیٰ جیسے عظیم الشان نبی کو حاصل نہ ہوئی وہ آنحضرت ﷺ کے امتیوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دی گئی۔

حیات مسیح

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر یہ لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کو شرک کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ آپ نے (استفتاء ص۳۹، خزائن ج۲۲ ص۶۶۰) میں حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک قرار دیا اور آنحضرت ﷺ کا عقیدہ حیات مسیح کا حدیث: ''ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم (ابن کثیر)'' سے ثابت ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کو مشرک قرار دے کر آپ کی توہین کی۔

جواب: آنحضرت ﷺ نے کبھی عقیدہ کا اظہار نہیں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ بلکہ آپ کے اقوال سے واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ آپ وفات مسیح کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''ایھا الناس بلغنی انکم تخافون من موت نبیکم ھل خلد نبی قبلی فیمن بعث فاخلد فیکم'' (لباب الخیار فی سیرۃ المختار ص۹۴) اے لوگو! مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ باقی رہا ہے جو میں تم میں رہوں گا۔''

اسی طرح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ''حشر کے دن جب میرے بعض صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے اور میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تو ان سے علیحدہ ہوا۔ اس وقت سے یہ مرتد ہوگئے تھے۔ اس پر آپ فرماتے ہیں: فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم (کتاب التفسیر بخاری ج۳ ص۸۶) کہ میں بھی وہی بات کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہی کہ میں بھی اپنی قوم کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا رقیب اور نگران تھا۔ پس اس حدیث سے صاف

طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں ارتداد واقع ہوا۔ ویسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عیسائیوں نے مسیح کو خدا بنایا۔ اسی طرح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آنے والے مسیح کو گندم گوں رنگ اور سیدھے بالوں والا بیان فرمایا ہے اور مسیح اسرائیلی کا حلیہ گھنگھر والے بال اور سرخ رنگ کا ذکر فرمایا اور یہ دونوں حلیے بتارہے ہیں کہ پہلا مسیح جس کو آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یعنی وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا وہ اور ہے اور وہ وفات پاکر وفات یافتہ انبیاء میں شامل ہوگیا ہے اور جو آنے والا ہے وہ اور ہے اور پھر بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر جب حضرت ابوبکرؓ نے آیت: ’’**وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل افأن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم**‘‘ پڑھی تو سب نے اس دلیل کی بناء پر کہ تمام انبیاء وفات پاچکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کو تسلیم کرلیا۔

پس مختار مدعیہ کا ان احادیث کی موجوگی میں یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ حیات مسیح کا عقیدہ رکھتے تھے بالکل غلط ہے اور جو روایت تفسیر ابن کثیر سے مختار مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ بوجہ ضعیف اور مجروح ہونے کے مذکورہ بالا مرفوع متصل احادیث کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے مروی ہے۔ بلکہ تابعی کی روایت ہے اور ظاہر ہے کہ تابعی تو اسے کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ سے نہ ملا ہو۔ اس لئے یہ حدیث مرسل ہوگئی اور جب اس کے راویوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی نہایت درجہ کے ضعیف راوی ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن وهب ابوعبداللہ المصری ہے اور اس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے: ’’**رایت شیوخ مصر مجمعین علی ضعفه والغرباء لایمتعون عن الاخذ ابوذرعة وابوحاتم ممن دونها** (میزان الاعتدال)‘‘ یعنی میں نے مصر کے تمام مشائخ یعنی علماء کو متفق پایا کہ وہ ضعیف راوی ہے اور اجنبی لوگ جس سے ابوزرعہ اور ابوحاتم اس سے روایت لینے سے رکتے نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ مصری ہے اور مصر کے علماء کی رائے اس کے حق میں صحیح ہوسکتی ہے۔ کیونکہ مصر سے باہر کے رہنے والوں کو اس کے حالات کا حقیقی علم نہیں ہوسکتا۔

دوسرا راوی عبداللہ بن ابی جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق محمد بن حمید الرازی نے کہا ہے: ’’**سمعت منه عشرة الاف حدیث فرمیت بها کان فاسقا** (میزان الاعتدال)‘‘

یعنی میں نے اس سے دس ہزار حدیث سنی اور سب کو میں نے پھینک دیا اور وہ فاسق تھا اور ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسے سچا کہا ہے لیکن اس کے حق میں بھی محمد بن الرازی کی شہادت قابل قبول ہے۔ کیونکہ وہ اس کا ہم وطن ہے اور اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔

تیسرا راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ یا ماں ابوجعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن احمد اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ ’’**وقال الفلاس نسئی الحفظ**‘‘ یعنی فلاس نے کہا ہے کہ اس کا حافظہ اچھا نہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مشہور لوگوں سے سن کر حدیثیں بیان کرنے میں منفرد ہے اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ وہ کثیر الوہم ہے اور جاننا چاہئے کہ عمرو بن علی الفاس یحییٰ بن سعید قطان کا شاگرد ہے۔ جیسا کہ ابن معین بھی انہی کا شاگرد ہے۔

اور چوتھا راوی ربیع بن انس ہے۔ اس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے: ’’**کان یتشیع فیفرط فیه وذکره ابن حبان فی الثقات وقال الناس یتقون من حدیثه کان من روایة ابی جعفر عنه لان فی احادیثه عنه اضطراباً کثیراً**‘‘

(تہذیب التہذیب)

یعنی وہ تشیع میں افراط کا پہلو اختیار کرتا تھا ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ اس کی اس حدیث کے لینے سے پرہیز کرتے ہیں جو ابوجعفر نے اس سے روایت کی ہے۔ کیونکہ اس کی ان احادیث میں جو اس نے ربیع سے روایت کی ہے۔ بہت اضطراب ہے۔

اور آخری راوی حسن بصری ہے اس کے متعلق ''اکمال فی اسماء الرجال'' میں صاحب المشکوٰۃ نے بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دو سال میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پس انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تک نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات یہود سے کہی کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں۔ پس لازماً یہ حدیث مرسل ہوئی اور ایسی حدیث کا حکم بھی اپنے پاس نہیں بلکہ دیوبندیوں کے مقتداء اور پیشواء کی کتاب ہدیۃ الشیعہ سے پیش کرتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں: ''اور سنیوں کے نزدیک گو حضرت زید اکابر اولیاء میں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک مستند نہ ہو۔ کیونکر معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات لی ہے وہ معتبر ہے کہ نہیں۔ صحابہ کی ملاقات میں تو احتمال ہے۔ باقی رہے تابعین سو ان میں جھوٹے، سچے، نیک و بدسب طرح کے ہیں اور اگر بالفرض کسی معمر صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو تو بھی کیا لازم ہے کہ وہ صحابی اس وقت حاضر ہی تھے یا ان کو کسی دوسرے صحابی سے یہ بات پہنچی تھی اور پھر حضرت زید نے بھی انہیں سے سنا ہو۔ احتمال ہے کہ جس صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو، ان کو یہ بات معلوم نہ ہو اور اگر معلوم بھی ہو تو انہوں نے ان سے نہ سنا ہو بلکہ کسی تابعی سے سنا ہو۔ بلکہ زبان زد عوام ایک بات دیکھ کر اس کے موافق نقل کر دیا ہو یا بطور تسلیم قول معترض یہ بات فرمائی ہو۔ بہرحال احتمالات چند در چند قادح اعتبار روایت موجود ہیں۔ پھر بایں ہمہ احتمالات کوئی کیونکر اس روایت کو در بارہ دعویٰ ہبہ فدک قبول کرے۔ خصوصاً درصورت یہ کہ آیت اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع اعنی روایت مشکوٰۃ اس کے مخالف موجود ہو۔''

(ہدیۃ الشیعہ ص۲۳۱) میں وضاحت کے لئے یہ عبارت بہ تبدیلی الفاظ یوں لکھے دیتا ہوں کہ پھر بایں ہمہ احتمالات مذکورہ کوئی کیوں کر مختار مدعیہ کی اس روایت کو در بارہ عقیدہ حیات مسیح قبول کرے۔ خصوصاً درصورت یہ کہ آیت: ''فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم'' اور آیت: ''ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل'' اور روایت صحیحہ متصل بلکہ مرفوع اعنی روایت بخاری اس کے مخالف موجود ہے۔

اور نیز (البراہین القاطعہ ص۸۲) میں مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ''اب اس حدیث شیخین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج ہی ہرگز نہیں کس طرح درست ہوگی۔''

اور مختار مدعیہ کا یہ اعتراض اس وقت درست ہوسکتا تھا کہ اگر آپ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ بھی مسیح علیہ السلام کو آسمان پر بجسدہ عنصری زندہ مانتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تمام کتابیں اس بات سے مملو ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ حضرت مسیح کو وفات یافتہ سمجھے ہیں اور یہی عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔''

رہی یہ بات کہ حضرت مسیح موعود نے حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک عظیم قرار دیا ہے تو اس کا جواب گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں بالتفصیل دے دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کو اس کی مستقبل کی حالت کو مدنظر رکھ کر جو نتیجتاً اس سے پیدا ہوتی ہے۔ نام دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ''تسمیة باسم مایؤول الیه نحو انی ارانی اعصر خمراً ای عنبا یؤول الی الخمریة ولا یلدوا الا فاجرا کفارا ای صائرا الیٰ الکفر والفجور'' (اتقان ج۲ص۴۵)

کہ کسی چیز کو وہ نام دے دینا جو اس کا آئندہ ایک نئی حالت کے ماتحت نام ہوتا تھا۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیدی نے دیکھا کہ میں شراب کو نچوڑتا ہوں تو مراد شراب سے انگور ہیں، جن سے شراب بنتی ہے اور اسی طرح قوم نوح کے متعلق فرمایا کہ وہ نہیں جنیں گے مگر فاسق اور کافر لوگ یعنی وہ بچے جو کافر اور فاجر ہوں گے۔ پس چونکہ حیات مسیح کا عقیدہ منجر الی الشرک تھا اور لاکھوں مسلمان اس عقیدہ

کی وجہ سے عیسائی ہوگئے تھے۔ اس لئے آپ نے اس حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو شرک عظیم قرار دے دیا اور اردو کی تصانیف میں اس امر کی تصریح کر دی کہ یہ عقیدہ منجر الی الشرک ہے یا یہ عقیدہ شرک کا حامی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ بعض وقت عربی زبان میں کسی فعل کے لئے شرک یا کفر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے مرتکب کو کافر اور مشرک نہیں کہا جاتا۔ لیکن مختار مدعیہ نے ان احادیث کو بالکل نظرانداز کر کے وہی اعتراض دوبارہ کر دیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو منوانے کے لئے اس کے مقتداؤں کے اقوال پیش کئے جاویں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں: ''جواب مولانا محمد اسماعیل صاحب نہایت صحیح ہے کہ افعال شرکیہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شرک محض ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ لوگ ان کو کرتے ہیں اور تاویل ہوسکتی ہے۔ پس پہلی قسم سجدہ بت کو کرنا، زنار ڈالنا ان امور سے مشرک ہو جاتا ہے اور دوسری قسم میں افعال سے کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ خروج عن الاسلام نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض شرک اصل شرک ہے اور بعض کم کہ شرک دون شرک کہتے ہیں تو دوسرے درجہ کے شرک حقیقتاً شرک نہیں۔ مثلاً قسم بغیر اللہ کو شرک فرمایا اور ریا کو شرک فرمایا اور تسمیہ بغیر اللہ کو شرک فرمایا۔ پر ان کے کرنے سے مشرک حقیقی نہیں ہوتا۔ و اللہ تعالٰی اعلم و علمہ اتم!

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۵)

اور یہی جواب گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے بجواب جرح دیا تھا جس کو مختار مدعیہ نے صحیح تسلیم نہ کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا۔

اور میں اس جواب کو واضح کرنے کے لئے ایک اور مثال حدیث سے پیش کر دیتا ہوں۔ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں: ''بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ'' (صحیح مسلم برحاشیہ اکمال اکمال المعلم ج۱ ص۱۸۸)

''یعنی آدمی کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔''

یعنی اگر نماز چھوڑے گا تو وہ کفر اور شرک میں داخل ہوگا۔ لیکن تارک نماز کو گواہان مدعیہ کافر اور مشرک نہیں کہتے۔ جیسا کہ گواہ مدعیہ نمبر۱ نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو کافر اور مشرک نہیں کہا جاوے گا۔ پس جیسے ترک نماز کو اس حدیث میں شرک اور کفر تو کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے تارک پر گواہان مدعیہ کافر اور شرک کے احکام نافذ نہیں کرتے اور نہ اسے کافر اور مشرک سمجھتے ہیں اور شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ نماز چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار انسان حقیقتاً کافر بن جاتا ہے۔ اس لئے ترک نماز کو کفر قرار دیا گیا۔ پس بعینہٖ اسی طرح حیات مسیح کا عقیدہ چونکہ منجر الی الشرک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہزاروں مسلمانوں کے عیسائی ہونے سے ظاہر ہے۔ اس لئے اسے شرک کا نام دیا گیا اور حضرت مسیح موعود نے ان پہلے لوگوں کو جنہوں نے اجتہادی غلطی کی بناء پر یہ عقیدہ رکھا۔ خداتعالیٰ کے نزدیک معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''مجھ سے پہلے جو علماء اپنی اجتہادی غلطی سے ایسا خیال کرتے رہے کہ ابن مریم آسمان سے آئے گا۔ وہ خدا کے نزدیک معذور ہیں۔ ان کو برا نہیں کہنا چاہئے۔ ان کی نیتوں میں فساد نہیں تھا۔ بوجہ بشریت بھول گئے۔ خدا ان کو معاف کرے۔ کیونکہ ان کو علم نہیں دیا گیا تھا اور ان کی اجتہادی غلطی ایسی تھی۔ جیسے داؤد علیہ السلام نے غنم القوم کے مسئلہ میں اجتہادی غلطی کی تھی۔ مگر اس کے بیٹے سلیمان کو خدا نے فہم عطاء کر دیا تھا۔'' (دافع البلاء ص۱۶، خزائن ج۱۸ ص۲۳۶)

اور حضرت مسیح موعود نے جو حیات مسیح کا عقیدہ رکھا تو وہ رسمی عقیدہ تھا جو مسلمانوں میں چلا آتا تھا۔

لیکن جب خداتعالیٰ نے آپ پر ظاہر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے ہیں تو آپ نے لوگوں میں ان کی وفات کا اعلان کر دیا اور قرآن اور حدیث کی رو سے ان کی وفات کے مسئلہ کو الم نشرح کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

گواہ مدعیہ نمبر الف نے (تتمہ حقیقت الوحی ص۱۷۷) کے حوالہ سے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ موسیٰ کی دودھ اور شہد کی نہروں کے ملنے کی پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ لہٰذا مرزا صاحب حضرت موسیٰ کی توہین کے بھی مرتکب ہوئے۔

جواب: حضرت مسیح موعود نے تتمہ حقیقت الوحی میں نہیں بلکہ (حقیقت الوحی ص۱۷۷ حاشیہ، خزائن ج۲۲ ص۱۸۳) میں یہ لکھا ہے کہ: ''حضرت موسیٰ کی توریت میں یہ پیش گوئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں، لے جائیں گے۔ مگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ بھی راہ میں فوت ہوئے اور بنی اسرائیل بھی راہ میں ہی مر گئے۔ صرف اولاد ان کی وہاں گئی۔''

حضرت مسیح موعود نے جس امر کا اظہار اس عبارت میں کیا تھا وہ ایک امر واقع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کا یہ قطعاً منشا نہیں کہ وہ وعدہ کبھی بھی پورا نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اسی عبارت میں واضح کر دیا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی۔ یعنی وہ وعدہ جو بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے کیا گیا تھا وہ ان کی اولاد کے ذریعہ پورا ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک اور مقام پر اس امر کو وضاحت سے لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں۔ کبھی تو بلاواسطہ پورے ہوتے ہیں اور کبھی بالواسطہ ان کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدہ دیئے گئے تھے وہ ان کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعہ سے جو تمام نبیوں کا سردار ہے یعنی سیدنا وامامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت موصوف کو وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں لے جائے گا اور کنعان کی سرسبز زمین کا تو انہیں مالک کر دے گا۔ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہوسکا اور وہ راہ میں ہی فوت ہوگئے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی جواب تک تورات میں موجود ہے۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسوی قوت اور موسوی روح اس کے شاگرد یوشع کو عطاء ہوئی اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے نفخ روح سے موسیٰ میں ہوکر اور موسوی صورت پکڑ کر وہ کام بجالایا جو موسیٰ کا کام تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا۔''

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۴۱۶،۴۱۷، خزائن ج۳ ص۳۱۷)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نفس پیش گوئی کے پورے ہونے کو مانتے ہیں۔ لیکن موسیٰ کی بجائے آپ کے خلیفہ یوشع نبی کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتﷺ نے دیکھا کہ کسریٰ وقیصر کے خزائن کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ مگر وہ آپ کے ہاتھ کے بجائے حضرت عمر کے ہاتھ میں آئیں اور وہ خزائن کی کنجیوں والی پیش گوئی آنحضرت کے خلفاء کے ذریعہ ظہور میں آئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

گواہان مدعیہ نے جو الزامات حضرت مسیح موعود پر حضرت عیسیٰ کی توہین ثابت کرنے کے لئے لگائے تھے ان کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱،۲،۳۔ لیکن اب میں ان نئی باتوں کا جواب دیتا ہوں جو مختار مدعیہ نے بحث میں پیش کی ہیں۔

(۱) مسیح علیہ السلام کی پیش گوئیاں

۱۲؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ثابت کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود پر یہ الزام لگایا ہے کہ مرزا صاحب نے (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۷، خزائن ج۳ ص۱۰۶) میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں جس قدر جھوٹی نکلیں اس قدر سچی نہیں نکلیں اور (کشتی نوح ص۵، خزائن ج۱۹ ص۵) میں لکھا ہے کہ قرآن شریف بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں بھی یہ موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ حضرت مسیح نے بھی انجیل میں خبر دی ہے اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں ٹل جاویں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک حضرت عیسیٰ نبی نہیں اور صریح توہین ہے۔

جواب: مختار مدعیہ کا ازالہ کی عبارت میں سے ایک فقرہ لے کر اعتراض کر دینا۔ اس کے لئے یہ قطعاً مناسب نہ تھا کہ وہ ایک فقرہ کو لے کر اعتراض کرے اور اس کے ساتھ کی عبارت کو جس سے یہ اعتراض بالکل باطل ہو جاتا ہے ترک کر دے۔ چنانچہ اب میں اس کے بعد کی عبارت لکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: ''مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں۔ کیونکہ امور اخبار یہ کشفیہ میں اجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی بعض پیش گوئیاں ہی اسی صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں امید باندھ لی تھی۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیش گوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں۔ مگر یہ غلطی نفس الہام میں نہیں۔ بلکہ سمجھ اور اجتہاد کی غلطی ہے۔ چونکہ انسان تھے اور انسان کی رائے خطاء اور صواب دونوں کی طرف جا سکتی ہے۔ اس لئے اجتہادی طور پر یہ لغزشیں پیش آ گئیں۔''　(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۸،۷، خزائن ج۳ ص۱۰۶)

اور اجتہادی غلطی کا انبیاء سے ہونا تمام علماء امت کو مسلم ہے۔ چنانچہ انبیاء کو اجتہادی غلطی لگ جانے کے متعلق پہلے حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔

دوم: مختار مدعیہ نے علاوہ حوالہ مذکورہ کے ایک حوالہ اعجاز احمدی کا بھی پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ حالانکہ یہ بھی مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ (اعجاز احمدی ص۴، خزائن ج۱۹ ص۱۱۰) پر حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے: ''حال میں ایک یہودی کی تالیف شائع ہوئی ہے جو میرے پاس اس وقت موجود ہے۔ گویا وہ محمد بن ثناء اللہ کی تالیف ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس شخص یعنی عیسیٰ سے ایک معجزہ بھی ظہور میں نہیں آیا اور نہ کوئی پیش گوئی اس کی سچی نکلی۔ وہ کہتا تھا کہ داؤد کا تخت مجھے ملے گا کہاں ملا۔ (اس کے آگے بہت سے مثالیں ذکر کی ہیں)''

ہاں! حضرت مسیح موعود نے ان کو بھی اجتہادی غلطی ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو امان اٹھ جاتا ہے اور شک پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدث نے اپنے دعویٰ میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہ خیال سراسر مغالطہ ہے اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں، وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں اور اگر ان کا یہی اعتقاد ہے تو تمام نبیوں کی نبوت

سے ان کو ہاتھ دھو بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ کوئی نبی نہیں۔ جس نے کبھی نہ کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی نہ کھائی ہو۔ مثلاً حضرت مسیح جو خدا بنائے گئے ان کی اکثر پیش گوئیاں غلطی سے پر ہیں۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۲۴، خزائن ج۱۹ص۱۳۲،۱۳۳)

اور (اعجاز احمدی ص۲۵، خزائن ج۱۶ص۱۳۴) پر فرماتے ہیں: ’’ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ عاشق ہوگئے تھے۔ لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے۔ خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمتیں لگاتے ہیں۔ ہاں! آپ نے اجتہادی غلطی سے داؤد کے تخت کی تمنا کی تھی مگر وہ تمنا پوری نہ ہوئی اور مطابق مثل مشہور کہ بن مانگے موتی ملیں، مانگے ملے نہ بھیک۔ آپ تو داؤد کے تخت سے محروم رہے۔ مگر وہ برگزیدہ خدا سید الرسل جس نے دنیا کی بادشاہت سے منہ پھیر کر کہا تھا۔ الفقر فخری یعنی فقر پر میرا فخر ہے۔ اس کو خدا نے بادشاہت دے دی۔‘‘

اور اسی صفحہ پر فرماتے ہیں: ’’غرض حضرت مسیح کا اجتہاد غلط نکلا۔ اصل وحی صحیح ہوگی مگر سمجھنے میں غلطی کھائی۔ افسوس ہے کہ جس قدر حضرت عیسیٰ کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں۔ اس کی نظیر کسی نبی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ شاید خدائی کے لئے یہ بھی ایک شرط ہوگی۔ مگر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان غلط اجتہادوں اور ان غلط پیش گوئیوں کی وجہ سے ان کی پیغمبری مشتبہ ہوگئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں اور اس قدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہادی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی۔‘‘

(اعجاز احمدی ص۲۵،۲۶، خزائن ج۱۹ص۱۳۵)

پس اعجاز احمدی میں جو کلام مسیح کی پیش گوئیوں کے متعلق کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو اسی جگہ ایک تو ان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے۔ جو کہتے ہیں کہ انبیاء اجتہادی غلطی نہیں کھاتے۔ دوسرے عیسائی جو ان کو خدا بناتے ہیں۔ ان کی بھی تردید کئے جاتے ہیں۔ مختار مدعیہ تو اعجاز احمدی کی عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود ان کی نبوت ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان سے جو اجتہادی غلطیاں صادر ہوئیں۔ اس وجہ سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہوسکتی اور (اعجاز احمدی ص۸، خزائن ج۱۹ص۱۱۵) میں اصولی طور پر فرماتے ہیں: ’’انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے کذب اور خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی رائے ہے نہ کہ خدا کا کلام۔‘‘

پس حضرت مسیح کی جو پیش گوئیاں غلط نکلیں وہ درحقیقت ان کے اجتہادات تھے۔ اس لئے ان کو پورا نہ ہونے سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہوتی اور نہ مختار مدعیہ کا اعتراض درست ہوسکتا ہے۔

(۲) صداقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ بھی الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس وجہ سے بھی توہین کی آپ نے اپنی کتاب (اعجاز احمدی ص۱۴، خزائن ج۱۹ص۱۲۱) پر لکھا ہے کہ ہم نے انہیں قرآن مجید کے سہارے مان لیا ہے۔ اگر ایک شخص حضرت مسیح یا دیگر انبیاء کو قرآن مجید کے اقوال کی بناء پر صادق تسلیم کرتا ہے تو نہ معلوم اس میں ان انبیاء کی توہین کیسے لازم آسکتی ہے۔ یہ مختار مدعیہ کا انوکھی طرز کا استدلال ہے۔ حضرت مسیح موعود یہود کے ان اعتراض کو مدنظر رکھ کر جو انجیل کی بناء پر انہوں نے کہے فرماتے ہیں: ’’اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارہ میں ایسے قوی اعترض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں۔ کیونکہ قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہوسکتی، بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔ اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں

اور برگزیدہ ہیں اوران تہمتوں سے معصوم ہیں جوان پراوراس کی ماں پرلگائی گئی ہیں۔'' (اعجاز احمدی ص۳، خزائن ج۱۹ص۱۲۰)

مختار مدعیہ کو یہ نہایت گراں گزرا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ قرآن کا احسان مسیح پر کیوں جتایا۔ حالانکہ حقیقت یہی تھی کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھنے والی دو قومیں تھیں۔ ایک یہود اور دوسرے نصاریٰ۔ یہود تو نعوذ باللہ! انہیں ملعون اور شیطان وغیرہ القاب سے یاد کرتے تھے اور دوسرے عیسائی ان کے ماننے والے، وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ پس اگر ان کی نبوت کسی چیز نے منوائی تو وہ قران مجید ہی تھا اور کوئی چیز نہ تھی اور یہی حقیقت ہے جس کو ہر عاقل و فرزانہ تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب جن کو گواہ مدعیہ نمبر۱، ۱۲؍اگست کو مسلمان تسلیم کر چکا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر۳، ۲۹؍اگست کو ان کی کتاب استفتاء کی تصدیق کر چکا ہے۔ لکھتے ہیں: ''ازانجملہ اگلے سب انبیاء نے بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی بسبب فقدان اسناد اور ثبوت، تحریف کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ بجز تصدیق حضرت خاتم النّبیین کے۔'' (بازالۃ الاوہام باستفسار ص۳۷۹)

مولوی آل حسن نے تو صرف حضرت عیسیٰ کی نبوت میں نہیں، بلکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت کے ثبوت کا دارومدار آنحضرت ﷺ کی تصدیق کو قرار دیا۔ پس کیا مختار مدعیہ ان کے متعلق بھی یہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے تمام انبیائے بنی اسرائیل کی توہین کی ہے۔ اس لئے وہ کافر و مرتد ہیں۔

(۳) حضرت مسیح علیہ السلام اور شراب کا استعمال

گواہان مدعیہ نے (کشتی نوح حاشیہ ص۶۵، خزائن ج۱۹ص۷۱) کی عبارت سے یہ استدلال کیا تھا کہ مرزا صاحب نے اس میں یہ اقرار کیا ہے کہ مسیح شراب پیا کرتے تھے اور اس سے صریح توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لازم آتی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے جو اس کا تفصیلی جواب دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اس کی طرف توجہ کئے بغیر پھر وہی اعتراض کر دیا ہے۔ بات بالکل صاف تھی۔ (کشتی نوح ص۱۶، خزائن ج۱۹ص۱۷، ۱۸) میں آپ نے صریح طور پر لکھا ہے کہ: ''میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفا ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہم نام ہوں اور مردود اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔'' اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں یہ عبارت موجود ہے۔ اس میں کوئی بات ان کی ہتک اور توہین کی نہیں ہوسکتی اور جس عبارت پر اعتراض ہے وہ انجیل اور قرآنی تعلیم کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ انجیل کے پیرو عیسائی لوگ ہیں نہ کہ مسلمان۔ پس فی الحقیقت یہ کلام عیسائی مسلمات پر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ چشمۂ معرفت کی عبارت ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دوسروں سے سود لے لیا کرو اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداتعالیٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے یا شراب پینے کا فتویٰ دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ بہرحال بدی کا مقابلہ نہ کرو۔'' (چشمہ معرفت ص۲۵۸، خزائن ج۲۳ص۲۷۰)

اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح کا شراب پینا بالکل ثابت ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں کے مسلم مقتداء مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی بھی فرماتے ہیں: ''جناب مسیح اقرار مے فرمایند کہ یحییٰ علیہ السلام نہ نان مے خورند و نہ شراب مے آشامیدند و آنجناب شراب بہم مے نوشیدند۔'' (ازالۃ الاوہام ص۳۷۰)

پس یہ کلام جو کہ عیسائیوں کے مسلمات پر ہے۔ اس لئے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر تو گواہان و مختاران مدعیہ کے مسلمات کی بناء پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ (شرح فقہ اکبر علامہ ملا علی قاری ص۱۷۰) میں لکھا ہے کہ پہلے انبیاء کی

شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی۔ صرف امت محمدیہ کے لئے حرام کی گئی اور (صحیح مسلم ج۲ ص۲۱۶) میں لکھا ہے: ’’کان رسول اللہ ﷺ یحب موافقة اهل الکتاب فیمالم یؤمر به‘‘ (نیز دیکھو بخاری ج۲ ص۲۲۷)

یعنی آنحضرت ﷺ جس امر کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو، اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے اور صحیح بخاری میں ہے کہ تحریم خمر سے پہلے صحابہ شراب پیا کرتے تھے اور چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے: ’’قال کنت اسقی اباعبیدة واباطلحة وابی بن کعب من فضیخ زهرو تمر فجاء هم آیت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابوطلحة قم یاانس فاهرقها‘‘ (بخاری ج۳ ص۲۱۴)

یعنی انس ؓ نے کہا کہ میں ابوعبیدہ اور ابوطلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہ شراب حرام ہوگئی ہے تو ابوطلحہ نے کہا کہ اے انس! اٹھو اور اس کوزمین پر ڈھلکا دو، تو میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ پس جب کہ گواہان مدعیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت شراب حرام ہی نہیں کی گئی تھی تو پھر حضرت مسیح موعود کے قول پر اعتراض کیسا اور اس سے توہین مسیح کا الزام دینا کیسا۔ مختاران مدعیہ کو چاہئے تھا کہ پہلے وہ گواہان مدعاعلیہ کے جواب کو توڑتے اور پھر نئے اعتراض کرتے۔ مگر ان اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے گواہان مدعاعلیہ کے جوابات کو سمجھا ہی نہیں ہے اور باقی جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱،۲۔

(۴) دافع البلاء کا حوالہ

دافع البلاء کے حوالہ کا جو مدلل جواب گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اسے بالکل نظرانداز کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا ہے جو کہ گواہان مدعیہ نے کیا تھا اور ضمنی طور پر ایک دو نئے اعتراض بھی کئے ہیں۔ اس لئے پہلے میں نئے اعتراض کا جواب دیتا ہوں۔

پہلا اعتراض

مرزاصاحب لکھتے ہیں کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں۔ (دافع البلاء ٹائٹل ۲، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

گویا کہ وہ آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں۔ صرف راست باز ہیں اور راست باز تو کافروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

جواب: یہ مختار مدعیہ کی خوش فہمی ہے کہ وہ راست باز کے لفظ سے یہ شبہ نکالیں کہ گویا حضرت مسیح موعود کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں ہیں۔ لیکن کوئی عقل مند شخص اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالے گا۔ جب کہ اس عبارت پر جو حاشیہ لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ صاف طور پر لکھا ہے: ’’ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جولم نقصص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے۔‘‘ (دافع البلاء ٹائٹل ۲ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

حضرت اقدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انبیاء کے ساتھ مقابلہ کر کے بتادیا کہ وہ بھی نبی تھے۔ ورنہ نبی تو غیرنبی سے بہرصورت افضل ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود کی دوسری تحریرات میں کثرت سے حضرت مسیح کو نبی اور رسول کہا گیا ہے۔ پس کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مختار مدعیہ کا اعتراض دیانت وامانت اور راست گوئی پر مبنی ہے۔ استغفراللہ اور اگر راست باز کہنے سے نبوت کی نفی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان کے حق میں جو ایک جگہ ’’وجیها فی الدنیا والاٰخرة ومن المقربین‘‘ بیان فرمایا ہے۔ یعنی وہ خداتعالیٰ کے مقربوں میں سے ایک مقرب ہیں تو اس سے مختار مدعیہ کے طرز پر لازم آئے گا کہ حضرت مسیح صرف خدا کے مقرب تھے نا کہ نبی بھی اور اس آیت میں ان کو نبی نہیں بلکہ مقرب کہا ہے اور ہر مقرب کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں۔ خدا کے ایسے بے شمار بندے ہوتے ہیں جو

مقرب الٰہی تو سمجھے جاتے ہیں۔لیکن نبی نہیں سمجھے جاتے۔غرض مختار مدعیہ کے استدلال کی بناء پر تو یہ آیت پڑھ کر بھی کوئی کہہ دے گا کہ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عدم نبوت کا اثبات کیا ہے۔

اور پھر دوسری آیت میں کہا: ’’یکلم الناس فی المهد و کهلا و من الصالحین ‘‘یعنی وہ من جملہ دیگر صالحوں کے ایک صالح تھے تو کیا مختار مدعیہ یہ تسلیم کرے گا۔ چونکہ اس آیت میں صرف صالح کہا گیا ہے۔اس لئے خدا نے حضرت مسیح کے نبی ہونے سے انکار کر دیا ہے اور کیا مختار مدعیہ اس موقع پر بھی کہے گا کہ صالح تو کفار میں سے بھی ہوتے ہیں۔پس اس آیت میں حضرت مسیح کی نبوت ورسالت کا انکار کیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانے کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔واللہ اعلم!　　(دافع البلاء ٹائٹل ۲، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

واللہ اعلم کہنے کے یہ معنی ہیں کہ بے شک کا لفظ بھی جھوٹ کہا اور ’’اچھا تھا‘‘ بھی جھوٹ کہا۔

جواب: ان شاءاللہ کہنے کی طرح مختار مدعیہ نے اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود کی کلام میں ’’واللہ اعلم‘‘ کہنے سے یہ مراد لی ہے کہ جو کلام پہلے کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔حالانکہ واللہ اعلم کے قول سے پہلے کلام کو جھوٹا قرار دینا ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔بلکہ اس سے پہلے کلام کے متعلق یہ جتانا مقصود ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے۔آگے اس سے زیادہ کوئی اور بات ہو یا اس کے خلاف ہو تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔اس بیان سے اچھی طرح ظاہر ہے اور ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم کہنے کا بھی وہ مطلب نہیں جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے۔بلکہ واللہ اعلم کہنے کا وہ مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔لیکن مختار مدعیہ کو مطمئن کر دینے کی نیت سے اتنا اور کہہ دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اگر مختار مدعیہ کا مسلک درست ہے۔پھر تمام وہ فتوے جن کے آخر میں واللہ اعلم لکھا ہوتا ہے۔جھوٹے قرار پائیں گے اور ماننا پڑے گا کہ ان مفتیوں نے جنہوں نے اپنے فتوے کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب لکھا ہے(اور یہ علی العموم لکھا جاتا ہے) دیدہ ودانستہ جھوٹا فتویٰ دیا ہے اور اس لحاظ سے تو گویا واللہ اعلم بالصواب کا جملہ جھوٹے فتوؤں کی شناخت کا ایک آلہ بن جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ اس طرح نہ تو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا کوئی فتویٰ درست رہے گا اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب کا نہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا اور نہ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب کا اور نہ ہی ان سب کے پیرومرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔کیونکہ کسی فتویٰ کے آخر میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اور کسی کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب، واللہ مرجع المآب!

تیسرا اعتراض

مرزا صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: ’’یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے۔یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے۔ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راست بازاپنی راست بازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں۔‘‘　　(دافع البلاء ٹائٹل ۲ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

فقط ’’ورنہ‘‘ پہلے کلام کے خلاف آتا ہے۔ ماقبل اور مابعد دونوں نقیض ہونے چاہئیں یہ اعجازی کلام ہے چاہئے تھا کہ اس میں پہلے کی تردید ہوتی۔لیکن یہاں بات ایک ہی ہے۔کیونکہ پہلی عبارت میں زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھا کیا اور ’’ورنہ‘‘ کے بعد بھی بعض کی

راست بازی کو زیادہ ثابت کیا ہے۔اس لئے دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں۔ پس ادبی لحاظ سے یہاں ''ورنہ'' کا استعمال بالکل غلط ہے۔

جواب: مختار مدعیہ نے یہ اعتراض ایسے طور پر کیا کہ گویا یہ بھی آنجناب کے نزدیک حضرت مسیح موعود کے کفر کی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ انہوں نے ''ورنہ'' کا غلط استعمال کیا۔ جس سے اردو زبان کی توہین ہوگئی اور اردو زبان چونکہ علمائے دیوبند کی زبان ہے۔ لہٰذا ان کی توہین ہوئی اور علماء کی توہین سے۔ چونکہ نعوذ باللہ! آنحضرت ﷺ کی توہین ہوئی۔ لہٰذا مرزاصاحب کا کفر ثابت اور مرزاصاحب کافر۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگا کر کسی کے کلام کر پڑھے تو اس کی حقیقت نظر نہیں آیا کرتی۔ بلکہ وہ ایک سچی اور واقعی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا کرتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے حال سے ظاہر ہوا۔ ورنہ لفظ ''ورنہ'' جو حضرت مسیح موعود کے کلام میں استعمال ہوا ہے۔ بجائے خود بالکل درست استعمال ہوا ہے اور اس کو بے محل بتانا بے علمی کا نشان ہے۔ کیونکہ ''ورنہ'' کا ماسبق اور مالحق مفہوم کے لحاظ سے ایک نہیں بلکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ماسبق سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام بہت سے لوگوں کی نسبت اچھے تھے تو باقی بعض سے درجہ میں برابر ہوں گے اور وہ باقی بعض حضرت مسیح سے افضل نہ ہوں گے اور چونکہ ظاہر یہ کرنا تھا کہ بعض کا ان سے بہتر ہونا بھی ممکن ہے اور یہ مفہوم پہلے مفہوم کے خلاف تھا۔ اس لئے لفظ ''ورنہ'' لاکر عبارت مالحق میں یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لئے لکھا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خداتعالیٰ کی زمین پر بعض راست باز اپنی راست بازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں۔

مختار مدعیہ سے تو توقع نہیں۔ لیکن ہر غیر متعصب اور فہیم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ''ورنہ'' کے ماسبق اور مالحق کا مفہوم ایک ہی ہے یا دونوں کے مفہوم میں عظیم الشان فرق موجود ہے اور اس امر کا ثبوت کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں بعض راست بازوں کا تعلق باللہ میں افضل ہونا ممکن ہے۔ حضرت اقدس نے اسی موقع پر پیش کر دیا اور وہ یہ ہے: ''کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وجیھا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین'' جس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے مقربوں میں سے یہ بھی ایک تھے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب سے بڑھ کر تھے، بلکہ اس بات کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جو لم نقصص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے۔'' (دافع البلاء ٹائٹل ۲ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

چوتھا اعتراض

مختار مدعیہ نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ گواہان مدعاعلیہ نے گواہان مدعیہ کے اعتراض کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ مرزاصاحب نے حضرت یحییٰ کی فضیلت پر ''حصور'' سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے: ''کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔'' (دافع البلاء ٹائٹل ۲ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۲۰)

یہ عیسائیوں کو جواب دیا ہے یا ان مسلمانوں کو جو مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں یہ غلط ہے۔ کیونکہ نہ تو مسلمان حضرت مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں اور نہ عیسائی قرآن مجید کو صحیح مانتے ہیں جو ان پر قرآن مجید سے استدلال کرنا درست ہو۔ اس لئے یہ مرزاصاحب کی اپنی تحقیق ہے اور وہ ان قصوں کو جو مسیح کی طرف منسوب کئے گئے، صحیح خیال کرتے ہیں اور یہ صریح حضرت عیسیٰ کی توہین ہے۔

جواب: کتاب دافع البلاء جس سے یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں جابجا عیسائیوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ (ص۱۱، خزائن ج۱۸ ص۲۳۱) پر لکھا ہے: ''اور بالآخر یاد رہے کہ اگر تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں۔'' اور (ص۴، خزائن ج۱۸ ص۲۲۴) پر لکھتے ہیں: ''اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لئے ابھی ایک پادری وائٹ بریخٹ صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے اشتہار نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دور کرنے

کے لئے اور کوئی تدبیر کافی نہیں بجز اس کے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آئیں۔‘‘

اور جن آخری دو اوراق میں سے اعتراض پیش کیا گیا ہے اس کے شروع میں لکھا ہے: ’’سردست ہماری ہمدردی کا قدر یہی ہوگا کہ پھر دوبارہ اسلام کے مولویوں اور عیسائی مذہب کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گالیاں سنیں۔‘‘

اس سے بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو اس میں خطاب کیا گیا ہے پھر جس حاشیہ کی عبارت بطور اعتراض پیش کی گئی ہے۔ وہ جس عبارت کی توضیح کے لئے لکھا گیا ہے وہ یہ ہے ’’بہرحال اس مقابلہ کے وقت معلوم ہوگا کہ ان تمام مذاہب میں کون سا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ سچے منجی کو ہر ایک چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلاشبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں اور اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ واللہ اعلم! مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا۔ یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا۔ حقیقی منجی ہمیشہ سے اور قیامت تک نجات کا پھل کھلانے والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام زمانوں کی نجات کے لئے آیا تھا۔ (دافع البلاء ٹائٹل، خزائن ج۱۸ ص۲۱۸،۲۲۰)

اب بتاؤ کہ کیا اس عبارت سے ظاہر نہیں کہ آخری کلام کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں اور ان کے اس عقیدہ کی کہ حقیقی منجی مسیح ہے۔ تردید کی جارہی ہے اور لفظ ’’اکثر‘‘ پر اس حاشیہ کی نشانی ہے جس کی عبارت پر مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا۔ پھر یہیں تک قصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس عبارت کے ملحق میں بھی عیسائیوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’جن لوگوں نے اس کو خدا بنایا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ مخواہ خدائی صفات اس کو دی ہیں۔ جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو اوپر اٹھاتے اٹھاتے آسمان پر چڑھا دیں یا عرش پر بٹھا دیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں ان کو اختیار ہے۔‘‘

(دافع البلاء ٹائٹل ۲ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۱۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت عیسائیوں سے متعلق ہے جو مسیح کو خدا مانتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں اور ان کو خدا کی صفات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے انہیں بغیر اکل وشرب زندہ آسمان پر ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید سے استدلال کیا ہے اور عیسائی مسلمانوں پر حجت قائم کرنے اور مسیح کی خدائی اور اس کی فضیلت وبرتری اور اس کا شفیع ہونا ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے مسیح موعود نے ان کے اس عقیدہ کو کہ مسیح حقیقی منجی ہے اور وہی سب راست بازوں کا سردار ہے بلکہ خدا ہے غلط ثابت کرنے کے لئے ان کی مسلمہ باتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: ’’انسان جب حیا اور انصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے۔ لیکن مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا ہو یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خداتعالیٰ نے قرآن میں یحییٰ کا نام ’’حصور‘‘ رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کو رکھنے سے مانع تھے اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ نے یحییٰ کے ہاتھ پر جس کو عیسائی یوحنا کہتے ہیں جو پیچھے ایلیا بنایا گیا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو بالبداہت ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ بالمقابل اس کے یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یحییٰ نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا معصوم ہونا بدیہی امر ہے۔‘‘

(دافع البلاء ٹائٹل ۳، حاشیہ خزائن ج۱۸، ص۲۲۰)

یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی راست بازی ان کے زمانہ کے دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے اگر تم اسے خدا بناتے ہو یا اسے خدائی صفات دیتے ہو تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے اور تمہارے مسلّمہ امور کے بھی مخالف ہے۔

’’بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا۔ الیٰ آخرہ!‘‘

سوچو کہ حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ ’’نہیں سنا گیا‘‘ جس کا مفہوم پہلی عبارت کے ساتھ یہ ہے کہ مسیح کے متعلق تو یہ بات سنی گئی اور ’’یحییٰ کے متعلق نہیں سنا گیا‘‘ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیم میں ان امور کا نشان نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اگر اسلامی تعلیم میں یہ باتیں ہوتیں تو ان کے لئے ’’سنا گیا‘‘ اور ’’بعد میں بنایا گیا‘‘ کے الفاظ ہی استعمال میں نہ آتے۔ کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں مذہبی ہوتیں اور تاریخ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ امر یہود اور نصاریٰ دونوں سے سنا گیا۔ اگرچہ دونوں کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ عیسائیوں نے تو ان امور کو معیوب نہ جان کر نقل کیا۔ لیکن یہود نے ان کو بطور اعتراض کے نقل کیا اور شراب پینے کا ذکر اور یحییٰ کے ہاتھ پر مسیح کے توبہ کرنے کا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے۔ پس عیسائیوں پر حجت تمام کرنے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ جس کو تم خدا بنا رہے ہو، اس کے متعلق یہ امور تمہاری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں۔ پھر وہ دنیا کے تمام راست بازوں سے بڑھ کر اور خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں اور چونکہ فاحشہ عورت کے عطر ملنے اور دیگر واقعات کو یہود نے بطور اعتراض پیش کیا تھا اور قسم قسم کے الزامات مسیح اور ان کی والدہ پر لگائے تھے۔ اس لئے آنحضرت نے ایک حدیث میں ان کے الزامات سے تطہیر فرمائی۔ لیکن بعض مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا صرف عیسیٰ اور ان کی والدہ کی خصوصیت ہے۔ اس لئے پھر عیسائیوں نے جیسے ان کے دوسرے عقائد کو مسیح کو الوہیت کی دلیل اور تمام انبیاء پر فضیلت کا سبب مانا تھا۔ اس حدیث کو بھی مسیح کی فضیلت کا موجب گردانا۔ سو عیسائیوں کی اس دلیل کو کہ حدیث سے مسیح کی فضیلت دوسرے راست بازوں پر ثابت ہوتی ہے۔ رد کرنے کے لئے حضور نے آخر میں فرمایا کہ: ’’مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں۔ اس کے معنی نادان لوگ نہیں سمجھتے۔ (مسلمانوں سے ہوں یا عیسائیوں سے۔ شمس) اصل بات یہ ہے کہ پلید یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر سخت ناپاک الزامات لگائے تھے اور دونوں کی نسبت نعوذ باللہ! شیطانی کاموں کی تہمت لگاتے تھے۔ سو اس افتراء کا رد ضروری تھا۔ پس اس حدیث کے اس سے زیادہ کوئی معنی نہیں کہ یہ الزام جو حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر لگائے گئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ ان معنوں میں وہ مس شیطان سے پاک ہیں اور اس قسم کے پاک ہونے کا واقعہ کسی اور نبی کو پیش نہیں آیا۔‘‘

(دافع البلاء ٹائٹل ۳ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۲۰)

اب میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس عبارت میں جن الزامات سے مسیح کو بری قرار دیا ہے وہ وہی الزامات ہیں۔ جو اس سے پہلے ذکر ہوئے ہیں اور وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ امر خود حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں بالتصریح بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱...... حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا طریق تعلیم عطا کیا تھا جس سے بدبخت یہودی خیال کرتے تھے کہ وہ توریت کو چھوڑتا ہے اور الحاد کی راہ سے اس کے معنی کرتا ہے اور نیز کہتے تھے کہ اس شخص میں تقویٰ اور پرہیزگاری نہیں۔ کھاؤ پیو ہے اور برائیوں اور بدچلنوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور ان سے اختلاط کرتا ہے اور اجنبی عورتوں سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ نادان یہودیوں کے یہ اعتراضات آج تک ہیں کہ یسوع نے جس کو عیسائی اپنا خدا قرار دیتے ہیں۔ ناپاک عورتوں سے اپنے تئیں دور نہیں رکھا۔ بلکہ جب ایک زناکار عورت عطر لے کر اس کے پاس آئی تو اس کو دانستہ یہ موقع دیا کہ وہ حرام کی کمائی کا عطر اس کے سر کو ملے اور اس کے پیروں پر اپنے زینت کردہ بال رکھے اور ایسا کرنا

اس کو روانہ تھا...... یہ وہ اعتراض ہیں جو یہودیوں کی کتابوں میں لکھے ہیں...... ایسا ہی عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح پر جھوٹے الزام لگائے تھے کہ گویا انہوں نے نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور خداتعالیٰ نے حضرت مسیح کو اطلاع دی تھی کہ ایسے ایسے ناپاک الزام تیرے پر لگائے جائیں گے اور ساتھ ہی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بعد ایک نبی آخرزمان بھیجوں گا اور اس کے ذریعہ یہ تمام اعتراضات تیری ذات پر سے دفع کروں گا اور وہ تیری سچائی کی گواہی دے گا اور لوگوں پر ظاہر کرے گا تو سچا رسول ہے۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یعنی جب ہمارے نبی ﷺ دنیا میں آئے اور خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تو آپ نے حضرت مسیح کا دامن ہر ایک الزام سے پاک کر کے دکھلایا۔''

(تریاق القلوب حاشیہ در حاشیہ ص۱۴۲،۱۴۳، خزائن ج۱۵ ص۴۵۳،۴۵۵)

عیسائی بھی ان باتوں کو مانتے ہیں کہ مسیح نے شراب پی، خزینۃ الاسرار اور تفسیر انجیل متی ص۱۸۷ اور یوحنا یعنی یحییٰ ایسا نہ تھا (متی) ایک فاحشہ عورت نے یسوع کے پاؤں پر اپنے بال پونچھے (لوقا ۳۹/۷) اور بعض ایسی عورتوں جن کا مسیح سے کوئی جسمانی تعلق نہ تھا۔ آپ کی خدمت کرتی تھی (متی ۵۵/۲۷، لوقا ۳۲/۸) اور یوحنا سے مسیح کے بپتسمہ لینے کا ذکر دیکھو (لوقا باب نمبر۱ و یوحنا باب نمبر۱)

جب یہ معلوم ہوگیا کہ دافع البلاء کی عبارت میں جن قصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ عیسائیوں کے مسلّمات میں سے ہیں تالازماً ہمیں ماننا پڑا کہ یہاں عیسائیوں کو ان کے مسلمان کی بناء پر جواب دیا جارہا ہے کہ مسیح خدا تو کجا اپنے زمانہ کے اور راست بازوں سے بھی راست بازی میں بڑھ کر ثابت نہیں ہوئے اور اگر کہو کہ قرآن مجید کی رو سے ان کی تمام راست بازوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جس طریق پر تم فضیلت ثابت کرتے ہو۔ اس طریق پر یحییٰ کی مسیح پر فضیلت ثابت ہوئی ہے اور یہاں لفظ ''حصور'' کو خصوصیت سے اس لئے پیش کیا۔ کیوں کہ عیسائیوں نے اس لفظ سے یہ استدلال کیا تھا کہ حضرت یحییٰ آنحضرت ﷺ سے قرآن مجید کی رو سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک پادری نے اپنے رسالہ موسومہ ''دلائل اثبات رسالت عیسیٰ مسیح'' (دیکھئے ازالۃ الاوہام) میں یہ لکھا کہ: ''اگر محمد کی طرح کوئی شخص اس زمانہ میں ہوتا تو کوئی اس کو اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا۔ آیا وہ نہیں سمجھتا تھا کہ تجرد اچھا کام ہے۔ حالانکہ یحییٰ کی صفت میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ سردار تھا اور عورت کے پاس نہیں جاتا تھا اور نبی تھا نیکو کاروں میں سے۔ پس محمد کو اقرار تھا اس امر کا کہ یحییٰ اس سے پاک اور بزرگ تھا اور درحقیقت محمد کو یحییٰ سے کیا مناسبت تھی۔''

حضرت یحییٰ کی جو تعریف اس عبارت میں کی گئی ہے وہ آیت شریفہ سیداً وحصوراً ونبیاً من الصالحین کا ترجمہ ہے۔ اب مختاران مدعیہ سوچیں کہ عیسائی تو قرآن کو نہیں مانتا لیکن ان کو قرآن مجید میں سے حضرت یحییٰ کے متعلق جو لفظ حصور آیا تھا۔ اس کو لے کر کبھی آنحضرت ﷺ پر سخت توہین آمیز طعن کی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کی طرح ہوتا تو اس کو کوئی اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا اور حضرت یحییٰ ان سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ عورتوں سے بالکل ہی دور رہتے تھے اور آنحضرت عورتوں کے معاملہ میں اس کے بالکل ہی خلاف تھے۔ اسی وجہ سے یحییٰ کا نام تو قرآن مجید میں حصور رکھا گیا اور آنحضرت کو یہ نام نہ دیا گیا۔ پس اس طعن کو حضرت مسیح موعود نے عیسائیوں پر لوٹا دیا ہے کہ اے عیسائیو اگر تمہارا یہ اعتراض درست ہے کہ آنحضرت کا نام حصور نہ رکھا جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے اور یحییٰ کا نام حصور اس لئے رکھا گیا کہ وہ عورتوں سے دور رہتے تھے اور اس سے ان کی آنحضرت ﷺ پر افضلیت ثابت ہوتی ہے تو تمہیں یہ امر تسلیم کرنا چاہئے کہ حضرت یحییٰ حضرت مسیح سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ جن عورتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو ان کی عفیفہ اور صالحہ بیویاں تھیں۔ لیکن جن عورتوں کا حضرت مسیح کے ساتھ رہنا اور خلاملا کرنا تم مانتے ہو وہ ان کی بیویاں نہ تھیں، بلکہ بعض ان میں سے بدچلن اور بدکار عورتیں تھیں اور تم جانتے ہو کہ حضرت یحییٰ آبادی سے دور بیابان میں رہتے تھے۔ جہاں عورتوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح آبادی میں رہتے تھے اور عورتیں ان کے پاس آتی جاتی تھیں۔

پس تم کو ماننا چاہئے کہ اس وجہ سے خدا نے قرآن شریف میں یحییٰ کا نام حصور رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا کہ اس قسم کے قصے جن سے تم کو بھی انکار نہیں ہے۔ اس نام کے رکھے جانے سے مانع تھے۔ پس حضرت مسیح موعود نے اس جگہ عیسائیوں کے طرز استدلال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر حجت قائم کی ہے اور انہوں نے جو اعتراض آنحضرت ﷺ پر کیا تھا وہی ان پر لوٹا دیا ہے۔

اور ایسا ہی گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے مسلمہ مقتداء اور شیخ الہند مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر بیت اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام میں کیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا طعن کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے اور پھر بالکل اسی طرح عیسائیوں کی طعن ان پر لوٹائی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے دافع البلاء میں۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب (ازالۃ الاوہام ص۳۶۰) میں پہلے پادریوں کے طعن دوم ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

طعن دوم ''نبوت را پاکیزگی لازم است محمد پابند شہوات نفسانیہ بود کہ نہ ۹ زوجہ نمود'' اس کے بعد اس طعن کا جواب دیتے ہوئے ص۳۶۸ میں فرماتے ہیں: ''دریں طعن علمائے ایں فرقہ مسیحیہ چہ زباں درازیں است کہ بہ نسبت خیر البشر نکردہ اند اگرچہ دل مے سوزد دے خواہد کہ آں ہمہ را نقل کردہ الزاماً معکوس سازم مگر خوف طوالت مانع ازیں جہت ہمہ را گزشتہ فقط قول صاحب دلائل اثبات رسالت مسیح را کہ او موافق زعم خود تمسک بایں قرینہ نمودہ طعن مے نماید اکتفاء مے کنم۔''

اس عبارت کا ماحاصل یہ ہے کہ دل تو یہ چاہتا کہ علماء مسیحیہ کی ان زبان درازیوں کو جو اس طعن میں انہوں نے کی، نقل کر کے الزاماً ان پر لوٹ دوں۔ مگر خوف طوالت مانع ہے۔ اس لئے مصنف دلائل اثبات رسالت مسیح کے ایک طعن پر جو اس نے اپنے زعم میں آیت قرآنی سے تمسک کیا ہے۔ اکتفا کرتا ہوں۔ پھر آپ مؤلف مذکورہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''درآخر رسالہ خود بزبان اردو مے نگارد کہ ترجمۂ او ایں اگر شخصے مثل محمد دریں زماں مے بود کسے نزد خود اجازت نشستن او رانہ دادے وآیا او نمے فہمد کہ تجرد کار نیک است وحالانکہ درصفت یحییٰ درقرآن مے نویسد کہ او سرور خواہد بود و نزد زن رفت و نبی خواہد بود ازیں گاں۔ بس خود اقرار دارد بریں کہ یحییٰ از و پاک بود بزرگ محمد را با یحییٰ چہ مناسبت است۔''

اس عبارت کا اردو ترجمہ یعنی دلائل اثباۃ رسالت مسیح سے اوپر گزر چکا ہے۔ اس کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب ان کے اس طعن کو ان پر اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''آیا مسیح وحواریاں از توریت وکتاب القضات واقف نبودند کہ دانستند مے کہ شراب آں قدر نجس وبداست۔ آیا (مسیح وحواریاں) نمے دانستند کہ ریاضت وروزہ محمودہ است۔ چنانچہ یحییٰ وشاگردان او بعمل مے آرند۔ پس چرا دوام ایام خود را بے ریاضتی بسر مے بردند ودائم حریص اکل وشرب شراب بودند۔ آیا مسیح ایں قدر خیال نمے کردند کہ اجتناب از زناں اجنبیہ خصوصاً فاحشہ ضروریست ومحبت داشتن باز ناں نامحرم نباید۔ پس باقرار مسیح فضیلت یحییٰ بردر فضیلت شاگردان یحییٰ برشاگردان او ثابت شد۔ وفی الحقیقت مسیح وشاگردان اورا با یحییٰ وشاگردان او چہ مناسبت۔'' (ازالۃ الاوہام ص۳۷۱)

اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آیا مسیح اور حواری شراب کا نجس وبد اور عبادت روزے کا اچھا ہونا نہیں جانتے تھے۔ یحییٰ اور اس کے شاگرد تو روزہ رکھتے اور عبادت کرتے تھے۔ لیکن مسیح اور اس کے حواری کسی طرح بغیر عبادت کے بسر کرتے تھے اور نشہ کھانے اور شراب پینے کے حریص رہتے تھے۔ آیا مسیح اس قدر خیال نہیں کرتے تھے کہ اجنبی عورتوں خصوصاً حرام کاروں سے پرہیز ضروری ہے اور نامحرم عورتوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ پس باقرار مسیح اور ان کے شاگردوں کو یحییٰ اور ان کے شاگردوں سے کیا مناسبت۔

اب دیکھنا چاہئے کہ کیا یہ عبارت دافع البلاء کی عبارت کی طرح نہیں ہے اور کیا اس میں وہی طریق اختیار نہیں کیا گیا جو حضرت اقدس مسیح موعود نے استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں عبارتیں ایک ہی رنگ کی ہیں اور ایک ہی آیت کے متعلق ہیں اور جس طرح

حضرت اقدس کی عبارت ’’یہی وجہ‘‘ کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح مولانا رحمت اللہ مہاجر بیت اللہ کی عبارت میں فی الحقیقت کے الفاظ ہیں اور جس طرح مولانا کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا کر اسی طرح حضرت اقدس کی عبارت میں ’’یہی وجہ‘‘ کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے عیسائیوں کے معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے مقصد کی رو سے لکھا ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب اور مولوی آل حسن صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی جو عبارت پیش کی گئی ہے، وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور ان سے توہین لازم نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے تو لکھ دیا ہے کہ یہ بطور الزام کے ہم لکھ رہے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے تو یہ کہا ہے کہ میں یسوع کے متعلق یہ باتیں کہتا ہوں اور گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یسوع اور عیسیٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کی عبارتوں سے مسیح کی توہین لازم آتی ہے۔ اس کا جواب اگرچہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں تفصیل سے آچکا ہے۔ لیکن یہاں بھی اختصار سے ایک دو باتیں کہہ دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ اگر مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی اور مولوی آل حسن صاحب اور دیگر اشخاص کے خاص حضرت عیسیٰ کا نام لیتے اور عیسائیت وغیرہ ان کے معجزات جو قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ انہیں بھان متی کا تماشا کرنے والوں کے ہتھکنڈوں سے تشبیہ دینے میں حضرت مسیح کی اس وجہ سے توہین لازم نہیں آتی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں یہ لکھ دیا ہے کہ ہم الزامی طور پر یہ جواب دے رہے ہیں تو حضرت مسیح موعود نے یسوع کا نام لے کر جو لکھا اور یہ تصریح کر دی یہ کہ یہاں حضرت عیسیٰ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ باعث توہین ہو سکتی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کی توہین کیونکر لازم آئے گی۔ ضمیمہ انجام آتھم سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں مندرجہ ذیل عبارتیں قابل غور ہیں:

۱...... ’’ایک مردہ پرست فتح مسیح نام نے فتح گڑھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے اپنی پہلی بے حیائی کو دکھلا کر ایک گندہ اور بدزبانی سے بھرا ہوا خط لکھا ہے۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۳ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۸۷)

۲...... ’’یسوع کی تمام پیش گوئیوں میں سے جو عیسائیوں کا مردہ خدا ہے۔‘‘ (حاشیہ ص۴، خزائن ج۱۱ ص۲۸۸)

۳...... ’’ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیش گوئیاں اس کی خدائی پر دلیل ٹھہرائیں اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنالیا۔‘‘ (حاشیہ ص۴، خزائن ج۱۱ ص۲۸۸)

۴...... ’’متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔‘‘ (حاشیہ ص۵، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)

۵...... ’’ایک فاضل پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی تمام زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام بھی ہوا تھا۔‘‘ (حاشیہ ص۶، خزائن ج۱۱ ص۲۹۰)

۶...... ’’عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔‘‘ (حاشیہ ص۶، خزائن ج۱۱ ص۲۹۰)

۷...... ’’آپ کا یہ کہنا کہ میرے پیروز ہر کھائیں گے اور ان کو کچھ اثر نہیں ہوگا۔‘‘ (حاشیہ ص۷، خزائن ج۱۱ ص۲۹۱)

۸...... ’’افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔‘‘ (حاشیہ ص۷، خزائن ج۱۱، ص۲۹۱)

۹...... ’’آپ وہی حضرت ہیں جنہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ابھی تمام لوگ زندہ ہوں گے کہ میں پھر واپس آجاؤں گا۔‘‘ (حاشیہ ص۸، خزائن ج۱۱ ص۲۹۲)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب عیسائی ہیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق جو گندہ دہانی کی ہے تو الزاماً

ان کے رسول یسوع کے متعلق جسے وہ خدا بنا رہے ہیں یہ جوابات دیئے گئے ہیں اور حضرت مسیح موعود کا ایک جگہ ’’مگر حق بات یہ ہے‘‘ کہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے مولوی رحمت اللہ صاحب نے اس حوالہ میں جو اوپر گزر چکا ہے۔ فی الحقیقت کہا ہے اور گواہان مدعیہ نے باوجود اچھی طرح یہ جاننے کے کہ ان کے اکابر نے عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر اس قدر سخت کلمات استعمال کئے ہیں جن کے مقابلہ میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود کے ان الفاظ کی سختی جو آپ نے پادریوں کے فرضی یسوع کے متعلق لکھے ہیں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی اور باوجود اچھی طرح سے سمجھنے کے کہ جس طرح ان کے اکابر نے الزامی طور پر سخت الفاظ لکھے ہیں۔ اس طرح حضرت اقدس نے بھی الزامی طور پر لکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت مسیح موعود پر توہین حضرت عیسیٰ کا الزام لگا دیا۔ چنانچہ اس میں سے چند کلمات کا ذکر انہوں نے اپنے بیان میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر ۱،۲۔

اور حضرت مسیح موعود نے اسی حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم کے آخر میں جس کے کلمات پر گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے یہ تحریر فرمایا ہے: ’’بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی انہوں نے ناحق ہمارے نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس پلید، نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو زانی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں پس اس طرح اس مردود اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۹،۸ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۹۲،۲۹۳)

اور (انجام آتھم ص۱۳، خزائن ج۱۱ ص۱۳) پر بھی فرما دیا ہے: ’’اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹ مار کہا اور خاتم الانبیاء ﷺ کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔‘‘

پس آپ نے تصریح فرما دی کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے مسیح کے لئے نہیں جو خدا تعالیٰ کے ایک راست باز بندہ اور نبی تھا۔ بلکہ عیسائیوں کے اس فرضی اور موہوم یسوع کی نسبت ہے جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں۔ وہ خدا تھا اور خدائی صفات اپنے اندر رکھتا تھا اور یہ بھی فرض محال کے طور پر ہے۔ ورنہ ایسے یسوع کا بھی کوئی وجود نہیں ہے جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں: ’’مفرط فی المحبت اس کا محبّ نہیں جس کا محبت کا مدعی ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محبّ ہوتا ہے۔‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۴۵)

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں: ’’نصاریٰ جو دعویٰ محبت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے۔ کیونکہ دارومدار ان کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ سو وہ اپنی تصویر خیالی کو پوجتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص۲۴۵)

کیا مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت محولہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود نے حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم یا کسی اور کتاب میں جو کچھ عیسائیوں کے مفروضہ خدا کے متعلق لکھا ہے وہ ان کی ایک خیالی تصویر کے متعلق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق جو خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے۔ پس یہاں یہ سوال نہیں پیدا ہوسکتا کہ مسیح کا نام تو یسوع بھی تھا...... ہوا کرے۔ لیکن آپ نے دو یسوع کی صفات بیان کر کے تخصیص کر دی ہے کہ وہ یسوع مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو خدا ہونے کا مدعی تھا اور ایسے فرضی طور پر کلام کرنے کا ثبوت

گواہان مدعاعیہ نے اپنے بیانوں میں مثالوں کے ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعاعلیہ نمبر۱،۲۔

پس جس طریق پر حضرت مسیح موعود نے یسوع کے متعلق کلام کیا ہے۔ ایسے کلام کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا ذکر کر کے فرماتا ہے: ''**وقالوا اتخذ اللہ ولداً...... نجزی الظالمین** (الانبیاء)'' (اصل عبارت یہ ہے: ''**وقالوا اتخذو الرحمٰن ولدًا سبحٰنہ...... کذلک نجذی الظٰلمین** (الانبیاء:۲۶ تا ۲۹)'')

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کر کے جنہوں نے خدا کے لئے ولد بنایا ہے فرمایا ہے کہ خدا تو ''**اتخاذ ولد**'' سے پاک ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو خدا کا بیٹا بنایا ہے وہ خدا کے معزز اور مقرب بندے تھے اور پھر آخر میں فرمایا ہے کہ جو ان میں سے یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو اس کے اس بدلے میں جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح یہ سزا دیا کرتے ہیں۔

اب آخری کلام کہ جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں۔ ان لوگوں کے اعتقاد کی بناء پر کی گئی ہے کہ جنہوں نے خدا کے لئے ولد تجویز کیا تھا۔ ورنہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے لئے کوئی ولد نہیں اور نہ کسی نبی نے یہ کہا کہ میں خدا کا حقیقی ولد ہوں اور نہ ہی کسی نبی سے یہ ممکن ہے کہ وہ کہے میں خدا کے سوا معبود ہوں۔ جیسا کہ آیت: ''**ما کان لبشران یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنّبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی** (آل عمران:۷۹)'' سے ظاہر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کتاب حکم اور نبوت دیتا ہے۔ اس سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ نبی بھی ہو اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم مجھے خدا کے سواء معبود بناؤ اور تم میرے بندے بنو۔

پس جیسا کہ کسی نبی سے یہ متصور نہیں تھا کہ وہ لوگوں سے کہے کہ مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ تو پھر خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ یہ صرف فرضی طور پر ہے اور صرف ان لوگوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہے جنہوں نے بعض انبیاء کو خدا کے سوا معبود مانا تھا اور اگر جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے اس آیت میں ملائکہ بھی مراد لئے جائیں تو پھر بھی یہ کلام فرضی طور پر ہی ماننا پڑے گا اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جنہوں نے ملائکہ کو خدا کے سوا معبود بنایا ہے ان کے عقیدہ کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے ورنہ ملائکہ کی تو یہ صفت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی کام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ مسیح خدا ہے ذکر کر کے فرماتا ہے: ''**قل فمن یملک من اللہ شیأً ...... جمیعا** (مائدہ ۱۳)'' کہہ تو ان لوگوں کو جنہوں نے مسیح کو خدا بنایا ہے کہہ دے کہ کون روک سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے ذریعہ سے اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہے کہ مسیح اور اس کی والدہ اور تمام ان لوگوں کا جو زمین پر ہیں عذاب دے کر استیصال کر دے۔

تو یہاں بھی مسیح کے حق میں جو کلام کیا گیا ہے وہ بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ ورنہ ایک خدا کا نبی خدا کے عذاب میں کس طرح گرفتار ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا تعالیٰ اس کا استیصال کرے گا۔

پس حضرت مسیح موعود نے جہاں یسوع یا مسیح کے متعلق کلام کیا ہے تو وہ اسی فرضی یسوع اور مسیح کے متعلق ہے جو عیسائیوں نے خدا کے سوا معبود بنایا۔

حضرت مسیح موعود کے بعض حوالہ جات کہ فرضی یسوع مراد ہے حضرت عیسیٰ نہیں

۱...... حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح پر نہایت نیک عقیدہ ہے۔ ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک

مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین وآخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے اور ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا اور ایسے پاکوں کو جو ہزارہا درجہ اس سے بہتر تھے۔ گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے اور خدا کا عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس ۴۰ برس تک پادری صاحبوں کی گالیوں کو سن کر اختیار کیا ہے۔'' (تبلیغ رسالت ج۴ ص۶۵،۶۶)

۲...... ''ہمیں حضرت مسیح کی شان مقدس کا بہرحال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت ﷺ کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے۔'' (نور القرآن نمبر۲ ص۱، خزائن ج۹ ص۳۷۶)

۳...... اس رسالہ کے (ص۱۳) پر پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یقیناً جو کچھ تم مقدس نبی کی نسبت برا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔''

۴...... اور فرماتے ہیں: ''پڑھنے والوں کو چاہئے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ کو نہ سمجھ لیں بلکہ وہ ہمارے کلمات اس یسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن وحدیث میں نام ونشان نہیں۔'' (تبلیغ رسالت ج پنجم ص۸۰)

۵...... اور فرماتے ہیں: ''ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راست باز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔'' (کتاب البریہ ص۹۳، خزائن ج۱۳ ص۱۱۹)

۶...... اور فرماتے ہیں: ''ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راست باز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکا کھانے والا ہے اور جھوٹا ہے۔'' (ایام الصلح ٹائٹل ص۲، خزائن ج۱۴ ص۲۲۸)

۷...... اور فرماتے ہیں: ''حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ ہاں! چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لئے میں نے فرض محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راست باز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے۔ اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔''

(تریاق القلوب حاشیہ ص۷۷، خزائن ج۱۵ ص۳۰۵)

۸...... اور فرماتے ہیں: ''میں (مسیح ابن مریم کی) عزت کرتا ہوں جس کا ہم نام ہوں اور مفترا اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔'' (کشتی نوح ص۱۶، خزائن ج۱۹ ص۱۷)

۹...... اور فرماتے ہیں: ''اور یاد رہے کہ ہم عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں اور ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آج کل شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دکھلانا منظور ہے کہ جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی

انجیل پر حملے کرتے تھے۔اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن اور آنحضرتﷺ پر کرتے ہیں۔عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔‘‘ (چشمہ مسیحی مقدمہ ص ج،خزائن ج۲۰ص ۳۳۶،۳۳۷)

۱۰…… اور فرماتے ہیں:’’ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی میں معہ تمام لوازم کے کیا ہے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج ششم ص ۳۲،مجموعہ اشتہارات ج۲ص ۳۳۲،اشتہار ۲۸؍فروری ۱۸۹۷ء)

۱۱…… اور فرماتے ہیں:’’ھٰذا ماکتبنا من الاناجیل علٰی سبیل الالزام…… کرام‘‘ (البلاغ حاشیہ ص ۷۹،خزائن ج۱۳ص ۴۵۱)

(ترجمہ) یعنی جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اناجیل سے بطور الزامی جواب کے لکھا ہے ورنہ ہم خود حضرت مسیح کی عزت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ آپ متقی اور معزز انبیاء میں سے تھے۔

حضرت مسیح نبی اللہ ہیں

۱…… ’’اس بات میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح سچے نبی ہیں۔‘‘ (اربعین نمبر۲ص ۲۵،خزائن ج۱۷ص ۳۷۲)

۲…… اور فرماتے ہیں:’’اس لئے ظاہر پرستی کی شامت سے یہودیوں کو دو سچے نبیوں کی نبوۃ سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور یحییٰ سے۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۱۷۱،خزائن ج۳ص ۲۳۷)

۳…… اور فرماتے ہیں:’’اور اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ مجھے صاف طور اللہ جل شانہ نے فرمادیا ہے کہ حضرت مسیح بلاتفاوت ایسا ہی انسان تھا جیسا کہ اور انسان۔مگر خداتعالیٰ کا سچا نبی اور اس کا مرسل اور برگزیدہ ہے۔‘‘ (حجۃ الاسلام ص ۹،خزائن ج۶ص ۴۹)

۴…… اور فرماتے ہیں:’’اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ (یعنی مسیح) سچے نبی ضرور تھے۔رسول تھے،خداتعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے۔‘‘ (حجۃ الاسلام ص ۳۱،خزائن ج۶ص ۶۶)

۵…… اور فرماتے ہیں:’’اس وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی تھے اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے پاک ہیں جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائیں گئیں۔‘‘ (اعجاز احمدی ص ۱۳،خزائن ج۱۹ص ۱۲۰)

۶…… اور فرماتے ہیں:’’حضرت عیسیٰ بے شک خدا کا پیارا نبی تھا نہایت اعلیٰ درجہ کے اوصاف اپنے اندر رکھتا تھا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات مرتبہ مفتی محمد صادق ص ۱۵۳)

۷…… اور فرماتے ہیں:’’حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں۔خدا کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ایک عاجز انسان ہیں۔ہاں! نبی اللہ بے شک ہیں خداتعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔‘‘ (جنگ مقدس ص ۵۰،خزائن ج۶ص ۱۳۷)

۸…… اور فرماتے ہیں:’’ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بے گانہ عورت پر آپ عاشق ہوئے تھے لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔آپ خدا کے رسول اور پیارے تھے۔خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر تہمت لگاتے ہیں۔‘‘ (اعجاز احمدی ص ۲۵،خزائن ج۱۹ص ۱۳۴)

۹…… اور فرماتے ہیں:’’حضرت عیسیٰ خدا نہیں وہ صرف ایک نبی ہے۔ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں اور بخدا میں سچی محبت اس سے رکھتا ہوں جو تمہیں ہرگز نہیں اور جس نور کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں۔تم ہرگز اسے شناخت نہیں کرسکتے۔اس میں کچھ فضیلت نہیں کہ وہ ایک خدا کا پیارا اور برگزیدہ نبی تھا اور ان میں سے تھا جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہوتا ہے اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں۔‘‘ (دعوت حق تتمہ حقیقت الوحی ص ۵،خزائن ج۲۲ص ۶۱۷)

۱۰...... اورفرماتے ہیں: ''یادرہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اوران کو خداتعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آج کل شائع ہوتے ہیں۔'' (چشمہ مسیحی ص ج، خزائن ج۲۰ص ۳۳۶،۳۴۷)

ان تمام حوالہ جات سے بصراحت ووضاحت ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ کو خداتعالیٰ کا نبی اورراست باز اور مقربان بارہ گاہ الٰہی سے سمجھتے تھے اوران کی نبوت پر ایمان لاتے تھے اوران کے متعلق آپ نے کسی قسم کا توہین آمیز لفظ استعمال نہیں کیا۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو توہین حضرت عیسیٰ کا مرتکب قرار دے اور مختار مدعیہ کا باوجود مذکورہ بالا واضح عبارتوں کے یہ اعتراض کرنا کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے نہ صرف دیانت اورامانت ہی کے خلاف ہے۔ بلکہ گواہ مدعیہ نمبر۱ کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس نے ۲۰؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کردیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اس کی دیگر تصانیف کو دیکھ کر اس کا صحیح عقیدہ معلوم کیا جائے۔

پس اسی اصل کی رو سے بھی دیکھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے، بالکل لغو اور باطل ہے اور جو اعتراض مختار مدعیہ نے معجزات مسیح کے متعلق کیا ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعاعلیہ کے بیان میں موجود ہے۔

لازم مذہب، مذہب نہیں ہوتا

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر بہت سے الزامات آپ کی عبارتوں سے غلط استنباط کرکے لگائے ہیں۔ چنانچہ ۹؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے:

۱...... مرزاصاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم نہیں آسکتے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں اوراگر نازل ہوں تو وہ امتی ہوں گے اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ رحمانی دین کے لئے ضروری ہے کہ اس میں امتی نبی آئیں اور نبی امتی بن نہیں سکتا۔ لازم آیا کہ اسلام اور باقی سب ادیان شیطانی اور لعنتی ہوں۔ جب مرزاصاحب کے اقرار سے اسلام لعنتی دین ہوا تو اپنے اقرار سے آپ کافر ہوئے۔ لہٰذا نکاح فسخ ہوا۔ حالانکہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی عبارت سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ کی تحریرات کا یہ منشاء ہے کہ اگر ایک مستقل نبی کا دوبارہ آنا مانا جائے تو یہ ماننا اس کے سواء اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ اس کے امتی نبی ہونے کا یقین کیا جائے اوراس کا امتی نبی ہونا محال ہے۔ کیونکہ امتی کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اس نے تمام کمالات ومراتب دوسرے کی اتباع سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن حضرت عیسیٰ پر یہ تعریف صادق نہیں آسکتی۔ البتہ ایک امتی شخص نبی ہوسکتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کی برکت سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ خداتعالیٰ اسے عندالضرورت نبوت کے مقام پر سرفراز فرمائے اوردین کی اصلی غرض خداتعالیٰ سے ملانا اوراس کے قرب کی راہیں بتا کر منزل مقصود تک پہنچانا ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ جس دین کی متابعت سے انسان اپنے محبوب ازلی سے ہم کلام نہیں ہوسکتا وہ دین دین ہی نہیں ہے اور نیز آپ نے اپنی کتب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ حقیقی طور پر جس کی پیروی کرنے والا انسان اپنے خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرسکتا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''آپ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں اوردوسرے ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے وہ انہی کے فیض اورانہی کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔'' (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۹، خزائن ج۲۳ ص۳۸۰)

اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزاصاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تشریف لانا آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے اور

اسلام کی بربادی تو ان سے زیادہ درجہ رکھنے والے کا آنا کیوں اسلام کی بربادی اور آنحضرت ﷺ کی ہتک نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ جیسے گھٹیل نبی کے آنے سے آنحضرت ﷺ کی ہتک اور اسلام کی بربادی ہو جاتی ہے تو ان سے افضل نبی کے آنے سے تو بہت ہتک اور بہت زیادہ بربادی ہونی چاہئے۔

۲...... مختار مدعیہ کا یہ استنباط بھی صریح طور پر غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مستقل نبی ہیں ان کے آنے سے تو آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت ٹوٹتی ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد روحانی اتنی ناقص ہے کہ اس میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو امت محمدیہ کی اصلاح کر سکے۔ بلکہ اس امت کو دینی اصلاح کے لئے ایک ایسے نبی کا محتاج ماننا پڑتا ہے جو مستقل نبی ہے اور اس کی نبوت آنحضرت ﷺ کی اتباع کے نتیجہ میں بطور انعام نہیں ملی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کے بعد مستقل نبوت کو ماننے سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود جس نبوت کو اپنے لئے ثابت کرتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع اور فیضان کا نتیجہ ہے اور آپ حضور کے روحانی بیٹے ہیں اور آپ کو جو کمالات حاصل ہوئے ہیں وہ آنحضرت ﷺ ہی کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ظلی طور پر حاصل ہوئے ہیں۔

۳...... مختار مدعیہ نے (آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۳، خزائن ج۵ ص۳۴۳) کا حوالہ پیش کر کے کہا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی روح تین دفعہ جوش مارے گی۔ اس عبارت میں مرزا صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور رسول مقبول آپ کے ظل ہیں اور نیز لازم آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ ایک ہوئے اور حضرت مسیح کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس سے ہر شان میں بڑھ کر ہوں تو مرزا صاحب رسول مقبول سے ہر شان میں بڑھ کر اور افضل ہوئے اور یہ صریح کفر ہے۔ مختار مدعیہ نے جو نتائج مذکورہ بالا عبارت سے نکالے ہیں وہ بالکل غلط اور باطل ہیں اور حضرت مسیح موعود کے وہ عقائد نہیں ہیں۔ آئینہ کمالات اسلام میں نہ ایک جگہ بلکہ متعدد مقامات پر آنحضرت ﷺ کے سردار انبیاء اور افضل الانبیاء ہونے کا ذکر موجود ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کا اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس کسی کی قوم کا گمراہ ہونا اور اس کے لئے اس کی روح کا جوش مارنا تا کوئی اس کی قوم کی اصلاح کرے۔ اس کی فضیلت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

۴...... اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے (آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۶، خزائن ج۵ ص۳۴۶) پر لکھا ہے: ''یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح بہت دفعہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوئی اور اس نے حلول کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہزاروں نبی ہوئے۔'' اور مرزا صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''اس امت میں میں ہی نبی قرار دیا گیا ہوں۔ کوئی نبی بھی نہ ہوا۔ یہ بھی جھوٹ ہے تو یہ صریح کفر اور ارتداد ہے اس لئے نکاح فسخ ہوا۔''

آئینہ کمالات اسلام کی مذکورہ بالا عبارات میں نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اپنے پاس سے اس عبارت کا ایک مفہوم وضع کر کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے دیا ہے۔

۵...... مختار مدعیہ نے ۱۲؍اکتوبر کی بحث میں دافع البلاء کا حوالہ پیش کر کے مندرجہ ذیل نتائج نکالے ہیں:

(۱) خدا خدائی کے قابل نہیں۔ (۲) عیسیٰ نبوت کے قابل نہیں۔ (۳) نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بدمعاش اور رنڈی بازوں کو بھی مل جاتا ہے۔ اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتبہ نبوت کی کھلی توہین ہے۔ اس سے مرزا صاحب کافر و مرتد ہوئے اور اسی طرح کیا ہے اور چونکہ بعث من القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کروڑوں کیا اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا بے شمار وجوہ سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت کا ہی انکار ہے تو حوض کوثر ''انا اعطینک الکوثر'' کا بھی انکار ہوا اور وہ بھی کفر ہے۔ جب قیامت ہی نہیں تو شفاعت کبریٰ جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیات

سے ہے وہ بھی گئی۔ جب جنتی جنت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں تو پل صراط بھی ندارد ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو مختار مدعیہ نے از راہ افتراء حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کر دی ہیں اور ایسی باتیں جو کسی شخص کے کلام سے اس کی منشاء اور تصریحات کے خلاف نکالی جائیں لازم مذہب کہتے ہیں اور اس طرح لازم مذہب پر تکفیر کرنے والوں کے متعلق ائمہ سلف صالحین نے تحریر فرمایا ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۲۸) میں ہے: ’’**والصحیح ان لازم المذهب لیس بمذهب وانه لا کفر بمجرد اللزوم**‘‘ کہ صحیح بات یہ ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا اور مجرد لزوم سے کفر لازم نہیں آتا۔

اور اسی طرح امام ابن حزم لکھتے ہیں: ’’**واما من کفر الناس بما تؤول الیه اقوالهم فخطاء لانه کذب علٰی الخصم وتقیل له مالم یقل به من الکفر**‘‘ (کتاب الفصل فی الملل والنحل ج۳ ص۲۵۰)

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے لوگوں کی ان کے اقوال سے نتائج اور لوازم نکال کر تکفیر کی ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ وہ مدمقابل پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو اس نے نہیں کی اور اگر اس سے وہ بات لازم بھی آئے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تناقض ثابت ہوگا اور تناقض کفر نہیں ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ کفر سے دور بھاگ گیا۔

اور خود مختار مدعیہ نے بھی اپنے مکفرین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: ’’تکفیر صراحت کی بنا پر ہے، لزوم میں تکفیر خان صاحب (بریلوی) کے نزدیک بھی نہیں ہوسکتی۔‘‘ (الطین اللازب ص۳، مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ نمبر۲)

اور اس کتاب کے ص نمبر۱۳ پر لکھتے ہیں کہ: ’’اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور بفرض محال مان بھی لیں کہ وہ کفریات بطریق کنایہ یا لزوم ان عبارات سے ثابت بھی ہوتے ہیں تو گفتگو اس میں ہے کہ خان صاحب کا لزوم اور کنایہ پر بھی کفر کا فتویٰ ہوتا ہے۔‘‘

اور لکھتے ہیں: ’’اور اگر وہ عبارات جن کی صراحت کا دعویٰ کیا ہے نہ دکھا سکیں تو اس مضمون ہی کو دوسری عبارت صحیحہ میں دکھا دیں۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو ان مضامین کو بطریق لزوم ہی ثابت کر دیں گے گو لزوم مثبت تکفیر نہیں۔‘‘ (تزکیۃ الخواطر ص۱۴، مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ نمبر۲)

اور (ص۱۵) پر لکھتے ہیں: ’’تکفیر تو ان امور کی تصریح اور صراحت پر موقوف ہے اور صراحت بھی ایسی جس میں جانب مخالف ضعیف سا احتمال بھی نہ ہو۔ حالانکہ جن عبارات کو کتب مذکورہ سے خان صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ ان عبارات میں ان معانی کا ضعیف سے ضعیف بھی احتمال نہیں اور اگر مصنفین کے حالات اور سیاق وسباق کلام کے مقدم ومؤخر کو دیکھا جائے تو ان معانی کفریہ کی بو بھی نہیں۔ بلکہ خلاف کی تصریح، پھر یہ تکفیر بے جا اور گناہ کبیرہ اور جہل وناواقفیت ہوائے نفس، حب جاہ، عداوت اسلام وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہے۔‘‘

اور (ص۱۷) پر لکھتے ہیں: ’’اگر مضامین کفریہ صراحتاً تو نہ ہوں۔ مگر احتمال اور لزوم کے طور پر ہوں تب ایسی صورت میں قاضی ومفتی کو تکفیر حرام وناجائز ہے۔ جب تک کہ قائل کی مراد معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے معنی کفریہ ہی مراد لئے ہیں۔‘‘

پس مختار مدعیہ کا یہ کہہ کر کہ ان اقوال سے یہ امور لازم آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی تکفیر کرنا جب کہ ان اقوال میں معانی کفریہ کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ مصنف کے حالات اور ان کتب کے مطالعہ اور ان عبارات کے سیاق وسباق سے اس کے خلاف صراحت سے ثابت ہوتا ہے۔ (۱) تکفیر بے جا۔ (۲) گناہ کبیرہ اور (۳) جہل وناواقفیت۔ (۴) ہوائے نفس۔ (۵) حب جاہ۔ (۶) عداوت اسلام وغیرہ وغیرہ! نہیں تو اور کیا ہیں۔ مختار مدعیہ حضور مسیح موعود کی کسی کتاب سے قیامت تک یہ نہیں دکھا سکتے کہ آپ نے قیامت سے انکار کیا ہے یا پل صراط یا بعث بعد الموت یا دیگر امور آخرت سے انکار کیا ہے یا اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر فضیلت دی ہو یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کیا ہو۔ پس قائل کی منشاء کے خلاف اس کے قول کا مفہوم لے کر تکفیر کرنا سوائے ان لوگوں کے جو تکفیر کے عادی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں کسی ایماندار شخص کا کام نہیں۔

توہین صحابہ ؓ کا الزام اوراس کا جواب

مختار مدعیہ نے صحابہ کے توہین کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے کہ آپ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا ہے کہ جوشخص میری جماعت میں داخل ہوا۔ وہ درحقیقت میرے سردار خیرالمرسلین کے صحابہ ؓ میں داخل ہوا یعنی غیر صحابہ کو صحابہ کے ساتھ شریک کردینا یہ صحابہ کی سخت توہین ہے۔ لیکن اکابر بزرگان اسلام نے امام مہدی کو نبی کریم ﷺ کا بروز مانا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی کی روحانیت تھی جو آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ ہی کی روحانیت بصورت حضرت مہدی ظاہر ہوگی۔ پس اسی روحانیت اور بروزیت کے لحاظ سے مہدی کے اصحاب کو آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں داخل ہونے والا کہنا صحابہ کی توہین کا موجب کیوں ہونے لگا۔ صحابہ میں داخل ہونے کا تو یہی مطلب ہے کہ انہیں بعض امور میں صحابہ سے مشابہت حاصل ہوگئی تھی اس سے توہین کا کیا تعلق، نبی کریم ﷺ نے ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل '' فرما کر علماء امت کو انبیاء بنی اسرائیل کا شبیہ ومثیل قرار دیا ہے۔ کیا اس سے انبیاء بنی اسرائیل کی توہین ہوگی۔ اگرنہیں تو کسی کے مثیل وشبیہ صحابہ ہونے سے صحابہ کی توہین کیا معنی۔ آنحضرت ﷺ نے تو اپنی امت کے دوگروہوں کے لئے کہ ایک ان میں وہ ہے جس میں خود حضور بنفس نفیس تشریف فرما تھے اور ایک وہ جو آخری زمانہ میں ہونے والا تھا۔ یہ فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔''لایدری اولہ خیر ام آخرہ ''(مشکوۃ ص۵۸۳) جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری تو کیا مختار مدعیہ یہ فتویٰ لگائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے آخری گروہ کو صحابہ کے ساتھ اتنا ہم رنگ قرار دے کر کہ گویا ایک ہی ٹھہرا کر یہاں تک فرمادیا کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون بہتر ہے اور کون نہیں ہے۔ یعنی دونوں ہی بہتر ہیں۔ اپنے اصحاب کی توہین کی ہے اور غیر صحابہ کو صحابہ سے ملادیا ہے جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفروارتداد ہے۔''استغفر اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ '' امید ہے کہ اب مختار مدعیہ نے جس امر پر اعتراض کی ہے وہ صحابہ کی توہین سے تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو پھر اس کو دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب خلیفہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ کا یہ شعر دیکھ لینا چاہئے جوانہوں نے اپنے پیرومرشد مولوی رشید احمد صاحب کی وفات پر لکھا ہے:

زبان پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ہبل شاید   اٹھا عالم سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی

پس جب مولوی رشید احمد کو سیدالاوّلین والآخرین افضل المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ثانی کہنے سے مختار مدعیہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ہتک نہیں ہوتی تو امت محمدیہ میں سے کسی کے مثیل صحابہ ہونے سے ہتک کے کیا معنی۔

اہل بیت کی توہین

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر توہین اہل بیت کا لگایا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تو فرمایا ہے۔ میرے اہل بیت کی کشتی نوح کی مثال ہے۔ لیکن چونکہ مرزا صاحب نے اپنے تعلیم کو کشتی نوح قرار دیا ہے۔ لہٰذا اہل بیت کی توہین ہوگئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم جس کو آپ نے کشتی نوح قرار دیا ہے وہ یہی تعلیم ہے کہ:''نوع انسان کے لئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ۔ سو تم کوشش کرو کہ تم سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی برائی مت دو تا کہ تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔''   (کشتی نوح ص۱۳، خزائن ج۱۹ص۱۳)

اگر اس تعلیم کو بحکم خداوندی کشتی نوح قرار دینے سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے تو اہل بیت کو کشتی نوح قرار دینے سے اصل

کشتی نوح کی ضرور توہین لازم آئے گی۔ پس مختار مدعیہ کے طرز استدلال سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ فتویٰ کہاں جا کر لگتا ہے۔

امام حسین کی توہین

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں امام حسین کی توہین کی ہے اور ان پر اپنے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ امر امام حسین کی توہین کا موجب ہے۔ یاد رہے کہ اعجاز احمدی میں ان غالی شیعوں سے خطاب ہے جو مشرکوں کی طرح امام حسین سے مرادیں مانگتے اور ان کو تمام مخلوق کا سردار تمام انبیاء سے افضل اور سب کا شفیع اور منجی ٹھہراتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی شفاعت کا محتاج بتاتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہو، اس کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں۔ کیونکہ کہ ایسے موقعوں پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بغرض توہین نہیں ہوتا۔ بلکہ بغرض اصلاح عقائد مخاطب ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۃ العلوم دیوبند (ہدیۃ الشیعہ ص۱۴۰) میں فرماتے ہیں: ’’اہل ہند جو تمام ولائتوں کے لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں۔ ان میں کوئی بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے بیٹی نہیں دیتا۔ جیسا کہ حضرت امیر (حضرت علی ؓ) نے اپنی بیٹی کو حضرت عمر ؓ کے حوالے کر دیا۔ آپ بھی دیکھتے رہے اور صاحبزادے بھی، پھر صاحبزادوں میں بھی ایک وہ تھے جنہوں نے تیس ہزار فوج جرار کا مقابلہ کیا۔‘‘ پس اگر حضرت اقدس کا غالی شیعوں کے مقابلہ میں کچھ لکھنا حضرت امام حسین کی توہین کا موجب ہے تو محمد قاسم بانی مدرسۃ العلوم دیوبند کا وہ لکھنا جو ابھی نقل کیا گیا ہے نہ صرف حضرت امام حسین ؓ بلکہ ان کی ہمشیرہ ؓ اور بڑے بھائی حضرت امام حسن ؓ پھر والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ہتک اور توہین کا موجب ہوگا اور یہ توہین اس توہین سے جس پر مختار مدعیہ معترض ہے پنج گونہ زیادہ ہوگی اور اگر مولانا محمد قاسم کا لکھنا موجب توہین نہیں تو حضرت اقدس کا لکھنا موجب توہین کیوں۔ رہا فضیلت کا اعتراض تو ایک کی فضیلت سے دوسرے کی توہین کا نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔ بعض انبیاء کی بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت مسلمہ فریقین ہے۔ لیکن ان دوسرے انبیاء کی اس سے کوئی توہین اور ہتک نہیں ہونی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ کا تمام انبیاء علیہم السلام سے عموماً اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام سے خصوصاً افضل ہونا مسلم ہے۔ لیکن کیا اس سے تمام انبیاء علیہم السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک ہوجاتی ہے۔ امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے تو کیا اس سے تمام امتوں کی توہین ہوگئی ہرگز نہیں۔

اور امام مہدی کے متعلق تو تمام اکابر علماء، صلحاء واولیائے امت نے تسلیم کیا ہے کہ وہ صحابہ بلکہ بعض انبیاء بھی افضل ہے۔ جیسا کہ نواب صدیق حسن خان نے (حجج الکرامہ ص۳۸۶) میں امام محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے اور شرح فصوص الحکم میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ مہدی جو آخر زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں آنحضرت ﷺ کے تابع ہوں گے اور معارف اور علوم اور حقیقت کے علم میں تمام انبیاء واولیاء اس کے تابع ہیں۔ کیونکہ اس کا باطن محمد رسول اللہ ﷺ کا باطن ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ نمبر۱۔ پس اگر کلام ہوسکتا ہے تو اس امر میں ہے کہ وہ مہدی کون ہے نہ اس میں کہ اس کا امت محمدیہ کے بزرگوں میں دوسروں سے افضل ہونا۔ ان دوسروں کی ہتک کا موجب ہے کیونکہ اس کے افضل ہونے کو تو اکابر صلحاء واولیائے امت نے تسلیم کیا ہے اور اس کے دوسروں سے افضل ہونے سے دوسروں کی ہتک کا خیال باطل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نے اعجاز احمدی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بغرض توہین ہرگز نہیں۔ بلکہ بلحاظ حمایت حق اور تائید توحید ہے اسی وجہ سے حضور نے (اعجاز احمدی ص۳۸، خزائن ج۱۹ ص۱۴۹) میں فرمایا ہے جس کو مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے کہ: ’’میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین کے متعلق لکھا ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے یہ انسانی کارروائی نہیں۔ خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین ؓ جیسے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جیسے راستبازوں پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید ’’من عاد ولیا لی‘‘ دست بدست اس کو پکڑ

لیتا ہے۔ پس مبارک وہ جو آسمان کے مصالح کو سمجھتا ہے اور خدائی حکمت عملیوں پر غور کرتا ہے۔‘‘

پس حضرت مسیح موعود کا یہ کلام تو بتائید توحید اور بتائید امر حق لکھا گیا ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب (ہدیۃ الشیعہ ص ۳۴۶) میں لکھتے ہیں: حضرت ہارون علیہ السلام کا بچھڑے کو پوجنے کے مقدمے میں بے قصور ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اور پھر بایں ہمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان پر غصے ہونا یہاں تک حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کھینچنے تک نوبت آئی۔ خود کلام اللہ میں ہی موجود ہے۔ سو جب حضرت ہارون علیہ السلام تو ہوں بے قصور کہ وہ بے قصور تھے ہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ اپنے عندیہ میں بے جا غصے نہیں ہوئے تھے بلکہ بایں نظر کہ ان کے بڑے بھائی پر غصے ہونے کا کوئی منصب نہیں دیا۔ مگر خدا واسطہ کی بات نہ ہوتی تو حضرت ہارون علیہ السلام ان کا خون بھی کردیتے تو دم نہ مارتے۔　　(ہدیۃ الشیعہ ص ۳۴۶)

پس اسی طرح حضرت مسیح موعود کا مقصود ان لوگوں کے مقابلہ میں جو حضرت امام حسین کو منجی اور شفیع قرار دیتے ہیں کہ شرک تک نوبت پہنچاتے ہیں اور انہیں تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ٹھہراتے ہیں۔ بتائید توحید اور بتائید حق ہے نہ بغرض توہین ورنہ حضرت اقدس حضور مسیح موعود فرماتے ہیں:

جان ودلم فدائے جمال محمد است　　خاکم نثار کوچہ آل محمد است

(درثمین فارسی ص ۶۹)

اور اسی طرح (اعجاز احمدی ص ۳۸، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۹) میں ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے آپ حضرت امام حسین کے متعلق ’’راست باز‘‘ اور ’’رضی اللہ عنہ‘‘ کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسی طرح (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۴، خزائن ج ۵ ص ایضاً) پر آپ فرماتے ہیں:

’’اور اسی طرح علماء کی عادت رہی اور ایسے سعیدان میں سے بہت ہی کم نکلے جنہوں نے مقبولان بارگاہ الٰہی کو وقت پر قبول کرلیا۔ امام کامل حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک یہی سیرت اور خصلت ان ظاہر پرست مدعیان علم کی چلی آئی کہ انہوں نے وقت پر کسی مرد خدا کو قبول نہیں کیا۔‘‘

پس اعجاز احمدی میں حضرت اقدس نے جو کلام کیا ہے وہ ان شیعوں کے مقابلہ میں ہے جو امام حسین کو انبیاء سے بڑھ کر اور تمام مخلوقات سے افضل بتاتے ہیں اور ایسے رنگ میں ہے جس رنگ میں کہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیگر علماء نے بھی ان کے متعلق کلام کی ہے۔ اسی طرح ’’صد حسین است درگریبانم‘‘ (نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷) سے امام حسین کی کوئی توہین لازم نہیں آتی بلکہ ان میں دشمنوں کی ایذاء رسانی کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح کربلا میں یزید کے لشکروں نے حضرت امام حسین پر ظلم کیا تھا اور سخت ایذاء پہنچائی تھی اسی طرح آج میں اپنے آپ کو ہر آن کربلا میں پاتا ہوں۔ یعنی میرے دشمن میرے لئے مصائب کا نت نیا شاخسانہ کھڑا کرتے رہتے ہیں۔ پس ان دشمنوں کو ہر روز نئی ایذاء رساں تدبیروں کے مقابلہ میں گویا میں ان کے لئے ہر روز ایک نیا حسین ہوتا ہوں اور اس شعر کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ میری جماعت کے بہت سے افراد مصائب وآلام کا نشانہ بنائے جائیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح مظلومانہ حالت میں قتل کئے جائیں گے۔ پس اس شعر میں توہین کیسی۔ اس میں تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کی نظر میں حضرت امام حسین اور آپ کے واقعہ شہادت کی عظمت نہ ہوتی تو آپ اپنی اس مصیبت اور شدت کے ظاہر فرمانے کے لئے جو قوم کی طرف سے آپ کو پہنچی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مثال کیوں دیتے۔ صد حسین است درگریبانم کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ قوم کی مخالفت اور یورش نے ایسی شدت اختیار کرلی ہے کہ میں صد حسین است درگریبانم کا مصداق ہورہا ہوں اور یزیدی الطبع مخلوق نے مجھ پر اس طرح حملہ کیا ہے کہ جس طرح میرے گریبان میں سو حسین ہیں جن کے ایذاء دینے اور قتل کرنے کے لئے وہ آمادہ ہیں اور واقعہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کی

عظمت ظاہر کرنے کے لئے (ازالہ اوہام حاشیہ ص۶۹، خزائن ج۳ ص۱۳۶) میں تحریر فرماتے ہیں: ’’حضور امام مظلوم حسین ؓ کا مظلومانہ واقعہ اﷲتعالیٰ کی نظر میں بہت عظمت ووقعت رکھتا ہے۔‘‘ اور فرماتے ہیں: ’’حضور امام مظلوم حسین ؓ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیش گوئی اشارہ کی طرز میں حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے اس کی عظمت ووقعت دلوں میں بیٹھ جائے۔‘‘

(ازالہ اوہام حاشیہ ص۱۷۰، خزائن ج۳ ص۱۳۷) اور پھر آپ امام موصوف کے لئے فرماتے ہیں: ’’بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا۔ اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کے تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر واستقامت اور زہد وعبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔‘‘

(اشتہار تبلیغ الحق، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۴۵) ’’کیا جس کی تحقیر وتذلیل وہتک وتوہین منظور ہو، اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے حالات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں۔‘‘

اولیاء کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے مندرجہ ذیل شعر:

تکدر ماء السابقین وعیننا　　الیٰ آخرہ الایام لاتتکدرہ

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص۵۸، خزائن ج۱۹ ص۱۷۰) سے تمام اولیائے کے متعلق کہا ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر وغیرہ کے چشمے خشک ہوگئے اور اس میں اجمالی طور سے تمام اولیاء کی توہین کی ہے۔

اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مختار مدعیہ کے نزدیک پہلے ادیان جیسے دین موسوی اور دین ابراہیمی وغیرہ دین اسلامی سے منسوب ہوگئے تو گویا دین اسلام نے آکر ان سب کی توہین کی ہے اور رسول اﷲﷺ چونکہ تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ اس لئے گویا آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے۔ اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال اختیار کی جائے تو دنیا کا نہ کوئی ولی ایسا ہوسکتا ہے نہ نبی اور رسول۔ جسے دوسروں کی توہین کا مرتکب نہ ماننا پڑے۔

کیونکہ اگر حضرت اقدس کے مندرجہ بالا شعر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور دوسرے اولیاء کی توہین لازم آتی ہے تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے شعر:

افلت شموس الاوّلین وشمسنا　　ابداً علیٰ افق العلیٰ لاتغرب

سے اولیاء ماسبق کی توہین لازم آئے گی کیونکہ اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ پہلوں کے تو سورج غروب ہوگئے۔ لیکن ہمارا سورج بلندی کے افق پر چمکتا رہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔ اب اس شعر میں اوّلین کا لفظ ہے جو ان تمام لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دوسرے اولیاء بلکہ پہلے انبیاء بھی شامل ہوجاتے ہیں تو کیا مختار مدعیہ اس شعر کی عمومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر اولیاء کی توہین کا مرتکب مان کر کافر ومرتد قرار دے گا۔ اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا یہ قول کہ: ’’قدمی ہٰذا علی رقبۃ کل ولی‘‘　　(مقامات امام ربانی)

کہ میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔ لفظ کل میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر تمام اولیاء شامل ہیں۔ کیا مختار مدعیہ یہاں بھی عمومیت کو لے کر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو کافر ومرتد قرار دے گا۔ اگر نہیں اور یقیناً انہیں کافر ومرتد قرار نہیں دے گا تو کیا وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح موعود کے شعر میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو انہیں موجب توہین گردان کر کفر وارتداد کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ پہلے اولیاء وغیرہ نے جو طرق نکالے تھے وہ سب طرق اب بند کئے گئے ہیں۔ ان کوئی شخص ان

طرق کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ میرا طریق اختیار نہ کرے جو طریقہ مرے سید و مولیٰ محمد ﷺ کا تھا۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے اس قول پر بھی اعتراض کیا ہے کہ: ''غرض اس حصہ کثیر وحی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔'' (حقیقت الوحی ص ۳۹۱، خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۶) اور اس قول کو بھی موجب توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا میں کوئی صحیح الدماغ اور صحیح العقل انسان اس کو موجب توہین نہیں کہہ سکتا۔ اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں پایا جاتا جس سے پہلے ابدال، اقطاب اور اولیاء کی توہین ہوتی ہو۔ اس قسم کے بے سروپا اعتراضوں سے یہ ظاہر ہونے کے سوا کہ معترض صاحب اعتراض کر دینا جانتے ہیں اور ان کو اعتراض کرنے کا بہت شوق ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کیونکہ مختار مدعیہ کے اس مسلک کو غلطی سے کوئی درست سمجھ لے تو پھر بڑی مشکل پیش آئے گی اور بڑوں بڑوں تک نوبت پہنچے گی اور ان کو مقدسین سابقین کا اہانت کرنے والا ماننا پڑے گا۔ مثلاً امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی جو تمام دیوبندی علماء کے مسلمہ مقتداء پیشواء ہیں اور جن کے سامنے حضرات دیوبند کو دم مارنے کی بھی جرأت نہیں ہوسکتی فرماتے ہیں کہ: ''ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا رہا۔ لیکن اس صدی کا مجدد اور ہے اور ایک ہزار کا مجدد اور ہے جیسے ایک سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ایسے ہی پہلی صدی کے مجددوں میں اور ایک ہزار کے مجددمیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

(مکتوبات امام ربانی ج نمبر۲ ص ۱۴)

اب جو مختار مدعیہ کے مسلک کو صحیح سمجھ لیں انہیں امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی اپنے سے پہلے تمام مجددین کی ہتک کرنے والا ماننا پڑے گا۔ سبحان اللہ! یہ خوب مسلک ہے جس کی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگوار بھی توہین بزرگاں کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔

اے بدذات فرقہ مولویاں

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے اس فقرہ کو کہ ''اے بدذات فرقہ مولویاں'' تمام اولیاء کی توہین کا موجب قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے کسی جگہ بھی شریف علماء کو جو دشنام دہی اور سب وشتم وغیرہ یہودیانہ خصلتوں کے ظاہر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ کبھی ایسے الفاظ کا مصداق نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کے مصداق محض وہی مولوی ہیں، جنہوں نے شرارت اور خیانت کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور وہ وہی مولوی ہیں جن کے متعلق رسول کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف ان میں صرف رسمی طور پر ہوگا۔ مسجدیں تو بہت بڑی بڑی ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان نام کے مسلمانوں کے جو مولوی ہوں گے۔ وہ بدترین مخلوقات ہوں گے اور وہی تمام فتنوں کی جڑ ہوں گے۔ انہیں میں سے فتنہ نکلے گا اور اس کا نقصان انہیں پر لوٹے گا اور یہ وہی علماء ہیں جن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب بھی فرما چکے ہیں کہ اگر یہود کا نمونہ دیکھنا چاہے تو اس زمانہ کے مولویوں کو دیکھ۔'' (الفوز الکبیر ص ۱۳)

پس ایسے یہودی سیرت مولوی جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی سخت مخالفت کی اور آپ کے حق میں زبان درازی انتہاء تک پہنچادی اور فحش مضمون کے اشتہارات نکالے جو کسی شریف انسان کی زبان اور قلم سے صادر نہیں ہوسکتے تھے اور یہ مولوی لوگ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کے مصداق ہوگئے تھے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔ پس جس طرح مسیح موسوی نے اپنے زمانہ کے مولویوں اور فقیہوں کے دل آزار رویہ کو دیکھ کر انہیں سانپ بلکہ سانپوں کے بچے اور منافق اور ریاکار اور حرام کار اور شریر اور بدکار وغیرہ القاب سے ملقب کیا اور ان پر لعنتیں بھیجیں، جس کا ذکر قرآن شریف ان الفاظ میں فرماتا ہے: ''لعن الذین کفروا من بنی اسرآئیل علیٰ لسان داؤد وعیسٰی ابن مریم'' اسی طرح حضرت مسیح محمدی نے اسی قسم کے خبیث

فطرت ممسوح القلب اور سیاہ باطن مولویوں کے حق میں نہ کہ شریف الطبع مولویوں کے حق میں یہ الفاظ استعمال فرمائے: ’’اے بدذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالا پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا۔‘‘ (انجام آتھم حاشیہ ص۲۱، خزائن ج۱۱ ص۲۱)

اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں خطاب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہم مشرب مولویوں کو ہے جنہوں نے اس جیسی خصلتوں کا اظہار کیا۔ نہ کہ ان لوگوں سے جنہوں نے مذکورہ لوگوں کی حرکات سے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پس اعتراض کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ الفاظ انہیں مذکورۃ الصدر اصحاب سے مخصوص ہیں سب کے لئے نہیں۔ اگر کوئی ان حرکات شیطانیہ کا مرتکب نہیں تو اس کو ان الفاظ کا مخاطب سمجھنا یا قرار دینا غلط ہے اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہے تو جو کچھ حضرت اقدس نے فرمایا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔ پس اعتراض فضول ہے اور اگر مولویوں کی بدزبانی کا نمونہ دیکھنا ہو تو میں عدالت کے سامنے (کشف الغطاء ص۱۹، خزائن ج۱۴ ص۲۰۱) دکھاتا ہوں اور نیز (کتاب البریہ) میں ان کی بدزبانیوں کا کچھ نمونہ دیا گیا ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے کفر وارتداد کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے کہ آپ نے امت کو گالیاں دی ہیں اور اس نے اپنے زعم باطل کو ثابت کرنے کے لئے (نجم الہدیٰ ص۱۰، خزائن ج۱۴ ص۵۳) کا ایک شعر پیش کیا ہے اور (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۸، خزائن ج۵ ص۵۴۸) میں سے ذریۃ البغایا کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ شعر کے الفاظ یہ ہیں:

ان العدا صاروا خنازیر الفلا　　ونساء ھم من دونھم الاکلب

یعنی دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔

مختار مدعیہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام امت کے لوگوں کو جنگلی خنزیر کہا ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ جس کا پہلے کئی مرتبہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی ایسی تحریریں صرف انہی لوگوں کے حق میں ہیں جنہوں نے ازراہ شرارت آپ کے حق میں طعن وتشنیع اور دشنام دہی کی ہے اور کتوں اور خنزیروں کی صفات دکھائی ہیں نہ کہ ہر ایک شریف اور قوم کے خواص لوگوں کے لئے۔ چنانچہ اس شعر میں لفظ عدا خود بتاتا ہے کہ مراد آپ کے وہ دشمن لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے حق میں بدزبانی کی اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے مختلف بلاد میں آپ کے سیاپے کئے اور قسم قسم کی گالیاں دیں۔ اگر مختار مدعیہ کا مقصد عدالت کو مغالطہ دینا نہیں یا لفظ عدا سے وہ اس مفہوم کو سمجھ نہیں سکا تھا تو اس کے بعد کا شعر اس مفہوم کی بالکل وضاحت کررہا تھا اور وہ یہ ہے:

سبوا وما ادری لای جریمۃ　　سبوا العصی الحب اونتجنب

(نجم الہدیٰ ص۱۰، خزائن ج۱۴ ص۵۴)

یعنی انہوں نے گالیاں دیں اور میں نہیں جانتا کہ کیوں دیں۔ کیا ہم اس دوست کی مخالفت کریں یا کنارا کریں۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہاں پر دشمنوں سے مراد بھی وہ دشمن تھے جنہوں نے آپ کے حق میں اور آپ کے مخالف نہایت گندے اور مکروہ الفاظ استعمال کئے تھے اور انہی لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی موجود تھی جس میں آپ نے فرمایا: ’’تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علماء ھم فاذاھم قردۃ وخنازیر‘‘ (کنزالعمال ج۷ ص۱۹۰)

یعنی میری امت میں ایک ایسا حادثہ ہوگا جس سے امت میں گھبراہٹ پیدا ہوگی تو لوگ اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے۔ مولویوں کے پاس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حادثہ ایسا ہوگا جو دین سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اسلام پر قسم قسم کے اعتراض پیدا ہوں گے۔ لوگ ان اعتراضوں کا جواب معلوم کرنے کے لئے اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے تو انہیں بندر اور سور پائیں گے۔ بندر تو اس

لئے کہ وہ دوسروں کی نقل کا عادی ہوتا ہے۔ اسی طرح اس وقت کے مولوی لکیر کے فقیر ہوں گے اور بغیر سوچے سمجھے پہلی نقلوں پر چلنے والے ہوں گے اور ان نقلوں پر جو اعتراض پیدا ہوں گے تو ان کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے وہی صحیح ہے۔ ہم کچھ نہیں سنتے اور ان کے پاس آنے والے لوگ کہیں گے کہ پھر آپ کی ان روایات پر جو مذاہب کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس کا ہم کیا جواب دیں تو آگے سے کافر قرار دینا اور گالیاں دینا شروع کر دیں گے۔ یعنی خنزیری صفت کا اظہار کریں گے۔ پس جن مولویوں کے متعلق اس حدیث میں بندر اور سور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انہی کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے خنزیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اگر اظہار حقیقت گالی ہوسکتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم نے بھی سب کافروں کو گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر کی کتے سے مثال دے کر فرماتا ہے: ''ذالک مثل الذین کذبوا بایات اللہ'' کہ یہ مثال سب ان لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور اسی طرح یہودیوں کے مولویوں کی گدھے سے مثال دی کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھا کتابیں اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ کفار کے متعلق فرمایا کہ ہم شر البریہ کے وہ بدترین مخلوقات ہیں اور پھر صم بکم عمی کہہ کر انہیں بہرے گونگے اندھے فرمایا۔ پس جیسے یہ الفاظ اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں ویسے ہی حضرت مسیح موعود کے الفاظ انہیں مولویوں کے متعلق ہیں جنہوں نے خنزیری صفات کا اظہار کیا اور ان کی انہیں عورتوں کے متعلق ہیں کہ جنہوں نے حیاء وشرم کو بالائے طاق رکھ کر گالیاں وغیرہ کے دینے میں کتوں کی سی صفات کا اظہار کیا ہے۔

ذریۃ البغایا

ذریۃ البغایا کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں مفصل جواب دیا تھا اور لغت کی رو سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے معنی ''ان لوگوں کے ہیں جو رشد اور ہدایت سے محروم ہیں'' اور یہ بھی بتایا تھا کہ عربی زبان میں مفسد وشریر کو یا حاسدوں کی کمینگی ظاہر کرنے کے لئے بھی ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ''ابن فاعلہ زانیہ'' کے بیٹے ''یابن الفاحشہ یاولدالزنا یا ابن اللقیط'' وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔ جس سے مراد محض ان کی بدخصلتی کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ متنبّی کا شعر ہے:

اتنکر موتھم وانا سھیل طلعت بموت اولاد الزناء

یعنی اے علی بن اسحاق آپ ان حاسدوں اور چغل خوروں کی موت پر تعجب کرتے ہیں۔ حالانکہ میں سہیل ستارہ ہوں جو ان حیوان سرشت بدباطنوں کی موت کے لئے طلوع ہوا ہوں۔

پس مختار مدعیہ نے ذریۃ البغایا کے جو معنی کئے ہیں یہ ضروری نہیں ہیں۔ ذریۃ کا لفظ صرف حقیقی اولاد کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کسی قسم کا کام کرے تو اس سے پہلے جو اس قسم کا کام کرنے والے ہوں گے اسے ان کی ذریت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: ''افتتخذونہ وذریۃ اولیآء من دونی (الکھف:۵۰)'' کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے سوا دوست پکڑتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تو ذریت شیطان ہے تو اس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ شیطان والے کام کرتا ہے۔ نہ کہ شیطان کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ گدھے کا بچہ ہے تو اس سے مراد اس کی بے وقوفی کا اظہار ہوتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سور کا بچہ ہے تو مقصود اس کی بدیوں کا اعلان ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی ذریۃ البغایا سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو بغایا والا کام کرتے ہیں۔ جس طرح ایک بدکار عورت اپنے اصلی خاوند کو چھوڑ کر غیر کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تائید میں لکھی ہوئی کتابوں سے منہ پھیر لیتا ہے اور دشمنوں کی تائید کرتا ہے اور اس شخص کو کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی صداقت دنیا پر ثابت کی اور اسلام کی ایک نمایاں خدمت انجام دی اس کو کافر اور دشمن اسلام قرار دیتا ہے اور اس کی ان کتابوں کو جن میں اسلام کی ایک

نمایاں خدمت انجام دی اس کو کافر اور دشمن اسلام قرار دیتا ہے اور اس کی ان کتابوں کو جن میں اسلام کی صداقت ظاہر کی گئی ہے۔ بنظر حقارت دیکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کی اور دیگر دشمنان اسلام کی تائید کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ جو امت کے حقیقی روحانی باپ ہیں۔ انہیں چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور پر فضیلت دیتا ہے اور حضور کو چھوڑ کر اپنا باپ تسلیم کرتا ہے تو وہ بھی اس بدکار عورت کے مشابہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کو استعارۃً ذریۃ البغایا قرار دیا جانا بالکل درست ہے۔

حضرت مسیح موعود نے جو کتابیں لکھی ہیں اور جن کتابوں کا ذریۃ البغایا کے الفاظ سے پہلے ذکر ہے۔ وہ براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریہ، آئینہ کمالات اسلام وغیرہ ہیں جن میں قرآن مجید کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق آپ کے فرماتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان ان کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے۔

اور یاد رہے کہ ذریۃ البغایا کا استعمال تمام مولویوں کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے خاص طور پر وہی مولوی مراد ہیں جو مخالفت میں بیش از بیش ہیں۔ جنہوں نے آپ کو ہر قسم کی گالیاں دی ہیں اور جنہوں نے تمام ان غیر احمدی شریف زادیوں کو جو احمدیوں کے گھروں میں تھیں۔ زانیہ اور ان کی اولادوں کے زنا کی اولاد ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور امام ابوحنیفہ بھی فرماتے ہیں: ''**من شهد عليها بالزنا فهو ولد الزناء**''　(کتاب الوصیہ ص ۳۱ مطبوعہ حیدرآباد)

یعنی جو حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے وہ خود ولد الزنا ہے۔ پس جب حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگانے والے کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ولد الزناء کہنا جائز ہوا تو ان مولویوں کو جنہوں نے ہزارہا پاک باز صالحہ عورتوں کو اپنے فتویٰ کی رو سے زنا کی تہمت دی اور ان کے نکاحوں کو فسخ قرار دیتے ہوئے ان کی اولاد کو زنا کی اولاد قرار دیا کیوں ذریۃ البغایا نہ کہا جائے۔

پس اگر ذریۃ البغایا کے استعمال کو ان معنوں میں کیا جاوے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے لیا ہے تو اس سے مراد صرف وہ فتویٰ دینے والے مولوی ہیں جو شریف زادیوں کو زانیہ قرار دیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ اس کے مصداق تمام لوگ نہیں ہیں۔ یہ ہے کہ حضرت اقدس نے آئینہ کمالات اسلام ہی میں فرمایا ہے: ''غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے۔ راست باز علماء اس سے باہر ہیں صرف خاص مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے ہر ایک مسلمان کو دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں سے رہائی بخشے۔ کیونکہ اب اسلام پر ایک نازک وقت ہے اور یہ نادان دوست اسلام پر ہنسی اور ٹھٹھا کرانا چاہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو صریح ہر ایک کے نور قلب کو خلاف صداقت نظر آتی ہیں۔''

(اشتہار ملحقہ آئینہ کمالات اسلام ص ۹، خزائن ج ۵ ص ۶۱۰)

اسی طرح (ایام الصلح ٹائٹل ص ۲، خزائن ج ۱۴ ص ۲۲۸) میں آپ فرماتے ہیں: ''سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔''

اور (لجۃ النور ص ۶۷، خزائن ج ۱۶ ص ۴۰۹) میں فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ نیک علماء کی ہتک سے اور شرفاء اور مہذب لوگوں پر اعتراض کرنے سے خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں یا عیسائیوں یا آریوں میں سے بلکہ ہم ان تینوں اقوام کے لئے بے وقوفوں میں سے بھی صرف ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی بدزبانی میں اور برائی کے ظاہر کرنے میں لوگوں میں مشہور ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ جو اس قسم کی برائی سے بری ہو اور اپنی زبان کو روکتا ہے اسے ہم بھلائی سے یاد کرتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں اور بھائیوں کی طرح اس سے محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔''

اوراسی طرح (الہدیٰ ص۶۸، خزائن ج۱۸ص۳۱۴ حاشیہ) میں فرماتے ہیں: ’’ولیس کلامنا ھذا فی اخیارھم بل فی اشرارھم‘‘ یعنی ہمارا ایسا کلام نیک علماء کے حق میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف شریروں کے حق میں ہے۔ پس ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کی کتابوں میں اگر کوئی سخت لفظ آیا ہے تو وہ مولویوں کے ایک خاص گروہ کے لئے ہے۔ اس سے عمومیت مراد صرف اس قماش کے مولویوں کا کام ہے جس کے متعلق وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

بعض آیات قرآن مجید میں بھی ایسی ہیں جن کے الفاظ اپنے اندر عمومیت رکھتے ہیں۔ مگر مفسرین نے ان سے خاص افراد مراد لئے ہیں۔ جیسا کہ آیت: ’’ان الذین کفروا سوآء علیھم أانذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون ختم اللہ علی قلوبھم وعلیٰ سمعھم……‘‘ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا…… برابر ہے ان پر کہ ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا تو نے ان کو، ایمان نہیں لائیں گے۔ سو (تفسیر جلالین ص۲) میں اس سے ابوجہل اور ابولہب اور ان کے امثال مراد لئے گئے ہیں۔ یعنی ابوجہل اور ابولہب اور جو ان کی طرح ہیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

پس اسی طرح ذریۃ البغایا سے مراد وہ خاص مولوی لوگ ہیں جو مخالفت میں ابوجہل اور ابولہب کی طرح حصہ لیتے تھے۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ ذریۃ البغایا ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ تمام مولویوں کے لئے جو اختلاف کی حد تک رکھتے ہیں۔ کمینگی اور درندگی نہیں دکھاتے ہیں۔ شریف الطبع اور اپنے طور پر نیک مزاج ہیں۔ حضرت اقدس نے یہ الفاظ ہرگز نہیں لکھے۔ جیسا کہ خود آپ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ اسی طرح مسیح ناصری نے بھی انجیل میں یہودی مولویوں کے متعلق فرمایا کہ نہ اپنے باپ ابراہیم کی اولاد پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہمارا باپ ابراہیم نہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم ابراہیم کی اولاد ہوتے تو تم ابراہیم کے کام کرتے، تمہارا باپ ابلیس ہے۔ (یوحنا باب۲)

ازواج مطہرات کی توہین

مختار مدعیہ نے ازواج مطہرات کی توہین کی یہ وجہ قرار دی ہے کہ احمدی حضرت مسیح موعود کی زوجہ محترمہ کو ام المومنین کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف آنحضرتﷺ کی بیبیاں ہی مومنوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں اور کسی نبی کی بیوی ام المومنین قرار نہیں دی گئی۔

اگر قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کی بیبیاں مومنوں کی مائیں نہیں قرار دی گئی ہیں تو قرآن مجید میں دوسرے نبی مومنوں کے باپ بھی قرار نہیں دیئے گئے ہیں اور قرآن میں ایسا ذکر کہیں نہیں ہے۔ لیکن کیا اس عدم ذکر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ نہ تھے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ عقائد کی کتب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ’’وکل رسول اب لامتہ (شرح عقائد نسفی)‘‘ یعنی ہر ایک رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے تو یقیناً اس رشتہ کے لحاظ سے ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوں گی اور ان کی بیویوں کا مومنوں کی مائیں کہلانا۔ اسی طرح آنحضرتﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے موجب توہین نہیں ہے جس طرح دوسرے نبیوں کا ابوالمومنین یعنی مومنوں کا باپ کہلانا آنحضرتﷺ کے لئے موجب توہین نہیں۔ پس مختار مدعیہ کا اعتراض غلط ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کی توہین کی ہے اور توہین کی بناء یہ قرار دی ہے کہ آپ نے ایک کشف میں دیکھا کہ آپ کا سر حضرت فاطمہ کی ران پر رکھا ہوا ہے۔ مختار مدعیہ کی غرض صرف حضرت مسیح موعود

پر جا و بے جا اعتراض کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اپنی اس ہوا نفس کو پورا کرنے کے لئے وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ اگر کسی کے خواب یا کشف میں ایسا دیکھنے سے دوسرے کی توہین لازم آجایا کرتی ہے تو پھر امت کے دوسرے بزرگوں کی بھی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ چنانچہ قطب ربانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے بالکل ایسا ہی دیکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ''رایت فی المنام کان فی حجر عائشه ام المومنین وانا ارضع ثدیها الایمن ثم اخرجت ثدیها الایسر فرضعته فدخل رسول اللہ ﷺ فقال یاعائشة هٰذا ولد ناحقا'' (قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر ص ۸۲)

یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ ام المومنین کی گود میں ہوں اور میں ان کی دائیں پستان چوس رہا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنی بائیں پستان نکالی تو میں نے وہ بھی چوسی پھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لے آئے تو فرمایا کہ اے عائشہ یہ ہمارا ہی بچہ ہے۔

پس کیا مختار مدعیہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پر بھی یہ الزام لگا کر کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی توہین کی ہے کفر وارتداد کا فتویٰ دے گا۔ شاید مختار مدعیہ کہے کہ یہ واقعہ تو حضرت عائشہ کے متعلق ہے اور ہم حضرت فاطمہؓ کا ذکر کر رہے ہیں تو اگرچہ یہ کہنا قابل التفات سمجھے جانے کے لائق نہ ہوگا۔ تاہم اسی طبیعت کی رعایت سے ہم ایک مثال حضرت فاطمہؓ کے متعلق بھی پیش کئے دیتے ہیں اور وہ مثال بھی مولوی محمد علی کانپوری کے پیرومرشد کے کشف کی ہے جن کا نام نامی مولوی محمد علی صاحب نے جو دیوبندیوں کے مسلم مقتداء اور رہنما ہیں۔ اپنی کتاب ارشاد رحمانی وفضل رحمانی میں اس طرح لکھا ہے: ''حضرت قدوۃ الکملاء واسوۃ الفضلاء ہادیٔ مراحل شریعت وطریقت واقف اسرار حقیقت ومعرفت سبط رجال کرام ومرجع خواص وعوام وقطب دوراں وغوث زماں مرشدنا ومولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم وظلت فیوضاتہ۔''

اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ علیؓ فرمانے لگے کہ: ''ہمارے گھر میں جاؤ مجھے جاتے ہوئے شرم آئی۔ اس لئے تأمل کیا۔ حضرت نے مکرر فرمایا جاؤ ہم کہتے ہیں۔ میں گیا اور حضرت فاطمہؓ تشریف رکھتی تھیں۔ آپ نے سینہ مبارک بالکل کھول کر مجھے سینے سے لگالیا۔'' (ارشاد رحمانی ص ۵۸)

مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کو بزرگان اسلام کے حالات سے قطعاً ناواقفی اور تعلیم اسلام سے بالکل بے گانگی ہے اور اس کا جو کچھ کہنا ہے وہ اسی ناواقفی کی وجہ سے ہے اور یا وہ بزرگان اسلام سے بھی صاف نہیں ہے جو حالت حضرت اقدس نے بیان کیا ہے۔ وہ حالت کشف کی ہے اور کشف کی حالت سے کسی کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ پھر حضرت مسیح موعود نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے مادر مہربان کی طرح میرا سر اپنے رانوں پر رکھ لیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میں بجائے ان کے فرزند کے ہوں اور مجھے مناسبت ہے حضرات حسنینؓ سے۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو حضرت فاطمہؓ کی توہین بتلاتا ہے۔ اگر اس کا یہ کہنا صحیح ہے تو حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی بابت وہ کیا کہے گا۔ کیا یہی کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے بدرجہا زیادہ توہین اور ہتک اور تذلیل اور تحقیر کی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے مادر مہربان کی طرح جیسا کہ وہ بچوں کا سر اپنے رانوں پر رکھ لیا کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کا آپ کے سر کو اپنے رانوں پر رکھ لینا لکھا ہے۔ لیکن حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے کشف میں تو یہ بات نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو بھی حضرت فاطمہؓ کی ہتک کا سب سے بڑا مرتکب قرار دے کر کہ انہوں نے اپنے سینہ کو فاطمہ کے سینے سے ملایا۔ کافر ومرتد قرار دے گا۔ یہ نتیجہ ہے حق کی مخالفت کا کہ جو اعتراض حضرت اقدس مسیح موعود پر کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا یا بالکل وہی اعتراض دوسرے مقدسوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔

بیت اللہ کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے شعر:

زمین قادیان اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

(درثمین اردو ص ۵۶)

سے بیت اللہ کی توہین نکالی ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ اگر ہم کسی کو حرم قرار دیں گے تو یہ بیت اللہ کی توہین ہوگی اور مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نمبرا نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ مختار مدعیہ کے دیگر مغالطوں کی طرح یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ ورنہ گواہ مدعا علیہ نمبرا نے جرح کے جواب میں ہرگز یہ نہیں کہا یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شعر مذکورہ حضرت اقدس کا شعر ہے۔ مختار مدعیہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کو بار بار بگاڑ کر بیان کرتا ہے۔ حضرت اقدس نے زمین قادیان کو ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یعنی جس طرح لوگ محض دین کی خاطر حج کے لئے ارض حرم پر ہجوم کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہجوم کرنا دین ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ اعلائے دین حق اسلام کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلام کی خوبیاں اور نبی کریم کے فضائل بیان ہوتے ہیں اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے مشبہ بہ کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مشبہ سے اس کی فضیلت اور برتری ثابت ہوا کرتی ہے۔ مختار مدعیہ کو ہر بات میں توہین ہی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک امر بھی ایسا بھی ہے جس کو اس نے موجب توہین قرار دیا ہو اور وہی یا اسی کی طرح کوئی اور امر اکابر اسلام یا اکابر دیوبند کی تحریروں میں نہ نکل آیا ہو۔ چنانچہ یہ امر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں رہا۔ مختار مدعیہ نے زمین قادیان کے ارض حرم سے تشبیہ دینے کو حرم کعبہ کی توہین قرار دیا ہے لیکن ایک مشہور شعر میں بزرگان اسلام نے دل کو کعبہ سو ہزار کعبوں سے بہتر بتایا ہے:

دل بدست آورد کہ حج اکبراست از ہزاراں کعبہ یک دل بہترست

اور بعض نے فرمایا ہے کہ حقیقی بیت اللہ تو دل ہی ہے۔ چنانچہ کتاب علم الکتاب میں لکھا ہے۔ دل متصف بارگاہ حق بر سبیل دوام بیت اللہ دیگر است وقبلہ توجہ سالکان بلکہ بیت اللہ حقیقی ہمیں است۔ چنانچہ ایں حدیث قدسی مشعر ازیں است لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن (علم الکتاب ص ۱۱۴)

پس کیا مختار مدعیہ ان تمام اہل اللہ کو بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے بیت اللہ کی توہین کی ہے اور اس وجہ سے یہ کافر ومرتد ہے اور نیز جب اس کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا تھا تو کیا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی بیت اللہ کی توہین نکالے گا اور کیا مختار مدعیہ مولوی عبدالمالک مشیر مال ریاست بہاولپور والد ماجد مولوی اختر علی صاحب منتظم آبادی کو بھی کافر ومرتد قرار دے گا۔ جنہوں نے جامع مسجد بہاول پور کے قریب ایک چھوٹی سے مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے دو شعر جو مسجد میں کندہ ہیں یہ ہیں:

ہزار شکر کہ دست جواد ہر مومن برائے زینت ایں کعبہ گوہرافشاں شد
فرشتہ گفت بہ عبدالملک سن تعمیر مثال مسجد اقصیٰ بلند ایوان شد

اور کیا مختار مدعیہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی اور اس کام کو پسند کیا۔ اسلام کی صف سے نکال کر کفار مرتدین کی صفت میں کھڑا کرے گا۔ یہ تو تھا حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود کا زمین قادیان کا ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے حضرت اقدس کے قلب مبارک میں ارض حرم کی وقعت وعظمت کی حالت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ مشبہ سے مشبہ بہ افضل وبرتر ہونا مسلمہ فریقین

ہے۔حضرت اقدس کے بلحاظ ہجوم خلق زمین قادیان کوارض حرم سے تشبیہ دینے سے ارض حرم کی فوقیت وبرتری ظاہر ہوئی۔لیکن تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء وپیشواء اور شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے یہی کچھ فرمایا ہے اور وہ نہ تو عمومیت کے ساتھ ارض حرم کے لئے فرمایا ہے اور نہ اس کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ خاص بیت اللہ کے لئے فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے اور بیت اللہ کا جو درجہ قرار دیا ہے وہ اس شعر سے ظاہر ہے:

پھرتے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ　　جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق وشوق عرفانی

یعنی کعبہ میں فقدان عرفان کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق وشوق عرفان رکھنے والے تھے۔ ’’لایسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن‘‘ ان کو گنگوہ کا رستہ پوچھنا پڑتا تھا جو عرفان کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہوسکا تھا۔ وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں۔ کیونکہ کعبہ اگر آنحضرت کا مولد ہے تو گنگوہ مولوی رشید احمد کا مولد ومسکن یہ ہے۔نقطہ نظر دیوبندیوں کے شیخ الہند کا خاص بیت اللہ کے متعلق اور بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظّمہ کے متعلق۔ جو کچھ ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

اب رہی مدینہ منورہ کی حالت۔اس کے متعلق بھی یہی شیخ الہند صاحب فرماتے ہیں:

تمہاری تربت انور کو بھی دے کر طور سے تشبیہ　　کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی

یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر آپ ارنی کہتے ہیں اور جب قبر کو طور سے تشبیہ دے کر ارنی کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو میں کہا تھا تو تشبیہ دینے والے صاحب نے اس پیرایہ میں اپنے آپ کو کس سے تشبیہ دی اور صاحب قبر کو کسی سے نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ کسی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر ارنی کہنے والا اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے اور صاحب قبر کو اللہ جل شانہ سے تشبیہ دے رہا ہے اور یہ مختار مدعیہ کے نزدیک سب کچھ جائز ہے نہ اس سے طور کی توہین لازم آتی ہے۔ نہ ہی حضرت موسیٰ کی نہ کعبہ کی نہ مدینہ منورہ کی، نہ رسول اللہ ﷺ کی اور نہ اللہ تعالیٰ عزاسمہ کی۔لیکن حضرت اقدس نے ارض قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ دی اور اس کو عزت والی فرمادیا۔ کیونکہ حرم عزت والی جگہ کو ہی کہتے ہیں تو اس سے بیت اللہ کی توہین لازم آ گئی۔ سبحان اللہ! یہ خوب لازم آتا ہے اور حضرت اقدس کے الہام ’’من دخله کان آمنا‘‘ سے جو مسجد مبارک قادیان کے متعلق ہے۔حرم بیت اللہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ اس کے متعلق حضرت اقدس نے صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص بیت الذکر یعنی مسجد مبارک قادیان میں باخلاص وقصد تعبد وصحت نیت وحسن ایمان داخل ہوگا۔ وہ سوء خاتمہ سے امن میں آ جاوے گا اور یہ وہ بات ہے کہ اس سے خصوصیات بیت اللہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی خصوصیات اس کے ساتھ ہیں اور مسجد مبارک کے متعلق بھی یہ فضل ظلی طور پر ہے مستقل طور پر نہیں۔ یعنی جب اسی قسم کی عبادت کے قصد سے جو بیت اللہ میں ہوتی ہے۔کوئی شخص بشرائط مذکورہ مسجد مبارک میں داخل ہوگا تو وہ سوء خاتمہ سے امن میں آ جاوے گا۔ کیا مختار مدعیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالاشرائط کے ساتھ داخل ہونے پر سوء خاتمہ سے امن میں آ جانا بیت اللہ کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ مختار مدعیہ یہ کبھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ سوء خاتمہ سے امن میں آنا بیت اللہ میں داخلہ کے ساتھ ہرگز مشروط نہیں۔ کروڑ در کروڑ بلکہ بے گنتی بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جن کو بیت اللہ میں داخلہ کا موقع نہ ملا ہوگا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوء خاتمہ سے مامون اور محفوظ رہیں گے اور جب یہ ہے تو یہ امر بیت اللہ سے مخصوص نہ رہا۔ بلکہ عام ہوگیا اور جب عام ہوگیا تو یہ اعتراض کہ جو امر بیت اللہ کے ساتھ خاص تھا۔ وہ دوسرے مقام کے لئے تسلیم کر کے اس کو بیت اللہ کی خصوصیت میں شریک کر دیا ہے۔ خود بخود باطل ہوگیا۔

حج کی توہین

پھر مختار مدعیہ نے ایک الزام احمدیوں پر یہ لگایا ہے کہ انہوں نے حج کی بھی توہین کی۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے برکات خلافت میں لکھا ہے کہ ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ لہٰذا حج کی توہین ہوئی۔ مختار مدعیہ نے جو طرز استدلال کی ایجاد کی ہے۔ اس کی رو سے اگر کوئی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھ لے تو اس میں اسم محمد کی توہین لازم آ جائے گی۔ اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں شخص حضرت ابوبکر وعمر کی طرح تو اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی توہین لازم آ جائے گی۔ چنانچہ تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد صاحب بریلوی کی مہر کے متعلق لکھا ہے۔

سید احمد صاحب کی مہر جس پر ''اسمہ احمد'' کھدا ہوا تھا...... ہر نامہ اور مراسلہ کے خاتمہ پر سید صاحب کی مہر ثبت ہوا کرتی تھی۔ (سوانح احمدی ص ۱۷۰)

۲...... اور مولوی محمد اسماعیل صاحب کی مہر جس پر ''اذکر فی الکتاب اسماعیل'' کندہ تھا۔ (سوانح احمدی ص ۱۱۷)

۳...... آپ کے بڑے خلیفوں میں مولوی عبدالحئیؒ اور مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی طرح ہیں۔ آپ کے خلفائے راشدین میں سے تھے۔ (سوانح احمدی ص ۱۴۲)

۴...... سید احمد صاحب بریلوی فرماتے ہیں: ''اور جن لوگوں نے مجھے زہر دیا وہ بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعہ سے میرے جدامجد حضرت رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مجھ پر جاری کر دیا۔'' (سوانح احمدی ص ۱۰۴)

اب مختار مدعیہ کے طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے مذکورہ بالا اقوال سے ماننا پڑتا ہے کہ سید احمد صاحب بریلوی نے آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے۔ جب کہ اپنی زہرخورانی کے واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے زہرخورانی کے واقعہ سے تشبیہ دی اور اپنی مہر پر اسمہ احمد کندہ کروا کر آیت اسمہ احمد کی توہین کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی توہین کی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید نے آیت: ''اذکر فی الکتاب اسمٰعیل'' کی توہین کے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی توہین کی اور مولوی عبدالحئیؒ اور مولوی اسماعیل صاحب شہید کو بمنزلہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر قرار دے کر حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی توہین کی اور مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی نے مولوی محمد قاسم صاحب کی تاریخ وفات یہ نکالی ہے۔

وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے۔ (حالات طیب مولوی محمد قاسم صاحب مطبوعہ صادق الانوار بہاولپور ص ۳۳)

مختار مدعیہ کے طرز استدلال پر تو اس قول سے آنحضرت ﷺ کی سخت توہین لازم آئی۔ کیونکہ جب مولوی محمد قاسم صاحب کی وفات سرور عالم آنحضرت ﷺ کی وفات کا نمونہ قرار دی گئی تو مولوی محمد قاسم صاحب آنحضرت کا نمونہ ٹھہرے۔ پس کیا مختار مدعیہ ان مذکورہ بالا بزرگوں کو بھی کافر اور مرتد قرار دے گا۔

مقبرہ بہشتی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے قبرستان کی بھی توہین کی۔ کیونکہ آپ نے اپنے قبرستان کے متعلق کہا کہ جو اس میں دفن کیا جائے گا وہ بہشتی ہوگا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے قبرستان کی اس سے توہین ہوئی۔

اگر ایک قبرستان کے متعلق حضرت مسیح موعود نے بوحی الٰہی یہ فرمادیا کہ اس جگہ وہی دفن کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بہشتی ہوگا تو اس سے آنحضرت ﷺ کے قبرستان کی توہین نکالنا اہل عقل کی سمجھ سے بالکل بالا ہے۔ دیکھو مجدد الف ثانی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''جیسے

زمین روضۂ منورہ خاتم الرسل ﷺ زمین جنت سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں ''مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة'' اس پر دال ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بکمال فضل بباعث عنایت اتباع حضرت محمد ﷺ مرے روضہ کی زمین کو بھی جنت کہا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی میری قبر سے ایک مشت خاک لے کر اپنی قبر میں ڈالے تو اس کی نجات کے واسطے امید عظیم ہے۔ فکیف من دفن فیہ''

(مقامات امام ربانی ص ۱۰۷)

اور اسی طرح آپ کے متعلق لکھا ہے: ''ایک روز ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ دل میں گزرا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر عالم کسی مقبرہ پر گزرے تو چالیس دن تک اس قبر کا عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔ بجرد اس خطرہ کے الہام ہوا کہ تیرے گزرنے کی وجہ سے ان اہل قبور کا تا قیامت عذاب موقوف کیا۔'' (مقامات امام ربانی ص ۹۰)

عبارت بالا میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے روضہ کو آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کے مانند قرار دیا ہے اور مختار مدعیہ کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے یہ بہت ہی بڑی ہتک ہوئی، تو کیا۔ مختار مدعیہ امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی روضہ نبی ﷺ کی اہانت کا مرتکب قرار دے کر کافر اور مرتد ٹھہرائے گا اور فتویٰ کفر لگائے گا۔

یہ تھے جوابات مختار مدعیہ کے الزامات بلکہ اتہامات توہین کے اور ان سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ اتہامات کیسے لغو اور باطل ہیں۔

کیا تکفیر وجہ ارتداد و فسخ نکاح ہوسکتی ہے؟

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ احمدیوں کے ارتداد کی یہ قرار دی تھی کہ چونکہ احمدی غیر احمدیوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی تکفیر کرنے کی وجہ سے خود کافر اور مرتد ہیں۔ اس لئے ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت سے درست نہیں ہوسکتا۔ اس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اگر تکفیر وجہ ارتداد اور فسخ نکاح ہوسکتی ہے تو مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کر کے مرتد ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے نکاح فسخ ہونے چاہئیں اور ان کی اولاد کو اولاد زنا قرار دینا چاہئے۔ نیز منہاج السنۃ ابن تیمیہ کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ خوارج حضرت علیؓ کو بالاتفاق کافر کہتے تھے۔ مگر یہ ثابت نہیں کہ حضرت علیؓ نے ان کی تکفیر کی وجہ سے ان کو مرتد اور دین سے خارج خیال کر کے ان کے نکاح وغیرہ فسخ کئے ہوں۔ بلکہ انہیں مسلمان قرار دیا اور مسلمانوں والے ان سے معاملات کئے۔

نیز گواہ مدعیہ نمبر ا نے ۲۱/ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے۔ جن ائمہ نے اس حدیث یعنی ''من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر'' کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ نیز احمد رضا خان بریلوی جس نے دیوبندیوں پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ ان کے متعلق گواہ مدعیہ نمبر ا نے بجواب جرح کہا: ''ہم احمد رضا خان بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خان کو بھی ہم کافر نہیں سمجھتے۔'' پس اس سے ظاہر ہے کہ محض کسی کو کافر کہنا وجہ کفر و ارتداد نہیں ہوسکتی۔

پس اوّل تو یہاں یہ بحث نہیں کہ احمدی، غیر احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف بحث یہ ہے کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں۔ پس اگر احمدی دیگر مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہوں تو پھر بھی محض تکفیر ان کے کفر و ارتداد کی وجہ نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کے منکر ہیں۔ مختار مدعیہ نے (آئینہ صداقت ص ۳۵) کا حوالہ دیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان مسلمانوں کو بھی جنہیں دعوت نہیں پہنچی۔ خارج از دائرہ اسلام قرار دیا ہے۔ سو میں اس کتاب سے اس کی تشریح بیان کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک کفر کی یہ تعریف ہے کہ ایسے اصول میں سے کسی اصل کا نہ ماننا جن کے نہ ماننے سے نہ ماننے والا خدا تعالیٰ کا باغی قرار پاوے اور جن کے نہ ماننے سے روحانیت مر جائے۔ یہ نہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لئے غیر محدود عذاب میں مبتلا کیا جاوے اور چونکہ اسلام کے احکام کی بناء ظاہر یہ ہے۔ اس لئے جو لوگ کسی نبی کو نہیں

مانتے خواہ اس وجہ سے نہ مانتے ہوں کہ انہوں نے اس کا نام نہیں سنا کافر کہلائیں گے۔ گو خداتعالیٰ کے نزدیک وہ مستحق عذاب نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کا نہ ماننا ان کے کسی قصور کی وجہ سے نہ تھا۔ چنانچہ سب مسلمان باتفاق ان لوگوں کو جو مسلم نہیں ہوئے۔ خواہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا نام سنا ہے یا نہ سنا ہو کافر ہی کہتے چلے آئے ہیں اور آج تک ایک شخص نے بھی آئیس لینڈ کے اسکیموز یا امریکہ کے ریڈانڈ نیز یا افریقہ کے پانٹاس یا آسٹریلیا کے وحشیوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ان ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کی نسبت فتویٰ اسلام دیا ہے جو پہاڑوں یا اندرون یورپ کے رہنے والے ہیں اور جنہیں رسول کریم کی تعلیم کا کوئی علم نہیں۔'' (آئینہ صداقت ص ۳۷،۳۸)

اور ص ۸۵ میں آپ نے فرمایا ہے: ''بے شک ہم ان کو کافر باللہ یعنی دہریہ نہیں کہتے۔ مگر ان کے کافر بالماموں ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو راست باز مانتے ہیں۔ پھر ہمیں کیوں کافر کہا جائے۔ وہ سوچیں کیا راست باز جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب راست باز تھے تو پھر ان کے دعوؤں کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔'' اور ہمارا یہ عقیدہ بعینہٖ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ جو وہ مسیح موعود کی نسبت رکھتے ہیں۔

چنانچہ گواہ مدعیہ نمبر۲ نے بھی بجواب جرح ۳۱؍اگست کو تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا مسلمان نہیں ہوگا۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے انجام آتھم میں لکھا ہے کہ میرا دشمن جہنمی ہے۔ حالانکہ یہ امر قابل اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں بڑی وضاحت سے اس کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''ازاں جملہ توقف نجات اخرویست براطاعت اور (یعنی امام وقت) یعنی چونکہ اگر کسے بہزار وجہ در معرفت الٰہیہ وتہذیب نفس جدو جہد تمام وسعی مالا کلام بجا آورد اما وقتیکہ ایمان بالرسل ندارد ہرگز نجات اخروی بدست نخواہد آورد۔ وخلاص از غضب جبار ودرکات نار نخواہد یافت ہم چنیں ہر چند عبادات شرعیہ وطاعات دینیہ بجا آورد وجدو جہد تمام در امتثال احکام اسلام برروی کار آرد اما تا وقتیکہ در طاعت امام وقت گردن نہد واقرار بامامت اونکند ہرگز عبادات مذکورہ درآخرت کار آمدنی نیست واز دارو گیر رب قدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانه قدمات میتة جاهلية'' (منصب امامت ص ۶۳،۶۴)

پھر گواہان مدعاعلیہ نے اور اماموں کے اقوال بھی پیش کئے تھے کہ جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ تمام معاملات میں ائمہ اور حکام کے نزدیک بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ درحقیقت کافر اور مستوجب جہنم ہو۔ ان اقوال میں سے ایک قول منصب امامت مصنفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کا پیش کیا تھا جس کے متعلق مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں اور ان کا ایمان واسلام ظاہر ہے اور کفر چھپا ہوا ہے اور دعویٰ کی تصدیق شعار اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے دستبردار نہیں۔

اب میں منصب امامت کی اصل عبارت پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے: ''ہر چند امثال ایں سلاطین فی الحقیقت از قبیل کفار اشرار اندواز جنس اہل نار اما از بسکہ بزبان خود دعویٰ اسلام میکنند پس کفر ایشاں مستور است وایمان ایشاں ظاہر وشاہد تصدیق ہمیں دعویٰ ظاہری از رسوم اسلام مثل عقد نکاح وختان واظہار تحمل بروز عید الفطر والضحیٰ وتجہیز وتکفین ونماز جنازہ ودفن درمقابر مسلمین درمیان خود جاری مے دارند واز شرع ربانی بالکل دست بردار نے شوند...... اسلام ظاہری مقتضی ہمیں معنی است کہ با ایشاں دراحکام دینویہ معاملہ مسلمین بعمل آرند وایشاں را ہم درباب معاملات از جنس مسلمین شمارند گو کہ درآخرت باکفار اشرار دردرکات نار مخلد باشند۔'' (منصب امامت ص ۹۴)

پس جب کہ ایسے نام کے مسلمانوں سے جو درحقیقت کفار اشرار اور از جنس اہل نار ہیں۔ مولانا اسماعیل شہید صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کے زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے معاملات نکاح وشادی وغیرہ میں مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا چاہئے تو پھر ان حوالوں کے ہوتے

کسی شخص کا حق نہیں کہ وہ احمدی مردوں سے جو کہ مسلمان ہونے کے مدعی اور شریعت اسلامیہ سے دست بردار نہیں اور اپنے دعویٰ کی تصدیق تمام اسلامی شعائر کو بجالانے سے کرتے ہیں۔ حکام وقت سے استدعا کرے کہ ان سے نکاح وغیرہ معاملات حرام قرار دیئے جاویں۔

کیا غیر احمدی اہل کتاب نہیں

مختار مدعیہ نے ۹؍اکتوبر کی بحث میں کہا تھا کہ گواہان مدعا علیہ نے کہا ہے کہ مدعیہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے نکاح میں رہ سکتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ ’’الا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم‘‘ کے الفاظ مدعیہ کا استثناء کرتے ہیں۔ یہ آیت پہلے اہل کتاب کے متعلق ہے۔ گویا کہ مختار مدعیہ کے نزدیک قرآن کتاب ہی نہیں ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ کتابی عورتوں سے نکاح کے جواز کی علت اور سبب کیا ہے وہ یہی ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب دی گئی تھی۔ باوجودیکہ وہ کتابیں جو انہیں دی گئیں تھیں محرف ومبدل ہوگئیں۔ لیکن پھر بھی ان اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز رکھا گیا تو پھر وہ لوگ کہ جن کو قرآن مجید جیسی کامل کتاب دی گئی جو تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ بار بار کتاب کے لفظ سے پکارتا ہے۔ کیوں اہل کتاب نہ ہوں اور اسی وجہ سے بعض علماء نے شیعہ کو اہل کتاب قرار دیا ہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’رافضی کے کفر میں اختلاف ہے۔ جو علماء کافر کہتے ہیں بعض نے اہل کتاب کا حکم دیا ہے۔ بعض نے مرتد کا پس درصورت اہل کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مردسنی کا نکاح درست ہے اور عکس اس کے ناجائز اور بصورت ارتداد ہر طرح ناجائز ہوگا۔‘‘　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۷)

پس مسلمان بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے نزدیک ایک احمدی مرد کا سنی عورت سے نکاح قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے۔ اس لئے مدعیہ کا دعویٰ خارج ہونا چاہئے اور نکاح کو بحال رکھتے ہوئے فیصلہ بحق مدعا علیہ ہونا چاہئے۔

کیا مدعیہ مشرکہ ہے؟

مختار مدعیہ نے ۱۸؍اکتوبر کی بحث میں احمدی سے سنی عورت کا نکاح جائز نہ رکھنے کی ایک وجہ اختلاف عقائد کے علاوہ یہ قرار دی ہے کہ احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کے بچوں کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایک خطبہ مندرجہ الفضل ۲۵؍اپریل ۱۹۳۰ء میں لکھا ہے کہ ساری دنیا ہی دشمن ہے اور آپ کی تقریر (تقدیر الٰہی ص۲۹) میں لکھا ہے کہ: ’’پہلے مسیح کو اس کے دشمنوں نے سولی پر چڑھایا۔ اب یہ مسیح آیا تو دشمنوں کو سولی پر لٹکائے۔‘‘ اس لئے ڈر ہے کہ جب وہ کسی سنی عورت سے شادی کریں تو اسے سولی پر نہ لٹکا دیں۔

مختار مدعیہ نے جس سادگی سے اس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ گویا احمدیوں کے گھروں میں سولیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ جہاں کوئی سنی عورت کسی احمدی کے گھر گئی اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکایا۔ جس دشمنی کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ذکر فرمایا ہے وہ وہی ہے جو مولوی لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور احمدیوں کے خلاف افتراء پردازی سے کام لے کر عوام الناس کے خیالات کو مسموم کرتے ہیں۔

مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ ایک مسلمان کے لئے بہ نص قرآن ایک یہودی عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔ لیکن اس جواز کے ساتھ ہی یہود کو مومنوں کا سخت دشمن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ’’لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیہود والذین اشرکوا (مائدہ ع۱۱)‘‘ کہ اے مخاطب تو یہودیوں اور مشرکوں کو مومنوں کا بہ نسبت دوسرے لوگوں کے سخت دشمن پائے گا۔ پس باوجود یہود کے تلخ ترین دشمن ہونے کے مسلمانوں کے لئے ایک یہودی عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ نظر برآں اگر غیر احمدی ہمارے دشمن بھی ہوں تو بھی ایک احمدی کا اپنے دشمن قوم کی عورت سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ ایک مسلمان کا اپنے سخت ترین دشمن قوم یہود

کی عورت سے نکاح جائز ہے۔

رہا غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا سوال تو وہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے وقت اٹھ ہی نہیں سکتا اور اس کی جو اولاد ہوگی وہ احمدی ہوگی۔ اس لئے ان کی نماز جنازہ کا بھی سوال پیش نہیں آتا اور اگر اس قسم کے امور شادی کے جواز میں مانع ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں کی شادی یہودی یا نصرانی عورت سے بھی ناجائز ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ مسلم نہ تو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے نہ اس کی نماز جنازہ اور نہ ان سے رشتہ ناطہ وغیرہ کرنا جائز سمجھتا ہے۔

پس بیان مذکورہ سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہے کہ مختار مدعیہ کی بیان کردہ وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی از روئے قرآن مجید جس میں صریح طور پر یہودی اور نصرانی عورت سے شادی جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک احمدی کی فرقہائے اسلام میں سے کسی فرقہ کی عورت سے شادی کے جواز میں روک نہیں ہوسکتی۔

اگرچہ مختار مدعیہ کے متعلق سولی پر لٹکا دیئے جانے کا جو خدشہ پیش کیا ہے۔ میں اس کے متعلق کافی وجوہ تسکین پیش کر کے اطمینان دلا چکا ہوں۔ لیکن چونکہ مختار مدعیہ سولی سے بہت ہی خائف نظر آتا ہے۔ اس لئے میں زیادہ سے زیادہ تسکین وتسلی کی غرض سے وہ تعلیم بھی پیش کئے دیتا ہوں جو حضرت اقدس مسیح موعود نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق دی ہے آپ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے...... ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے۔ وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔'' (کشتی نوح ص۱۷، خزائن ج۱۹ ص۱۹)

احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند

۱۰؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ کسی اہل کتاب مرد سے لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اگر کوئی احمدی لڑکی غیر احمدی مرد سے نکاح کرے تو وہ نکاح فسخ نہیں ہوجاتا۔ پس شریعت اسلامیہ کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ لیکن شریعت احمدیہ میں ہے کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے ہاں جاسکتی ہے۔ یہ شرعی حکم ہوا جو پہلے شریعت اسلام میں جو موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی منجملہ اور مغالطات کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح جائز ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یکم؍مارچ کو بجواب جرح اس امر کی تصریح کی ہے کہ احمدی اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی سے کرنا جائز نہیں سمجھتے اور پھر یہ کہا ہے کہ: ''احمدی میاں بیوی سے اگر کوئی مرتد ہوجاوے یعنی غیر احمدیوں میں شامل ہوجاوے تو اس کا نکاح جیسا کہ تعامل ہے باقی رہے گا اور ۱۲؍مارچ کو بجواب جرح اس کی توضیح بھی کر دی تھی۔

''اگر کوئی احمدی اس وقت غیر احمدی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے تو ہم اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد زنا کی اولاد سمجھی جاوے گی۔ البتہ ہمارے نزدیک نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کر دے تو نکاح فسخ نہیں ہوگا اور نکاح فسخ نہ ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی تھی۔''

کہ جب کوئی حکومت اسلامیہ شرعیہ قائم ہو تو اس میں چونکہ قاضی اور مفتی اور حد لگانے والے سب محکمہ موجود ہوں گے۔ اس لئے مرتد کے فسخ نکاح کے لئے بھی قضاء قاضی کی ضرورت ہوگی اور جہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہو تو جو قانون رائج ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ ہوگا اور شریعت اس کے فیصلوں کے متعلق یہ حکم نہیں لگائے گی کہ یہ نکاح باطل ہے اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے اور اگر کوئی اسلامی ریاست ہوگی تو اس کا جو قانون رائج ہے، وہ جاری ہوگا۔ یعنی اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ صاف اور واضح بیان تھا کہ جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اس میں صاف طور سے یہ ذکر کر دیا گیا تھا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح تو جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی کر دے تو وہ نکاح شریعت کے رائج اس وقت قانون کی وجہ سے فسخ اور باطل نہیں ہوگا اور جو معاملات نکاح وغیرہ کے کسی قانون کے ماتحت کئے جائیں۔ انہیں شریعت باطل نہیں ٹھہراتی۔ فرض کرو ایک مسلمان مرد مرتد ہوگیا اور فقہ حنفیہ کی رو سے مرتد ہونے کی حالت میں اس کا کسی سے بھی نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ ۳۰؍اگست کو گواہ نمبر۴ نے کہا ہے: ''مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ حرہ یا لونڈی کا اختیار ہے۔'' اور یہی بات کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں لکھی ہے۔ لیکن موجودہ وقت میں اگر کوئی مرد نکاح کر لے جو قانوناً جائز ہے اور پھر اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کے پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر اس کی پہلی اولاد کو اولاد حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جب کسی قانون کے ماتحت نکاح کیا جاوے تو اگرچہ وہ شریعت کی رو سے جائز نہ بھی ہو تو بھی اس کے متعلق شریعت فسخ اور باطل ہونے کا فتویٰ دے کر اس سے پیدا شدہ اولاد کو حرام کی اولاد قرار نہیں دیتی۔

اس امر میں احمدیوں سے گواہان مدعا علیہ کا ضرور اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو ان مسلمان فرقوں کے نکاح جنہیں وہ اپنے زعم میں کافر اور مرتد خیال کرتے ہیں۔ باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔ جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ نمبر۱۲ اپنی کتاب **الکوکب الیمانی علی اولاد الزدانی** کے ٹائٹل پیج پر لکھتے ہیں: ''مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اور اس کے جملہ معتقدین مردوں عورتوں کا نکاح دنیا میں کسی سے صحیح نہیں۔ باطل محض وزنائے صرف ہے جس کی بناء پر اولاد کا بھی حرامی اور محروم الارث ہونا لازم آتا ہے۔''

اور (ص۷) پر لکھتے ہیں: ''اور ان کی عورتوں مردوں کا مسلمان عورت ومرد سے نکاح جائز نہیں۔ بلکہ آپس میں اگر نکاح کریں تو وہ بھی زنائے محض ہے۔''

اور مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ: ''مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے...... اور مرد مرتد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا...... اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبیرائے وہابیہ۔ (یعنی مولوی اسماعیل صاحب شہید وغیرہ شمس)

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں: ''جس کے نزدیک رافضی کافر ہے۔ وہ فتویٰ اوّل ہی سے بطلان نکاح کا دیتا ہے۔ اس میں اختیار زوج کا کیا اعتبار ہے۔ پس جب چاہے علیحدہ ہوکر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کرسکتی ہے اور جو فاسق کہتے ہیں اس کے نزدیک یہ امر ہرگز ہرگز درست نہیں کہ نکاح اوّل صحیح ہو چکا ہے اور بندہ اوّل مذہب رکھتا ہے۔ فقط: **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ علیٰ ہذا رافضی اولاد سنی کو ترکہ سنی سے نہ ملے گا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۳۲)

پس گواہان مدعیہ اور اس کے ہم خیالوں کے نزدیک تو روافض اور دیوبندیوں کے نزدیک رضا خانیوں اور رضا خانیوں کے نزدیک دیوبندیوں اور اس طرح مقلدوں کے نزدیک غیر مقلدوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک مقلدوں کے نکاح باطل اور زناء محض ہیں اور آج کل مسلمان فرقوں کا گزارہ ان کے نزدیک زنا پر ہی چل رہا ہے اور ان کی اولادیں بھی حرام کی اولادیں ہیں۔ کیونکہ ہر ایک فرقہ ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دے کر ان کے نکاح فسخ اور باطل قرار دے چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک ان کے نکاح درست ہیں اور فسخ اور باطل نہیں کہ ان کی اولادوں کی اولاد زنا قرار دینا پڑے۔ کیونکہ وہ ایک رائج الوقت شرعی قانون کے ماتحت کئے گئے ہیں اور اس قانون کی رو سے تمام مدعیان اسلام مسلمان قرار دیئے گئے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ

کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جاری کرنا چاہتی ہے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کو جاری کرنے سے پہلے شرعاً قانوناً اور عقلاً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔

مذکورہ بالا تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ گواہان مدعاعلیہ نے یکم اور ۲؍مارچ کو جو بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت اسلامیہ کے قطعاً مخالف نہیں ہے اور مختار مدعیہ کا آخر بحث میں یہ کہنا کہ گواہان مدعاعلیہ نے تسلیم کیا ہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں مصرح نہ ہوتو وہاں فقہ حنفیہ پر عمل ہوگا۔ ایک مغالطہ ہے جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ گواہ مدعاعلیہ نمبرا نے یکم؍مارچ کو بجواب جرح کہ کیا آپ فقہ حنفیہ کے پابند ہیں؟ یہ کہا تھا کہ فقہ حنفیہ سے اگر یہ مراد ہو کہ جو کچھ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ان سب باتوں کے ہم پابند ہیں تو نہیں۔ لیکن قرآن مجید اور احادیث کے بعد ان میں جو بات قرآن وحدیث کے اقرب ہو اس کو لیں گے۔

پھر مختار مدعیہ نے (نجم المصلی ص۱۲) کی عبارت پیش کی تھی جس میں حضرت مسیح موعود نے فقہ حنفیہ پر عمل کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے وہ پوری عبارت نہیں لکھوائی تھی۔ بلکہ اس کے ساتھ کے فقرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ پوری عبارت یہ ہے: ’’ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ قرآن میں اور نہ سنت میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کرلیں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔‘‘

اس لئے مقدمہ ہذا میں مدعاعلیہ کے عقیدہ کو دیکھا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ احمدی مرد غیراحمدی سنی عورت سے شرعاً نکاح کرسکتا ہے اور چونکہ رائج الوقت شرعی قانون کی رو سے غیراحمدیوں اور احمدیوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی احمدی عورت کا غیراحمدی سے یا غیراحمدی عورت کا احمدی مرد سے نکاح کردیا۔ تاہم وہ نکاح باطل اور فسخ سمجھ کر اس کی اولاد کو زنا کی اولاد نہیں سمجھا جائے گا۔ جماعت احمدیہ کا فقہ حنفیہ سے بعض موجودہ تغیرات کی بناء پر مرتد کے احکام کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔

اور جو حوالے فقہ حنفیہ کی کتب سے ختم نبوت کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں۔ اگر (لیکن جیسا کہ گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں وضاحت سے بتادیا ہے کہ انہوں نے ختم نبوت سے اس قسم کی نبوت کا بند ہونا مراد نہیں لیا جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود کو ہے) ان سے مراد اس قسم کی نبوت ہے جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود نے کیا ہے۔ تاہم حضرت مسیح موعود نے جہاں مذکورہ بالا تحریر جس میں فقہ حنفی پر عمل کرنے کے لئے لکھا ہے۔ اسی جگہ ختم نبوت کے معنی بھی تحریر کردیئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’ایسا ہی چاہئے کہ نہ تو ختم نبوت آنحضرت ﷺ کا انکار کریں اور نہ ختم نبوت کے یہ معنی سمجھ لے ویں کہ جس سے امت پر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا دروازہ بند ہو جاوے اور یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو یا بلاواسطہ متابعت آنحضرت ﷺ وحی پاسکتا ہو۔ بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے اور متابعت نبوی سے نعمت وحی حاصل کرنے کے لئے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وہ وحی حق جو اتباع کا نتیجہ ہے، کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ مگر نبوت شریعت یا نبوت مستقلہ منقطع ہوچکی ہے۔ ولاسبیل الیہا الیٰ یوم القیامۃ ومن قال انی لست من انہ محمد ﷺ وادعی انہ نبی صاحب الشریعۃ اومن دون الشریعۃ ولیس من الامۃ فمثلہ کمثل رجل غمرہ السیل المنہمر فالقاہ وراء ہ ولم یغادر حتی مات‘‘

(نجم المصلی ص۱۴،۱۵ بحوالہ ریویو بر مباحثہ محمد حسین بٹالوی وچکڑالوی)

اصولی اختلاف

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ نمبر ا کے جواب کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ایک لحاظ سے فروعی اور ایک لحاظ سے اصولی اختلاف ہے...... کے متعلق کہا ہے کہ جب گواہ کو مسلم ہے کہ فروعی بھی اختلاف ہے اور اصولی بھی اس لئے نماز، روزہ، وحدانیت وغیرہ دونوں ایک نہیں ہوسکتے اور یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے۔ کیونکہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں وضاحت کے ساتھ اپنے عقائد لکھ کر یہ بتادیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا کوئی عقیدہ خدا اور رسول کے فرمودہ کے خلاف نہیں ہے۔

اور خلیفہ اوّل کا یہ فرمانا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی اختلاف ہے۔ اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے عدالت کو دیدہ ودانستہ مغالطہ دینے کے لئے کہا ہے۔ کیونکہ جو حوالہ خلیفہ اوّل کا نہج المصلی سے دیا گیا ہے اس میں یہ صاف لکھا ہے: ''جس طرح پر وہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ اور حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔'' (نہج المصلی ص۲۷۴)

اس تصریح کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اصولی اختلاف سے مراد نماز وروزہ وغیرہ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے اور اصولی فرق کی بھی حضرت خلیفہ اوّل نے تشریح کردی ہے۔ فرماتے ہیں: ''میری سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس کے ملائکہ پر کتب سماویہ پر اور اس کے رسل پر، خیر وشر کے اندازہ پر اور بعث بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے ہمارے مخالف بھی یہ امر مانتے ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہوجاتا ہے۔ ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہوسکتا اور ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے خواہ وہ نبی پہلے آئے ہوں یا بعد میں ہندوستان میں ہوں یا کسی اور ملک میں کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہوجاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے: ''لا نفرق بین احد من رسله'' لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید میں خاتم النّبیین فرمایا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین یقین نہ کرے تو بالاتفاق کافر ہے۔ یہ جدا امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا۔'' (نہج المصلی ص۲۷۴،۲۷۵)

پس اصولی اختلاف مسیح موعود کی ماموریت کے لحاظ سے ہے نہ کہ نماز وروزہ وغیرہ احکام کے لحاظ سے اور گواہ مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فروعی اختلاف بھی ہے اور اصولی بھی بلکہ اس نے یہ کہا تھا کہ ایک لحاظ سے فروعی اختلاف بھی ہوسکتا ہے اور ایک لحاظ سے اصولی اور اس کا منشاء یہ تھا کہ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور نماز وروزہ وزکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین یقین کرتے ہیں تو اسی لحاظ سے دوسرے معمولی اختلافات فروعی کہلائیں گے اور اصولی اختلاف اس لحاظ سے کہ قرآن مجید میں ایک اصل ایمان کا ایمان بالرسل ذکر کیا گیا ہے۔ مسیح موعود چونکہ خدا کے مامور ہیں اور قرآن مجید واحادیث کی رو سے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس لحاظ سے اصولی فرق ہے۔ پس گواہ مدعا علیہ نمبر ا کا یہ قطعاً منشاء نہیں تھا کہ فروعی اختلاف سے مراد نماز روزہ زکوٰۃ وحج وغیرہ میں اختلاف ہے۔

کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے

مختار مدعیہ نے فریقین مقدمہ کے علیحدہ علیحدہ مذہب ہونے کے ثبوت میں ۱۸؍اکتوبر کی بحث میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ مدعیہ اپنے استدلال اور مذہب کا معیار یہ مقرر کرتی ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے اور جو حدیث اور ائمہ سے ثابت ہے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کردیں وہ ہمیں مسلم ہے۔

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ مدعا علیہ اور اس کے گواہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو قرآن مجید وحدیث سے ثابت ہو وہ اس کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے مطابق وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں اور اس کے بعد حدیث کو اور اس کے بعد ائمہ کے اقوال کو بشرطیکہ کوئی ان میں سے قرآن کے صریح طور پر معارض نہ ہو۔ مختار مدعیہ کا سوال گواہان مدعا علیہ سے صرف حدیث کے متعلق تھا کہ اس کا قرآن مجید کے مطابق ہونا کون ثابت کرے گا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے کہا کہ ہر ایک شخص جو ثابت کردے گا کہ فلاں روایت قرآن مجید کے خلاف ہے۔ وہ اس کے نزدیک قرآن مجید کے خلاف ہوگی اور گواہ نمبر۱ نے کہا ہے کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کردیں وہ ہمیں مسلم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے علم میں زیادہ ہیں اور ان کا ہر فیصلہ بعد تحقیق ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا فیصلہ ہمارے لئے درست اور قابل تسلیم ہوگا۔ آخر ہر شخص جو کسی کی اقتداء کرتا ہے اور اس کو اپنا امام تسلیم کرتا ہو تو یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ اس سے علم میں زیادہ ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کے اقوال کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔

مختار مدعیہ کو شاید معلوم نہ ہو کر علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کا احادیث کے قبول کرنے کے بارہ میں یہی مذہب ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: ’’اہل سنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں۔ اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ موافق مثل مشہور کالا ءزبوں بریش خاوند اس کو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔ القصہ عقل ونقل کی کسوٹی اور دین ودنیا میں امام سمجھتے ہیں۔‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص۱۰)

مختار مدعیہ بتائے کہ احادیث کے موافق قرآن یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا۔ آخر وہی کرے گا جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان کا فیصلہ ہی تسلیم کرتے ہیں اور وہ احادیث جو قرآن کے معارض نہیں ہیں۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ’’ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی کوئی درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔‘‘ (ریویو بر مباحثہ چکڑالوی ص۵، خزائن ج۱۹ ص۲۱۲)

مرتد اسے کہتے ہیں جو مسلمان ہو اس کے بعد اسلام سے پھر جائے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ نے ۱۷؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ لیکن مدعا علیہ کو اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مذہب اسلام پر قائم ہے اور اس کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرنا موجب لعنت خیال کرتا ہے اور قرآن شریف یا احادیث میں کوئی ایسی نص نہیں ہے کہ ایک مدعی اسلام ہو اور وہ کہے کہ میں مذہب اسلام پر بھی قائم ہوں اور اس کے سوا میں نے کسی دین کو اختیار نہیں کیا تو وہ مرتد قرار دیا جائے۔

مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک وجہ

مختار مدعیہ نے فسخ نکاح کے متعلق ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا ہے اور اس امر کا اس نے اپنے جواب دعویٰ میں اقرار کیا ہے اور گواہ نمبر۲ بھی تسلیم کیا ہے کہ غیراحمدی سے احمدی اور احمدی سے غیراحمدی ہوجانے کو مذہب اختیار

کرنا کہا جاسکتا ہے اور مذہب بدلنا اور مذہب اختیار کرنا میرے نزدیک ایک ہی معنی رکھتا ہے اور مذہب تبدیل کئے جانے کی حالت میں نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے بھی چشمہ معرفت میں لکھا ہے پس نکاح فسخ ہو جانا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ مختار مدعیہ کی یہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔

پہلی اس لئے کہ مدعا علیہ نے ان معنوں میں ہرگز مذہب تبدیل نہیں کیا۔ جن معنوں میں مختار مدعیہ نے عدالت کو یقین دلانا چاہا ہے۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے جس بیان کا فقرہ مدعا علیہ کی طرف سے منسوب کیا ہے وہ مدعا علیہ کا نہیں بلکہ منصف احمد پور شرقیہ نے مدعا علیہ کے بیان سے بطور نتیجہ اخذ کر کے خود لکھا تھا اور چونکہ اس بیان سے وہ مغالطہ پیدا ہوسکتا تھا جو مختار مدعیہ نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ اس لئے مدعا علیہ نے اسی وقت درخواست دے کر ظاہر کر دیا تھا کہ جو خلاصہ میرے اعتقاد کا اخذ فرمایا گیا ہے وہ میرے اصل اعتقاد مذہبی سے مغائر ہے۔ ''میں خدا کو وحدہ لاشریک اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النّبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہوں اور حضرت محمد ﷺ کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع اور اشاعت کرنے والے تھے ان پر وحی والہام بہ برکت حضرت نبی کریم ﷺ وارد ہوتے تھے۔''

یہ ہے خلاصہ اس درخواست کا جو مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو دی ہے اور مسل میں موجود ہے۔

مگر کیسی عجیب جسارت ہے کہ باوجود اسی درخواست کی موجودگی کے مختار مدعیہ نے عدالت کو یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ چونکہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے سے نکاح قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا عدالت کو نکاح فسخ کر دینا چاہئے۔ حالانکہ جن معنی میں مذہب کی تبدیلی سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے وہ اس موقعہ پر ہرگز نہیں پائے جاتے۔ مذہب کا لفظ اسلامی فرقوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے کہ حنفی مذہب، شافعی مذہب، مالکی مذہب، حنبلی مذہب اور اس لحاظ سے ان فرقوں کے لئے مذاہب اربعہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور مذہب کا لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ دین موسوی، دین عیسوی، دین اسلام وغیرہ۔ اگر پہلے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی حنفی المذہب انسان شافعی المذہب ہو جائے یا بالعکس تو اس کو دین کی تبدیلی نہیں کہتے اور تبدیلی سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اگر مذہب دوسرے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی شخص مذہب اسلام میں سے نکل کر مذہب موسوی یا عیسوی میں داخل ہو جائے تو اس کو دین کی تبدیلی کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی غیر احمدی کا احمدی ہو جانا دوسری قسم کی تبدیلی نہیں ہے نہ جس سے نکاح کا فسخ ہو جانا لازم آوے۔

جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جو اس نے درخواست مذکورہ بالا میں لکھا ہے کہ میں خدا کو وحدہٗ لاشریک لہ اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین تسلیم کرتا ہوں اور قرآن کریم کو الہام کتاب مانتا ہوں کلمہ طیبہ پر ایمان ہے۔ الخ!

پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے کو اس موقع پر دین بدل لینے یعنی اسلام ترک کر دینے کے معنوں میں لینا قطعاً باطل ہے اور چونکہ مدعا علیہ بفضلہ تعالیٰ اسلام پر قائم ہے اس لئے اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہئے۔

دوسری بات مختار مدعیہ کی اس لئے غلط ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لینے کو ان معنوں میں نہیں لیا ہے جن معنوں میں مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے۔ یعنی دین اسلام کو چھوڑ دینے کے معنوں میں بلکہ فرقے کو بدل لینے کے معنی میں لیا ہے۔ جیسا کہ گواہ مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مذہب کے معنی روشن اور طریقے کے ہیں جن پر ایک انسان چلتا ہے اس لئے غیر احمدی سے احمدی ہو جانا یا احمدی سے غیر احمدی ہو جانے کو مذہب اختیار کرنا کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو جرح بر گواہ مدعا علیہ نمبر۲ بتاریخ ۲۳؍مارچ غرض چونکہ گواہ نے مذہب بدل لینے کو دین بدل لینے کے معنوں میں نہیں لیا جن میں کہ مختار مدعیہ لینا چاہتا ہے۔ بلکہ طریقہ بدل لینے کے معنوں میں

لیا ہے اور طریقہ بدل لینے سے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مقدمہ کا خارج کر دیا جانا ضروری ہے۔

تیسری بات مختار مدعیہ کی اس لئے غلط ہے کہ حضرت اقدس نے چشمہ معرفت میں جو لکھا ہے کہ کسی کے مذہب تبدیل کرنے کی حالت میں اس عورت حاکم وقت کے سامنے خلع کی درخواست کر کے اس سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے تو اس موقع پر آپ کی مراد تبدیلی مذہب سے دین کی تبدیلی ہے۔ جیسے کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین یعنی دین عیسوی یا دین موسوی وغیرہ اختیار کرے۔ چنانچہ جس مضمون میں آپ نے یہ لکھا ہے وہ غیر مسلموں یعنی آریوں کے مقابلہ میں ہے جو آریہ مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لکھا گیا ہے۔

غرض چونکہ چشمہ معرفت کے مضمون میں مذہب کی تبدیلی سے دین کی تبدیلی مراد ہے اور مدعا علیہ نے دین کی تبدیلی نہیں کی۔ اس لئے چشمہ معرفت کے مضمون کی رو سے مدعا علیہ کی منکوحہ یعنی مدعیہ کو علیحدگی کی درخواست کرنے کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔ پس اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہئے۔

فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

مختار مدعیہ نے نکاح فسخ کر دیئے جانے کی ایک وجہ کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اب تک فسخ نکاح کی راہ میں دو روکیں واقع تھیں۔ پہلی یہ کہ اس معاملہ کے متعلق علماء ممالک غیر کا کوئی فتویٰ موجود نہیں تھا۔ دوسری یہ کہ عدالت ہائے ہائی کورٹ کے فیصلہ جات موجود تھے کہ احمدی مسلمان ہیں اور اب یہ دونوں روکیں دور ہو چکی ہیں اس لئے نکاح فسخ ہو جانا چاہئے۔ پہلی روک تو اس طرح دور ہوگئی کہ ملک شام سے احمدیوں کے خلاف فتویٰ آ گیا ہے اور دوسری روک دربار معلّٰی نے یہ کہہ کر دور کر دی کہ جج صاحبان ہائی کورٹ مدراس نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علماء اسلام ہی اس امر کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں۔ لیکن مختار مدعیہ کا یہ بیان بھی اس طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلا بیان کیونکہ جس چیز کا نام وہ شام کا فتویٰ رکھتا ہے وہ درحقیقت کوئی فتویٰ نہیں بلکہ میرے ٹریکٹ ''شئ عن عقائد الجامعة الاحمدية'' کے جواب میں رشید ہاشم کی ایک تحریر ہے جو علماء میں سے نہیں بلکہ ایک ایک تاجر آدمی ہے اور اس کی قابلیت اور دماغی حالت معلوم کرنے کے لئے اس کی یہی تحریر دیکھ لینی کافی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے میرے متعلق جو اس کی یہ عبارت دکھائی ہے۔ وہ یہ ہے: ''جو عبارت میں نے تیرے رسالہ ص ۲،۳،۴ سے نقل کی ہے یہ تیرے کفر پر دلالت کرتی ہے۔''

وہ اس عبارت سے پہلے انہیں صفحات کی یہی عبارت نقل کر کے اس کے متعلق یہ بھی لکھ چکا ہے کہ تیری یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ تو مسلمان ہے اور ایک ہی عبارت کے متعلق اس کی یہ دو متضاد رائیں اس کی دماغی حالت کا اچھا مظاہر ہیں اور اس کی شہرت کی یہ حالت ہے کہ جب جرح میں گواہ مدعیہ نمبر۳ سے دریافت کیا گیا کہ رشید ہاشم کو جانتے ہو تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۹؍اگست ۱۹۳۲ء۔

پس چونکہ جس چیز کا نام فتویٰ رکھا جاتا ہے وہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ ایک شخص کی جوابی تحریر ہے۔ اس لئے قابل التفات نہیں اور اس کے رو سے کسی کے کفر واسلام کا فیصلہ کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے نکاح قائم رکھنا اور مقدمہ خارج کر دیا جانا چاہئے۔

مختار مدعیہ نے حسام الحرمین کے متعلق جو علمائے دیوبند پر علماء حرمین کا فتویٰ کفر کہا ہے کہ اس کی صف اوّل میں مرزا غلام احمد کا نام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کا نام صف اوّل میں ہو یا صف آخر میں۔ مگر اس سے اس فتویٰ کے علماء دیوبند کے حق میں ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی۔ البتہ احمدیوں نے اس فتویٰ کو اپنے حق میں بھی تسلیم نہیں کیا۔

مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ یہ فتویٰ اصل میں احمدیوں پر ہے۔ دیوبندی اس کے ضمن میں داخل کر لئے گئے ہیں بالکل غلط اور سراسر مغالطہ ہے۔ دیوبندیوں کو احمدیوں کے ذیل میں قرار دے کر ضمنی طور پر کفر کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا گیا، بلکہ مستقل طور پر دیا گیا ہے اور ان کا ان سب فرقوں سے جن پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ کفر میں سخت ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ (ص۴۳) میں یہ لکھا ہے: ''تو ان میں سے کسی کو اصل دین کا انکار کرتے پائے گا اور اس میں کوئی ختم نبوت کا منکر ہو کر نبوت کا مدعی ہے اور کوئی اپنے آپ کو عیسیٰ بنا تا ہے اور کوئی مہدی اور ظاہر میں ان سب میں ہلکے اور حقیقت میں ان سب سے سخت وہابیہ ہیں۔ خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو رسوا کرے اور ان کا ٹھکانہ اور ان کا مسکن جہنم کرے۔ بے پڑھے جاہلوں کو جاچو پاؤں کی طرح ہیں دھوکے دیتے ہیں کہ وہ پیرو ان سنت ہیں۔''

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو ان تمام فرقوں سے جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے سخت تر کافر کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہابیوں سے دو گروہ مراد ہیں۔ ایک وہ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ دیوبندی خیال والوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ جو مولوی نذیر حسین دہلوی سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ (حسام الحرمین ص۱۳،۱۴) پر وہابیوں کی قسمیں لکھ کر ظاہر کر دیا۔ مثلاً: وہابیہ امثالیہ خواتمیہ وہابیہ امیریہ، وہابیہ قاسمیہ، وہابیہ کذابیہ، وہابیہ شیطانیہ، وہابیہ نذیریہ اور ان کو مولوی امیر حسن وامیر احمد سہسوانی ومولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مختار مدعیہ نے ان فتوؤں کی طرف سے جو علماء اہل سنت والجماعت ہند وحرمین شریفین نے دیوبندیوں کے حق میں دیئے ہیں۔ عدالت کی توجہ ہٹا دینے کی غرض سے کہا ہے۔ یہاں دیوبندیوں کے کفر واسلام کی کوئی بحث نہیں ہے۔ مگر یہ کہنا بالکل غلط اور دانستہ حقیقت الامر کو پوشیدہ کرنا ہے کہ کیا مختار مدعیہ کو اپنا وہ ٹکڑا یاد نہیں رہا جو اس نے فیصلہ دربار معلیٰ کے حوالہ سے چنا اور پیش کیا ہے کہ ''علماء اسلام ہی اس کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں اور کیا اس نے یہ امر بھی فراموش کر دیا ہے کہ دربار معلیٰ نے یہ مقدمہ شرع شریف کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے اس عدالت میں واپس کیا ہے یہ امر کسی طرح نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کہ جو علماء اس امر کا فیصلہ کرنے والے قرار دیئے جائیں کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کے عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں تو قبل اس کے کہ اس نہایت ہی نازک اور مہتم بالشان امر کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کا تقرر عمل میں آئے خود ان کے متعلق بھی یہ باور کئے جانے کے کہ یہ دنیائے اسلام میں کیا سمجھے جاتے ہیں اور ان کے عقائد بھی مطابق اسلام ہیں یا نہیں قطعی اور یقینی وجوہ موجود ہونا اشد ضروری ہے۔ ورنہ کفر واسلام جیسے مسئلہ میں ان کی رائے قابل توجہ تو کیا لائق التفات بھی نہیں ہوسکتی۔ بہت صاف بات ہے کہ اگر وہ خود عقائد اسلامیہ نہ رکھتے ہوں اور اگر ان کے عقائد کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک کے تمام علماء نے کفر کے فتوے دیئے ہوں۔ حتیٰ کہ علماء حرمین شریفین نے بھی تو پھر وہ دوسروں کے کفر واسلام کا فیصلہ کرنے کے کس طرح اہل سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ کیا اس معاملہ میں علماء دیوبند کے کفر کا کوئی سوال نہیں ہے یا علمائے دیوبند کے کفر واسلام کا سوال ایک بڑا ہی ضروری سوال ہے۔ کیا اتنی اہم بات ایسی آسانی سے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔

اور کیا ایک ایسا معاملہ جو اپنے نتائج کے لحاظ سے نہایت وسیع الاثر اور بغایت مہتم بالشان ہے۔ بعض غیر ذمہ دار آوازوں کے پیچ وخم اور نشیب وفراز کی بھول بھلیوں میں گم کر دیئے جانے کے لائق ہے۔ دیوبندی علماء دوسروں کو کافر ٹھہرانے کے لئے فتوے لکھیں، شہادتیں دیں، بحثیں کریں اور کوئی امکانی کوشش نہ اٹھا رکھیں۔ لیکن جب یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جو خود مرتد اور کافر اور دائرہ اسلام سے خارج

قرار دیئے گئے ہوں جن کا کفر تمام روئے زمین کے کفار سے اشد اور اعظم بتایا گیا ہو وہ کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس فیصلہ کے لئے تو فیصلہ کرنے والے کا خود مسلمان بلکہ اعلیٰ درجہ کا مسلمان ہونا شرط ہے تو مختار مدعیہ کا یہ کہہ کر ٹال دینا چاہئے کہ یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے۔ اگر یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے تو پھر جو ٹکڑا مختار مدعیہ نے دربار معلّٰی کے فیصلہ سے چن کر پیش کیا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس مقدمہ کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ کیا جانا کیا مطلب رکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ اپنے عقائد کے لحاظ سے دیوبندی علماء خود مرتد اور کافر قرار پا چکے ہیں نہ ایک بار بلکہ بار بار اور نہ صرف سنی حنفی علماء ہندی نے انہیں کافر و دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا ہے بلکہ علماء حرمین شریفین نے بھی، اس لئے وہ کسی کے کفر و اسلام کا ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتے اور چونکہ ان کو احمدیوں کے ساتھ پہلے سے بغض وعناد چلا آتا ہے اور وہ اس مقدمہ میں شہادت دینے سے قبل احمدیوں کے ساتھ اپنے بغض وعناد کا پورا پورا اظہار کر چکے ہیں جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد شفیع گواہ نمبرا نے کتاب ''ختم نبوت'' لکھی ہے اور مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی گواہ نمبر۲ نے ''اشد العذاب'' شائع کی ہے۔ جس کا دوسرا نام ''دین مرزا کفر خالص'' رکھا ہے اور جس کے صفحہ صفحہ سے احمدیوں کے ساتھ بغض وعناد ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بہت سے غلط الزامات واتہامات و بہتانات اس نے عدالت میں بھی سنائے ہیں اور مولوی انور شاہ گواہ نمبر۳ نے بھی اپنی ایک مخالفانہ تحریر عدالت میں دکھائی تھی جس کا نام ''اکفار الملحدین'' تھا۔ اس لئے احمدیوں کے متعلق ان کا بیان قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور چونکہ ان کی حالت مدعیانہ حالت سے بھی بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ لہٰذا ان کی شہادت اور یہ مقدمہ خارج ہونا چاہئے۔

مختار مدعیہ نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا کہ دوسرے ممالک کی نسبت حرمین کا فتویٰ بہت اونچا ہے۔ لیکن باوجود اس اقرار کے دیوبندیوں کا اس اونچے فتوے کے نیچے آنا اسے گوارا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اونچے ہونے کا اقرار بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ دیوبندیوں کا نام درمیان میں نہ ہو۔

اگر دیوبندیوں کا نام درمیان میں آجائے تو پھر حرمین کا فتویٰ کیا؟ خود علماء حرمین بھی اونچے نہیں رہتے وہ بھی نیچے ٹھہرائے جاتے اور باعتبار علم وفضل اور تقویٰ اللہ وخشیۃ اللہ دیوبندی علماء کے مقابل میں ہیچ۔ حتیٰ کہ نا قابل فتویٰ بتائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فتویٰ حسام الحرمین کو علماء دیوبند کے حق میں قبول نہ کرنے اور نہایت صریح وصاف اور کھلے کھلے الفاظ میں علماء حرمین کی ہجو کر کے علماء دیوبند کے مقابلہ میں انہیں خلاف شرع وبے احتیاط اور روپیہ لے کر غلط فتویٰ لکھ دینے والے قرار دینے سے ظاہر ہے۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد ومولوی رشید احمد کی طرف منسوبہ کتاب (البراہین القاطعہ ص ۱۸، ۱۹) سے اس بیان کی کما حقہ تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں لکھا ہے کہ علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب پر روشن ہے اور کچھ دور نہیں۔ جس مسلمان کا دل چاہے بچشم خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس وہیئت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور نماز کو باجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں اور امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ پر رعایت غنی فقیر کی نہیں، حق جواب دیتے ہیں اور جوان کو کوئی متنبہ کسی خطاء پر کرے تو بشرط صحت قبول سے کبھی دریغ نہیں۔ بسروچشم معترف ہوتے ہیں۔ یہ سب اوصاف واضح ہیں۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے امتحان کر لے اور یہی قبولیت عنداللہ کا نشان ہے (البراہین القاطعہ ص ۱۸ شروع سطر سے) یہ تو دیوبندی علماء کی مدح جو بلا استثناء تمام علماء کے لئے اور اس سے ظاہر ہے کہ دیوبندی علماء میں سے ایک بھی ان صفات سے خالی نہیں ہے۔ اب ملاحظہ ہو علماء حرمین کی ہجو جو انہیں حضرات اکابر دیوبند نے اسی کتاب میں، اسی صفحہ، اسی مقام پر عبارت منقولہ سے بالکل متصل تحریر کی ہے۔

''اور علماء مکہ کا حال جس نے عقل وعلم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے کہ جو نہیں گیا وہ ثقات کے بیان سے مثل مشاہدہ جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب۔ کیونکہ اکثر وہاں متقی بھی ہیں۔ اس حالت میں کہ لباس ان کا خلاف شرع، اسبال آستین اور دامن کا چغہ

اور قمیص میں کرتے ہیں، ریش اکثروں کی قبضہ سے کم، نماز میں بے احتیاطی، امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام ونشان نہیں، اکثر انگوٹھی چھلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے، قطع صفوف شائع ہے۔ فتویٰ نویسی میں کچھ دے کر جو چاہو لکھوالو ان کے عصیان سے کوئی مطلع کرے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابوطالب کو مومن لکھ دیا، خلاف روایات صحاح احادیث کے۔''

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بمقابلہ دیوبندی علماء کے یہ علماء حرمین کی تحقیر وتذلیل اور مذمت وہجو ہے یا نہیں اور اگر کسی کو اس کی کھلی کھلی ہجو ہونے میں ذرا بھی تامل ہو تو خود ہجو کرنے والوں کا یہ اقرار کہ درحقیقت یہ ہجو ہے اس کی تسلی کے لئے موجود ہے۔ چنانچہ صاحب عبارت نے منقولہ بالا عبارت کے آگے ہی لکھا ہے: ''اور علیٰ ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول اور شرم بھی آتی ہے کہ ہجو علماء حرمین کی لکھوں مگر، بناچاری لکھنا پڑا۔ پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دے دی تو کون سا غضب کیا۔ اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابل اعتماد ہوگا یا علماء حرمین کا یہ ہے دیوبندی صاحبوں کی نظر میں دیوبندی مولویوں کے مقابلہ میں علماء حرمین کی وقعت اور ان کے فتویٰ کے مقابلہ ان کے فتویٰ کی عظمت اور بات یہاں تک پہنچ کر بھی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ موافق مقولہ مشہورہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند بلکہ جو کمی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے رہ جاتی ہے۔ وہ ان کے روحانی فرزند وخلیفہ اور دیوبندیوں کے شیخ الہند جناب مولوی محمود حسن صاحب اپنے مصنفہ مرثیہ میں پوری کر دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ　　　جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق وشوق عرفانی

جب کعبہ میں دیوبندیوں کے شیخ الہند کے نزدیک فقدان عرفانی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق وشوق عرفانی رکھنے والے ہیں ان کو گنگوہ کا رستہ پوچھنے کے لئے مارا مارا پھرنا پڑتا ہے تا جو عرفانی کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا اور جس کا نام ونشان نظر نہ آیا تھا وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں کہ کعبہ اگر آنحضرت ﷺ کا مولد ہے تو گنگوہ مولوی رشید احمد صاحب کا یہ ہے کہ کعبہ شریف کے متعلق جو بیت اللہ سمجھا جاتا ہے کہ موجود دور کے سب سے بڑے دیوبندی اور تمام دیوبندیوں کے مسلمہ شیخ الہند اور امام کا نقطۂ نظر۔ جب بیت اللہ کے متعلق نقطۂ نظر یہ ہے تو بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظّمہ کے متعلق جو کچھ ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ اب رہی مدینہ منورہ کی حالت تو اس کے متعلق موصوف الصدر دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے فرماتے ہیں:

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ　　　کہوں ہوں بار بار ارنی میری دیکھی بھی نادانی

مختار مدعیہ نے دیوبندیوں کو علماء حرمین کے فتویٰ کی زد سے بچانے کے لئے مذکورہ بالا عذر کے بعد دوسرا عذر یہ پیش کیا ہے کہ علماء حرمین نے وہ فتوے واپس لے لئے۔ اس عذر سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ان فتوؤں کے دیوبندیوں کی بابت ہونے سے تو مختار مدعیہ کو بھی انکار کی گنجائش نہیں مل سکتی ہے اور اتنا تو اسے بھی ماننا پڑا ہے کہ وہ فتوے دیئے تو دیوبندیوں ہی کے لئے گئے تھے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اب ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ کیونکہ علماء حرمین نے وہ فتوے واپس لے لئے۔ بہت خوب؟ اب میں اس امر کی تحقیق شروع کرتا ہوں کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ فتوے درحقیقت علماء حرمین نے واپس لے لئے تھے یا یہ بھی منجملہ اور مغالطوں کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ مذکورہ فتوؤں کے واپسی کے ثبوت میں رسالہ ''المہند'' پیش کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ علماء حرمین نے ۲۶ سوالات دیوبندیوں کے عقائد کی بابت دیوبند بھیجے تھے جن کے جوابات دیوبند سے لکھے گئے اور علماء حرمین نے ان جوابات کے صحیح اور مطابق عقائد اہل سنت ہونے کی تصدیق کر دی اور اس طرح وہ کفر کے فتوے جو علماء حرمین کی طرف سے دیوبندیوں پر دیئے گئے اور حسام الحرمین میں چھپے تھے۔ واپس ہو گئے لیکن یہ بالکل غلط ہے اور وہ فتوے ہرگز واپس نہیں کئے گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن سوالات کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ علماء حرمین

شریفین نے اہل دیوبند کے عقائد کی تحقیقات کے لئے دیوبند بھیجے تھے وہ علماء حرمین نے نہیں، بلکہ بعض دیوبندی مولویوں نے جو اس زمانے میں وہاں گئے ہوئے تھے۔ اس غرض سے بھیجے تھے کہ ان کے جواب اپنے دیوبندی عقائد کے خلاف اور اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق لکھ دیئے جائیں تا علماء حرمین شریفین ان کو اپنے عقائد کے مطابق پاکر ان کی تصدیق میں اپنے اپنے دستخط اور مہریں ثبت کردیں اور پھر وہ جوابات مع تصدیقات علماء حرمین ہندوستان میں شائع کئے جائیں اور یہ مشہور کیا جائے کہ علماء حرمین نے دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ دھوکے سے دیا تھا۔ کیونکہ دیوبندیوں کے مخالفوں نے غلط عقائد پیش کر کے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ دیوبندیوں کے عقائد ہیں، لیکن جب علماء حرمین کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ ہم کو دھوکا دے کر فتویٰ لیا گیا ہے تو انہوں نے دیوبندیوں کے عقائد کی بابت سوالات لکھ کر دیوبند سے جواب طلب کئے اور جب جواب دیکھے تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ دیوبندیوں کے عقائد صحیح ہیں اور اس پر دستخط اور مہریں کردیں پس ثابت ہوگیا کہ جو فتوے حسام الحرمین میں چھپے تھے وہ غلط تھے اور ان کا اب کوئی اثر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سوالات بھیجے گئے اور پھر ان کے ایسے جوابات دیئے گئے جو دیوبندیوں کے خلاف اور اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق تھے اور کئی موقعوں پر دیوبندیوں کی کتابوں میں جو عبارتیں تھیں اور جن کی بناء پر پہلے علماء حرمین ان پر کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ تبدیل کر کے پیش کردیں۔ یعنی جو عبارتیں کتابوں میں تھیں وہ تو پیش نہیں کیں۔ بلکہ ان کی جگہ اور عبارتیں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کے مطابق اپنی طرف سے وضع کر کے پیش کردیں پھر ان مغالطہ انگیز جوابوں پر ہندوستان کے دیوبندی مولویوں سے تصدیقیں کرائیں کہ یہی ہمارے اور ہمارے اکابر کے عقائد ہیں۔ علاوہ اس کے ایک رسالہ وہابیوں کے عقائد کے رد میں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جب ہم وہابیوں کا رد کرتے ہیں تو پھر ہم خود کہاں وہابی ہوسکتے ہیں لکھا گیا اور پھر علماء حرمین کے سامنے حسب موقعہ کہیں مذکورہ سوالات اور کہیں وہ رسالہ رد وہابیہ پیش کر کے دستخط ومواہر حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ دستخط ومواہیر اس طریقہ سے حاصل کئے گئے اور پھر وہ سب المہند میں نقل کئے گئے اور ۳۰ مہریں علامہ برزنجی کے رسالہ سے المہند میں اتار لی گئیں۔ جو دیوبندیوں کے جواب پر نہیں تھیں بلکہ علامہ برزنجی کے ایک رسالہ پر تھیں اور (المہند ص۶۰) پر درج ہیں اور یہ سب باتیں المہند سے ثابت ہیں۔

پہلی بات کا کہ سوالات مذکورہ علمائے حرمین میں سے کسی نے نہیں کیے بلکہ دیوبندی مولویوں میں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کسی نے بھیج دیئے تھے۔ ثبوت یہ ہے کہ ۲۳ویں سوال میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے لئے علامہ زماں کے الفاظ لکھے گئے ہیں یعنی سوال ان الفاظ میں کیا گیا کہ کیا علامہ زماں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا ہے کہ: ’’حق تعالیٰ نعوذ باللہ جھوٹ بولتا ہے۔‘‘ اور ظاہر ہے کہ وہ علماء حرمین جو مولوی رشید احمد صاحب پر کچھ ہی مدت پہلے کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ ازسرنو تحقیقات سے پہلے ان کو علامہ زماں نہیں لکھ سکتے تھے۔ پھر اکیسویں سوال کے جواب میں کرنے والوں کو مخاطب کر کے یہ لکھا گیا ہے کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات وموضوع روایات بیان ہوتی ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو ہندوستان کی مولود کی مجلسیں خوب دیکھے ہوئے تھے اور جو ابھی اچھی طرح سن چکے تھے کہ ان مجلسوں میں واہیات اور موضوع روایات بیان ہوا کرتی ہیں اور ایسے لوگ جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں شریک ہوں اور اردو زبان کی تقریروں میں واہیات اور موضوع روایات کا بیان ہونا معلوم کرلیں ہندوستانی مولوی ہی ہوسکتے نہ کہ علماء حرم۔

پھر (المہند ص۵۶) پر علامہ سید احمد صاحب برزنجی کی تحریر میں ان سوالات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور اس عالم کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اگر علماء حرمین نے وہ سوالات دیوبند کو بھیجے ہوتے تو برزنجی صاحب کو علم ہوتا۔ مگر اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ان کا بھیجا جانا علامہ برزنجی صاحب کے علم میں تھا اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب نے وہ رسالہ پیش کرتے وقت جن

میں وہ سوالات اور ان کے جوابات تھے ان پر ظاہر کیا کہ سوالات کس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پس صرف اتنا ہی ظاہر کیا کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ علاوہ اس کے سوالات کے آخر میں بھی یہ امر ظاہر نہیں کیا گیا کہ سوالات بھیجنے والے کون حضرات ہیں اور یہ سب امور ثابت کررہے ہیں کہ سوالات بھیجنے والے علمائے حرمین نہیں بلکہ دیوبندی مولوی صاحبان ہی تھے۔

دوسری بات یہ کہ سوالات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں وہ دیوبندی عقائد کے مطابق نہیں بلکہ عقائد اہل سنت کے موافق ہیں۔ یہ ثبوت ہے کہ المہند موجود ہے دیکھ لی جائے۔ بلا استثناء ہر سوال کے جواب کی یہی حالت ملے گی۔

نمونہ کے طور پر چند جوابوں کے متعلق میں عرض بھی کرتا ہوں۔ بارھواں سوال یہ تھا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون...... مال اور آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شرکت والی جس نے امام پر چڑھائی کی تھی۔ اس سے آگے چل کر ردالمختار علامہ شامی سے نقل کیا۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکلا۔ حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے۔ مگر عقیدہ ان کا یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔ پھر لکھا ہے کہ عبدالوہاب اور اس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلہ مشائخ میں نہیں ہے۔

اس جواب سے یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ وہابیوں کے عقیدوں سے سخت بیزار ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو خارجیوں کی طرح سمجھتے اور تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دینے والا جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ جواب حقیقت کے بالکل ہی خلاف ہے اور عبدالوہاب کے متعلق دیوبندیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے اور یہ عقیدہ تو سنی حنفی حضرات کا ہے جو دیوبندیوں نے علماء حرمین کو مغالطہ دے کر ان سے اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اپنے عقیدے کی جگہ پیش کردیا ہے۔ ورنہ خود ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ نہایت عمدہ ہے اور عقائد میں دیوبندی اور وہابی سب متحد ہیں۔ ہاں! اعمال میں کچھ فرق ہے۔ وہ بھی ایسا ہی جیسا کہ حنفی، شافعی اور مالکی وحنبلی میں ہے۔

چنانچہ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتداء اور امام جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے (فتاویٰ ج اوّل ص۱۱۹ مطبوعہ جید برقی پریس) میں فرماتے ہیں: ''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔''

یہ وہابیوں اور ان کے عقائد کے متعلق دیوبندیوں کا عقیدہ اور اسی وجہ سے کہ وہ وہابیوں کے عقیدوں کو عمدہ بتاتے اور ان کے ساتھ عقائد میں متحد ہیں۔ وہابیہ دیوبندیہ کہلاتے ہیں۔ لیکن علمائے حرمین کے سامنے اس کے بالکل برخلاف پیش کردیا کہ ہم محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرو وہابیوں کو خارجیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔

اور اسی پر علمائے حرمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے تو اس فتویٰ سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں کے عقیدہ اہل سنت کے مطابق قرار دیا اور وہابیانہ عقائد کی وجہ سے جو کفر کا فتویٰ حسام الحرمین میں ان پر دیا تھا وہ اٹھالیا ہے۔

انیسواں سوال یہ تھا کہ کیا تمہاری رائے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون

تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم ﷺ سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں پھر ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے۔

لیکن جن میاں خلیل احمد صاحب انبیٹھی نے یہ جواب دیا ہے۔ وہی نہایت جسارت سے اپنی کتاب (براہین قاطعہ ص۵۱) میں یہ لکھ چکے ہیں کہ: ''شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سے ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان وملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔''

اس عبارت میں شیطان وملک الموت کو علم محیط زمین کا حاصل ہونا اور ان کی یہ وسعت علم آیت سے ثابت مانی ہے اور آنحضرت ﷺ کے علم محیط زمین اور آپ کی وسعت علم کے متعلق کسی آیت کی موجودگی سے انکار کیا ہے اور اہل سنت وجماعت سے پوچھا ہے کہ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے یعنی کوئی بھی نہیں ہے۔ شیطان وملک الموت کے لئے تو علم محیط زمین کا تسلیم کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے علم محیط زمین کے تسلیم کرنے کو شرک قرار دیا ہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جس کی وجہ سے علمائے حرمین نے دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اب علمائے حرمین کے سامنے براہین قاطعہ کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے خلاف یہ لکھ دیا گیا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے علم سے کسی کے علم کو زیادہ بتاوے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی عبارت بڑھا دی گئی جس کا براہین قاطعہ میں کہیں نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ اگر اس جواب کو علمائے حرمین نے صحیح اور درست کہا اور عقائد اہل سنت کے موافق بتایا تو اس سے دیوبندیوں کے عقیدے کو صحیح اور درست بتانا کہاں ثابت ہوا اور جو فتویٰ کفر کا ان پر حسام الحرمین میں دیا تھا، اس کا واپس لے لینے کس طرح لازم آیا۔ کیونکہ المہند میں تو علمائے حرمین نے اہل سنت کے اس عقیدے کی تصویب وتصدیق کی ہے نہ کہ دیوبندیوں کے عقیدے کی جو (براہین قاطعہ ص۵۱) کی عبارت سے ثابت ہے۔

بیسواں سوال یہ تھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم زید بکر اور چوپاؤں کے علم کے برابر ہے یا اس قسم کے خرافات سے تم بری ہو اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ حفظ الایمان میں یہ مضمون لکھا ہے یا نہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک افتراء اور جھوٹ ہے کہ کلام کے معنی بدلے اور مولانا کی مراد کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک لمبی عبارت اپنی طرف سے لکھ کر اس کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی عبارت کا حاصل بتا دیا ہے اور پھر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے نام سے یہ عبارت پیش کی ہے: ''پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول زید صحیح ہو تو ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے۔ یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب، کوئی غیب کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب ﷺ کی تخصیص نہ رہی۔ کیونکہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہے۔ زید وعمر بلکہ ہر بچہ اور دیوانے بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہے کہ دوسرے کو نہیں ہے تو اگر سائل کسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق بعض غیب کے جاننے کی وجہ سے جائز رکھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس اطلاق کو مذکورہ بالا تمام حیوانات پر جائز سمجھے اور اگر سائل نے اس کو مان لیا تو یہ اطلاق کمالات نبوت میں سے نہیں رہا۔ کیونکہ سب شریک ہوگئے اور اگر اس کو نہ مانے تو وجہ فرق پوچھی جائے گی اور وہ ہرگز بیان نہ ہو سکے گی۔ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

بڑی دلیری سے یہ عبارت مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی عبارت بتائی گئی ہے اور خاتمہ پر نہایت جسارت سے

لکھا گیا ہے کہ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔ پھر علمائے حرمین سے کہا کہ خدا تم پر رحم فرمائے ذرا مولانا کا کلام ملاحظہ فرماؤ۔

بدعتیوں کے جھوٹ کا کہیں پتہ بھی نہ پاؤ گے اور اس قول میں نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ وبلفظہا حفظ الایمان میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بالکل دروغ بے فروغ ہے اور حفظ الایمان میں عبارت مندرجہ بالا ہرگز موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف اس میں یہ عبارت ہے۔ ’’آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

اور حدیہ حفظ الایمان کے اسی مضمون کی عبارت ہے جس کے متعلق تمام سنی علماء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں علم کل اور علم بعض۔ پہلی قسم یعنی غیب کے علم کل کی تو آنحضرتﷺ کی ذات مبارک سے نفی کر دی ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی علم بعض غیب تو یہ حضور کے لئے ثابت مانا ہے۔ مگر اسی علم بعض غیب کے متعلق جو آنحضرت کے واسطے مانا ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ صریح طور پر آنحضرتﷺ کے علم کو بچوں، دیوانوں اور جانوروں کے علم کے برابر بتانا ہے علمائے حرمین کے فتویٰ کے بموجب جو اشد درجہ کا کفر ہے اور علماء ہند وعرب بالخصوص علمائے حرمین نے اسی وجہ سے بھی دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھی دیوبندی نے اپنے جواب میں حفظ الایمان کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی جو میں نے نقل کی ہے اور جس پر علمائے حرمین وغیرہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک عبارت گھڑ کر پیش کر دی کہ حفظ الایمان میں یہ عبارت لکھی ہے۔ پس مولوی خلیل احمد کی گھڑی ہوئی عبارت پر علمائے حرمین نے جو رائے ظاہر کی وہ مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان کے کفریہ مضمون کی بابت نہیں ہوسکتی اور اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ حفظ الایمان کے مضمون کی بناء پر علمائے حرمین نے حسام الحرمین میں دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ واپس لے لیا ہے۔ کیونکہ علمائے حرمین کا فتویٰ کفر تو حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق تھا نہ کہ اس عبارت کے متعلق جو مولوی خلیل احمد نے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کی ہے۔

اکیسواں سوال: مجلس مولود شریف یعنی ذکر ولادت آنحضرتﷺ کے متعلق تھا کہ تم اس کو شرعاً قبیح اور بدعت سیّئہ اور حرام سمجھتے ہو یا کچھ اور۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرتﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح وبدعت سیّئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہﷺ سے ذرا سا بھی علاقہ ہے۔ ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول وبراز اور نشست وبرخاست اور بیداری وخواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ براہین قاطعہ میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔

پھر اس کی تائید میں مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری کے فتوی کی عبارت اس ذکر کے ساتھ درج کی ہے کہ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلس شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقہ سے ناجائز تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ سیدنا رسول اللہﷺ کی ولادت شریف یا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجبہ سے خالی ہوں۔ ان کیفیات سے جو صحابہ کرام اور اہل قرون ثلاثہ

کے طریقہ کے خلاف نہ ہوں جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت نے دی ہے۔ ان عقیدوں سے شرک وبدعت کے موہم نہ ہوں اور ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرۃ کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد ما انا علیہ واصحابی کی مصداق ہے۔ ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سبب خیر وبرکت ہے۔ بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدے سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر افکار حسنہ کے ذکر حسن ہے۔ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا۔ الخ!

مولوی احمد علی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد مولوی خلیل احمد دیوبندی انبیٹھی لکھتے ہیں: اس سے معلوم گیا کہ ہم ذکر ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کی مولودی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات وموضوع روایات بیان ہوتی ہیں۔ مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہو پر طعن وتکفیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور منکرات شریعہ ہیں جس سے شاہد ہی کوئی مجلس میلاد خالی ہے۔ پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہے تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیونکر گمان ہوسکتا ہے۔ پس ہم پر یہ بہتان جھوٹے ملحد دجالوں کا افتراء ہے۔ (المہند ص۲۴،۲۵)

اس جواب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے ذکر کا مخالف ہونا اور اس کو قبیح وبدعت یا حرام کہنا تو کیا معنی، دیوبندی تو آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرے کو بھی قبیح وبدعت یا حرام نہیں کہتے اور جن حالات کو آنحضرت ﷺ سے ذرا سا بھی تعلق ہو۔ وہ دیوبندیوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول وبراز وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے دو تحریریں پیش کی ہیں ایک وہ فتویٰ جو اس سوال کے جواب میں کہ مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے ہونی چاہئے۔ مولوی احمدی علی صاحب سہارنپوری نے دیا ہے اور دوسری براہین قاطعہ جس میں متعدد جگہ اپنے عقیدۂ مذکورہ کے مسطور ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اب میں یہ دکھانے کے لئے کہ اس معاملہ میں درحقیقت دیوبندیوں کا عقیدہ کیا ہے۔ ان کی مسلم کتب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور سب سے پہلے براہین قاطعہ ہی کو لیتا ہوں۔

اس کے (ص۱۴۸) میں مجلس میلاد شریف اور اس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت شریف کا ذکر آنے کے وقت قیام کرنے یعنی کھڑے ہوجانے کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ درج کیا گیا ہے اور اس قیام کے متعلق تو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ اس لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح دنیا میں آئی ہے تو قیام معاذ اللہ کنہیا کے سوانگ کی طرح ہے۔ جو ہنود ہر سال بناتے ہیں اور ایک فرضی خرافات ہے اور حرکت قبیحہ قابل لوم وحرام وفسق ہے اور ایسا کرنے والے کنہیا کا سوانگ بنانے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں اور پھر قیام کے متعلق کئی صورتیں قائم کر کے لکھا ہے: ''الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت ومنکر اور دوسری صورت میں حرام وفسق اور تیسری صورت میں کفر وشرک اور چوتھی صورت میں اتباع ہوا اور کبیرہ ہوتا ہے۔ یہ فتویٰ تو قیام کے متعلق تھا اور مجلس مولود شریف کو مجلس پر اشرار ومعاصی وغیر مشروعات مجمع فساق وفجار اور محضر بدعات وشرور لکھا ہے اور مجلس میلاد شریف منعقد کرنے والوں کو مبتدع فاسق وفاجر ومرتکب حرام وکفر وشرک قرار دے کر آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانے کی بدعت ومنکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کے نہیں ہوسکتی۔ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی۔

علماء حرمین کے سامنے جو جواب پیش کیا گیا ہے اس میں تو آنحضرت ﷺ کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو بھی قبیح وبدعت سیّئہ یا حرام کہنے سے نفرت وبیزاری اور اس سے اپنی بریت ظاہر کی گئی ہے اور اس کی تصدیق وتائید کے لئے براہین قاطعہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور

براہین قاطعہ میں حضور ﷺ کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو نہیں بلکہ جس مجلس میں خود حضور کا ذکر ولادت شریف کیا جائے۔ اس مجلس کو بحیثیت مجموعی معاذ اللہ! کنہیا کا سوانگ اور حرکت قبیحہ قابل لوم وحرام وفسق قرار دیا ہے اور اس کے منعقد کرنے اور شریک ہونے والوں کو مجمع فساق وفجار کہا اور کفار سے بدتر ٹھہرایا ہے اور قیام کو حرام وفسق اور کفر شرک تک پہنچایا ہے اور بالآخر مجلس ذکر میلاد شریف کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت نہیں ہوسکتی اور دیوبندی صاحبوں کے اس جواب میں جو علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش کیا ہے اور اس بیان میں جو براہین سے میں نے نقل کر دیا ہے جو فرق ہے وہ ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

لیکن اس کے متعلق ایک عذر ناواقفوں کو مغالطہ دینے کے لئے کیا جاتا ہے کہ مجلس ذکر نبی کریم ﷺ کی مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ اس کو حرکت قبیحہ قابل لوم اور کنہیا کا سوانگ نہیں کہا ہے۔ اس کی ممانعت نہیں کی ہے اور وہ شرعاً ناجائز نہیں بتائی گئی ہے۔ بلکہ اس میں جو غیر مشروع باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب ان کے متعلق اور ان کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ عذر بڑی کثرت سے پیش کیا جا چکا ہے اور برابر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر فی الحقیقت اس کی بھی اصلیت نہیں ہے اور یہ بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر مجلس ذکر میلاد شریف میں کوئی بات بھی غیر مشروع نہ ہو اور وہ بالکل اس طریقہ سے کی جائے، جس طریقہ سے دیوبندی صاحبوں کے مسلم مقتداء مولوی حاجی شاہ امداداللہ صاحب یا اور بزرگان دین کرتے رہے ہیں تو بھی ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کے لئے میں مسلم مقتداء وپیشوائے دیوبندی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ پیش کرتا ہوں۔

سوال کیا گیا کہ مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو۔ جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود وعرس کیا کرتے تھے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب پوری توجہ کے بعد جواب ملاحظہ ہو۔ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔

<u>جواب:</u>

۱...... ’’عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو۔ مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی ہے۔ لہٰذا اس زمانے میں درست نہیں۔ وعلیٰ ہٰذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء کہ اوّل مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہوگئیں۔ مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے۔‘‘ فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل ص۹۲)

۲...... پھر سوال کیا گیا کہ انعقاد مجلس میلاد بدوں قیام بروایات صحیحہ بھی درست ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں: ’’انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔‘‘ فقط　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۸۳)

۳...... پھر سوال کیا گیا ہے محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف وگزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے۔

اس کا جواب مولوی صاحب نے صاف یہ دیا ہے کہ ’’ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔‘‘　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص۱۸۸)

اب ان تمام فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ مولود دیوبندیوں کے نزدیک ہر حال میں ناجائز ہے۔ لیکن المہند میں صریح اس کے خلاف لکھا گیا ہے۔ پس علماء حرمین کا جو فتویٰ دیوبندیوں پر تھا وہ اپنی صورت پر باقی رہا اور جو عذر مختار مدعیہ نے پیش کیا تھا کہ ہم پر فتویٰ تو لگایا گیا۔ لیکن وہ علماء حرمین نے واپس لے لیا تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے بالکل غلط ثابت ہوا اور علماء حرمین کے نزدیک وہ ان عقائد کی بناء پر جو ان کے مقتداؤں کی کتابوں میں موجود ہیں، کافر ہوئے اور کافر بھی ایسے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

لہٰذا ان کی شہادتیں مقدمہ ہٰذا میں قابل اعتبار نہیں ہوسکتیں بلکہ رد کرنے کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ علماء اسلام سے نہیں ہیں۔

۵؍مارچ ۱۹۳۴ء گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر تنقید کرتے ہوئے گواہ نمبر۱ کے متعلق کہا ہے کہ اس نے یکم؍مارچ کو مختار مدعیہ کے سوال جرح کے جواب میں کہا کہ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر میری نظر سے نہیں گزرا جو اس وقت تک شائع ہوا ہے اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کو مسلم ہے کہ حکم کسی پر اس وقت لگایا جائے گا۔ جب کہ اس کی تصنیفات سے آگاہی حاصل ہو۔ لہٰذا مرزا صاحب کے مسلمان ہونے کے بارے میں ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کا اسلام ثابت کرنے کے لئے سب باتوں کا علم ہونا چاہئے اور چونکہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لئے ایسا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے سلسلہ احمدیہ کی تمام کتابوں سے ناواقفیت کا اعتراض گواہان مدعیہ پر عائد نہیں ہوسکتا۔

جواب: مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کی عبارت محرف کر کے پیش کی ہے اور اس سے یہ مطلب نکالا نا چاہا ہے کہ گویا گواہ مذکور کو حضرت مسیح موعود کی کتب سے واقفیت کا انکار ہے۔ لیکن یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے جو اس نے عدالت کو دینا چاہا ہے مدعا علیہ کے گواہ نمبر نے جو کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ’’سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس وقت تک جس قدر لٹریچر شائع ہو چکے ہیں وہ سب کا سب میری نظر سے نہیں گزرا۔‘‘

اور ظاہر ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام لٹریچر میں حضرت مسیح موعود کی کتب کے علاوہ دوسرے بہت سے احمدی مصنّفین کی کثیر التعداد کتب اور جرائد اور مجلدات سب شامل ہیں، جن کا پڑھنا حضرت مسیح موعود اور آپ کے پیروؤں کا اسلام ثابت کرنے کے لئے ہرگز ضروری نہیں۔ بلکہ صرف حضرت مسیح موعود کی کتب کا پڑھ لینا کافی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود اور مدعا علیہ کے اسلام ثابت ہونے کا دارومدار حضرت مسیح موعود کی کتب پر ہے اور مدعا علیہ انہیں معتقدات کا پابند ہے جو حضرت مسیح موعود کے تھے اور جو قرآن مجید واحادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہیں۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ کسی کے عقیدے کو کفریہ عقیدہ ثابت کرنے کے لئے اس کی تمام تصانیف کا دیکھا جانا ضروری نہیں قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ کوئی مبہم یا ذوالوجوہ عبارت غلط فہمی کا موجب ہو اور خلاف منشاء متکلم معنی لینے کی وجہ سے موجب کفر سمجھ لی جائے۔ حالانکہ درحقیقت وہ موجب کفر نہ ہو۔ پس کسی کے کلام کو موجب کفر قرار دینے کے لئے بہت بڑی ضرورت ہے کہ اس کے ماسبق و مالحق پر بھی خوب غور سے نظر کی جائے اور صرف اسی پر اکتفاء نہ کر کے اس کی دوسری تصانیف بھی اچھی طرح دیکھ لی جائیں تا اس امر کے متعلق کہ درحقیقت اس کے کلام کا مطلب اور اس کا عقیدہ کیا ہے۔ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور کسی کے متعلق کفر جیسے نازک اور خطرناک امر کی بابت رائے دینے میں غلطی نہ ہو جائے۔ مختار مدعیہ کا اس کے خلاف بیان کرنا اور جس کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا ہو۔ اس کے اسی کلام کی بابت جو موجب کفر معلوم ہوتا ہو۔ یہ تحقیق کرنے کے لئے کہ درحقیقت وہ موجب کفر ہے بھی یا نہیں۔ اس کی اور تصانیف کے دیکھنے کو غیر ضروری بتانا عقل وانصاف کے خلاف ہونے کے علاوہ گواہ مدعیہ نمبر۱ کے بیان پر بھی پانی پھیر دینے والا ہے۔ کیونکہ اس نے ۲۰؍اگست کو بجواب جرح یہ اصل بیان کیا ہے: ’’ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کرایا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔‘‘

اور واضح رہے کہ فتویٰ دینے کے بارے میں گواہ مدعیہ نمبر۱ کا قول بہ نسبت مختار مدعیہ کے قول کے زیادہ معتبر اور ماننے کے قابل ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نمبر۱ بقول اس کے دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں ہے۔ پس کسی کے عقیدے کو کفریہ عقیدہ ثابت کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا ماسبق و مالحق اور اس کی دوسری تصانیف کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ لیکن گواہان مدعا علیہ نمبر۳ نے بجواب جرح اقرار کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی کتب کا سوائے ان عبارات کے جن پر اعتراض کئے اسے مطالعہ نہیں کیا اور یہ صورت ایسی ہے کہ ان کی شہادت کو قابل التفات نہیں رہنے دیتی۔

(۲) دربار معلیٰ کی توہین

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہ نمبر۱ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ گواہان مدعیہ نے فتویٰ تکفیر کی بنیاد بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے اور اس میں دربار معلیٰ کی صریح توہین ہے۔ ''مولوی صاحب موصوف نے بطور دلائل کئی ایک آیات قرآن شریف پیش کیں جن میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ الجامعہ کی شہادت کے متعلق دربار معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے یک طرفہ ہے جو قانوناً کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ دربار معلیٰ میں مدعا علیہ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے اس پر جرح کا موقعہ دینا چاہئے۔ یہاں تک کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک عالم جرح کے لئے پیش بھی ہوئے۔ مگر دربار معلیٰ نے اسے جرح کرنے سے روک دیا۔ ان حالات میں دربار معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مختار مدعیہ نمبر۱ کے مذکورہ بالا قول کو دربار معلیٰ کی توہین کا موجب بتانا اپنے آپ کو ''مدعی سست گواہ چست'' کی مثل کو اصلی کر دکھانا ہے۔ کیونکہ دربار معلیٰ خود بھی اپنی رائے کو یک طرفہ سمجھتے ہوئے قطعی نہیں قرار دیتا۔ چنانچہ نقلی تجویز اجلاس خاص منعقدہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۳۱ء منظور شدہ ۲۵؍جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے: ''مگر ہم اس مقدمہ کو فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے ہمارے خیال میں یہ مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقعہ دینا چاہئے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔''

اور جب مدعا علیہ کی طرف سے ان تمام دلائل کو جو گواہان مدعیہ اور شیخ الجامعہ نے اس امر کے اثبات میں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلط ثابت کر دیا اور بتا دیا گیا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت اور صحاح میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس سے یہ نکلتا ہو کہ جس قسم کی نبوت کا مدعا علیہ قائل ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہے اور گواہان مدعیہ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش نہیں کر سکے جس میں مدعا علیہ کے موافق عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ بلکہ اس کو کافر ثابت کرنے کے لئے علماء کے قول پیش کئے گئے تو گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کا یہ کہنا کہ فتویٰ تکفیر کی بنیاد علماء کے اقوال پر رکھی گئی ہے۔ بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ کا یہ عقیدہ: ''کہ میں خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد ﷺ کو خاتم النّبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے اور حضرت محمد ﷺ کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی الہام بابرکت حضرت نبی کریم ﷺ وارد ہوتے تھے۔ ۱۹؍فروری ۱۹۲۷ء۔''

قرآن مجید اور حدیث کی رو سے بالکل درست ہے اور ائمہ سلف صالحین نے یا تو ایسی نبوت کے متعلق جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کی ناسخ نہ ہو بلکہ آپ کے اتباع میں ملے سکوت اختیار کیا ہے یا اس کے ملنے کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ نمبر۱ پر مذکورہ بالا اعتراض بالکل باطل ہے۔

عدالت میں شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی شہادتیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ ان دونوں کی شہادتوں میں وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو دوسرے گواہان مدعیہ نے بیان کی ہیں اور انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں گواہان مدعا علیہ نے ان کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ اس لئے شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی گواہیاں باطل اور ناقابل التفات ہوگئیں اور ان کے متعلق علیحدہ جرح کی ضرورت نہ رہی۔

(۳) گواہ مدعا علیہ نمبر کی معلومات پر بحث کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ نمبرا پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اس کی معلومات ناقص ہیں۔ کیونکہ:

۱...... گواہ مدعا علیہ نمبر نے البحرالرائق سے بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔ ۷؍مارچ کو جب البحرالرائق کا اصول تکفیر دریافت کیا گیا۔ تو لاعلمی ظاہر کی اور۔

۲...... فتوحات مکیہ کے متعلق یکم؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ میں نے بالاستیعاب یعنی پوری کی پوری نہیں پڑھی ہے اور اس طرح منصب امامت اور اشارات فریدی کے متعلق یہی کہا ہے۔

۳...... اور ہدیہ مجددیہ اور جامع الشواہد اور بھونچال برلشکر دجال کے مصنّفین کے نام نہ بتائے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے جو علماء کی شہادت کے قبول نہ کرنے کے متعلق مبسوط کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی بابت کہا کہ میں نے مبسوط نہیں دیکھی۔

مختار مدعیہ کی یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو گواہ نمبرا کی شہادت پر ایک سرمو بھی اثرانداز نہیں ہوسکتیں۔ پہلی اس لئے کہ وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ نمبرا نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح اس کا جو جواب دیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: ’’لیکن بحرالرائق میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا اور اگر کسی کے کلام کا محمل حسن نکل سکے، تو اس کے مطابق فتوی دیا جائے گا اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے (۹۹) احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے لیکن باوجود اس کے مولویوں نے اس کے خلاف فتوے دیئے ہیں۔‘‘

دوسری اس لئے کہ فتوحات مکیہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ جس غرض سے گواہ مدعا علیہ نمبرا نے اس کا مطالبہ کیا تھا اس غرض کے لئے اسے بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں تھا۔

دوسری کتابوں کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان سے جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان کے خلاف ان کتب میں کوئی عبارت نہیں ہے جس سے پیش کردہ عبارت کے مفہوم میں فرق آسکے۔ اس لئے ان کتابوں کا بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

گواہ مدعا علیہ نمبرا نے ہدیہ مجددیہ کے متعلق جو سوال تھا اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ان کا مذہب مجھے اس لحاظ سے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے آپ کو کس فرقہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے کتاب کی غرض خود بیان کردی ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف کا نام کتاب پر لکھا ہوا ہے اس وقت مجھے یاد نہیں۔

اور مختار مدعیہ نے جامع الشواہد کے مصنف کے متعلق جو جواب گواہ مدعا علیہ نمبرا کی طرف منسوب کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا جواب جو ۱۲؍مارچ کی جرح میں درج ہے یہ ہے کہ: ’’جامع الشواہد اور بھونچال برلشکر دجال کے مصنّفین کے متعلق ان کی کتابوں سے معلوم ہوسکے گا کہ وہ مقلدین تھے یا غیرمقلدین۔‘‘

علاوہ ازیں بیسیوں کتابوں میں سے جن کا شہادت میں ذکر آیا ہے کسی کتاب کے مصنف کا نام بھول جانے سے گواہ کی معلومات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن گواہ مدعیہ نمبرا کا جو بقول دارالعلوم دیوبند کے مفتی بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل امور سے عدم علم کا اظہار کرنا ان کے معلومات کو ضرور ناقص ثابت کرتا ہے۔

۱...... ۲۱؍اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ دیوبندیوں نے بھی کسی کو احمدی کے سوا کافر کہا ہے یا نہیں۔

۲...... مسیلمہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی اور مجھے علم نہیں کہ قرآن شریف کے مقابلہ میں کوئی آیت قائم کی تھیں، یا نہیں۔

۳...... امام شافعی اور امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام نسائی، سید عبدالقادر جیلانی، شیخ محی الدین ابن عربی پر علماء کے فتوے لگانے کا مجھے علم نہیں۔

اسی طرح گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۴؍اگست کو بجواب جرح کہا مسلم کے دونوں شارحین کو میں نہیں جانتا اور اسی طرح گواہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کس سن میں فتویٰ دیا اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم النّبیین میں خاتم کے معنی مہر کے کس نے کئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم الاولیاء مرزاصاحب نے لکھا ہے یا نہیں۔ پس مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود اس کے گواہوں پر پڑتا ہے۔

گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ کے جوابات میں تعارض کا رد

گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنے بیان میں ٹکرایا ہے اور اس کے جوابات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

۱...... مختار مدعیہ نے پہلا تعارض یہ بیان کیا ہے کہ ۹؍مارچ کو بجواب جرح اس نے اجماع کے متعلق کہا ہے کہ کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بلا استثناء اجماع کرے اور پھر یہ جواب دیا کہ امت مسلمہ کے اکابر اور بزرگ اسے مانتے چلے آتے ہوں۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’اگر کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بغیر استثناء کے اجماع کرلے تو اس کا ماننا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ امت کے تمام بزرگ اور مسلم اکابر اس کو مانتے چلے آئے ہوں۔‘‘ دیکھو جواب جرح ۹؍مارچ ۱۹۳۳ء۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے۔ پہلے قول میں ’’تمام امت بلا استثناء‘‘ کے الفاظ تھے اور دوسرے میں اس کی تفسیر کردی کہ ’’تمام امت بلا استثناء‘‘ اجماع کرنے سے امت کے اکابر تمام بزرگ کا مان لینا مراد ہے۔ اس میں تعارض بتانا مختار مدعیہ ہی کا کام ہے۔

۲...... گواہ نمبر۱ نے ۹؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اشارات فریدی ج سوم خواجہ محمد بخش صاحب نے مولوی رکن الدین سے سبقاً سبقاً سنی اور ۱۲؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ خواجہ فریدالدین صاحب نے سبقاً سبقاً سنی پس دونوں بیان میں تعارض ہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’میں نے جو پہلے لکھوایا ہے کہ اشارات فریدی ج سوم جس سے حضرت مرزاصاحب کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش کی گئی ہے۔ خواجہ محمد بخش صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور اس کی تصحیح فرمائی یہ صحیح نہیں۔ بلکہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور اس کی تصحیح کی ہے۔‘‘

کیا اس جواب کو پڑھ کر کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ گواہ کے بیان میں تعارض ہے۔ ہرگز نہیں! کیونکہ گواہ نے خود ہی غلطی دور کردی اور پہلے جواب کی تصحیح کردی ہے۔

۳...... گواہ مدعاعلیہ نے ۱۱؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے بعد احمدی مسلمان ہے اور گواہ نمبر۱ کا یہ جواب مرزامحمود صاحب کے اس قول سے کہ جو بیعت میں داخل نہ ہو وہ احمدی نہیں ہے مناقض ہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’جو شخص تین مہینے تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا۔ لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔‘‘ (ملاحظہ ہو جواب جرح ۱۱؍مارچ ۱۹۳۳ء)

(مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۶۹)

اور اس میں برائے نام بھی تناقض نہیں تھا۔ کیونکہ نظام جماعت سے خارج کردیا جانا اور بات ہے اور احمدیت سے خارج

کردیا جانا اور بات ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تناقض نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

۴...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۲؍مارچ کو اقرار کیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں اور نبی کسی مشرکانہ عقیدہ پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن براہین میں آپ کو مسیح کہا گیا اور آپ (حیات مسیح) مشرکانہ عقیدہ پر قائم رہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''جس وقت مرزاصاحب مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق حیات مسیح مانتے تھے۔ اس وقت تک آپ نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مسیح موعود نبی ہیں۔ لیکن اس وقت تک (یعنی براہین کے زمانے تک) آپ پر حقیقت نہ کھلی تھی۔''

(اعجاز احمدی ص۶، خزائن ج۱۹ ص۱۱۲،۱۱۳ مفہوم)

اور حیات مسیح کے عقیدہ کے مشرکانہ عقیدہ ہونے سے جو یہ مراد ہے اس کی بحث ہوچکی ہے۔ پس یہاں بھی گواہ کے جواب میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

۵...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ بجواب جرح کہا۔ بخاری کی حدیثیں بھی بشرط موافقت قرآن معتبر ہیں۔ حالانکہ گواہان اور مرزاصاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ سب حدیثوں سے صحیح بخاری کی حدیثیں ہیں۔

جواب: ان دونوں باتوں میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔ قرآن مجید بطریق تواتر یقینی ہم تک پہنچا ہے جس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن بخاری کی احادیث اس طریق سے نہیں پہنچیں۔ پس اس کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا انہی کتب کی نسبت سے ہے جو بطریق روایت ہم تک پہنچی ہیں اور اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ اس میں جو کچھ بھی آیا ہے وہ سب صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی بعض احادیث میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

مثلاً شریک کی روایت میں جو کتاب التوحید میں آئی ہے معراج کا ذکر کرنے سے پہلے قبل ان یوحی الیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی یہ واقعہ آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کے شروع ہونے سے پہلے ہوا ہے اور دوسری احادیث میں آیا ہے کہ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پس واقعہ معراج وحی کے شروع ہونے سے پہلے کا واقعہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے اختلاف کا حال ہے۔ جن میں انبیاء علیہم السلام کے آسمانوں پر ہونے کی ترتیب بیان ہوئی ہے اگر بخاری کی احادیث کے باہم متعارض ہونے میں مختار مدعیہ کو شک یا تردد ہو تو دیوبندیوں کے مقتداء مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ قول ملاحظہ کر کے اپنا شک دور کر سکتے ہیں کہ: ''قول غیر مقلدین کا کہ فقہ میں بہت اختلاف ہے اور احادیث میں یہ نہیں بالکل غلط ہے...... احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کلام محض دھوکا دہی ہے جس کا دل چاہے دیکھ لیوے کہ احادیث بخاری کی خود باہم متعارض ہیں اور یہ ہی سبب اختلاف فقہاء مجتہدین کا ہوا ہے۔ اللہ اکبر! کیسا غلط قول ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔''　(سبیل الرشاد مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۴)

اور حضرت مسیح موعود نے بخاری کی احادیث قبول کرنے کے لئے بھی وہی شرط لگائی ہے جو دوسری کتب احادیث کے لئے لگائی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مباین ومخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین کا ادّعاء کرنا ادّعاء باطل ہے۔''　(الحق لدھیانہ ص۱۳، خزائن ج۴ ص۱۵)

۶...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اگر کوئی حکم بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو کوئی حرج نہیں اور گواہ کا یہ قول (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۷۷، خزائن ج۳ ص۴۱۱) کی اس عبارت کے خلاف ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ بذریعہ جبرئیل وحی نازل ہو تو یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''جبرائیل کے ذریعہ سے نئے احکام اور نئی شرعی وحی بند ہے۔ اگر ایسے نبی پر جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے ہو کوئی حکم شریعت محمدیہ کا بذریعہ جبرائیل بھی نازل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

اور حضرت مسیح موعود کہ کتاب ازالہ اوہام میں ایسے نبی پر جس کا گواہ نمبر۱ کے جواب میں ذکر ہے وحی بذریعہ جبرائیل کے نزول سے انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں مستقل نبوت کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو ماننے سے لازم آتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود اور مدعا علیہ نمبر۱ کے بیان میں کوئی تناقض نہیں۔

۷...... گواہ مدعا علیہ نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح کہا ہے کہ اولیاء اور انبیاء دونوں پر ایک قسم کی وحی ہوسکتی ہے۔ اوّل تو یہ بداہتہً باطل ہے۔ لیکن گواہ نے بحوالہ علم الکتاب تسلیم کیا ہے کہ وحی کا لفظ ولی کے الہام پر اطلاق نہیں پاسکتا۔

جواب: اگر مختار مدعیہ کا مقصود عدالت کو مغالطہ نہ دینا ہوتا۔ تو گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے الفاظ اس کو اس اعتراض سے باز رکھنے کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''میرے نزدیک جو وحی انبیاء کو ہوتی ہے۔ وہی وحی اولیاء کو بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن فرق کیت اور کیفیت میں ہے اور صوفیہ نے نبیوں کی وحی کو وحی کہا ہے اور دوسرے اولیاء کی وحی کو وحی الہام اور (کبریت احمر ص۱۰ حاشیہ الیواقیت والجواہر) کے حوالہ سے بتایا گیا کہ وہ فرشتہ کی زبان پر بھی ہوسکتی ہے۔'' ملاحظہ ہو جواب جرح ۷؍مارچ۔

اور گواہ مدعا علیہ ۲۱؍اگست کو بجواب جرح بحوالہ فتوحات تسلیم کر چکا ہے کہ اولیاء امت کو انبیاء کی طرح ہوتی ہے اور فرق تشریع اور غیر تشریع کا ہے۔

گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے ان الفاظ کی موجودگی میں اور گواہ مدعیہ نمبر۱ کے اقرار کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کے مذکور بالا اعتراض کی جہاں تک گنجائش ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن وہ ان الفاظ کی موجودگی میں بھی اعتراض سے باز نہ رہ سکا کہ علم الکتاب میں بھی اسی اصطلاح کے مطابق اولیاء کی وحی کو الہام کہا گیا ہے۔

۸...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے کہا ہے کہ نعمت اللہ ولی پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار نہیں ہوا۔ اس کے لئے وہ نبی نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کیسی چیز ہے۔ حالانکہ گواہ مانتے ہیں کہ نبوت وہبی ہے۔

جواب: نبوت کے لئے کثرت اظہار امور غیبیہ کی شرط کا ہونا اس کے وہبی ہونے کے منافی نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے خداتعالیٰ جب کسی کو از راہ موہبیت نبی بناتا ہے تو اسے کثرت اظہار امور غیبیہ کی نعمت سے مشرف کرتا ہے۔

۹...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح اہل کتاب کی تعریف یہ کی کہ جن کو کتاب ملی ہے اور گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے ۲۱؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اہل کتاب وہ ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ پس گواہ نمبر۱ کی تعریف اور گواہ نمبر۲ کی تعریف سے متعارض ہے۔

گواہ مدعا علیہ نمبر۲ کے الفاظ یہ ہیں: ''اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا لفظ یہود ونصاریٰ پر بھی استعمال ہوا ہے اور یہود ونصاریٰ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بظاہر لفظ اہل کتاب استعمال نہیں ہوا۔ ورنہ وہ بھی اہل کتاب ہیں اور گواہ نمبر۲ نے مکرر بیان میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتاب ہیں۔ پس گواہان مدعا علیہ کے بیانوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔''

۱۰...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے عبداللہ بن مسعود کے متعلق کہا ہے کہ وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ لیکن مرزاصاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔

جواب: حضرت مسیح موعودکا ابن مسعودکو معمولی انسان لکھنا گواہ کے جواب کے منافی اور معارض نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے نبی اور رسول کے مقابلہ میں انہیں معمولی انسان لکھا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’حق بات یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا۔ نبی اور رسول تو نہیں تھا۔ اس جوش میں اگر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو’’ان ھوالا وحی یوحٰی ‘‘میں داخل کیا جائے۔‘‘

(ازالہ اوہام حصہ دوم ص۲۴۶، خزائن ج۳ص ۴۲۳)

پس نبی اور رسول کے مقابلہ میں ابن مسعود ؓ کو معمولی انسان لکھنا ان کے جلیل القدر صحابی ہونے کے مباین نہیں ہے۔ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں: ’’اور سنیوں کے نزدیک گوحضرت زید اکابر اولیاء میں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک سند نہ ہو۔ کیونکر معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات سنی وہ معتبر ہے کہ نہیں۔‘‘ (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۳۱)

کیا مولوی قاسم صاحب کا حضرت زید کو آدمی کہہ دینا ان کے اکابر اولیاء میں سے ہونے کے منافی ہے؟ ہرگز نہیں۔

گواہ مدعا علیہ نمبر ا کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب

گواہ مدعا علیہ نمبر ا سے پوچھا گیا کہ قرآن میں ملائکہ کی تعریف ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان کی تعریف ’’بل عباد مکرمون ‘‘موجود ہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’مجھے کوئی تعریف ملائکہ کی جس طرح مختار مدعیہ چاہتا ہے معلوم نہیں۔ البتہ ملائکہ کے کاموں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔‘‘

اور مختار مدعیہ کا’’بل عباد مکرمون ‘‘کو ملائکہ کی تعریف دینا بالکل غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں ملائکہ کی تعریف نہیں بلکہ ان کے اوصاف کا ذکر زیادہ موزوں معلوم دیتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے گزشتہ رسولوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ اﷲتعالیٰ فرماتا ہے: ’’وما ارسلنا من قبلک من رجال الانوحی الیہ انہ لاآلہ انا فاعبدون وقالوا اتخذ اﷲ ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون (الآیۃ)‘‘

اصل آیت: ’’وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی...... الخ! (الانبیاء:۲۵)‘‘

یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی مرد کو رسول نہیں بنایا۔ مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو اور لوگوں نے کہا کہ رحمان خدا نے اپنے ولد بنایا ہے۔ خدا اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی بیٹا نہیں بلکہ وہ تو خداتعالیٰ کے مقرب اور معزز بندے ہیں۔ وہ اس سے قول میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عامل ہوتے ہیں اور خداتعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو ان کے سامنے ہے اور ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کے حق میں شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لئے خداتعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کی خشیت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو ان میں سے کہے کہ میں اﷲتعالیٰ کے سواء معبود ہوں تو ہم اس کو بدلے میں جہنم دیں گے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ کسی فرشتہ کی طرف ایسے طور پر خدائی کا دعویٰ منسوب نہیں کیا گیا کہ کسی فرشتہ نے آکر لوگوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اسے خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ لیکن دنیا میں ایسی اقوام موجود ہیں جو اپنے انبیاء کے حق میں یہ کہتی ہیں کہ وہ خداتعالیٰ کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خدا کہا۔ اس لئے ہم پر ان کی پرستش اور عبادت لازم ہے۔ جیسے کہ عیسائی اور ہندو وغیرہ اور یہ آیت عصمت انبیاء کی زبردست دلیل ہے۔

۲...... گواہ مدعا علیہ نمبر ا نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کے کہے

حالانکہ یہ تعریف صحیح نہیں۔غنیۃ الطالبین میں اہل سنت کی تعریف رسول مقبول کا طریقہ اور صحابہ کا متفقہ طریقہ لکھی ہے اور یہ اصل تعریف ہے۔

جواب: مختار مدعیہ نے غنیۃ الطالبین کی عبارت پیش کر دی۔مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ غنیۃ الطالبین میں جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ اہل سنت والجماعت کی تعریف نہیں، بلکہ سنت اور جماعت کی تعریف ہے اور گواہ مدعا علیہ سے جو سوال کیا گیا ہے وہ سنت اور جماعت کے متعلق نہیں، بلکہ اہل سنت و جماعت کے متعلق تھا۔جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ کے الفاظ یہ ہیں:''عام طور پر اہل سنت سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مراد لئے جاتے ہیں۔لیکن ہر ایک وہ شخص بھی جو کہے کہ میں سنت کا تابع ہوں اس سے مراد لیا جاسکتا ہے۔'' ملاحظہ ہو جواب جرح ۷؍مارچ ۱۹۳۳ء۔

۳...... گواہ مدعا علیہ نمبر ا نے بجواب جرح ۷؍مارچ کو کہا۔جو کسی حدیث کا واقعی طور پر قرآن کے موافق ہونا ثابت کر دے۔اس کا قول مسلم ہے۔پس اگر یہی اصول ہے تو یہ دین بازیچہ طفلاں ہو جائے گا۔

جواب: گواہ مدعا علیہ نے یہ نہیں کہا بلکہ اس نے جو کچھ کہا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:''جو شخص کسی حدیث یا قول کو واقعی طور پر قرآن کریم کے خلاف ثابت کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔''

اور گواہ کے اس قول پر از روئے عقل وانصاف کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور یہ وہ بات ہے جس کے خلاف اہل علم میں سے کسی کو ذرا بھی گنجائش چون و چرا نہیں ہے اور اس کی صحت ودرستی کے ثبوت کے لئے اس سے زیادہ اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے کہ تمام دیوبندیوں کے مسلمہ مقتداء وامام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے سکوت سے گواہ کے اس قول پر ان الفاظ میں اپنی مہر تصدیق ثبت فرمائی کہ:''اہل سنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے۔یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں۔اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ موافق مشہور کالائے زبوں بریش خاونداس کا راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راوی کا قصور ہے۔''

(ہدیۃ الشیعہ ص۱۰)

اب تمام دیوبندیوں کے مقتداء مولوی محمد قاسم صاحب اہل سنت کا یہ عظیم الشان کارنامہ بیان فرمارہے ہیں کہ وہ قرآن شریف کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے۔حتیٰ کہ احادیث کو بھی قرآن شریف سے مطابق کر کے دیکھ لیتے ہیں۔اگر مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں اور مطابق نہ ہو تو ردی کی ٹوکری میں بھی نہیں ڈالتے بلکہ کالائے زبوں سمجھ کر نہایت حقارت سے راویوں کے سر مارتے ہیں اور اس کے خلاف مختار مدعیہ یہ کہتا ہے کہ اگر یہی اصل ہے تو یہ دین بازیچہ طفلاں بن جائے گا اور اسی طرح وہ گواہ مدعا علیہ پر ہی بے جا اعتراض نہیں کرتا۔بلکہ مولوی محمد قاسم صاحب کو بھی بازیچہ طفلاں بنادینے والا ٹھہراتا ہے۔

۴...... گواہ مدعا علیہ نمبر ا نے ۱۲؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ جن احادیث کے متعلق مرزاصاحب نے ردی میں پھینکنے کے متعلق کہا ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جو قرآن کے معارض ہیں اور صحیح احادیث کے متعلق جو وحی غیر متلو ہیں تسلیم کیا ہے کہ وہ قرآن کے معارض ہوسکتی ہیں۔لیکن مرزاصاحب کی وحی کے متعلق کہا کہ آپ کی کوئی وحی قرآن کی معارض نہیں ہے۔

جواب: یہ اعتراض محض قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ثابت ہوگی وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہوگی بلکہ ماننا پڑے گا کہ وہ غلط طور پر آپ کی طرف منسوب کی گئی اور وہ آپ پر افتراء ہے۔خواہ ناواقفان حقیقت اسے کیسی ہی صحیح سمجھتے اور خیال کرتے ہوں۔جب کہ توضیح تلویح علی التنقیح ص۲۶۳ مطبوعہ مصری فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ ذکر کر کے لکھا ہے:''فدل ھذا الحدیث علی ان کل حدیث یخالف کتاب اللہ فانہ لیس بحدیث الرسول ﷺ وانما ھو مفتری''

یعنی اس حدیث کا مدلول اور ماحصل یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں بلکہ محض

افتراء اور وضعی قول ہوگا اور دیوبندیوں کے مقتداء وامام مولوی محمد قاسم صاحب نے بھی ایسی حدیث کو راویوں کے سر مار دینے کا اظہار کیا ہے۔ پس ایک قول جو آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا گیا ہے اس کا قرآن شریف کے خلاف ہونا ذرا بھی محل تأمل نہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے امتیوں میں سے ایک کامل فرد پر جو مسیح موعود مہدی معہود کے درجہ پر ممتاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جو وحی فرمائے تو وہ کسی طرح قرآن شریف کے خلاف نہیں ہوسکتی اور جو خلاف قرآن شریف ہو وہ وحی نہیں شیطانی وسوسہ ہوگا۔

۵...... گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ: ''وان من امة الا خلافیها نذیر'' کے عموم لحاظ سے کرشن ہونے کا دعویٰ خلاف قرآن نہیں ہے۔ پس اس اصل کی رو سے تو آیت: ''ما اٰتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا (الحشر:۷)'' کوئی حدیث بھی قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

جواب: سوال تو یہی ہے کہ کسی روایت کا آنحضرت ﷺ سے ہونا کیسے ثابت کیا جائے۔ اسی کے لئے تو یہ اصول باندھا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد قرآن شریف کے مخالف نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر کوئی روایت ایسی ہو جو قرآن کی نصوص کے مخالف ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہوگی۔ زیر حکم آیت: ''ما اٰتاکم الرسول فخذوه'' داخل نہیں ہوسکے گی اور گواہ نمبر۱ کے اصل الفاظ سے کرشن ہونے کے دعویٰ کی قرآن شریف سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں: ''کرشن ہونے کا دعویٰ آپ نے وحی الٰہی کی بناء پر کیا ہے اور آپ کی وحی قرآن مجید کے معیاروں کی رو سے جو وحی من اللہ ہونے کے لئے قرآن مجید میں بیان ہوتے ہیں، سچی ہے۔ لہٰذا آپ کے کرشن ہونے کا دعویٰ کرنا قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا'' کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے اور اسی طرح فرمایا: ''وان من امة الا خلافیها نذیر'' کہ ہر امت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے آئے۔ اس لئے ہندو قوم کی اصلاح کے لئے اگر کرشن کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی تعلیم کے ذرا بھی مخالف نہیں۔ چنانچہ علماء نے اس امر کو تسلیم کیا ہے اور خواجہ غلام فرید صاحب نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے۔ جیسا کہ پہلے مفصل بیان کیا جاچکا ہے۔''

گواہ مدعا علیہ نمبر۲ پر تبصرہ

۱...... گواہ نمبر۲ نے ۲۳؍مارچ کو بجواب جرح کہ جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے، وہ قرآن وحدیث میں تطابق کرسکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے اور ۲۱؍مارچ کو بجواب جرح کہا میرے نزدیک خلیفہ اوّل وثانی کے اقوال سند ہیں اور اس کے سواء میرے نزدیک اور کوئی سند نہیں۔ لہٰذا دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب: احادیث کو قرآن شریف کے مطابق کرنے کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے اور گواہ مدعا علیہ نمبر۲ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''میرے نزدیک قرآن شریف کے سواء اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے جو قرآن شریف کے ساتھ تطابق رکھتی ہو جو قرآن شریف پڑھتا ہے وہ خود تطابق کرسکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔''

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی مطابقت کو جب اسے اس کی صحت پر یقین ہوا اور اپنے واجب الاطاعت اماموں کی مطابقت کو صحیح تسلیم کرتا ہے اور ۲۱؍مارچ کو گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے وہ جواب نہیں دیا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب اور ان کے دونوں خلفاء کی تحریرات ان کی اپنی کتابوں سے حجت اور معتبر ہیں اور اگر کوئی ایسا قول ہو جس کی ان کتب میں تصریح نہ ہو تو وہ قول حجت نہ ہوگا۔''

پس مختار مدعیہ نے گواہ نمبر۲ کے جواب کو منحرف مبدل کر کے اعتراض کیا ہے۔

۲...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے ضروریات دین کے معنی اپنے بیان میں دیئے ہیں لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ پس گواہ نمبر۲ ضروریات دین کی تعریف بھی نہیں جانتا اور بالکل ناواقف ہے۔

جواب: گواہ نمبر۲ نے ضروریات دین کی تشریح اپنے بیان میں وضاحت سے کر دی ہے۔ نیز ۲۳؍مارچ کو بجواب جرح ضرورت دین کی یہ تعریف بھی کی ہے: ''ضرورت دین وہ چیز ہے جس کا ماننا اس دین کے اندر داخل ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ قرآن شریف کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن کو قرآن کریم کی بناء پر قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔''

پھر باوجود اس کے مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ نمبر۲ نے ضروریات دین کی تعریف نہیں کی صریح مغالطہ ہے۔ اگر یہ تعریف غلط تھی تو اس پر اعتراض کرنے سے پہلے لازم تھا کہ وہ اسے غلط ثابت کر لیتا۔

۳...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے کہا ہے کہ نبوت کے لغوی معنی ہیں، خبر دینا یعنی خدا کی طرف سے غیب کی خبر پا کر اطلاع دینا، یہ تعریف لغت میں نہیں لکھا۔

جواب: نبوت کے مذکورہ بالا معنی لغت کی بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ منجد میں لکھا ہے: ''النبوۃ والنبوۃ الاخبار عن الغیب او المستقبل بالعام من اللہ الاخبار من اللہ وما یتعلق بہ تعالٰی والنّبی المخبر من الغیب او المستقبل بالعام من اللہ''

یعنی نبوت خدا تعالیٰ سے بذریعہ الہام غیب یا مستقبل کے متعلق خبر دینے کو کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ اور جو امور اس کے متعلق ہیں، ان سے خبر دینے کو اور نبی غیب یا مستقبل کے متعلق بذریعہ الہام الٰہی خبر دینے والوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار ہو۔ پس گواہ نمبر۲ نے لغوی لحاظ سے نبوت کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے نبوت کے جو لغوی معنی بیان کئے ہیں وہ لغت میں نہیں ہیں قطعاً باطل ہیں۔

۴...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ بعض کتاب کے مضمون کا نام نہ بتا سکا اور بعض کتب کے بالاستیعاب نہ پڑھنے کا اقرار کیا۔ چونکہ اس سوال کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اس لئے دوبارہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

۵...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق ابتدائی تعارف میں تو بہت کچھ پیش کیا۔ لیکن جرح کے جواب میں کہا کہ خواجہ صاحب میرے واجب التعظیم بزرگ نہیں بلکہ احمدی ہونے کے بعد دوسروں کی طرح ہیں۔

جواب: یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک خلاف واقعہ قول ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے مسلم بزرگ نہیں ہیں۔ ویسے مسلم بزرگ ہیں جیسے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اور سابقین احمدی حضرات میرے بزرگ ہیں۔''

اور اس قول اور مختار مدعیہ کے قول میں جو فرق ہے۔ وہ معمولی اردو خواں بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

۶...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے ۲۱؍مارچ کو بجواب جرح کہا۔ احمدیت سے ارتداد اسلام سے ارتداد نہیں اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا کہ اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد ایک ہی چیز ہے۔

جواب: اصل الفاظ گواہ کے یہ ہیں: ''حضرت مرزا صاحب کا انکار کرنے والا اور آپ کو مسلمان سمجھ کر کافر کہنے والا مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ مرتد کے معنی مان کر انکار کرنے والے کے ہیں۔'' دیکھو جواب جرح ۲۱؍مارچ ۱۹۳۳ء اور مکرر بیان میں اس نے کہا ہے: ''اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد بلحاظ مرتد ہونے کے تو ایک ہی ہے۔ قطعاً کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ احمدیت عین اسلام ہے۔ لیکن اس لحاظ سے فرق ہے کہ مسلمان کہلانے والا شخص مرتد ہو کر کسی غیر از اسلام مذہب یعنی ہندو مذہب یا عیسائی مذہب وغیرہ میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن

احمدیت سے مرتد ہونے والا اسلام کے مخالف مذہبوں میں شامل ہونا اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتا بلکہ عام مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔“

چونکہ ان اصل جوابات پر مختار مدعیہ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نے اعتراض کرنے کی غرض سے گواہ کے جوابات محرف ومبدل کر کے پیش کئے ہیں۔

۷...... گواہ نمبر۲ نے ۲۰؍مارچ کو بجواب جرح کہا، ہندوستان میں احمدی کہتے ہیں جو مرزا صاحب کو مانتے ہیں اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ماننے والے احمدی کہلاتے ہیں۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”میرے خیال میں جب کوئی شخص احمدی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتا یا بولتا ہے یا اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی کہ وہ جماعت احمدیہ کا فرد ہے اور جماعت احمدیہ وہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کو مانے۔“ ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۰؍مارچ ۱۹۳۳ء۔

اور مکرر بیان کے الفاظ یہ ہیں: ”فوائد فریدیہ میں جس فرقہ کا ذکر ہے۔ اس فرقہ احمدیہ سے مراد رشید احمد گنگوہی کے ماننے والے ہوں گے۔“

پس مختار مدعیہ گواہوں کے بیانوں کے خلاف متناقض بیانات اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور پھر تناقض دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ ان دونوں قولوں میں کہ ہندوستان میں احمدی سے مراد جماعت احمدیہ کے افراد لئے جاتے اور فوائد فریدیہ میں جماعت احمدیہ کے سواء کسی اور فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے کوئی تعارض نہیں۔

۸...... گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے ۲۳؍مارچ کو بجواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب کی وفات سے قبل تریاق القلوب اور بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور مکرر بیان میں یہ کہا کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب: گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”تریاق القلوب جس کے ملحقہ اشتہار میں گورنمنٹ کو مسلمان فرقہ احمدیہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے لکھی جا چکی اور چھاپ دی گئی تھیں۔ بیسیوں کتابیں اس سے پہلے بھی شائع ہوئی ہیں جن میں جماعت کے نام احکام تھے۔“ اور مکرر بیان میں اس کے یہ الفاظ ہیں: ”اشتہار ۴؍نومبر ۱۹۰۰ء جس میں احمدیوں کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا ہے۔ وہ تریاق القلوب کے ساتھ بھی شامل کیا گیا تھا۔ تریاق القلوب ۱۸۹۹ء میں تصنیف ہو کر چھپ چکی تھی۔ لیکن شائع نہیں کی گئی تھی۔ صرف ایک دو صفحہ اس وقت لکھے گئے اور ایک دو اشتہار جو پہلے لکھے گئے تھے ساتھ لگا دیئے گئے۔“

پس گواہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے چھپ تو چکی تھی۔ لیکن اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی اور اس کی اشاعت ۱۹۰۲ء میں خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان دونوں بیانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تعارض نظر آتا ہے۔

مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانیاں

گواہان مدعا علیہ کی پوزیشن ان تمام الزامات اور بہتانات سے جو مختار مدعیہ نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بالکل مبرّا ہے اور ان کے بیانوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کی شہادت کو ذرا بھی کمزور ثابت کر سکے۔ اب میں عدالت کی توجہ ان صریح غلط بیانیوں کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو مختاران مدعیہ نے اپنی بحث میں کی ہیں۔

۱...... ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے متعلق کہا کہ اس نے بحرالرائق سے بہت سی عبارتیں نقل کیں۔ لیکن جب اس سے بحرالرائق کا اصول دریافت کیا گیا تو لاعلمی ظاہر کی اور یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ گواہ نمبر۱ نے ۷؍مارچ

کو بجواب جرح یہ جواب دیا ہے: ’’لیکن البحر الرائق میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا اور اگر کسی کے کلام کا محمل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے (۹۹) احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے۔‘‘

۲...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے متعلق کہا کہ اس نے بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے بعد احمدی مسلمان ہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۶۹)

اب دیکھنا چاہئے کہ مختار مدعیہ نے گواہ کی عبارت محرف ومبدل کر کے پیش کی ہے۔

۳...... مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے متعلق یہ کہا کہ اس نے ۸؍مارچ کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ کفر جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا اور یہ مختار مدعیہ کی نہایت ہی صریح غلط بیانی ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ’’جس چیز پر فقط کفر داخل ہوتا ہے اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا۔‘‘ ملاحظہ ہو ۸؍مارچ ۱۹۳۳ء۔

’’اکثر‘‘ کے لفظ کو مختار مدعیہ نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ترک کر دیا اور گواہ کے جواب کو محرف کر کے پیش کیا۔

۴...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں کہا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں درج ہیں وہ تردید کے لئے ہیں نہ کہ تائید کے لئے یعنی مفسرین نے ان باتوں کو درج کر کے ان کی تردید کی ہے اور یہ ایک نہایت عظیم الشان غلط بیانی ہے جس کا ذکر معہ تفاسیر کے عنوان کے ماتحت آگے کیا جائے گا۔

۵...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ نمبر۱ کے متعلق کہا کہ اس نے ۹؍مارچ کو بجواب جرح تسلیم کیا کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ محدثیت کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ گواہ کے یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ’’حضرت مرزاصاحب نے اپنے غیر تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ توضیح المرام میں بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں آپ محدث کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے اور آپ کے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے اور وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے اور آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مرزاصاحب کے کمال پر دال ہے۔

۶...... مختار مدعیہ نے ۹؍اکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مرزاصاحب (نعوذ باللہ) مسیلمہ کذاب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علیحدہ کلمہ جاری کیا جو یہ ہے: ’’لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ‘‘

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے کوئی نیا کلمہ جاری نہیں کیا۔ بلکہ آپ کا کلمہ: ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ ہی تھا۔ چنانچہ آپ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۳۷، خزائن ج۳ ص۱۶۹) میں فرماتے ہیں: ’’ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ: ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘

اور (انوار الاسلام ص۳۴، خزائن ج۹ ص۳۵) میں فرماتے ہیں: ’’ہمارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔‘‘

اور اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور آپ اس کلمہ کو بدلنے اور نیا کلمہ بنانے والے کو ملحد اور بے دین اور مسیلمہ کذاب کا بھائی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ’’جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت ﷺ کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا

ہوکرآپ ہی براہ راست نبی اللہ بنتا ہے تو وہ ملحد و بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا اور عبادت میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تبدل وتغیر کردے گا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے۔'' (انجام آتھم ص ۲۷ حاشیہ، خزائن ج ۱۱ ص ۲۷، ۲۸)

اور مضمون چشمہ معرفت میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہیں: ''ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۱۳، خزائن ج ۲۳ ص ۳۸۴)

۷...... ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہان مدعاعلیہ نے عقائد کے متعلق جو حوالے دیئے ہیں وہ ۱۹۰۱ء سے قبل کے ہیں۔

حالانکہ گواہان مدعاعلیہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ مواہب الرحمٰن اور کشتی نوح سے عقائد کے متعلق حوالے پیش کئے ہیں اور مواہب الرحمٰن ۱۹۰۳ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء کی تصنیف شدہ ہیں۔ پس ان حوالوں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعاعلیہ نے جو حوالے عقائد کے متعلق دیئے ہیں وہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے ہیں۔ صریح غلط بیانی ہے۔

۸...... مختار مدعیہ نے گزشتہ ائمہ اور اکابر پر تکفیر کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے۔ ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں کہا کہ گواہ مدعاعلیہ نمبر ا نے ۷؍مارچ کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ جس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ ان وجوہات سے برأت کا اظہار کرتے رہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ نہیں بلکہ یہ ہیں: ''باوجودیکہ ان کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی گئی تھیں وہ ان سے برأت کا اظہار کرتے رہے اور نیز ان باتوں کو لے کر جنہیں وہ صحیح سمجھتے تھے مولویوں نے انہیں کفر سمجھ کر انہیں کافر قرار دیا۔''

گواہ کا جواب تو یہ ہے کہ گزشتہ اماموں اور بزرگوں کی جن امور کی بناء پر مولویوں نے تکفیر کی ان میں سے بعض امور سے تو وہ برأت کا اظہار کرتے رہے اور بعض کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ نے گواہ کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ ان وجوہات سے جن کہ وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی برأت کا اظہار کرتے رہے۔

۹...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعاعلیہ نمبر ا کے متعلق یہ کہا کہ اس نے ۹؍مارچ کو بجواب جرح بیان کیا کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ حالانکہ یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ نے یہ کہا تھا کہ: ''ہر مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا۔''

۱۰...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہ نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والوں کو کافر نہیں کہا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعاعلیہ نمبر ا نے اپنے بیان میں یہ لکھوایا تھا کہ گواہ مدعیہ نمبر ۳ نے اپنے بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ خوارج سے جب بعض ضروریات دین کا انکار ثابت ہوا تو ان کا نماز روزہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کرسکا۔ لیکن جب کہ امام ابن تیمیہ نے (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۶۱، ۶۲) میں لکھا ہے اور گواہ نمبر ۳ نے بجواب جرح اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس بات کی تصریح کی ہے: ''بانهم مومنون ليسوا كفاراً'' کہ وہ مؤمن ہیں کافر نہیں اور لکھا کہ صحابہ اور تابعین نے نہ ان کی تکفیر کی اور نہ ان کو مرتد قرار دیا۔

اور اسی طرح (البحرالرائق ج ۵ ص ۱۵۱) میں لکھا ہے: ''وانما لانكفر الخوارج باستحلال الدماء والاموال لتاويلهم وان كان باطلا بخلاف المستحل بلاتاويل''

یعنی ہم خوارج کو باوجودیکہ انہوں نے مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال سمجھا۔ ان کے تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے جو تاویل کے ان کو جائز سمجھے۔

بیان مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ گواہ مدعیہ نمبر۳ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا اور گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیان میں ثابت کر دیا ہے کہ انہیں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔ پس گواہ مدعاعلیہ نمبر۱ کے بیان میں اس امر کے موجود ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

۱۱...... مختار مدعیہ نے ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں کہا کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں، صرف علم الکتاب کا حوالہ پیش کیا تھا کہ آیات اتریں، یہ بھی مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ گواہان مدعاعلیہ کے بیانات میں کتاب اثبات الالہام والبیعۃ اور فتوح الغیب اور مقامات امام ربانی کے حوالے اسی غرض کے لئے پیش کئے گئے تھے اور ان میں آیات کے الہام ہونے کا ہی ذکر ہے۔

الزام خیانت کا رد

۱۲...... ۹؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی کی ہے کہ گواہان مدعاعلیہ نے حوالہ جات میں دل کھول کر خیانت کی ہے اور اگلی اور پچھلی عبارت کو ترک کر دیا ہے اور اس امر کے اثبات کے لئے اس نے تین حوالے پیش کئے ہیں ان میں سے ایک حوالہ تحذیر الناس کا ہے۔ دوسرا حجج الکرامہ کا، تیسرا البحرالرائق کا ہے۔

تحذیر الناس کا حوالہ

تحذیر الناس سے جو عبارت گواہان مدعاعلیہ نے پیش کی ہے وہ یہ ہے: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔'' (تحذیر الناس ص۲۸)

اس عبارت سے جو نتیجہ گواہان مدعاعلیہ نے اخذ کیا ہے۔ اس عبارت کا ماسبق بھی اس کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے: ''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف لیجئے! جیسا کہ اس ہیچ مدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط افراد کے انبیاء خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض الخ!''

اب ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتمیت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کسی نبی کا آنا تجویز کرنا خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ یہ عبارت ص۲۸ کی ہے اور مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس کی تشریح ص۱۰ میں موجود ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ص۲۸ کی عبارت تشریح ص۱۰ میں کیسے ہوسکتی ہے۔ پس چونکہ عبارت بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس لئے ص۱۰ کی عبارت میں خاتمیت زمانی کے معنی ایسے نہیں لئے جاسکتے جو اس عبارت کے خلاف ہوں۔

حجج الکرامہ کا حوالہ

مختار مدعیہ نے (حجج الکرامہ ص۲۳۲) کے حوالہ ''درحدیث ابن عمرسی است کذاب'' کے متعلق یہ کہا ہے کہ گواہ مدعاعلیہ نے اس میں خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ''یا زیادہ'' کے الفاظ کو ترک کر دیا ہے کہ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مختار مدعیہ اغلباً اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ جس عبارت کے آگے نقطے ڈالے جاتے ہیں۔ ان سے اسی امر کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ وہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعاعلیہ نے بھی الفاظ ''سی است کذاب'' کے بعد نقطے دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے اور مثل میں بھی نقطے موجود ہیں۔ پس اس کو خیانت سے تعبیر کرنا اپنی لاعلمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

نیز گواہ مدعا علیہ اس حوالے سے جو امر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ ’’یا زیادہ‘‘ اس کو باطل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ان کا عدم ذکر اس کو ثابت کر سکتا ہے۔ کیونکہ ابن عمر کی اس روایت اور دوسری روایت جو طبرانی نے روایت کی ہے۔ جس میں کذابوں کی تعداد ستر بتائی گئی ہے۔ ان دونوں کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے اور نیز ان میں دعویٰ نبوت کا بھی ذکر ہیں ہے۔ پس جب کہ ’’یا زیادہ‘‘ کے الفاظ گواہ کے مدعا علیہ کے خلاف نہیں ہیں تو ان پر نقطے ڈال کر چھوڑ دینے سے گواہ پر خیانت کا الزام لگانا سراسر بے انصافی اور صریح غلط بیانی ہے۔

۲...... اور (حجج الکرامہ ص۲۳۴) کے حوالہ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرتﷺ کے بالمقابل تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بالمقابل کا لفظ حجج الکرامہ میں نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ملا کر جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ وہ بالمقابل لفظ حجج الکرامہ میں تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حجج الکرامہ کی عبارت کا یہ ترجمہ بطور خلاصہ اور مفہوم کے ہے اور بالمقابل سے یہی مراد ہے کہ اس نے شراب وزنا کو حلال قرار دیا اور فریضہ ونماز کو ساقط کرا دیا اور قرآن مجید کے مقابل میں سورتیں لکھیں۔ ایسی نبوت کا دعویٰ اگر آنحضرتﷺ کی نبوت کے بالمقابل نہیں تو اور کیا ہے اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر وتبدل کیا تھا۔

البحر الرائق کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ان کلمات کفریہ کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے البحر الرائق سے نقل کئے تھے کہا ہے کہ ان کے نقل کرنے میں گواہان مدعا علیہ نے یہ خیانت کی ہے کہ انہوں نے (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۰ تا ص۱۳۶) کے حوالہ جات پیش کئے۔ لیکن درمیان میں ص۱۳۴ کی عبارت چھوڑ دی ہے کہ: ’’کفر کا فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے۔ جب اس پر اتفاق ہو متفق علیہ ہو۔ کلام میں کوئی تاویل نہ ہو۔‘‘

حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جن علماء کے اقوال کی بناء پر گواہان مدعیہ نے مدعا علیہ کو کافر قرار دیا ہے۔ ان کی طرز افتاء کے متعلق بعض فتاویٰ کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی البحر الرائق کی عبارت پیش کر دی تھی کہ فتاویٰ میں جو تکفیر کے معروف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ وہ حقیقتاً اسلام سے ارتداد کا موجب ہیں اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ جو ان کلمات کو صرف تخویف وتہویل پر محمول کرتا ہے اور کفر موجب نہیں سمجھتا۔ اس کا قول لغو اور باطل ہے اور جن کلمات کے موجب کفر اور باعث ارتداد ہونے میں علماء کا اختلاف تھا۔ اس کا بھی مؤلف البحر الرائق نے ساتھ ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ جسے پیش کرتے ہوئے گواہان مدعا علیہ نے صاف ظاہر کر دیا ہے کہ یہ کلمہ بعض کے نزدیک موجب کفر وارتداد ہے۔ چنانچہ انہی کلمات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص تمام انبیاء پر ایمان لانے کا اظہار کرے اور آنحضرتﷺ کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم معرفت کا تو وہ بعض کے نزدیک کافر ہوگا۔ یعنی آنحضرت کا آخر الانبیاء ہونا ان ضروریات دین سے نہیں جن کے نہ جاننے کی وجہ سے انسان کافر ہو جائے اور پھر مؤلف البحر الرائق نے ص۱۳۴ پر جامع الصغیر سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر اعتقاد رکھے عمداً کلمہ کفر کہے تو ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ کفر ضمیر سے متعلق ہے اور اس نے کفر کی دل میں نیت نہیں کی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ وھو الصحیح عندی اور یہ بعض کا قول کہ وہ کافر ہو جاوے گا۔ میرے نزدیک صحیح ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اتفاق کا ہونا ضروری ہوا۔ پس جب اس بات پر ہی علماء کا اتفاق ثابت نہ ہوا کہ کس وقت کفر کا فتویٰ دیا جانا چاہئے اور مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ مؤلف البحر الرائق کے نزدیک جب تک وہ مسئلہ متفق علیہ نہ ہو کفر کا فتویٰ دیا جائے گا تو اس اصول کی رو سے کسی پر بھی فتویٰ کفر نہیں لگانا چاہئے۔ کیونکہ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کب کسی پر فتویٰ کفر لگانا چاہئے۔

بہرحال جو کلمات گواہ مدعا علیہ نے پیش کئے تھے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ کو چاہئے تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ ان کے موجب کفر ہونے پر علماء کا اتفاق نہیں ہے جب کہ مصنف نے خود مختلف فیہ اقوال کو نقل کرتے ہوئے اختلاف کا ذکر کر دیا تھا اور علاوہ ازیں گواہان مدعا علیہ نے شرح فقہ اکبر اور الاشباہ والنظائر کے جو حوالے پیش کئے تھے ان کے متعلق مختار مدعیہ نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے اور نیز یاد رہے کہ جو حوالے گواہان مدعیہ نے آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ماننے والوں کو کافر ہونے کے متعلق الاشباہ والنظائر اور شرح فقہ اکبر اور البحرالرائق پیش کئے ہیں وہ بھی منجملہ انہی کلمات کے ہیں۔ جنہیں گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں پیش کیا اور جن کے متعلق مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے بیان کرنے میں انہوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے تو خیانت کوئی نہیں کی تھی۔ البتہ مختار مدعیہ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر ہم پہلے علماء کے فتوؤں کو اب جاری کریں تو موجودہ زمانہ کے تمام مسلمانوں کے نکاح فسخ اور ان کی اولادوں کو حرام کی اولاد ماننا پڑے گا۔ پس اس ڈر سے مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالے بیان کرنے میں خیانت کی ہے، اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا ہے۔ لیکن دنیا میں کون سا عقل مند ایسا ہے جو ان اقوال میں سے ایک قول کو تو موجب کفر وارتداد ٹھہرا دے اور اس کے ساتھ جو دوسرے اقوال کفریہ قرار دیئے گئے ہوں تو ان کو باطل اور لغو سمجھ لے۔

تفسیروں کے متعلق

۱۳...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعا علیہ پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تمام تفسیریں مطلقاً غلط قرار دی ہیں اور ان کے حوالے قطع وبرید کر کے پیش کئے ہیں اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے مقدمہ ابن خلدون کا حوالہ محرف کر کے پیش کیا اور گواہ نمبر۲ نے ابن حزم کا قول بلا دلیل پیش کیا اور تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں ہیں وہ تردید کے لئے درج کی گئی ہیں، نہ تائید کے لئے اور گواہ نمبر۲ نے تفسیر اتقان سے جو حوالہ ہٰذہ التفاسیر التطوال کا پیش کیا ہے وہ تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں وفیہ نظر لکھا ہے۔ یہ سب مختار مدعیہ کی مغالطہ سازیاں ہیں۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں یہ کہیں نہیں لکھوایا کہ تفسیریں مطلقاً غلط ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ کتب تفاسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں اور غلط بھی اس لئے ہمیں مفسرین کے اقوال کو بلا تحقیق نہیں مان لینا چاہئے اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے مقدمہ ابن خلدون سے جو حوالہ پیش کیا تھا وہ بطور مفہوم کے ذکر کیا تھا اور نقل کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

ھو الاتیان بقول الغیر علی ماھو علیہ بحسب المعنی مظھراً انہ قول الغیر (رشیدیہ) کہ نقل کسی دوسرے کے قول کو اس کے معنی کے لحاظ سے بیان کرنا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ غیر کا قول ہے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کے اصل الفاظ پیش کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی طرف بھی وہی الفاظ منسوب کر دیئے جو گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے لکھے تھے اور معنوی لحاظ سے اصل عبارت اور گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے جو بطور مفہوم پیش کیا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے تو یہ کہا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ متقدمین کی تفسیریں عمدہ اور ردی دونوں باتوں سے پر ہیں اور مقدمہ ابن خلدون کی اصل عبارت کا ترجمہ جسے گواہ مدعا علیہ نمبر۲ نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: ''کچھ متقدمین نے تفسیر میں باتیں جمع کیں اور ان کا خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور درج شدہ باتوں (یعنی منقولات) میں اعلیٰ وناقص مقبول ومردود...... قسم پائی جاتی ہیں۔''

اور ابن خلدون نے جن باتوں کے متعلق حکم لگایا ہے کہ وہ تین ہیں۔ ناسخ ومنسوخ کی شناخت، اسباب نزول آیات کے معانی ومقاصد اور ص ۲۶۱ میں لکھا ہے: ''وملئوا الکتب بھذہ المنقولات'' (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۶۰) اور انہوں نے کتب تفسیر ان منقولات سے بھر دی ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ یہ بات احکام سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن مقدمہ متنازعہ فیہا میں احکام کے متعلق جھگڑا نہیں ہے۔

بلکہ آیات کی تفاسیر اور ان عقائد میں ہے جو ان آیات سے مستنبط ہوتے ہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ تردیدی طور پر ہیں۔ غلط بیانی کے علاوہ اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔

گواہان مدعاعلیہ نے بہت سی مثالیں پیش کی تھیں۔ مگر مختار مدعیہ نے سب کو نظرانداز کر کے صرف ایک حوالہ خازن کا لے کر یہ کلی حکم لگادیا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو بیان کیا گیا ہے، وہ تردیدی طور پر ہے۔ حالانکہ اگر وہ گواہان مدعاعلیہ کے بیانوں کا بغور مطالعہ کرتا تو اسے بہ آسانی معلوم ہوسکتا تھا کہ گواہان مدعاعلیہ کا ایک مقصد تو ان حوالہ جات کے ذکر کرنے سے مفسرین کا آپس میں آیات کی تفاسیر میں اختلاف دکھانا ہے نہ دوسری کتب تفاسیر سے بعض آیات کی ایسی تفاسیر دکھانا مدنظر ہے جو عقل ونقل کے بالکل مخالف بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کے بھی مخالف ہیں۔

پس مختار مدعیہ کا تفسیر خازن سے آیت: ''ھمّ بہ وھمّ بھا'' کی تفسیر میں متقدمین کی تفسیروں کی تردید میں قول پیش کرنا ہی مدعاعلیہ کے دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ مفسرین نے آیات کی تفاسیر میں اختلاف کیا ہے اور خود خازن میں یہ لکھا ہے کہ امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ حضرت یوسف نے اپنا پائجامہ کھول دیا اور اپنے کپڑے درست کرنے لگے۔ انہی میں سے سعید بن جبیر مشہور تابعی اور امام حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ پس خازن کا بحوالہ تفسیر کبیر ان معنوں کو رد کرنا ہی مدعاعلیہ کے مدعا کو ثابت کرتا ہے کہ مفسرین کے اقوال بلاتحقیق قبول کرنا نہیں چاہئیں۔ نیز گواہان مدعاعلیہ نے اس کے لئے ابن جریر کا بھی حوالہ دیا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف منہ نہیں کیا۔ اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا ادّعاء غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مبنی نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ابن جریر سے ان معنی کی تردید ثابت کرے جو گواہان مدعاعلیہ نے اپنے بیانوں میں اس طرف منسوب کئے ہیں۔ اسی طرح آیت: ''وجعلہٗ دکا'' اور ''خرموسیٰ صعقا'' اور آیت: ''مادلھم علی موتہ الادابۃ الارض'' وغیرہ آیات کے متعلق گواہان مدعاعلیہ نے جو اقوال تفاسیر سے نقل کئے تھے وہ بھی تردید کے لئے نہیں ہیں۔ پس مختار مدعیہ کی یہ ایک غلط بیانی ہے کہ تفاسیر میں جو اقوال عصمت انبیاء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ تردید کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر جلالین میں جو یہ لکھا ہے کہ شیطان نے آنحضرتﷺ کی زبان پر تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی کے کلمات جاری کردیئے۔ مختار مدعیہ یہ بتائے تو سہی کہ کس جلالین میں اس کی تردید کی گئی ہے۔

گواہ مدعاعلیہ نمبر۲ نے جلالین میں بین السطور سے امام ابن حزم کا قول لکھا تھا کہ انہوں نے آیت: ''متوفیک'' کے ظاہر معنی لے کر مسیح کی موت کو تسلیم کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے۔ یہ کہ قول بلادلیل پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ کا تو صرف اتنا ہی فرض تھا کہ وہ تفسیر سے امام ابن حزم کا قول لکھا ہوا دیتا سو وہ اس نے دکھادیا تھا۔

اور مختار مدعیہ کا گواہ مدعاعلیہ نمبر۲ کے اتقان سے پیش کردہ حوالے کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تردید اسی جگہ وفیہ نظر سے کردی گئی ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وفیہ نظر اس قول سے کہ ابن عباس کی طرف جو لمبی لمبی تفاسیر منسوب کی گئی ہیں وہ ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی مجہول ہیں، متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے قول سے جو ابن جریج کے متعلق ہے اور ابن عباسؓ کے متعلق جو قول ہے وہ مقدمہ فتح البیان میں بھی مذکور ہے اور اس کی تائید (اتقان ج۲ ص۲۳۵) سے بھی ہوتی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: ''لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبیۃ بمائۃ حدیث یعنی ابن عباسؓ سے تفسیر میں تقریباً ایک سو حدیث کے سوا کچھ ثابت نہیں ہے۔''

اور نیز اس کی تائید فوائد المجموعہ للشوکانی ص۱۱۱ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے: ''ومن جملۃ التفاسیر التی لایوثق بھا تفسیر ابن عباس فانہ مروی من طریق الکذابین کاالکلبی والسدی ومقاتل ذکرمعنی ذالک السیوطی وقد سبقہ الی معناہ ابن تیمیہ''

اوران تفسیروں میں سے جو غیر معتبر ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر بھی ہے۔ کیونکہ وہ کلبی اور سدی اور مقاتل جیسے کذابوں سے مروی ہے۔ اسی کے مطابق سیوطی نے لکھا ہے اور اس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہان مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے تفسیروں کے حوالہ جات پیش کرنے میں قطع و برید سے کام لیا ہے۔ بالکل غلط ہے اور مفسرین کی تفسیروں کو بلا تحقیق قبول کر لینا خود مفسرین کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کو غلط ٹھہراتے آئے ہیں۔ جیسا کہ کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔

آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام

پھر مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ نمبر۱ پر ایک یہ الزام دیا ہے کہ اس نے آیت: ''**فلما جآء تھم رسلھم بالبینات فرحوا بما عندھم من العلم**'' کے ترجمہ میں خیانت کی ہے کہ اس میں انبیاء کے پیرو مراد لے لئے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد یہود اور کفار تھے اور یہ کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔

سو یہ بھی مختار مدعیہ کی ایک غلط بیانی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ مذکورہ بالا آیت سے یہ استدلال کیا تھا کہ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ علماء ہمیشہ خداتعالیٰ کے فرستادوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور ان کے لئے علم حجاب اکبر بن گیا اور اپنے خشک علم کی بناء پر خیال کرنے لگے کہ ہم جیسا کوئی عالم نہیں۔ اس لئے ہم غالب رہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ کی تائید کی اور دنیا کو معلوم ہوگیا کہ درحقیقت وہ علم حقیقی سے جاہل و بے خبر تھے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت میں یہود اور کفار کے عالم مراد ہیں نہ کہ انبیاء کے پیرو بالکل بے معنی اور لغو ہے۔ کیونکہ نہ تو آیت میں یہود کا لفظ ہے اور نہ کفار کا ذکر، نیز کیا یہود انبیاء کے پیرو نہ تھے؟ اور ان کی طرف انبیاء مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ پس اس آیت کا وہی ترجمہ صحیح ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے کیا ہے اور ''**جآء تھم**'' میں ''**ھم**'' کی ضمیر تمام ان لوگوں کی طرف پھرتی ہے جن کی ہدایت کے لئے خداتعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے تھے چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور۔ بہرحال اس آیت سے ثابت ہے کہ مولوی انبیاء اور خداتعالیٰ کے فرستادوں کی مخالفت کرتے رہے۔

۱۴...... مختار مدعیہ نے ۱۰؍اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ مندرجہ ذیل کتب فریقین کے نزدیک غیر مسلم ہیں حجج الکرامہ، اقتراب الساعۃ، فتح البیان، جامع الشواہد، بھونچال بر لشکر دجال، انوار احمدیہ، حیات جاوید اور ۱۱؍مارچ کی بحث میں شہاب علی البیضاوی اور روح المعانی کے متعلق یہی بات کہی ہے۔

اور یہ مختار مدعیہ نے غلط بیانی ہی نہیں کی بلکہ عمداً عدالت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ فریق مدعا علیہ نے اسے کب اپنا مختار بنایا تھا۔ جو اس نے یہ کہا کہ حجج الکرامہ وغیرہ فریقین کے نزدیک غیر مسلم ہیں، فریقین کے معنی دو فریق کے ہیں نہ کہ صرف ایک فریق کے۔ فریق مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کتابیں غیر مسلم ہیں بلکہ اس کے گواہوں نے بجواب جرح ایک جامع اصول بیان کر دیا تھا کہ جو روایت قرآن مجید کے مخالف ہوگی۔ وہ قابل قبول نہیں اسی طرح اگر کسی کتاب سے کوئی حوالہ پیش کیا جائے اور وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا واقعات ثابتہ کے خلاف نہ ہو تو وہ صحیح ہوگا اور ۱۱؍مارچ کو گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے بجواب جرح یہ تصریح کی ہے: ''اگر کسی کتاب سے کوئی نقل پیش کی گئی ہے اور وہ اس اصول کی رو سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں درست ہے تو وہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔''

پھر یہی نہیں کہ اس نے فریق مدعا علیہ کی طرف سے بے جا وکالت شروع کی۔ بلکہ گواہان مدعیہ کے اقوال کے بھی خلاف کہا ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی اس نے غیر مسلم قرار دی ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ نمبر۱، ۲، ۳ نے اپنی تائید میں روح المعانی کا حوالہ پیش

کیا ہے۔اسی طرح شہاب علی البیضاوی کا مصنف نہایت اعلیٰ پایہ کا امام شمار کیا گیا ہے اور اس نے بہت سی کتب بھی تالیف کی ہیں اور وہ قاضی القضاۃ بھی رہا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نمبرا نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے۔علامہ خفاجی شفا قاضی عیاض کی شرح میں لکھتے ہیں: ’’اور یہ علامہ خفاجی شیخ احمد بن محمد بن عمر الملقب الخفاجی تو وہی شہاب الدین ہیں۔ جنہوں نے تفسیر البیضاوی کی شرح کی ہے۔ پس ایسی حالت میں کہ گواہان مدعیہ نے جو عدالت کے سامنے پیش ہوئے ہیں شہاب کے مصنف کو قابل اعتبار مانا۔ یہاں تک کہ اس کی تصنیف سے حوالہ بھی دیئے ہیں۔مختار مدعیہ کے کہہ دینے سے شہاب کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔‘‘

مختار مدعیہ نے حجج الکرامہ اور اقتراب الساعۃ اور فتح البیان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے صرف یہ بیان کی کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین کو مشرک کہتے تھے۔لیکن مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی ان کتب کے فریق مدعیہ کے نزدیک غیر مسلم ہونے کے لئے کافی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اگر ان کتب سے وحی نبوت کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔موجب کفر ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتے۔ بلکہ انہیں کافر کہنا چاہئے۔لیکن گواہ مدعیہ نمبرا نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ نواب صدیق حسن خان کو میں مسلمان سمجھتا ہوں اور ان کی کتاب میں مظاہر آنست سے عبارت ہے اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح کہا۔

(حجج الکرامہ ص۳۴۴) میں جو واقعات مسیلمہ کے ساتھ نسبت کئے گئے ہیں وہ وقوع میں آئے ہوئے ہیں۔ پس گواہان مدعیہ نمبر۱،۳ کے روبرو جب حجج الکرامہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اس میں جو واقعات ذکر ہوئے ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے مؤلف نواب صدیق حسن خان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔لیکن مختار مدعیہ انہیں متعصب اور مقلدوں کو مشرک کہنے والا سمجھ کر ان کی کتب کو غیر مسلم قرار دے رہا ہے۔ پس یہ گواہان مدعیہ کی شہادتوں کو نظر انداز کر کے خود گواہ بننا چاہتا ہے اور ان کے گواہوں کو اپنے حق میں مفید نہ پا کر بعد از وقت ان کے فرائض کو خود ادا کرنے کے لئے ہے۔

پھر جو حوالہ حجج الکرامہ سے مسئلہ وحی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ بعینہٖ کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ مصنفہ سید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی مطبوعہ مصر کے ص۲۲۷ میں موجود ہے اور جو حوالہ اقتراب الساعۃ سے گواہان مدعا علیہ نے لا نبی بعدی کے متعلق بیان کرنے کے لئے پیش کیا ہے وہ بعینہٖ کتاب (الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص۲۲۱) میں امام ملا علی قاری سے منقول ہے۔ پس نواب صدیق حسن خان کا گناہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس طرح جو حوالہ فتح البیان سے ذکر کیا گیا وہ دوسری تفاسیر میں بھی موجود ہے اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی تائید میں نواب صاحب کی تفسیر کا حوالہ پہلے ائمہ کی تفاسیر کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ’’صدیق حسن خان مرحوم رئیس عاملین بالحدیث اپنی تفسیر میں قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہ تفاسیر میں یہ معنی اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔‘‘ (سبیل الرشاد ص۳۶)

اور نواب صدیق حسن خان کو جو پوزیشن علماء دیوبند کے نزدیک ہے وہ مندرجہ ذیل حوالوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

۱…… (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ ج دوم ص۱۰۵) میں لکھا ہے: ’’مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی رحمت اللہ علی روضۃ الندیہ فی شرح الدرۃ البہیہ میں فرماتے ہیں۔‘‘

۲…… چنانچہ نواب مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المومنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔

(فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ص۵۵)

۳…… نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہے نہ عجمی اور نثر ہو نہ نظم۔ سلف سے یہی طریقہ چلا آیا ہے۔　　(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل حاشیہ ص۱۰۳)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اکابر دیو بند اور ان کے خاتم المحدثین تو نواب صدیق حسن خان کے اقوال سے سند پکڑتے ہیں اور مختار مدعیہ ان کے اور گواہان مدعیہ کے خلاف ان کی کتب کو ان حوالوں کی بناء پر جو دوسری کتاب سے بھی ثابت ہیں غیرمسلّم قرار دیتا ہے اور اسی سے اس امر کی حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے جس کے اثبات کی غرض سے یہ سب کچھ کہا جارہا ہے اور جامع الشواہد اور بھونچال بر لشکر دجال اور حیات جاوید کے مسلم اور غیرمسلم ہونے کا تو سوال ہی نہیں اٹھ سکتا۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ دکھانے کے لئے کہ مسلمانوں کے فرقوں نے ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ہے۔ ان میں سے فتاویٰ پیش کئے ہیں اور اگر مولویوں کی تکفیر کی بناء پر کسی کو کافر اور مرتد قرار دے کر نکاح فسخ قرار دیئے جاسکتے ہیں تو پھر مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر ومرتد قرار دے کر کافر ومرتد ہوگئے۔ اس لئے ان سب کے نکاح باطل اور فسخ قرار دے کر سب کی اولاد ولدالزنا قرار دے دینی چاہئے۔ غرض چونکہ مذکورہ کتابوں سے اس امر کی تائید میں چند فتاویٰ تکفیریہ پیش کئے گئے ہیں۔ پس ان کے مسلم اور غیرمسلم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ہدیہ مجددیہ اور انوار احمدیہ کے غیرمسلم ہونے کی مختار مدعیہ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ وہ کیوں غیرمسلم ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ان اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں۔ جو مخالف مولویوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر کئے تھے اور ان کے مصنف مولانا حکیم وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے جابجا مجدد صاحب کی تحریریں اپنے جواب میں پیش کی ہیں۔

مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق

مختار مدعیہ نے ایک یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ کسی کو محض مسلمان مان لینے سے اس کا مسلم ہونا ثابت نہیں ہو جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقدمہ میں بحث چونکہ کفر واسلام پر تھی۔ اس لئے صرف ان کے مسلمان ہونے کے متعلق سوال کیا گیا۔ ورنہ وہ لوگ جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ وہ مسلمہ امام ہے۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں اکابر دیوبند کے چند حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔

۱…… ملّا علی قاری کے متعلق۔ ملّا علی قاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۲۷، ۲۸ اور ص ۳۶) میں ہے۔ ملّا علی قاری نے موضوعات کبیر میں تحریر فرمایا ہے۔

۲…… حضرت شیخ ملّا علی قاری نے موضوعات کبیر میں واضعین حدیث کے دل چسپ واقعات نقل کئے ہیں۔

(القاسم ج ۵ نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۹۲۳ء ص ۲۸)

۳…… علامہ علی قاری الباری مرقات میں فرماتے ہیں: سبیل السداد ص ۴۰ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ نمبر ۲ بحوالہ برکات الامداد ص ۹، ۱۰، ۱۱۔

۴…… بعض علمائے حنفیہ اوّل کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرنے میں اس کا پتہ بھی حدیث میں ملتا ہے اور ملّا علی قاری نے لکھا ہے کہ اوّل سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے۔ یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرح پر علم درست ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل ص ۲۶)

کیا جس شخص کے احوال سے یہ سند پکڑی جاتی ہے اور اس کے فتاویٰ بطور دلیل پیش کئے جاتے ہیں وہ نرا مسلمان ہی ہے یا مسلمہ امام ہوگا؟

شیخ محی الدین ابن عربی

۱…… شیخ الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی نے امام فخرالدین کو ایک خط لکھا ہے۔ (القاسم نمبر ۱ ج ۵ ص ۳۳)

۲…… حفظ الایمان مؤلفہ اشرف علی تھانوی کے ص ۷ میں حضرت موصوف کو شیخ اکبر لکھا ہے۔

۳...... تفسیر غایۃ البرہان کے مقدمہ ص ۱۶ میں حضرت موصوف کو امام ہمام شیخ اکبر محی الدین لکھا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی

۱...... عارف صمدانی امام ربانی مجدد الطریقۃ السویۃ علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت اٹھا کر دیکھو کتاب المنن والاخلاق میں پڑھو کہ ابناء عصر کی ان مظالم ہائے ملحدانہ کے فسانے کن دردناک لفظوں میں ارقام فرماتے ہیں۔ (القاسم نمبر۵ ص۱۵)

۲...... فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل ص ۳۸ میں بھی حضرت ممدوح الصدر کو امام ربانی عبدالوہاب شعرانی لکھا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی

مولوی محمود حسن دیوبندی شیخ الہند خلیفہ مولوی رشید احمد گنگوہی سابق صدر المدرسین مدرسۃ العلوم دیوبند اپنی کتاب (الجہد المقل ص ۲۸) میں فرماتے ہیں:

۱...... ''حضرت امام العارفین وقدوۃ الواصلین سمی رسول اللہ صفی عباد اللہ منبع فیض نا محدود سر آمد ائمہ کشف وشہود سر دفتر راسخین امت سر حلقہ بگوشان اتباع سنت سلطان المحققین رئیس المتکلمین ماحی شرک وبدعت حامی شریعت وطریقت قیوم ربانی ومقبول سبحانی امامنا ومجتبنا حضرت شیخ مجدد الف ثانی حشر اللہ تعالیٰ مع الانبیاء والصدیقین وجعلنا فی اتباعہ یوم الدین آمین!'' اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں۔

۲...... (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۷۹) میں حضرت ممدوح الصدر کو مولوی محمد مسعود صاحب نقشبندی خلیفہ مولوی رشید احمد دیوبندی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھ کر اپنی تائید میں آپ کی عبارت نقل کی ہے۔

۳...... گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ: ''شیخ مجدد میرے نزدیک مسلم صاحب کشف ہیں۔''

مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی

۱...... ''مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق ہیں اور باقرار علماء مکہ اعلم ہیں۔''

(البراہین القاطعہ مؤلفہ مولوی خلیل احمد صاحب مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۲۶۳)

۲...... اسی کتاب کے (ص۱۹) میں لکھا ہے: ''اور خود شیخ العلماء جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔''

علامہ ابن تیمیہ

۱...... مولوی حبیب احمد کیرانوی نے اپنے خط میں جو مولوی اشرف علی صاحب کو ارسال کیا ہے۔ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھا ہے۔ (القاسم نمبر۷ ج۷ ص۵)

۲...... مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام اور ان کی کتاب کو بیش بہا لکھا ہے۔ (القاسم نمبر۹ ج۵ ص۱۱)

۳...... شیخ الاسلام ابن تیمیہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم حاشیہ ص۹۱)

مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں:

۱...... مولوی محمد اسماعیل صاحب عالم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن اور حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حالت میں رہے۔ آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ

سے شہید ہوئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان اولیاءہ الا المتقون'' اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرکت و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۱)

۲...... حجۃ اللہ البالغہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ کی تالیف ہے اور صراط مستقیم وتقویۃ الایمان جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۴۷)

اور ص ۴۹ میں عالم متقی ولی اللہ اور قطعی جنتی لکھ کر لکھا ہے کہ ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے۔ اسی طرح سبیل الرشاد ص ۴۶ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں: ''حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ شیوخنا شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔''

اب مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی عدالت کے سامنے کہ کسی کو مسلمان ماننا اور چیز ہے اور اس کو معلم ماننا شئے دیگر، بزرگان موصوف الصدر کو اکابر دیوبند کا امام ہمام اور شیخ للشیوخ اور عارف باللہ اور ولی اور شہید اور شیخ الاسلام وشیخ الصوفیہ اور علامہ شیخ اکبر عارف امام ربانی مجدد الطریقہ امام الصادقین وقدوۃ الواصلین وغیرہ تسلیم کرنا بھی عدالت کے سامنے ہے۔

مختار مدعیہ نے ۱۹؍اکتوبر کی بحث میں ایک غلط بیانی کی کہ مرزا صاحب کی عبارتیں آپس میں متعارض ہیں۔ اس لئے ہماری پیش کردہ عبارتوں کا جواب نہیں ہوسکتیں۔ جتنی عبارتیں موافق اسلام ہیں قابل اعتبار نہیں۔ لیکن مخالف اسلام عبارتیں قابل اعتبار ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لئے کفریہ کلمات کہنے کی کیا ضرورت اور ۸؍اکتوبر کی بحث میں اس نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ ایک وقت میں کچھ کہتے اور دوسرے وقت میں کچھ اور آہستہ آہستہ جس قدر لوگ برداشت کرتے چلے گئے وہ بیان کرتے گئے۔ چنانچہ اس نے اپنی تائید میں (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۴۴) کا حوالہ بھی دیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ بعض باتوں کو رفتہ رفتہ ظاہر کرتا ہے۔''

جواب: مختار مدعیہ ان اکابر اسلام کو جن میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی شامل ہیں۔ مسلمان تو کہہ سکتا ہے مگر مسلّم ہونا اور بات ہے۔ وہ ان کو مسلم ماننے کو تیار نہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قیوم صمدانی حضرت مجدد الف ثانی کو اس کے نزدیک مسلمان کہہ دینا تو ہوسکتا ہے مگر مسلّم ہونا اور بات اس کے نزدیک نہیں کیوں مسلم نہیں صرف اس لئے کہ ان حضرات کے اقوال سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی تائید ہوتی ہے۔ ان مقدسوں کے متعلق جو اسلام کی روح ہیں یہ کہنا کہ ان کو مسلمان مان لینا اور بات ہے اور مسلم سمجھنا اور بات تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور عدالت کے لئے خصوصاً قابل توجہ ہے۔

حضرت مسیح موعود کے کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے اور مختار مدعیہ نے ۸؍اکتوبر کی بحث میں جو مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ ان کے بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے ویسے ہی مغالطہ سازی سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ عیسائی قرآن مجید اور آنحضرتﷺ کے کلام میں تعارض ثابت کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں۔ میں بطور نمونہ ایک دو مثالوں کا جواب دے دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے (تحفہ گولڑویہ ص ۱۱۸، خزائن ج ۱۷ ص ۲۹۵) میں تو یہ لکھا کہ: ''میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں۔ جس کے متعلق نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں۔'' لیکن (ازالہ اوہام ص ۱۹۰، خزائن ج ۳ ص ۱۹۲) میں یہ لکھا کہ اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس سے کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے۔ یعنی ازالہ اوہام میں تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بلکہ صرف مثیل مسیح ہونے کا لیکن زمانہ گزر گیا تو تحفہ گولڑویہ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اور یہ مختار مدعیہ کا نرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام میں بھی مسیح موعود ہونے کا ویسا ہی دعویٰ کیا ہے۔ جیسا

کہ تحفہ گولڑویہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پاچکا تھا تو وہ اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آ گیا اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا جو خداتعالیٰ کی مقدس پیش گوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۴۱۴، خزائن ج۳ ص۳۱۵)

۲...... اور یہ مثیل موسیٰ آنحضرت ﷺ کا مسیح اپنی سوانح میں اور دوسرے تمام نتائج میں جو قوم میں ان کی طاقت میں ان کی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہوں گے۔ اس مسیح سے مشابہ ہوگا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا۔ اب جو امر کہ خدائے تعالیٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔

۳...... لیکن یہ ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خداتعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ مسیح موعود کے نام پر آیا ہے۔

(ازالہ اوہام ص۱۵۶، خزائن ج۳ ص۱۸۰)

۴...... اور من جملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں پائی جاتی ہیں۔ (ص۲۸۲) ان عبارات کی موجودگی میں حضرت اقدس کی عبارت کے قول میں ’’اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔‘‘ کا یہ مطلب لینا جو مختار مدعیہ نے لیا ہے متکلم کی منشاء کے صریح مخالف ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے اپنے مخالف علماء کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مسیح موعود ہونے یعنی یہ کہ میں نے وہی مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ چنانچہ آپ اسی فقرہ کے آگے فرماتے ہیں: ’’میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔ جب کہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خداتعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہیں رسالوں میں کر چکا ہوں۔ میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشد مناسبت ہے اور میں وہی مثیل مسیح موعود ہوں، جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۹۰،۱۹۱، خزائن ج۳ ص۱۹۲)

مثیل مسیح اور مسیح موعود

البتہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اور بھی بہت سے مثیل مسیح ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے تصریح فرمادی ہے کہ جو مثیل مسیح ہوں گے وہ مسیح موعود نہیں ہوں گے۔ بلکہ مسیح موعود ایک ہی ہے۔ ہاں! وہ موعود ہیں۔ اس لحاظ سے کہ وہ مسیح موعود کے کام کی تکمیل کرنے والے ہوں گے وہ بھی موعود ہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ’’لیکن اگر کسی کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو کہ بعض احادیث کی اس آنے والے مسیح کی حالت سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی۔ جیسی مسلم کی دمشقی حدیث تو اول تو اس کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت یہ سب استعارات ہیں اور مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں۔ بیان کچھ کیا جاتا ہے اور مراد اس سے کچھ لیا جاتا ہے۔ سو یہ ایک بڑا دھوکہ اور غلطی ہے۔ جو ان کو ظاہری طور مطابق کرنے کے لئے کوشش کی جائے اور یا اس تردد اور فکر اور حیرت میں اپنے تئیں ڈال دیا جائے کہ کیوں یہ نشانیاں ظاہری طور پر مطابق نہیں آتیں۔ لیکن یہ سچ نہیں کہ ان حدیثوں کی تشریح کے وقت فریق مخالف کو بھی اکثر مقامات میں تاویلوں کی حاجت پڑی ہے اور بڑے تکلف کے ساتھ تاویلیں کی ہیں...... پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر بھی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جائے۔ تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ خداتعالیٰ ان پیش گوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل شخص کے ذریعہ کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا

مرتبہ رکھتا ہو اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنافی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں اور خداتعالیٰ کا فضل انہیں وہ رتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا تو اس صورت میں بلاشک ان کا ساختہ پرداختہ، ہمارا ساختہ پرداختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ چلتا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں سے ہو کر پورا کرتا ہے۔ وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے۔ اس لئے وہ جزو اور شاخ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیش گوئی میں بھی شریک ہے۔ کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ بھی خداتعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پائے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے۔ مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے متمم ومکمل ہیں اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کروگے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خداتعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں۔ کبھی تو بلاواسطہ اور کبھی بالواسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔'' (ازالہ اوہام ص۴۱۴ تا ۴۱۶، خزائن ج۳ ص۳۱۵ تا ۳۱۷)

پس جو دعویٰ مسیح موعود ہونے کا آپ نے تحفہ گولڑویہ میں کیا ہے وہی ازالہ اوہام میں بھی موجود ہے۔

۲…… ازالہ اوہام میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آگئے اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے: ''حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر ہے۔'' (براہین احمدیہ پنجم ص۱۹۲، خزائن ج۲۱ ص۳۶۴)

جواب: حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ اس معنی کے لحاظ سے امتی ہیں۔ جن معنی کے رو سے آپ نے ضمیمہ براہین پنجم میں حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر لکھا ہے، بلکہ ازالہ اوہام میں بھی آپ نے بالتصریح بیان فرمادیا ہے کہ وہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہوجانا منصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بکلی ممتنع ہے۔'' (ازالہ اوہام ص۵۶۹، خزائن ج۳ ص۴۰۷)

پس جس خیال کا اظہار آپ نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں کیا ہے، وہی ازالہ اوہام سے ثابت ہے۔

۳…… ازالہ اوہام میں مرزاصاحب نے کہا ہے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے۔ نبی نہیں ہوگا۔ لیکن حقیقت الوحی میں لکھا ہے: ''جس آنے والے مسیح کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی ہوگا۔'' (حقیقت الوحی ص۲۹، خزائن ج۲۲ ص۳۱)

جواب: یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جیسے حقیقت الوحی میں آپ نے آنے والے مسیح کا نشان اس کا نبی ہونا قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ازالہ اوہام میں آپ نے فرمایا: ''ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے۔ اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا، یعنی خداتعالیٰ سے وحی پانے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں۔ کیونکہ نبوت تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے، بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے۔''

(ازالہ اوہام ص۷۰۱، خزائن ج۳ ص۴۷۸)

اور فرماتے ہیں: ''اور مسلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں، بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے۔''

(ازالہ اوہام ص۵۸۶، ۵۸۷، خزائن ج۳ ص۴۱۶، ۴۱۷)

۴...... (ازالہ اوہام ص۴۲۲، خزائن ج۳ ص۳۲۰) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں: ’’نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔‘‘ اور بدر ۵؍مارچ میں لکھتے ہیں: ’’ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔‘‘ (ملفوظات ج۱۰ ص۱۲۷)

جواب: بدر ۵؍مارچ میں جو یہ لکھا ہے کہ: ’’ہم رسول اور نبی ہیں۔‘‘ تو ساتھ ہی نبی کی تشریح بھی کردی ہے کہ: ’’ہم نبی ہیں۔ ہاں! یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو ہم کفر سمجھتے ہیں۔‘‘ (ملفوظات ج۱۰ ص۱۲۷)

اور (ازالہ اوہام ص۴۲۲، خزائن ج۳ ص۳۲۰) میں جو آپ نے فرمایا کہ: ’’نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔‘‘ تو اس میں نبوت سے مراد نبوت مستقلہ ہے اور جس قسم کی نبوت کے دعویٰ کا اظہار بدر میں کیا ہے۔ اس سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ پھر جیسے ازالہ کے حوالوں سے اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔ نیز ایک غلطی کے ازالہ میں آپ نے بالتصریح ذکر فرمادیا ہے کہ آپ نے جہاں کہیں نبوت سے انکار کیا ہے تو اس سے مراد نبوت مستقل اور شریعت والی نبوت ہے۔ البتہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحاریر میں آپ نے اس قسم کی نبوت کو محدثیت سے بھی تعبیر کیا ہے۔ لیکن جب کثرت سے خداتعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ آپ کے حق میں استعمال ہوا اور آپ پر یہ حقیقت کھلی کہ اس قسم کی نبوت رسالت پر بھی نبی اور رسول کا اطلاق کرنا درست ہے اور یہ کہ نبی اور رسول کا نام پانے کے لئے ضروری نہیں کہ شریعت لائے یا شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے تو اس وقت آپ نے نبی اور رسول کے الفاظ کو بتاویل محدث لینے کی بجائے اپنے حق میں نبی اور رسول کا استعمال شروع کردیا۔ پس آپ کا ایک جگہ نبی ہونے سے انکار کرنا اور دوسری جگہ نبی ہونے کا اقرار کرنا مختلف معانی کے لحاظ سے ہے اور اگر معانی اور نسبتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر قرآن مجید اور احادیث میں بھی بکثرت اختلاف پیدا ہوجائے گا اور یہی وجہ ہے کہ مختار مدعیہ کی طرح عیسائیوں نے بھی مختار مدعیہ کے اصول کے مطابق قرآن مجید میں اختلاف اور تعارضات نکالے ہیں۔ میں ان آیات اور احادیث میں سے جنہیں عیسائیوں نے مختار مدعیہ کی طرز پر آپس میں متعارض قرار دیا ہے۔ چند بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۱...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’ان امّھاتھم الاالّٰئِ ولدنھم وانھم لیقولون منکراً من القول وزورا (مجادلہ:۲)‘‘ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور برا قول کہتے ہیں۔ ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے۔

لیکن سورہ احزاب آیت نمبر۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’وازواجہ امھاتھم‘‘ کہ آنحضرتﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

ایک جگہ تو کہا کہ کسی کی ماں صرف وہی ہوتی ہے جو اسے جنے۔ لیکن سورہ احزاب میں نبی کی بیویوں کو جنہوں نے مومنوں کو جنا نہیں ان کی ماں قرار دیا۔

۲...... سورہ نجم آیت نمبر۲ میں فرمایا: ’’ماضل صاحبکم وماغویٰ‘‘ کہ آنحضرتﷺ گمراہ نہیں ہوئے۔ لیکن سورہ والضحیٰ آیت نمبر۷ میں فرمایا: ’’ووجدک ضآلا فھدیٰ‘‘ کہ تجھے گمراہ پایا تو ہدایت دی۔

۳...... سورہ طٰہٰ آیت نمبر۱۲۵ میں فرمایا: ’’ونحشرہٗ یوم القیامۃ اعمٰی‘‘ کہ ہم اس شخص کو جو خدا کے فکر سے اعراض کرے گا قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے اور سورہ ق آیت نمبر۲۲ میں فرمایا: ’’فبصرک الیوم حدید‘‘ اس دن نظریں تیز ہوں گی اور ہر ایک چیز کی حقیقت کا وہ بچشم خود مشاہدہ کریں گے۔

۴...... ’’یوم تأتی کل نفس تجادل عن نفسھا (النحل:۱۱۱)‘‘ یعنی جس دن ہر نفس اپنے نفس سے دفاع کے لئے جھگڑے گی اور دوسری جگہ فرمایا: ’’ھذا یوم لاینطقون ولایؤذن لھم فیعتذرون (المرسلٰت:۳۵،۳۶)‘‘ یعنی یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بولیں گے اور نہ انہیں عذر خواہی کی اجازت ہی دی جاوے گی۔

۵...... اسی طرح ایک جگہ فرمایا:''فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتسآء لون (المؤمنون:۱۰۱)''یعنی وہ اس دن ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسری جگہ فرمایا:''واقبل بعضھم علی بعض یتسآء لون (الطور:۲۵)''یعنی وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

۶...... اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:''وقفوھم انھم مسئولون (الصافات:۲۳)''کہ انہیں ٹھہراؤ۔ ان سے پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا:''فیومئذ لا یسئال عن ذنبہ انس ولا جآن (الرحمٰن:۳۹)''یعنی اس دن جن وانس سے اپنے گناہوں کے بارہ میں پوچھا ہی نہیں جائے گا۔

رہا مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود اپنے دعویٰ میں لوگوں کی برداشت مدنظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے۔ سو یہ بھی کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ پہلے انبیاء پر بھی کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب میں بھی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ انبیاء پر تمام امور کی حقیقت کیوں نہیں کھول دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا انبیاء کی بعثت سے لوگوں پر اتمام حجت کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جن میں رشد وہدایت پائی جاتی ہے۔ اس نبی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوں اور دوسرے لوگ اتمام حجت ہوکر خدا کے عذاب اور سزاؤں کے مورد بنیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے مامور جو نہایت رحیم وکریم ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ لوگ ہلاک ہوں اس لئے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام صراحت کے ساتھ ان پر کسی چیز کی حقیقت نہ کھول دی جائے۔ وہ اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جو لوگوں کے خیالات کے قریب ہو، تاوہ جلدی میں آکر انکار نہ کر بیٹھیں۔ لیکن دنیا دار لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کا مکر ہوتا ہے اور ایسے لوگ اگر خود لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایسا طریق اختیار کریں تو وہ اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے کے لئے اپنے مامور پر آہستہ آہستہ حقائق ظاہر کرے تو وہ اسے مکروفریب سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سب سے حکیم ہے۔ پھر کیونکر وہ حکمت کو اختیار نہ کرے اور چونکہ انبیاء کو اپنی بڑائی کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان خطابات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ملتے ہیں۔ اپنے لئے استعمال کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ہر پہلو پر غور کرتے ہیں اور ابتداء میں ڈرتے ہی ہیں کہ مبادا یہ آپ کے متعلق کا ہی دھوکا ہو اور اگر ان کی ایسی تاویل ہوسکتی ہو۔ جو لوگوں کے خیالات کے اقرب ہو تو وہ اس کی تاویل کر لیتے ہیں اور اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ اس کثرت الہام کے ذریعہ سے یہ واضح نہیں کر دیتا کہ اس کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور جب یہ وضاحت وصراحت ہو جائے تو پھر کوئی پروا نہیں کرتے اور بلاخوف لومۃ لائم وہ خطابات بھی نئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تدریجی دعویٰ کی مثال خود آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں بھی ہمیں ملتی ہے۔

سب سے پہلے جب آپ پر غار حرا میں فرشتہ کا ظہور ہوا اور اس نے آپ کو خوب بھینچا اور تین بار پڑھنے کے لئے کہا اور''اقراء باسم ربک الذی خلق ''کی وحی آپ پر نازل ہوئی تو آپ کانپتے ہوئے دل کے ساتھ خدیجہؓ کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھانے کے لئے ارشاد فرمایا اور جب کچھ تسلی ہوئی تو فرمایا کہ:''ولقد خشیت علی نفسی (بخاری ج۱ ص۳)''یعنی میں ڈرا مبادا میرے نفس کا ہی یہ دھوکا ہو یا اپنی جان کا صرف ہو۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

جس نے آپ کا حال سن کر بتایا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے پاس فرشتہ آتا ہے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو اس معاملہ کی حقیقت ورقہ بن نوفل سے معلوم ہوتی ہے اور ولقد خشیت علی نفسی کے معنی امام ملا علی قاری نے یہ کئے ہیں کہ میں ڈرا کہ مجھے جنون نہ ہو جائے یا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ پھر اس کے بعد کچھ دیر کے لئے وحی کا آنا بند ہوگیا تو آپ کی جو حالت ہوئی وہ امام بخاری کے نزدیک مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

وزاد البخاری حتی حزن النبی ﷺ فیما بلغنا حزنا غدامنه مراراً کئ یتروی من رؤس شراهق الجبل فکلما اوفی بذورة جبل لکئ یلقی نفسه منه تبدی له جبرئیل فقال یامحمد انک رسول اللہ حقاً فلیکن لذلک جاشه وتقرنفسه (مشکوٰۃ ص ۵۲۲) ''یعنی وحی کے بند ہونے کے بعد آپ ایسے سخت غمگین ہوئے کہ آپ نے بار ہا پہاڑ کی چوٹیوں پر سے گرنے کی خواہش کی۔ پس جب کبھی کسی پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھتے کہ اپنے آپ کو گرادیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوکر آپ سے کہتے کہ اے محمد تو درحقیقت خدا کا رسول ہے تو اس سے آپ کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ سو جبرئیل علیہ السلام کا بار بار ظاہر ہوکر آپ سے یہ کہنا کہ تو سچ مچ خدا کا رسول ہے۔ بتاتا ہے کہ ابتداء میں خداتعالیٰ کے مامور بن کر اپنے دعویٰ کی شناخت میں کیسی مشکلات ہوتی ہیں۔ پس وہ اس وقت تک اس کو ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ بارش کی طرح وحی کے ذریعہ انہیں اس کی صحت کا علم نہیں دیا جاتا۔

دیکھنا چاہئے کہ اس کے بعد خداتعالیٰ نے کس حکمت سے آہستہ آہستہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ پہلے آپ پوشیدہ طور پر تین سال تک اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ''فاصدع بماتؤمر واعرض عن المشرکین'' کا ارشاد فرمایا تو آپ نے علانیہ طور پر اپنی دعوت کا اظہار کیا۔ (زادالمعاد ج اوّل ص۲۰) آپ کی ترتیب دعوت کا ذکر امام ابن قیم نے اسی طرح کیا ہے: ''پہلے تو آپ کو یہ حکم ہوا: ''اقرأ باسم ربک الذی خلق وذالک اول نبوة'' یہ آپ کی نبوت کی ابتداء ہے۔ اس وقت آپ کو اپنے آپ پڑھنے کا ہی حکم دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ پر آیات: ''یاآیها المدثر قم فانذر'' نازل ہوئیں۔ اس میں آپ کو دوسروں کے ڈرانے کا بھی حکم دیا گیا۔ ''ثم امران ینذرعشیرته الاقربین'' پھر آپ کو اپنے قریبی خاندان والوں کے ڈرانے کا حکم دیا گیا۔ (جیسا کہ آیت: ''وانذر عشیرتک الاقربین'' سے ظاہر ہے) ''ثم انذرقومه ثم انذر من حولهم من العرب ثم انذر العرب قاطبة ثم انذر العالمین'' پھر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ پھر اس کو جو اس کے اردگرد عرب میں رہتے تھے۔ پھر تمام عربوں کو (جیسا کہ آیت: ''لتنذرقوماً ماااتاهم من نذیر من قبلک'' سے ظاہر ہے) پھر اس کے بعد تمام جہانوں کو (جیسا کہ آیت: ''لتکون للعالمین نذیراً'' میں ظاہر ہے) ''فاقام بضع عشرة سنة بعد نبوته بالدعوة بغیر قتال ولاخیریة ویؤمر بالکف والصبر والصفح ثم اذن له فی الهجرة واذن له فی القتال المشرکین حتی یکون الدین کله للہ الی آخره'' (زادالمعاد ج۱ ص۳۳۲)

پھر اپنی نبوت کے تیرہ سال بغیر قتال کے لوگوں کو اپنا دعویٰ سنا کر ڈراتے رہے اور آپ کو جنگ سے رکے رہنے اور صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ پھر آپ کو ہجرت کی اجازت ہوئی اور اس کے بعد قتال کی پھر آپ کو حکم ہوا کہ جو آپ سے لڑے اس سے قتال کیا جاوے اور جو نہ لڑے اس سے قتال نہ کیا جاوے۔

پھر آپ کو مشرکین سے قتال کرنے کا ارشاد ہوا۔ یہاں تک کہ تمام دین اللہ کے لئے ہو۔ مذکورہ بالا ترتیب سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے تدریجی طور پر اپنے رسول سے اپنا دعویٰ لوگوں تک پہنچانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے تبلیغ دعوت میں مذکورہ بالا طریق اختیار کرنے کی وجہ سے آپ پر عیسائیوں نے وہی اعتراض کیا ہے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر کیا ہے۔

اسی طرح پہلے تو آپ نے اپنی نبوت اپنی ذات تک محدود رکھی پھر آپ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کی خواہش کی۔ یہاں تک کہ ہر بار حضرت جبرائیل نے آپ سے کہہ دیا کہ آپ واقعی خدا کے رسول ہیں۔ (یعنی کسی تردد کی اس میں ضرورت نہیں) پھر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ کی۔ مدینہ میں پہنچ کر جہاں یہود کثرت سے آباد تھے۔ فرمایا: ''لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون یوم القیامة فاصعق معهم فأکون اول من یفیق فاذاموسیٰ باطش جانب العرش

(بخاری ج ۴ ص ۸۸) ''کہ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ کیونکہ لوگ قیامت کے روز جب بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پہلو کو پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ نے خاتم النّبیین ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا: ''والذی نفسی محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ ص ۳۲) ''یعنی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تمہارے لئے موسیٰ ظاہر ہوں اور تم اس کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے ایک اور حدیث میں ہے۔ ''لوکان موسیٰ حیاً لماوسعہٗ الااتباعی ''اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ ایک وقت میں تو یہ فرمایا: ''لا تفضلوا بین انبیاء اللہ (مشکوٰۃ ص ۵۰۷)''

یعنی تم خدا کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ لیکن پھر دوسرا زمانہ وہ آیا جب کہ آپ نے فرمایا: ''فضلت علی الانبیاء بست (مشکوٰۃ ص ۵۱۲ بحوالہ مسلم) ''یعنی مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ اسی طرح ایک وہ زمانہ تھا کہ آپ نے علی الاعلان فرمایا: ''من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب (بخاری ج ۳ ص ۸۳) ''یعنی جو کہے کہ میں یونس بن متی سے اچھا ہوں تو اس نے جھوٹ کہا۔ لیکن آپ نے اپنے متعلق فرمایا: ''انا اکرم الاوّلین والاخرین علی اللہ ولافخر (مشکوٰۃ ص ۵۱۴، بحوالہ ترمذی ودارمی) ''یعنی میں پہلوں اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اشرف اور مکرم ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

نیز فرمایا: ''انا سید ولد اٰدم یوم القیامۃ ولافخر وبیدی لواء الحمد ولافخر ومامن نبی یومئذ اٰدم فمن سواہ تحت لوائی (مشکوٰۃ ص ۵۱۳ بحوالہ ترمذی) ''یعنی میں قیامت کے روز تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس میں فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے سوا جس قدر انبیاء ہیں تمام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

نیز فرمایا: ''انا قائد المرسلین ولافخر وانا خاتم النّبیین ولافخر وانا شافع ومشفع ولافخر (مشکوٰۃ ص ۵۱۴، بحوالہ دارمی) ''یعنی میں بغیر کسی فخر کے رسولوں کا قائد ہوں اور خاتم النّبیین اور شافع ہوں اور ایسا شافع ہوں جس کی شفاعت قبول کی جاوے گی۔

حضرت مسیح موعود کو براہین احمدیہ میں آپ کو مثیل مسیح ہونے کا الہام ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ کو مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق اس وجہ سے کہ آپ پر وفات مسیح کی فضیلت منکشف نہ ہوئی تھی زندہ لکھ دیا اور اسی طرح باوجودیکہ الہامات میں آپ کے حق میں نبی ورسول کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ نبی اور رسول کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے کہ جو نئی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور یہ تعریف آپ پر صادق نہ آئی تھی۔ اس لئے آپ کا لفظ نبی اور رسول بتاویل بمعنی محدث لینا جائے اعتراض نہیں ہے لیکن جب آپ پر اللہ تعالیٰ نے بار بار کے الہام سے یہ حقیقت منکشف کر دی کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور جب آپ نے یہ سمجھا کہ وہ جس پر کثرت امور غیبیہ کا اظہار ہو وہ بھی نبی ہوتا ہے۔ چاہے وہ نبی شریعت نہ لائے اور نہ ہی پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے اور نہ ہی مستقل ہو بلکہ پہلے نبی کا پیرو ہو تو آپ نے وفات مسیح کا اعلان کر دیا اور لفظ نبی اور رسول کو بتاویل محدث لینے کی بجائے اپنے آپ کو امتی نبی اور رسول کہنا شروع کر دیا کہ میں نبی ہوں یعنی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والا اور رسول یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے تصریح فرما دی کہ: ''ہاں! یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱)

حضرت مسیح موعود کا دعویٰ

۹؍اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ اعتراض کیا کہ آج تک یہ پتہ نہیں کہ مرزا صاحب کیا چیز لے کر آئے اور نہ مرزا صاحب کے صحابہ ہی ثابت کر سکے اور دعویٰ کی تعین نہیں۔ متعدد دعاوی کئے ہیں۔ مبلغ اسلام، مجدد مصلح وغیرذالک! حضرت مسیح موعود کا دعویٰ اظہر من الشّمس ہے کہ آپ خداتعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کئے گئے۔ باقی جس قدر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاب دیئے گئے ہیں وہ اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ آپ مجدد تھے اور مصلح تھے اور ہر نبی مجدد اور مصلح ہوتا ہے۔ آپ مبلغ اسلام بھی ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ بھی مبلغ اسلام بھی ہیں اور آپ کو ہی سب سے اوّل ’’یٰآیہا الرسول بلغ ما انزل الیک ‘‘ تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ محدث بھی ہیں کیونکہ خدتعالیٰ نے آپ سے کلام کی آپ نبی بھی ہیں کہ خداتعالیٰ نے کثرت سے امورغیبیہ پر آپ کو اطلاع دی۔ آپ رسول بھی ہیں۔ ان معنوں میں کہ آپ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ آپ ان پیش گوئیوں کے بھی مصداق ہیں جو انبیاء کی کتابوں اور احادیث میں پائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ مہدی اور عیسائیوں کے لئے مسیح اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہیں۔ پس آپ کو مختلف القاب اور اسماء دیئے جانے آپ کے دعاوی متعدد نہیں ہوگئے۔ ورنہ اس طرح تو یہی اعتراض آنحضرت ﷺ پر بھی آئے گا کہ آپ کے دعوؤں کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ آپ کے دعاوی متعدد ہیں۔ نبی، رسول، خاتم النّبیین، حامی، حاشر، عاقب وغیرہ۔

پس حضرت مسیح موعود کا دعویٰ آپ کی کتب سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

گواہان مدعیہ کی شہادتیں

بوجوہات ذیل حضرت مسیح موعود ومہدی معہود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں:

وجہ اوّل: حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے اور گواہ مدعا علیہ نمبرا نے اپنے بیان میں بحوالہ (حج لکرامہ ص۳۶۳) اور (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۵۵ ج۲ ص۱۰۷) یہ ثابت کر دیا ہے کہ مولوی لوگ جو تقلید اور اپنے بزرگوں کی اقتداء کے خوگر اور کفر کا فتویٰ دینے کے عادی ہوں گے۔ مہدی موعود کو کافر اور گمراہ اور دین کو تباہ کرنے والا قرار دیں گے اور علماء ظواہر مسیح موعود کے باریک اجتہادات کا انکار کریں گے اور اپنی مخالف کتاب وسنت جان لیں گے اور قرآن مجید بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ جو لوگ خداتعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں مدعیان علم ان کی تکذیب کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت: ’’فلما جآء تہم رسلہم بالبینات فرحوا بما عندہم من العلم (المؤمن:۸۳) ‘‘ سے ظاہر ہے اس لئے حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کے کفر اور اسلام کے متعلق مولویوں کی شہادت قرآن وحدیث کی رو سے قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوئم: گواہان مدعیہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت سے اپنے حسد وبغض اور تعصب وعداوت کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے اور اگر گواہان کی شہادتوں کو دیکھا جائے تو اس میں احمدیوں اور ان کے امام کے خلاف جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور باوجودیکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا احمدی ہونا اسلام سے ارتداد ہے یا نہیں۔ عدالت کا حق تھا نہ کہ گواہوں کا گواہوں نے بار بار حضرت مسیح موعود اور احمدیوں کے حق میں کافر اور مرتد اور ملحد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے ان کی جماعت احمدیہ اور مدعا علیہ سے عداوت وبغض بالکل واضح ہے اور ایسے شخص کی گواہی جس کی عداوت مدعا علیہ سے روز روشن کی طرح آشکار ہو چکی ہے۔ کوئی عدالت چھوٹی ہو یا بڑی قبول نہیں کرتی۔ چنانچہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ (ہدیہ مجددیہ ص۱۰۲) میں لکھا ہے: ’’ذکر فی

المبسوط فی مذھب مالک انه لایجوز شهادة القاری یعنی العلماء لانهم اشدالناس تحاسداوتباغضاً ''یعنی مبسوط میں امام مالک کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مخالف علماء کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اوّل درجہ حاسد اور بغض رکھنے والے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے فاضل ججان مدراس ہائیکورٹ نے بھی مقدمہ زیر عنوان میں مولویوں کی شہادت

Narantahath avullah vs parahuhial mammur and others.

کو احمدیوں کے خلاف اسی وجہ سے رد کیا ہے چنانچہ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

But we can not accept their opinion as settling the question,as argued for the accused, partacularly as they are anterested ad orthodox Mohamadans in dinouncing the members of the new sect as unbelievers indian...........

اس لئے گواہان مدعیہ کی شہادتیں حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں۔

وجہ دوم: گواہان مدعیہ کے بیانات اصولی مسائل میں ایک دوسرے کے متناقض ہیں چنانچہ:

۱...... گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح کہا: ''عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح کہا کہ وحی نبوت نہیں آئے گی نہ کسی نئے نبی پر نہ پرانے نبی پر۔

پس گواہ مدعیہ نمبر۳ تو حضرت عیسیٰ پر وحی نبوت کے نزول کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن گواہ مدعیہ نمبر۴ کہتا ہے کہ وحی نبوت پرانے نبی پر بھی نہیں ہوسکتی۔

۲...... گواہ مدعیہ نمبر۱ نے بجواب جرح ۲۱؍اگست کو یہ تسلیم کیا ہے۔ ''مسیح علیہ السلام پر اگر کوئی جبرائیل علیہ السلام کے نازل ہونے کا قائل ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا اور پھر حج الکرامہ کی عبارت ''ظاہر است کہ آرندہ وحی سوئے (یعنی مسیح۔ شمس) جبرائیل علیہ السلام باشد بلکہ بہ ہمیں یقین داریم ودران تردد نمی کنیم'' کی تردید نہیں کرتا اور آنحضرت ﷺ کے بعد نزول جبرائیل علیہ السلام کو جائز قرار دیتا ہے لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے بعد اب کسی شخص پر نازل نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرائیل نہیں آئیں گے۔''

۳...... گواہ مدعیہ نمبر ب نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ کتب لغت میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے قطعاً یقیناً یہ ثابت ہو کہ خاتم النّبیین کے معنی آخرالنّبیین کے ہی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ: ''لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی ہے۔''

پس گواہ نمبر۳ کے اس قول کے مطابق لغت کی رو سے برخلاف گواہ نمبر ب نبیوں کی مہر کے معنی ہو سکتے ہیں۔

۴...... گواہ مدعیہ نمبر الف وگواہ مدعیہ نمبر ب اپنے بیانوں میں کہتے ہیں کہ وحی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ نبوت نہیں۔ کیونکہ وحی لازمی چیز ہے۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ نمبر۲ نے بجواب جرح ۱۴؍اگست کو یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مطلق وحی کے دعویٰ کو کفر نہیں کہا گیا اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر وحی نبوت ہوگی اور اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں۔ پس گواہان مدعیہ الف، ب تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ وحی لازمہ نبوت ہے۔ لیکن گواہ مدعیہ نمبر۱ مؤرخہ ۲۱؍اگست کو بجواب جرح بحوالہ فتوحات اور گواہ مدعیہ نمبر۲ اور گواہ مدعیہ نمبر۳ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کے بعد وحی ہوسکتی ہے

اور نیز گواہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر غیر تبلیغی وحی ہوگی۔

۵...... گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۴؍اگست کو بجواب جرح کہا کہ حضرت عیسیٰ رسول الی بنی اسرائیل تھے اور ہیں نہ پہلے وہ ہماری طرف مبعوث ہوئے تھے اور نہ اب اور جب آئیں گے تو وہ منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔ لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور ان کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا وہ مسلمان نہ ہوگا۔

۶...... گواہ نمبر۱ نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح کہا کہ آیت: ''وماکان لبشر'' میں جو طرق وحی کے بیان کئے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں۔ مگر گواہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست بجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ ام موسیٰ اور مریم پر جو وحی ہوئی قرآن کے بیان کردہ تین طرق میں داخل ہے اور گواہ نمبر۲ اور مختار مدعیہ کے نزدیک وہ وحی جو وحی نبوت نہ ہو وہ امت محمدیہ کے افراد کو ہوسکتی ہے۔ جیسے کہ حضرت مریم اور ام موسیٰ کو ہوئی۔ کیونکہ وہ نبی نہ تھیں اور وہ وحی گواہ نمبر۳ کے نزدیک آیت: ''وماکان لبشر'' میں مذکورہ طرق میں داخل ہے جو گواہ مدعیہ نمبر۱ کے قول کے بالکل مخالف ہے۔

گواہان مدعیہ کے بیانات میں ایسے تناقضات اور بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفاء کرتے ہوئے میں ان تناقضات کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہوں جو ہر گواہ کے اپنے بیان میں پائے گئے ہیں۔ مثلاً گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح حدیث: ''من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر'' کے متعلق کہا کہ امت اس کے یہ معنی سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک امت کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن پھر اس کے بعد یہ اقرار کیا کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر قرار دے کر ان سے نکاح وغیرہ معاملات کو حرام قرار دیا ہے اور ان دونوں قولوں میں تخالف پایا جاتا ہے اور اسی طرح گواہ نمبر۳ نے اپنے بیان مؤرخہ ۲۵؍اگست کو کہا کہ مسخ نسخ بروز وغیرہ یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن اس نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ آیت: ''کونوا قردۃ خاسئین'' کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ مسخ ہوگئے تھے۔ پس ان دونوں قسم کے تناقضات کی موجودگی میں گواہان مدعیہ کی شہادتیں قابل قبول نہیں ہیں۔

<u>وجہ سوم:</u> حضرت مسیح موعود کی تمام کتب کا سوائے ان عبارات کے جن پر انہوں نے اعتراض کیا ہے مطالعہ نہیں کیا۔

گواہان مدعیہ نے جیسا کہ شاہد مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ: ''میں نے مرزاصاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس قدر کہ مجھے حکم دینے کے لئے ضرورت ہوئی اس قدر میں نے مطالعہ کیا۔''

اور گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح کہا: ''میں نے تمام کتابیں مرزاصاحب کی مطالعہ نہیں کیں۔'' اور مختار مدعیہ نے بھی ۷؍اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعیہ کے اس نقص کو چھپانے کے لئے یہ کہا کہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لئے اس کی دوسری کتابوں کا دیکھا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے دوسری کتابوں کے دیکھنے کا اعتراض گواہان مدعیہ پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۰؍اگست کو بجواب جرح یہ اصل تسلیم کیا ہے کہ: ''ایک مصنف کے قول کا ماقبل ومابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس طرح گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح کہا کہ: ''متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرح کلام پر حمل کیا جائے گا۔''

پس اس اصل کے مطابق کسی کا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی دوسری کتابوں کو دیکھا جائے اور اس کے تمام اقوال کو یکجائی نظر سے دیکھ کر پھر اس پر حکم لگایا جائے۔ لیکن گواہان مدعیہ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے معترف ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی کتابوں

کا کما حقہ مطالعہ نہیں کیا۔ اس لئے ان کی شہادت حضرت مسیح موعود کے کفر واسلام کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتی اور رد کرنے کے لائق ہے۔

وجہ چہارم: دربار معلیٰ نے اپنے فیصلہ میں علماء اسلام کی آراء حاصل کرنے کے متعلق لکھا تھا اور علماء اسلام کہلانے کے وہی مستحق ہوسکتے ہیں جنہیں مسلمانوں کے تمام فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں۔ مگر گواہان مدعیہ عالم اسلام تو کجا رہے۔ علماء حرمین او علماء ہند کے نزدیک مسلمان بھی نہیں ہیں۔ بلکہ مرتد اور خارج از دائرہ اسلام ہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے۔ اس لئے ان کی شہادتیں رد کرنے کے لائق ہیں۔

گواہان مدعیہ کے صریح کذب

وجہ پنجم: چونکہ گواہان مدعیہ اپنے اکابر علماء وائمہ کی تعلیم کے مطابق ایسے معاملات میں کذب صریح کو جائز خیال کرتے ہوئے اپنے بیانوں میں جابجا کذب صریح کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی اور ان کے صریح کذبات سے چند بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) پہلا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر الف نے اپنے بیان میں یہ کذب صریح استعمال کیا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا اور حوالہ آئینہ کمالات اسلام کا دیا ہے۔ حالانکہ وہیں حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ واقعہ میں نے خواب میں دیکھا اور وہیں اس کی تعبیر بھی حضور نے بیان فرمادی ہے۔

(۲) دوسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر الف نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود کی طرف بحوالہ (البشریٰ ج۲ ص۷۹) یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان سے کہا: ''جس طرح میں قدیم اور ازلی ہوں، اس طرح تیرے لئے میں نے ازلیت کے انوار کردیئے ہیں اور تو بھی ازلی ہے۔''
اور یہ گواہ مذکورہ کا نہایت ہی صریح کذب ہے۔ کیونکہ عبارت البشریٰ میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

(۳) تیسرا کذب

گواہ مدعیہ نمبر ب نے اپنے بیان میں بحوالہ (توضیح مرام ص۳۰،۳۳، خزائن ج۳ ص۶۸ حاشیہ) حضرت مسیح موعود کے متعلق ذکر کیا ہے کہ آپ ملائکہ کو سیاروں کی ارواح مانتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ملائکہ کی بحث میں ذکر آچکا ہے۔ پس گواہ نمبر ب کا آپ کی طرف یہ عیدہ منسوب کرنا اس کا ایک کذب صریح ہے۔

(۴) چوتھا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر ب نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود کا بحوالہ (توضیح مرام ص۴۰، خزائن ج۳ ص۷۱) یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے نجوم کی تاثیر سے ہورہا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود کا عقیدہ یہ ہے کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے، جیسا کہ بحث ملائکہ میں ذکر آچکا۔ پس گواہ مذکورہ کا یہ ایک جھوٹ ہے۔

(۵) پانچواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر ا نے ۲۱؍اگست کو بجواب جرح یہ صریح جھوٹ بولا کہ مسیلمہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں تھا۔ اس نے اسلامی

شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ قرآن شریف کے مقابلہ میں اس نے کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہ مجھے علم نہیں، وہ شریعت قرآن شریف کا متبع تھا یا نہ مجھے معلوم نہیں۔

حالانکہ نہایت قلیل علم رکھنے والا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے نماز وروزہ وغیرہ کو ترک اور شراب وزنا وغیرہ کو جائز کردیا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹/اگست کو بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر وتبدل کیا تھا اور (حج الکرامہ ص۳۴۴) میں جو واقعات (تحلیل خمر اور تنسیخ نماز وروزہ اور قرآن کے مقابلہ میں سورتیں بنانے کے) مسیلمہ کی طرف نسبت کئے گئے ہیں یہ وقوع میں آئے ہیں۔

(۶) چھٹا کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱/اگست کو بجوب جرح کہا ''ہم احمد رضا خان بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خان کو بھی ہم کافر نہیں کہتے اس کے اقوال کی تاویل کرتے ہیں۔'' حالانکہ یہ سراسر غلط اور قطعاً کذب صریح ہے۔

(۷) ساتواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۱ نے ۲۱/اگست کو بجواب جرح حدیث: ''من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر '' یہ کہا کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن جب اور زیادہ جرح کی گئی تو حق بات بیان کرنی پڑی کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر کہا ہے اور اس اقرار سے اس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اس کا پہلا جواب کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا، جھوٹ تھا۔

(۸) آٹھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۴/اگست کو بجواب جرح کہا: ''مرزا صاحب نے اپنی کسی ایک کتاب میں وحی کو جمع نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی خاص کتاب کو شریعت قرار دیا۔ لیکن ان کی جو وحی جس جس کتاب میں درج ہے وہ شریعت جدیدہ ہے۔''

حالانکہ جس نے حضرت مسیح موعود کی بعض تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کی وحی کو وحی شریعت جدیدہ قرار دینا ایک کذب صریح کے سواء اور کچھ نہیں ہے۔

(۹) نواب کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۴/اگست کو بجواب جرح یہ صریح کذب استعمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے بعد قرآن کو آخر الکتب نہیں مانا اور اس قول کے صریح کذب ہونے میں حضرت مسیح موعود کی کتب سے ذرا بھی مس رکھنے والے شخص کو بھی شک نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) دسواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۲ نے ۲۹/اگست کو بجواب جرح کہا: ''مکتوبات امام ربانی ج۲ ص۹۹ مکتوب نمبر۵۱ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی۔''

لیکن جو شخص اس مکتوب کی عبارت پڑھے گا۔ اسے گواہ مدعیہ کو مذکورہ جواب دینے کی وجہ سے کاذب کہنے کے سواء کوئی چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مکتوب سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس بات کا وہم بھی نہیں گزرتا ہے کہ یہ کلام کشفی یا الہامی ہے۔ امام صاحب اس مکتوب

کو ان الفاظ سے شروع کرتے: ’’اعلم ایها الاخ الصدیق ان کلامهٔ سبحانه وتعالیٰ مع البشر قدیکون شفاها وذالک لافراد من الانبیاء علیهم الصلوات والتسلیمات وقدیکون ذالک لبعض الکمل من متابعیهم بالتبعیة والوراثة ایضاً واذاکثرهذا القسم من الکلام مع واحد منهم سمی محدثاً کماکان امیرالمومنین عمروهذا غیرالالهام وغیرالالقاء فی الروع وغیرالکلام الذی مع الملک انما یخاطب بهذا الکلام الانسان الکامل‘‘

’’یعنی اے برادر صادق جان لے کر خدا تعالیٰ کا انسان سے مکالمہ کبھی تو بالمشافہ ہوتا ہے اور وہ انبیاء کرام کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ایسا کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتا ہے جو انبیاء کی پیروی کی برکت سے بطریق وراثت ہوتا ہے۔ پس جب ایسے کلام بکثرت ان کاملوں میں سے کسی کے ساتھ ہوں تو اس کا نام محدث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تھے اور یہ کلام الہام سے القاء فی الروع کے علاوہ ہوتا ہے اور اس کلام سے بھی علاوہ ہوتا ہے جو فرشتہ کے ذریعہ ہو ایسے کلام سے صرف انسان کامل ہی مخاطب ہوتا ہے۔‘‘

اب بتاؤ کیا اس مکتوب کی عبارت کو کشفی یا الہامی کہنا صریح کذب نہیں ہے؟

(۱۱) گیارہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۱۸؍اگست بجواب جرح مسلم الثبوت ج۲ ص۱۹۵ کی عبارت: ’’واما فی مستقبلات کاشراط الساعة وامور الاخرة فلا عندالحنفیة لان الغیب لامدخل فیه للاجتهاد‘‘ کا یہ مفہوم لکھوایا کہ: ’’مسلم الثبوت کی مراد یہ ہے واقعہ پیش آ گیا ہے اور اس کا حکم دینا ہے مجتہدین کو تو اتفاق اور اجماع کر لیں وہ حجت ہے اور آئندہ چیزیں جو ہیں۔ ان میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ عقیدہ کافی ہے۔‘‘

اور کہا کہ نزول مسیح علامات قیامت میں سے ہے جو چیزیں اخبار مستقل سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان پر اجماع ہوسکتا ہے اور ہوا ہے۔‘‘

گواہ مدعیہ کے ان دونوں قولوں کو ملحوظ رکھ کر جو مفہوم مسلم الثبوت کی مذکورہ بالا عبارت کا گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے وہ صریح کذب ہے۔ کیونکہ اس عبارت کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ جو باتیں آئندہ زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والی ہیں۔ جیسے علامات قیامت (جن میں سے مسیح کا نزول بھی ہے) اور امور آخرت ان میں حنفیہ کے نزدیک کوئی اجماع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ باتیں غیب سے متعلق ہیں اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔

(۱۲) بارہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۸؍اگست کو بجواب جرح شرح فقہ اکبر ص۱۴۷ کی عبارت: ’’ولوانکر احد خلافة الشیخین یکفر...... لانها ثبت بالاجماع‘‘ کا یہ مفہوم لکھوایا ہے کہ: ’’روافض جو خلافت خلفائے ثلاثہ کے منکر ہیں اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے وہ کافر ہے۔‘‘

اس کے ساتھ ہی گواہ نے یہ کہا تھا اور کہتے ہیں کہ وہ خلیفہ نبی نہیں ہوئے وہ کافر ہیں۔ حالانکہ مفہوم بالکل غلط ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ گواہ ان الفاظ کا صحیح ترجمہ نہ کر سکتے تھے۔ ضرور کر سکتے تھے۔ لیکن وہ پہلے خلافت راشدہ کے متعلق کہہ چکے تھے کہ اس کا ماننا ضروریات دین سے نہیں ہے اور اس لئے شرح فقہ اکبر کے فتویٰ کے مطابق انہیں عام شیعوں کو کافر ماننا پڑتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے استاد کے استاد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتویٰ پر عمل کر کے اور اس عبارت کا ایسا مفہوم پیش کر دیا جس کے الفاظ متحمل نہ تھے اور صریح کذب کے

مترادف تھا۔ مطلب صرف اتنا تھا کہ جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہوگا۔ کیونکہ وہ صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔

(۱۳) تیرہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح حدیث: ''علماء ھم شر من تحت ادیم السماء'' کے مفہوم میں یہ لکھوایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے وقت علماء یہود ان کے مخالف ہوں گے۔ احادیث کی کتابوں میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ وہ مخالف ہوں گے نہ کہ رسول اللہ کی امت یہود بن جائے گی اور یہ گواہ مدعیہ کا صریح جھوٹ ہے، کیونکہ احادیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے۔ حدیث: ''علماء ھم'' میں علماء سے مراد مسلمانوں کے ہی علماء ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اسلام کا ذکر ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے بھی صرف حرف ونقوش باقی رہ جائیں گے اور مسجدیں بہت ہوں گی۔ مگر ہدایت سے خالی اور ان کے علماء بدترین مخلوق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ مراد مسلمانوں کے مولوی ہیں۔ یہود کا اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے اور اس طرح دوسری حدیث میں بھی صاف وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لیاتین علیٰ امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حد النعل بالنعل (مشکوٰۃ ص ۳۰)'' کہ میری امت پر بھی وہ تمام حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے اور فرمایا کہ: ''لتتبعن سنن من قبلکم (الحدیث)'' (بخاری ج۲ ص۱۷۱) کہ تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بالشت پیروی کروگے۔ صحابہ نے عرض کیا یہود اور نصاریٰ کی تو آپ نے فرمایا کہ اور کون یعنی یہود اور نصاریٰ کی پیروی کروگے اور تمام علماء اور ائمہ ان احادیث سے یہی مراد لیتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے علماء کی حالت بگڑ جائے گی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں: ''اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند'' (الفوز الکبیر ص۱۳) گواہ مدعیہ نمبر۴ نے کذب صریح کو استعمال میں لاکر احادیث کا ایسا مفہوم بیان کیا ہے جو بالکل ہی غلط ہے۔

(۱۴) چودہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ نمبر۴ نے ۳۱؍اگست کو بجواب جرح یہ کہا کہ: ''(مکتوبات امام ربانی ج۲ ص۱۰۷) میں علماء ظواہر کے متعلق جو لکھا ہے کہ وہ مکاشفہ ہے۔'' اور یہ بالکل ایسا ہی کذب صریح ہے۔ جیسا کہ نمبر۱۰ میں بیان ہوچکا ہے۔ اس میں بھی کوئی لفظ کشف یا الہام کا نہیں ہے۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نمبر۱ نے ۹؍مارچ کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں، بلکہ صرف محدثیت کا آیا ہے، غلط ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیرتشریعی نبی ہونے کا دعویٰ توتوضیح مرام میں بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بتاچکا ہوں۔ پہلے آپ محدث کا بھی لفظ استعمال کرتے تھے۔ لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے اور اپنے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے اور جب وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دال ہیں۔

اور اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعد دعویٰ نبوت کیا ہے تو بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خواجہ صاحب آپ کے مصدق تھے۔ کیونکہ آپ کی زندگی تک جو دعاوی حضرت مرزا صاحب کے آپ کے سامنے پیش ہوئے آپ نے ان کی تصدیق کی۔ سو اگر آپ مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کرنے کے وقت بھی زندہ ہوتے تو آپ ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ جیسا کہ وہ صحابہ ؓ جو آنحضرت ﷺ کے دعویٰ ختم نبوت سے پہلے وفات پاچکے تھے اور صرف دعویٰ نبوت کو ہی انہوں نے پایا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کے دعویٰ ختم نبوت کے وقت بھی موجود ہوتے تو وہ اس کی تصدیق ہی کرتے اور اس پر ایسا ہی ایمان لاتے۔ جیسا

کہ آپ کے دعویٰ نبوت پر ایمان لائے تھے۔ لیکن یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ خواجہ صاحب کے پاس مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کے الہامات میں جابجا رسول اور نبی کے الفاظ موجود ہیں اور یہ الہامات خواجہ صاحب کی زندگی میں ہی حضرت مسیح موعود کی کتب میں شائع ہو چکے تھے اور خواجہ صاحب کو ان سے اطلاع تھی۔

اعتراض: مولوی رکن الدین نے مولوی غلام احمد اختر کو اخویم لکھا ہے جس سے ان کی آپس میں دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔

جواب:

۱...... اگر اخویم کہنے سے دوستی کا اظہار ہوتا ہے تو خواجہ صاحب نے حضرت مسیح موعود کے حق میں جو القاب تحریر فرمائے ہیں۔ ان سے لازماً ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود خواجہ صاحب کے نزدیک ایک برگزیدہ اور خدارسیدہ انسان تھے۔

۲...... چونکہ وہ دونوں خواجہ صاحب کے مرید تھے اور دینی بھائی تھے۔ اس لئے مولوی رکن الدین صاحب نے انہیں اخویم لکھا۔ جس کے معنی میرے بھائی کے ہیں۔

۳...... دوستی اس لئے تھی کہ خواجہ صاحب کے نزدیک مولوی غلام احمد صاحب اختر کا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ (اشارات فریدی ج۳ ص۱۷۳) میں لکھا ہے: ’’بعد از آں برادرم مولوی غلام احمد اختر را فرمودند کہ تو ہم بنولیس وے نوشتن نشست وحضور انور از شفقت وعنایت فرمودند کہ ایں میاں وجہا ماست از یں شب برادرم مولوی غلام احمد اختر از پیشگاہ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بلقب او جہا سرفراز وممتاز گردید۔ باید دانست کہ او جہا در لغت ہندی اہل ہنود معلم واستاد را گویند۔‘‘

اعتراض: مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا ان کسی مرید اور خلیفہ نے مرزا صاحب کو نہیں مانا۔

جواب: مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سواء اور مریدوں نے بھی حضرت مسیح موعود کو برحق مانا اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے کہ اختر کے سواء اور کسی نے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق اور تائید نہیں کی تو کیا اس سے یہ لازم آ جائے گا کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کی تصدیق نہیں کی تھی۔ کیا یہود کے انبیاء اور اولیاء اس امر کی خبر دیتے نہیں آئے تھے کہ ایک نبی عرب میں مبعوث ہوگا۔ پھر کیا یہود نے باوجود آنحضرت ﷺ کی شناخت کے کہ یہ وہی نبی ہے تسلیم کر لیا تھا؟ نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ انبیاء نے آپ کی تصدیق کی ہے انکار کر دیا تھا اور عبداللہ بن سلام نے جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے دریافت کرنے پر یہود نے کہا: ’’خیرنا وابن خیرنا وافضلنا وابن افضلنا ‘‘ کہ وہ ہم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اچھا اور اچھوں کی اولاد اور ہم میں سے صاحب فضیلت اور ہم سے افضل کی اولاد ہے۔ لیکن جب انہوں نے اسلام کا اظہار کیا تو ان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے ان کو یہودیوں میں سب سے برا قرار دیا اور خیرنا وابن خیرنا کی بجائے شرنا وابن شرنا کہنا شروع کر دیا۔ (بخاری ج۲ ص۲۲۶، مطبوعہ مصر)

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’لو اٰمن بی عشرۃ من الیہود لاٰمن بی الیہود (بخاری ج۲ ص۲۲۷، مطبوعہ مصر) ’’یعنی اگر مجھ پر دس یہود بھی ایمان لے آتے تو پھر سب یہود مجھے مان لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس یہود نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی تھی۔ پس خواجہ صاحب کے خلفاء کا حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کو صحیح تسلیم نہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہ کی تھی اور جب کہ اس شہادت ثقہ کا چرچا ہوا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور آپ کی پیروی کے شائقوں میں سے بہت سے نیک لوگ حضرت مسیح موعود کی تصدیق کریں گے اور جماعت احمدیہ میں داخل ہو جاویں گے۔

اعتراض: خواجہ محمد بخش صاحب کے مولوی رکن الدین صاحب کو برادر دینی کہنے سے ان کی توثیق نہیں ہوتی۔

جواب:

۱...... کوئی عقل مند انسان یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر مولوی رکن الدین صاحب کے مولوی غلام احمد صاحب اختر کو اخویم کہنے سے دوستی ثابت ہوتی ہے تو خواجہ محمد بخش صاحب کے مولوی رکن الدین کو برادر دینی کہنے سے بھی ضرور دوستی ثابت ہوتی ہے اور جو خواجہ صاحب اوران کے خلفاء کا دوست ہو اس کو لامحالہ ثقہ شخص ماننا پڑے گا۔

۲...... مؤلف مناقب فریدی جو حضرت خواجہ صاحب مغفور کے مرید اور خلفائے مقربین میں ہے۔ یعنی مولوی احمد اختر صاحب انہوں نے مولوی رکن الدین صاحب کو مولانا سلمہ ربہ عزیز القدر مولانا کے القاب سے یاد کیا ہے۔ (سوانح عمری فریدثانی ص۱۰)

۳...... اور لکھا ہے کہ پھر بارگاہ فریدی سے ۱۳۱۸ھ کو انہیں خرقہ خلافت عطاء ہوا۔ (سوانح عمری فریدثانی ص۲۸)

۴...... پھر مولانا رکن الدین صاحب کی کتاب کی توثیق مولوی محمد اختر صاحب کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ جو خواجہ صاحب کے خلفاء دین میں سے تھے۔ بلکہ وہی مثال خلافت تیار کرا کر لے جا کر حضور کے دستخط خاص سے مزین کرا کر خدمت خلیفہ صاحب میں سپرد کرتے تھے۔ (سوانح عمری فریدثانی ص۳۰)

وہ لکھتے ہیں: آپ کے ملفوظ شریف (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے) مقابیس المجالس المسمی باشارات فریدی سے ظاہر ہے جو عزیز القدر مولانا رکن الدین صاحب نے آٹھ برس حاضرہ کر جمع کیا ہے۔ (سوانح عمری فریدثانی ص۱۰)

اسی طرح خواجہ محمد بخش صاحب نے کتاب اشارات فریدی ج سوم کے آخر میں جو تقریظ لکھی ہے اس میں یہ ظاہر کر کے کہ اشارات فریدی میرے والد ماجد خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں فرمایا ہے کہ: ''آں برادرم دینی مولانا رکن الدین پر ہار سونگی سلمہ ربہ در مدت نہ سال ہمہ تن گوش گردیدہ جمع کردہ است یک نسخہ بود و ہمہ مریدان معتقدان و جملہ طالبان طریقت وسالکان حقیقت بہر طرف پویان وجویان ایں خزینۂ معارف بودند پس بصرف زرکثیر باہتمام خان صاحب والاشان محمد عبدالعلیم خان صاحب بہادر سکنہ ریاست ٹونک طبع کنانیدم قادر اطراف واکناف عالم شائع گردد و ہر کسے بمطالعہ آں نسخہ منبرکہ ہمت برگمارد و جواہر معارف بدست آرد فقط فقیر محمد بخش بقلم خود۔''

ان کلمات سے ظاہر ہے کہ مریدوں کے نہایت اصرار کے بعد یہ کتاب شائع کی گئی۔ خواجہ محمد بخش صاحب کی اجازت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ پس یہ اشارات فریدی اور اس کے مؤلف کی توثیق کے متعلق اتنی بڑی شہادت ہے جس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے کہ یہ تقریظ بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر اپنے والد صاحب کے ملفوظات پڑھنے کے تقریظ لکھ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر پڑھے ملفوظات مندرجہ اشارات فریدی اپنے والد صاحب کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ مختار مدعیہ نے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب پر تو طعن کی تھی کہ انہوں نے (حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتابیں مطالعہ کئے بغیر ان کی تصدیق کر دی ہے اور ان کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد بخش صاحب پر بھی یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے بغیر اشارات فریدی پڑھنے کے اس پر تقریظ لکھ دی ہے اور اس کو اپنے والد صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ قرار دے دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب جیسے بزرگ و برگزیدۂ خدا کے ملفوظات طبع کئے جاتے ہیں۔ مریدوں کی طرف سے بہت سا اصرار ہونے پر ان کے فرزند وخلیفہ خواجہ محمد بخش صاحب اس پر تقریظ لکھتے ہیں اور چھپنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ٹونک کے ایک رئیس اعظم اس کی طباعت پر رقم صرف فرماتے ہیں۔ معتقدین خواجہ صاحب اس کو خریدتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور خواجہ محمد بخش صاحب کی تقریظ بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا۔ یہ ملفوظات یا ان سے کوئی حصہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کا نہیں ہے۔

کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ اگر حضرت خواجہ صاحب کے مریدوں اور معتقدوں میں سے اشارات فریدی کے متعلق کسی کو ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ اس کا کوئی حصہ خواجہ صاحب کی طرف نہیں ہے تو وہ خاموش بیٹھا رہتا۔ نہیں نہیں یہ بات کسی طرح سمجھ میں آنے کے لائق نہیں ہے اور حضرت خواجہ صاحب کی یہ شہادت ایک ایسی شہادت ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی اور نہ اس کو کوئی مشتبہ کر سکتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس میں کچھ خلل ڈالنا یا غلط ثابت کرنا اب انسانی طاقتوں سے بالکل باہر کر دیا ہے۔ شہادت دینے والے اس کو قلم بند کرنے والے، ان کی تصدیق کرنے والے اور طبع کرنے والے سب فوت ہو چکے ہیں اور اب اس کے خلاف نہ کسی کا عذر قبول ہو سکتا ہے نہ کسی کی شہادت جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور اب اس کو بدل دینے والا کوئی نہیں۔

پھر اسی کتاب یعنی (اشارات فریدی ج۳) میں جس سے حضرت مسیح موعود کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش کی گئی ہے۔ اس کے (ص۱۸۷) میں لکھا ہے: ’’وایں جلد سوم از اوّل تا آخر بجناب اقدس حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ سبق بہ سبق خواندہ ام وحضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بکمال عنایت وتوجہ سماع فرمودند وتصحیح واصلاح معہ تحقیق تام نمودہ اند۔‘‘

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ کتاب بغور سبقاً سبقاً سنی ہے اور اس کی بعض جگہ تصحیح بھی فرمائی ہے۔ پس اس میں جو ملفوظات ہیں وہ یقیناً خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود نے ایک جگہ اشارات فریدی خواجہ صاحب غلام فرید صاحب کی طرف منسوب کی ہے اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر اس سے قبل یہ لکھ کر تشریح کر دی ہے کہ اشارات فریدی خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں۔ لیکن گواہان مدعاعلیہ نے اسے مولوی رکن الدین صاحب کی کتاب اس لئے قرار دیا کہ وہ اس کے مرتب اور جمع کنندہ تھے اس لئے حضرت مسیح موعود اور گواہان مدعاعلیہ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، جیسا کہ مختار مدعیہ نے خیال کیا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کو جب اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ کہہ دیا کہ گواہ مدعاعلیہ نمبرا نے بجواب جرح یہ کہا کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے اسے سبقاً سبقاً سنا اور اشارات خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوئی۔ حالانکہ گواہ نمبرا نے مکرر جرح کے جواب میں یہ بات صاف کر دی تھی کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے نہیں سنی بلکہ خود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی ہے اور خواجہ صاحب کی وفات کے ایک سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی۔

اور نیز مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعاعلیہ نمبرا نے اپنے بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ گواہ مدعاعلیہ نمبرا کے اصل الفاظ یہ تھے کہ مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جاوے گا اور مولوی رکن الدین جس کے متعلق یہاں بحث ہے وہ معمولی انسان نہیں بلکہ حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں سے ہیں۔

اعتراض: اس خط میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی عربی کلام کی طاقت بشری سے خارج ہے پس یہ خواجہ صاحب کا قول نہیں ہو سکتا۔

جواب: قول نہیں ہو سکتا کوئی دلیل نہیں ہے۔ جب کہ شواہد یقینیہ اور دلائل قویہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ قول حضرت خواجہ صاحب کا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ عربی کلام قرآن مجید کی طرح ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ اگر تائید الٰہی نہ ہوتی تو محض انسانی طاقت کا یہ کام نہیں تھا کہ اتنی جلدی ایسا فصیح اور بلیغ اور پر از معارف عربی کلام لکھ سکے۔ پس اس میں خواجہ صاحب نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تائید الٰہی تھی۔ اس لئے آپ کا عربی کلام طاقت بشری سے خارج تھا۔

اعتراض: اس وقت بعض علماء نے تکفیر کی تھی، کل نے نہیں کی تھی۔

جواب: کل نے تو اب بھی نہیں کی، بہت سے نیک اور راست باز علماء نے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق کی اور خود دیوبند کے

تعلیم یافتہ عالم جلیل ومحدث کبیر حضرت سید مولوی سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ اور مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی جو بانی مدرسۃ العلوم دیوبند کے شاگرد تھے اور مولانا انوار حسین شاہ صاحب رئیس شاہ آباد وغیرہ علماء نے جو دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے شاگرد رشید غلام قاضی امیر حسین صاحب مرحوم جو کہ علم حدیث وفقہ میں عظیم الشان دسترس رکھتے تھے اور دیگر ایسے علماء نے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور سلسلہ میں داخل ہوئے اور نہایت عظیم الشان قربانیاں کیں۔

۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۱ء کے بعد تکفیر کا نیا فتنہ کوئی نہیں اٹھا، بلکہ سب سے زیادہ یہ فتنہ اوائل میں ہی اٹھا۔ جب کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ۱۸۹۰ء میں ہندوستان کے تمام علماء کے پاس فتویٰ کفر حاصل کرنے کے لئے گئے۔ لیکن ان سب سے فتویٰ حاصل نہیں کر سکے۔ بعض ایسے علماء بھی تھے۔ جنہوں نے فتویٰ نہیں دیا اور ایسے بھی تھے جنہوں نے فتویٰ دیا تو لیکن بعد کو اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے حضرت اقدس کے غلاموں میں داخل ہوگئے۔

اگر مختار مدعیہ کا یہ قول درست ہے کہ خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے تو بعض علماء نے تکفیر کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد کل نے کی۔ تو وہ دس ایسے مشہور علماء کے نام پیش کر کے جنہوں نے ۱۸۹۹ء تک تو حضرت مسیح موعود کو کافر نہیں کہا تھا۔ لیکن بعد میں کافر کہا میں مختار مدعیہ کے اس وہم کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے لئے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو وجوہ گواہان مدعیہ نے تکفیر کی پیش کی ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھیں۔ چنانچہ نفخ صور اور قیامت کے انکار کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ شہادت القرآن اور ازالہ اوہام کے ہیں اور ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی شہادت القرآن ۱۸۹۳ء کی ہے اور توہین انبیاء کے متعلق جو حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ زیادہ تر ضمیمہ انجام آتھم کے ہیں اور وہ ۱۸۹۷ء کی تصنیف ہے اور آپ کے دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کی بنا بھی وحی پر ہے۔

رہا نبوت کا مسئلہ تو اس کے لئے میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی شہادت پیش کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''فتح اسلام میں تو اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ توضیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے اور علاوہ براں بہت سے عقائد کفریہ کا اظہار کیا اور ازالہ اوہام میں ان سے دعویٰ مسیحیت اور نبوت کے ساتھ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔'' (فتویٰ علمائے پنجاب وہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان ۱۸۹۰ء ٹائٹل پیج ص۲ اور اشاعۃ السنۃ نمبر ا جلد ۱۳، ۱۸۹۰ء کے ص ۲۸، ۲۹ میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت خلیفہ اوّل حکیم مولوی نورالدین صاحب سے اپنی گفتگو لکھی ہے جس میں بطور سوال وجواب لکھتے ہیں:

خاکسار: نبوت ختم ہو چکی ہے یا نہیں؟

حکیم صاحب: نبوت تشریعی ختم ہو چکی ہے۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لاسکتا۔

خاکسار: کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے جو تشریع جدید نہ کرے، شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے۔ جیسے انبیا بنی اسرائیل تورات کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے۔

حکیم صاحب: کوئی بعید نہیں۔

خاکسار: آیت خاتم النّبیین نبوت کو ختم کرتی ہے۔ آپ نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں۔

حکیم صاحب: خاتم النّبیین کی آیت تشریعی انبیاء کے ختم کی دلیل ہے۔ نبی بلا تشریع کے وجود کی مانع نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود پہلے جس قسم کے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے تو وہ ایسے دعویٰ نبوت سے ہی انکار تھا۔ جس کے متعلق آپ

نے (ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ ص۲۱۰، ۲۱۱) میں فرمادیا ہے کہ: ''جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے، صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے ان کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے، اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول پکارا ہے۔ سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا اور میرا یہ قول کہ ''من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب'' اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں۔

یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود کے قول ''ہر نبوت را بروشد اختتام'' سے مراد بھی یہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت شرعی ہو یا غیر شرعی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہے۔ چنانچہ (ایک غلطی کا ازالہ ص۲، خزائن ج۱۸ ص۲۰۷، ۲۰۸) میں آپ فرماتے ہیں: ''نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئی مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی یعنی فناء فی الرسول کی باقی ہے۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے، اس لئے اس کا نام آسمان پر محمد و احمد ہے۔'' اور یہی بات حضرت مسیح موعود نے اس نظم میں جو خواجہ صاحب کے نام مرسلہ خط میں درج ہے، تحریر فرمائی ہے۔ جس کا ایک مصرعہ ہر نبوت را بروشد اختتام مختار مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

بسکہ من عشق اوہستم نہاں　من ہمانم من ہمانم من ہماں
جان من از جان او یا بدغذا　از گریبانم عیاں شد آں ذکا
احمد اندر جان احمد شد پدید　اسم من گردید اسم آں وحید

(اشارات فریدی ج۳ ص۹۸)

اور وہ اقوال جن کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۰/اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے کہ وہ کفریات حقیقت الوحی سے میں نے پیش کی ہیں۔ اگر اس وقت موجود نہیں تو یہ شہادت صحیح ہے ان کے متعلق میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ اقوال جن کو مختار مدعیہ کفریات کہتا ہے آپ کی کتاب براہین احمدیہ اور اربعین اور ازالہ اوہام اور انجام آتھم وغیرہ میں تھے اور انجام آتھم میں مندرجہ الہامات کے متعلق خواجہ صاحب کی شہادت ہے کہ وہ آپ کے کمال پر دال ہیں۔ حالانکہ ان میں وہ الہامات بھی ہیں جنہیں مختار مدعیہ نے کفریات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ چند ان میں سے ذیل میں درج کرتا ہوں:

''انت منی بمنزلۃ لایعلمھا الخلق''　(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۶۵ حاشیہ۴، خزائن ج۱ ص۶۶۸)

''انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی''　(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۸۹ حاشیہ۳، خزائن ج۱ ص۵۸۱)

''ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ''

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۳۹ حاشیہ۱، خزائن ج۱ ص۲۶۵)

''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ''　(براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۳۷ حاشیہ۱، خزائن ج۱ ص۲۶۶)

’’سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ۵۰۴ حاشیہ۳، خزائن ج ۱۸ ص ۶۰۰)

’’انا اعطیناک الکوثر‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۱۷ حاشیہ۳، خزائن ج ۱ ص ۶۱۷)

’’انا فتحنا لک فتحاً مبینا‘‘ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۱ حاشیہ۱، خزائن ج ۱ ص ۲۶۷)

پھر ان الہامات میں آپ کو داؤد، ابراہیم، مسیح ابن مریم وغیرہ ناموں کے ساتھ بھی خطاب کیا گیا ہے۔

پس جب کہ وہ امور جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفریات ہیں۔ خواجہ صاحب کے علم میں تھے اور آپ نے ان میں موجب تکفیر سمجھنے کی بجائے مرزا صاحب کے کمال کی دلیل ٹھہرائی تو مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراف کی رو سے یہ ماننا چاہئے کہ آپ کی یہ شہادت کہ حضرت مرزا صاحب پکے مسلمان صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ بالکل صحیح و درست ہے۔

اعتراض: فوائد فریدیہ کے ص ۲۹، ۳۰ میں خواجہ صاحب نے فرقہ احمدیہ کو ناری فرقوں میں سے شمار کیا ہے۔

جواب: حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود اور آپ کے متبعین کو ناری ہرگز نہیں کہا اور حضرت خواجہ صاحب کی مراد فرقہ احمدیہ سے ’’فوائد فریدیہ‘‘ میں جماعت احمدیہ ہرگز نہیں ہے۔ اوّل اس لئے کہ فوائد فریدیہ ۱۲۸۴ھ کی تصنیف ہے۔

(فوائد فریدیہ ص ۶۰، مرقومہ و مصنفہ ۱۲۸۴ھ)

اور ۱۲۸۴ھ میں حضرت مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ نہ تھا اور نہ ہی آپ کو الہامات کا سلسلہ فوائد فریدیہ میں جس فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے اس سے کسی طرح حضرت مسیح موعود کی جماعت مراد نہیں ہوسکتی۔

دوم: فوائد فریدیہ کے متعلق (ص ۳) میں لکھا ہے: ’’وبعد از تالیف شریف در کتب خانہ عالیہ موجود بود‘‘ اور پھر کتب خانہ سے لے کر ۱۸۹۵ء میں چھاپی گئی اور حضرت مسیح موعود کے سامنے والوں کو نام فرقہ احمدیہ ۴؍نومبر ۱۹۰۰ء کو تجویز کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود اپنے (اشتہار مؤرخہ ۴؍نومبر ۱۹۰۰ء ملحقہ تریاق القلوب ص ۴، خزائن ج ۱۵ ص ۵۲۶) میں فرماتے ہیں: ’’اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے۔‘‘

آگے چل کر فرماتے ہیں: ’’اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی ﷺ کے دو نام تھے۔ ایک محمد ﷺ، دوسرا احمد ﷺ اور اسم محمد جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیش گوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے۔ جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت ﷺ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دونوں ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت ﷺ کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا، جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جاوے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے۔‘‘

(اشتہار ملحقہ تریاق القلوب ص ۴، خزائن ج ۱۵ ص ۵۲۷)

ا...... پس چونکہ حضرت مسیح موعود کے ماننے والوں کا نام فرقہ احمدیہ فوائد فریدیہ کی تالیف کے وقت تو کہاں اس کے سن طباعت کے بھی بعد کا ہے۔ اس لئے یہ کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ فوائد فریدیہ میں فرقہ احمدیہ سے جماعت احمدیہ مراد ہے۔

۲…… فوائد فریدیہ کی طباعت کے بعد کی شہادتیں جو اشارات فریدی میں حضرت مسیح موعود اور آپ کے دعویٰ کے متعلق درج ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱…… عربی خط جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ابتداء سے آپ کی تعظیم کرتا ہوں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کے مورد ہیں۔ آپ میری حسن عاقبت کے لئے دعا فرمادیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ہیں اور یہ خط آپ نے رجب ۱۳۱۴ھ کو لکھا ہے اور ضمیمہ انجام آتھم اور اشارات فریدی جز وسوم کے ص ۱۴۱ میں درج ہے۔

۲…… ۲۸ر رجب ۱۳۱۴ھ کو آپ نے فرمایا: ''مرزا صاحب مردے نیک وصالح است ونزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ است کمال اوزاں کتاب ظاہر است…… وے مرد صادق مفتری وکاذب نیست۔ (اشارات فریدی ج۳ ص۴۳)

۳…… ۲۵ر شعبان ۱۳۱۴ھ کو حضرت مسیح موعود کی طرف سے خواجہ صاحب کو ایک خط عربی میں ضمیمہ انجام آتھم جس میں خواجہ صاحب کا عربی خط درج ہے۔ پہنچا اور وہ خط بجنسہ اشارات میں درج ہے۔ (اشارات فریدی ج۳ ص۶۵،۶۶)

۴…… ۲۹ شعبان ۱۳۱۴ھ کو بھی عشاء کے وقت حضرت مسیح موعود کے متعلق آپ کی مجلس میں گفتگو ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے: ''سخن درذکر مرزا غلام احمد قادیانی ودر بیان ردوقدح وذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمندے حاضر بودے صفت وثناء مرزا صاحب کرد حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ بدرجہ غائیت خوش ومسرور شدند بعدازآں فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خداعزوجل میگزارند…… وتمام کلام اومملواز معارف وحقائق وہدایت است وازعقائد اہل سنت وجماعت وضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعدازآں فرمودند کہ مرزا صاحب برمہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر ازانیاں دوعلامات کہ درکتاب خوددرج ساختہ بیان محمودہ است برتر بدرجہ غایت بردعویٰ مہدویت او گواہ اند۔

آگے وہ علامات لکھے ہیں جن سے ایک کسوف اور خسوف کی علامت تھی جو اپریل ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''پس مرزا صاحب برائے اتمام حجت خوددر اطراف واکناف عالم اشتہارات بایں معنی ارسال کردہ کہ ایں پیش گوئی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ برائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنوں تمام شدہ است برہمہ واجب کہ مہدویت من اعتراف کنید واقرار نمائید پس مولویان وقت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ایں معنی برے آید کہ ازاول شب رمضان خسوف قمر شود درنیمہ رمضان کسوف شمس گردد۔''

مولویوں کے اس سوال کو طفلانہ قرار دے کر پھر آپ نے حضرت مرزا صاحب نے جو اس حدیث کے معنی بتائے تھے ذکر کر کے فرمایا: ''بیشک معنی حدیث شریف ایں چنیں است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمر ہمیشہ بتاریخ سیزدہم یاچہاردہم یاپانزدہم ماہ واقع مے شود وکسوف شمس ہمیشہ درتاریخ بست وہفتم یابست وہشتم یابست ونہم ماہ بوقوع مے آید۔ پس خسوف قمر کہ بتاریخ ششم ازماہ اپریل ۱۸۹۴ء واقع شدہ است قرآن تاریخ سیزدہم کہ اول شب ازشب ہائے خسوف است بوقوع آمدہ وکسوف درمیانہ روز ازروزہا کسوف شمس واقع گشتہ است۔''

(اشارات فریدی ص۶۹ تا ۷۶) میں خواجہ غلام فرید صاحب کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کو اس حدیث کے مطابق مہدی موعود کو دعویٰ میں صادق اور راست باز جانتے تھے۔

۵…… ۵ر رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو بھی حضرت مرزا صاحب کے بارہ میں ذکر آیا۔ ''سخن درحال مرزا صاحب قادیان افتادہ بود وشخصے گفت کہ مرزا صاحب عزم کسر عقیدہ تثلیث نصاریٰ داشتہ است وعلمائے زماں اوشان را مخالف شدہ بروے حکم تکفیر دادہ ومقصد جدال دارند حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ۔ ونفعنا وایاکم بلقائہ فرمودند کہ حق غالب است طرف حق غالب است۔'' (اشارات ج۳ ص۷۵)

حضرت خواجہ صاحب نے جب یہ فرمایا کہ حق غالب یعنی حق غالب ہی کو ہوگا اس وقت حضرت مسیح موعود کے ماننے والے نہایت ہی قلیل تعداد میں تھے۔ ہندوستان کے چند ہی صوبوں میں پائے جاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسی نصرت فرمائی کہ باوجود مولویوں کی پوری پوری کوشش اور سخت سے سخت مخالفت کے سارے ہندوستان میں احمدی پھیل گئے اور کوئی صوبہ یا ریاست خالی نہ رہی۔ جہاں کچھ نہ کچھ احمدی موجود نہ ہوں اور پھر حدود ہندوستان سے گزر کر ممالک غیر میں پہنچ گئے اور اب تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں حضرت اقدس کے متبعین کی جماعتیں اور افراد پائے جاتے ہیں۔

۶...... ۱۴ر رمضان شریف ۱۳۱۴ھ کو خواجہ صاحب ظہر کے وقت مع دیگر احباب کے تشریف فرما تھے کہ ’’اندریں اثنا از طرف مرزا غلام احمد قادیانی یک خط معہ چند اوراق در مضامین فتح واسلام جلسہ اعظم مذاہب لاہور بجناب اقدس حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقائہٖ وارد گردید اند کے ازاں خود بدولت ہم دیدند آنگاہ خواجہ صاحب مولوی غلام احمد را باز دادند فرمودند کہ بخواں وے اول مضامین فتح اسلام جلسہ را نجواندند در وے عجب اسرار از معانی قرآن شریف درج بودند کہ عقل حیران میشد وحضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بکمال توجہ آنرا سماع مے فرمودند وسوئے حضرت قطب الموحدین صاحب زادہ صاحب ادام اللہ تعالیٰ بدوامہٖ نظر فیض اثر کردہ تبسم مے نمودند۔ گاہ گاہ بطرف آں دانشمند کہ نسبت بمرزا صاحب گونہ انکار داشت تیز تیز نظر فرمودہ نیز تبسم میکرند۔ گویا اشارے مے نمودند کہ بشنو چگونہ کلامے ست پر تاثیر وچگونہ فصاحت وبلاغت است واز اسرار معانی قرآن شریف چہ قدر در سفتہ است۔ بعد ازاں فرمودند خط را بخواں پس مولوی صاحب آں خط را بخواند حضور بدرجہ غایت مسرور خورسند شدند وبہ چہرہ مبارک حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ از حد زاید آثار بشاشت ومسرت نمایاں بودند آں خط بعینہٖ ایں جا نقل کردہ شد وآں خط ایں ست۔‘‘

اور یہ خط جس کے سننے سے خواجہ صاحب از حد مسرور ہوئے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں: ’’اے مخدوم مکرم ایں سلسلہ خداست وبنائے است از دست قادرے کہ ہمیشہ کارہائے عجائب مے نماید...... ومراد در الہام خود آدم نام نہاد وگفت اردت ان استخلف فخلقت آدم چرا کہ میدانست کہ من نیز مورد اعتراض اتجعل فیھا من یفسدفیھا خواہم گردید۔ پس ہر کہ مرامے پذیرد فرشتہ است نہ انسان وہر کہ مرامے پیچد ابلیس است نہ آدمی ایں قول خدا گرفتہ نہ من۔‘‘

اور اس خط میں جو اشعار درج ہیں ان میں آپ فرماتے ہیں:

احمد اندر جان احمد شد پدید　　اسم من گردید اسم آں وحید

(ص۹۸)

اور فرماتے ہیں:

بسکہ جانم شد نہاں دریار من　　بوئے یار آمد ازیں گلزار من
نور حق داریم زیر چادرے　　از گریبانم برآمد دلبرے
احمد آخر زماں نام من است　　آخری جامے ہمیں جام من است

(اشارات فریدی ج۳ ص۹۱ تا ۱۰۴)

ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو جب کہ آپ تشریف فرما تھے۔

’’حافظ ملوں سکنہ حدود گھڑی اختیار خان بہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط وناسزا گفن آغاز کرد ہمیکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقائہٖ متغیر گردید وبرآں حافظ بانگ زدند وزجر نمودے عرض کرد کہ قبلہ چوں حالات وصفات حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام واوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب یافتہ نمے شوند چگونہ اعتبار کنیم کہ اوست عیسیٰ ومہدی۔

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند............ در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسیٰ ومہدی یکے است بعد ازاں فرمودند کہ شرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال وفہم مردم کہ در دلہائے خود پنداشتہ اند ظاہر شوند بلکہ حافظا امر دیگر گون است اگر چنین بودے کہ مردم خیال می کنند پس اوراہمہ خلق مہدی برحق دانستہ باد ایمان آوردے۔ چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گردو شدے بر بعضے کسان کہ حال آن پیغمبر مشتبہ مے شد وبر بعضے کساں ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نہ مے گشت ازیں سبب ہمیں گروہ انکار آوردد مکافر شد اگر برتمام امت وپیغمبر حال آں پیغمبرے مکشوف شدے ہمہ مسلماناں بودندے چنانچہ آنحضرت ﷺ ظاہر شدند ومبعوث گردیدند۔ بعض علامات رامطابق پندار وفہم وہم خود ہانیافتند پس برآں کساں کہ آنحضرت مکشوف شد اوشاں ایمان آوردند وبرآں گردہ کہ مکشوف نشد انکار کردند ہم چنیں حال مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کدام امر مانع است۔ (اشارات فریدی ج۳ص۱۲۳،۱۲۴)

کہنے کو تو جس کا جی چاہے کہہ سکتا ہے کسی کا منہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کیا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارکہ کی موجودگی میں کسی عقل وانصاف سے حصہ رکھنے والے کو بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ فوائد فریدیہ میں آپ نے جماعت احمدیہ کو فرقہ ناریہ میں سے شمار کیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت مخفی نہیں کی جاسکتی کہ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود کے دعویٰ مہدویت ومسیحیت کی نہایت صراحت ووضاحت سے تصدیق وتائید کی ہے اور مصدق ہونے کی حالت ہی میں آپ نے وفات پائی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس نے اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص۲۰۷، خزائن ج۲۲ص۲۱۵،۲۱۶) میں اس کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: مرزا صاحب! اس بناء پر کتاب اشارات فریدی میں جو خواجہ صاحب موصوف کے ملفوظات ہیں، جابجا خواجہ صاحب موصوف میری تصدیق فرماتے ہیں...... پس چونکہ خواجہ غلام فرید صاحب پیر صاحب العلم کی طرح پاک باطن تھے۔ اس لئے خدا نے ان پر میری سچائی کی حقیقت کھول دی...... اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا۔ چنانچہ وہ خطوط جو آپ نے میری طرف لکھے ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر میری محبت ان کے دل میں ڈال دی تھی۔

اور (حقیقت الوحی ص۲۰۹۹، خزائن ج۲۲ص۲۱۸) میں فرماتے ہیں: ''غرض خواجہ غلام فرید صاحب کو خدا تعالیٰ نے یہ نور باطن عطاء کیا تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں صادق اور کاذب میں فرق کر لیتے تھے۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے اور اپنے قرب میں جگہ دے۔''

پس ہز ہائی نس فرزوائے بہاولپور دام اقبالہم کے پیرومرشد برگزیدہ خدائے وحید حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ نوراللہ مرقدہ کی حضرت مسیح موعود کے اسلام پر شہادت ایک ایسی قطعی ویقینی شہادت ہے جس کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ مختار مدعیہ نے اس شہادت کی صحت وعدم صحت پر جو جرح کی ہے۔ اس میں کبھی تو اس نے یہ کہا کہ مولوی رکن الدین ثقہ آدمی نہیں۔ کبھی یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آدمی بھیج کر جو چاہا خواجہ صاحب سے لکھوالیا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ یہ شہادت خواجہ صاحب نے بغیر تحقیق کے دی۔ اس لئے قابل قبول نہیں اور اس کا یہ تخالف اور اضطراب بھی اس کے بیان کی حقیقت کا آئینہ ہے اور اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ یہ شہادت ایسی صاف قوی موثق ہے۔ جس کی تردید وتغلیط ہرگز ممکن نہیں۔ پس اس شہادت کے موجود ہوتے ہوئے گواہان مدعیہ کی شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی اور وہ اس قابل ہیں کہ انہیں رد کیا جائے اور ہز ہائی نس نواب والئے ریاست بہاولپور کے پیر کی اس شہادت کو قبول کیا جاوے۔ جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود کو صراط مستقیم پر قائم اور پکا مومن اور مسلمان تسلیم کیا ہے۔ پس جس کے مطابق ہز ہائی نس نواب صاحب کی محترمہ پھوپھی صاحبہ کی شادی ایک معزز مخلص احمدی سے ہوئی۔

خلاصہ بحث

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں اور مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں کتب فقہ کے حوالے سے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان

کے قول میں ننانوے وجوہ کفر کے اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو کفر کا فتویٰ دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ’’اسلام یعلوا ولا یعلی‘‘
اور گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے اس امر کے متعلق شرح فقہ اکبر ملّا علی قاری اور البحر الرائق ج۵ کا حوالہ دیا تھا۔ لیکن میں اس کی اصل عبارت اور اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں تاکہ عدالت کو اس کا مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو۔

’’وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی‘‘

اور پھر لکھتے ہیں: ’’وفی المسئلة المذکورة تصریح بانه یقبل من صاحبها التأویل خلافاً لما ذکره بعضهم علی خلاف هذه القیل هذا کله اذا صدر عنه تعمداً‘‘ (شرح فقہ اکبر ص۱۴۶)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہوا اور علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جو کفر سے متعلق ہے اور اس میں ننانوے احتمال کفر کے ہیں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہے تو مفتی اور قاضی کو چاہئے کہ وہ اس احتمال پر عمل کرے جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو اور اس مسئلہ مذکورہ میں اس امر کی بخلاف بعض لوگوں کے تصریح ہے کہ ایسے کفریہ قول کے قائل کی تاویل قبول کی جائے گی۔

اور مختار مدعیہ نے ۹؍اکتوبر کی بحث میں الرائق کے حوالہ سے کہا ہے۔ ’’کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے جب اس پر اتفاق ہو۔ متفق علیہ ہو کلام میں کوئی تاویل نہ ہو۔‘‘

اور مؤلف البحر الرائق نے لکھا ہے: ’’والذی تحرر انه لا یفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة‘‘ (البحر الرائق ج۵ ص۱۳۵)

یعنی کسی مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ اس کلام کا محمل حسن نکل سکے یا اس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ کوئی ضعیف روایت ہی ہو۔

اور یہ ایک ایسا اصل ہے جسے خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اپنے مخالفوں کے سامنے بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نمبر۲ جو مختار مدعیہ بھی ہے، لکھا ہے: ’’اگر کسی مسلم ولی کی طرف سے ایسا قول منسوب کیا جائے جو خلاف شرع ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس قول کی نفی کریں اور اگر وہ فعل یا قول معتبر ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی ایسی تاویل کرنے چاہئے۔ جو ان کی شان کے مناسب ہو اور شرع شریف کے خلاف نہ ہو۔‘‘ (سبیل السداد ص۵)

اور بحوالہ (برکات الامداد ص۲۷،۲۸) گواہ مدعیہ نمبر۲ اپنی کتاب تزکیۃ الخواطر کے ص۷ میں لکھتے ہیں: ’’علماء کرام فرماتے ہیں، کلمہ گو کے کلام میں ننانوے معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو، تو واجب ہے کہ اس تاویل کو اختیار کریں اور اسے مسلمان ٹھہراویں اور یہ کہ حدیث میں آیا ہے۔ الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔ رواہ الرویانی والدارقطنی والبیہقی وایضاً التخلیل عن عائذ بن عمرو المزنی نہ کہ بلاوجہ محض منہ زوری سے صاف ظاہر واضح معلوم معروف معنی کو انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون مردود مصنوع مطرود احتمال گھڑے اور اپنے لئے علم غیب واطلاع حال قلب کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی ناپاک مراد مسلمانوں کے سر باندھے۔ (بحوالہ برکات الامداد وتزکیۃ الخواطر ص۷)

اور حضرت مسیح موعود کا ایک بزرگ مسلمان ہونا دعویٰ سے پہلے مسلم تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو براہین احمدیہ میں لکھا ہے: ’’مؤلف براہین احمدیہ مخالف وموافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔‘‘ (اشاعۃ السنۃ ج۷ نمبر۹ ص۲۸۴)

اور (اشاعۃ السنۃ ج۷ نمبر۶ ص۱۶۹) میں لکھتے ہیں: ’’اور اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔‘‘

اور گواہ مدعیہ نمبر۲ نے بسوال عدالت ۲۴؍اگست کو تسلیم کیا کہ مرزاصاحب نے (ازالہ اوہام ص۱۳۷، خزائن ج۳ ص۱۶۹) میں ہمارے مذہب کے عنوان کے ذیل میں جو عبارت لکھی تھی وہ مسلمان ہونے کی حالت میں لکھی تھی۔ اس وقت تک مرزاصاحب مسلمان تھے۔

پس جب حضرت مسیح موعود ایک مسلم مسلمان تھے تو ہر شخص کو جو آپ کے تمام اقوال کا اسی مذکورہ بالا اصل کی رو سے دیکھنا اور ایک مسلمان پر جو حسن ظنی کی شریعت اسلامیہ نے تعلیم دی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا تکفیر کرنے سے محترز رہنا لازم ہے۔

گواہان مدعیہ نے جو وجوہ تکفیر پیش کی تھیں۔ انہیں سے ایک وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وحی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کے بعد باب وحی بند ہے اور مختار مدعیہ نے اس کے متعلق ۱۱؍اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ گواہان مدعیہ نے چھ آیات اور ۱۲۵حادیث انسداد وحی پر اور سات آیتیں اور سترہ حدیثیں خاتم النّبیین کی تفسیر میں اور اسی امر یعنی خاتم النّبیین کے متعلق ابن جریر سے ۶۴ صحابہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ حالانکہ گواہان مدعیہ نے نہ تو پچیس حدیثیں انسداد پر پیش کی ہیں۔ نہ اور چھ اور سات تیرہ آیتیں انسداد وحی اور خاتم النّبیین کی تفسیر میں ان اقوال کا نام ونشان ہے۔ چونکہ مختار مدعیہ کے بیان کردہ تعداد بالکل غلط ہے۔ اس لئے میں ان کو نظرانداز کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ گواہان مدعا علیہ نے آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیرتشریعی باقی رہنے کے سلسلہ میں سات آیات قرآن شریف سے یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد وحی غیرتشریعی بند ہے اور دس آیات اور تین احادیث اور سات بڑے بڑے ائمہ کے اقوال پیش کئے تھے اور اس کے خلاف جو باتیں گواہان مدعیہ نے بیان کیں۔ ان کا مفصل جواب دینے کے علاوہ حضرت مسیح موعود کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کو شریعت جدیدہ والی وحی کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو جو مرتبہ ملا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کے نتیجہ میں ملا ہے۔

اور گواہ مدعیہ نمبر۳ نے ۲۹؍اگست بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ پر وحی نبوت آئے گی۔ لیکن اس کے سواء جو ہو، اس پر لفظ وحی کا اطلاق ہوگا اور گواہان مدعا علیہ نے حضرت موعود کی کتب سے متعدد حوالہ جات بتائے، جن میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا اقرار موجود ہے۔ پھر احادیث اور اقوال صحابہ اور سلف صالحین کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا کہ خاتم النّبیین کے جو معنی حضرت مسیح موعود نے کئے ہیں۔ وہ سلف صالحین کے معنی کے موافق ہیں اور مخالف نہیں ہیں۔ پھر آپ نے خاتم النّبیین کے سیاق وسباق کے لحاظ سے بحوالہ تفاسیر واحادیث اور لغت اور محاورات عرب کی رو سے یہ ثابت کیا کہ خاتم النّبیین میں خاتم کے معنی مہر کے بنا مجازی نہیں بلکہ آخر کے معنی لینا مجازی ہے اور پھر اقوال ائمہ سے یہ ثابت کیا کہ تاویل کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا اور جو آیات اور احادیث گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کی تھیں۔ ان کا مدلل جواب اقوال سلف صالحین سے دیا ہے کہ جو معنی انہوں نے کئے ہیں، وہ ہمارے معنی کے مطابق ہیں اور مخالف نہیں اور بحوالہ کتب اصول فقہ اجماع کی حقیقت بتا کر یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہ ؓ کا خاتم النّبیین کے ان معنی پر کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ قطعاً اجماع نہیں ہے اور بحوالہ کتب تواریخ بتایا کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ سے قتال کی اصل وجہ نبوت کا دعویٰ نہ تھی اور جن مدعیان نبوت کو گواہان مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے تاریخ اور کتب علماء سے ثابت کیا ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت مستقلہ کا دعویٰ تھا اور گواہان مدعیہ نے جو اقوال فقہ اور تفاسیر سے اپنی تائید میں پیش کئے تھے۔ ان کے متعلق بھی گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ انہوں نے ایسے نبی کے آنے کا ہی انکار کیا ہے، جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو اور اسلامی شریعت کو منسوخ کرے اور ثابت کیا ہے کہ خود گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے ان حوالہ جات کو جن میں نبی اور رسول کا لفظ تھا۔ اس عنوان کے ذیل میں کہ اپنے

شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پیش کر کے اقرار کیا کہ ان کے نزدیک رسول اسے کہتے ہیں۔ جو شریعت لائے، جو شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے لیکن حضرت مسیح موعود نے چونکہ اس قسم کی رسالت ونبوت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا تھا۔ اس لئے علماء سلف صالحین کے اقوال جو گواہان مدعیہ نے پیش کئے تھے وہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ امام ملاّ علی قاری وغیرہ کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ ایسا نبی ہوسکتا ہے۔ جو امتی اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آنحضرت ﷺ کے بعد اس قسم کی نبوت کا بقا ثابت کرنے کے لئے گواہان مدعاعلیہ نے آٹھ آیات اور پانچ احادیث پیش کیں اور حضرت مسیح موعود کی جن عبارات سے گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان سے آپ کا نئی شریعت لانے کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ بدلائل قویہ ظاہر کر دیا ہے کہ ان سے ایسا استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے فیصلہ کی ایک نہایت آسان راہ بتادی کہ: ''میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل میں کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی، یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح'' (تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸، خزائن ج ۲۲ ص ۵۰۳)

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی قیامت اور نفخ صور کا انکار پیش کی تھی جس کے جواب میں گواہان مدعاعلیہ نے حضرت مسیح موعود کی کتب سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ قیامت اور نفخ صور وغیرہ کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔

اور ایک وجہ تکفیر کی گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء بھی پیش کی تھی اور جس طرز پر انہوں نے حضرت مسیح موعود کی عبارت کو بگاڑ کر باوجود تصریحات حضرت مسیح موعود کہ میں نے یہ باتیں بطور الزام اور فرض محال کے طور پر فرضی یسوع کے متعلق بیان کی ہیں۔ توہین مسیح علیہ السلام ودیگر انبیاء علیہم السلام نکالی ہے۔ اس سے ان کی دشمنی اور تعصب بالکل عیاں ہے۔ جس وجہ سے ان کی شہادتیں ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتیں اور جن جن عبارات کو انہوں نے مثبت توہین خیال کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعاعلیہ نے مدلل طور پر ثابت کر دیا کہ وہ عبارات الزامی طور پر ہیں یا ان سے توہین نہیں نکلتی اور اپنے ہر قول کی تائید میں حضرت مسیح موعود کے متعدد اقوال اور پہلے علماء کے اقوال پیش کئے۔

غرضیکہ جو امور گواہان مدعیہ یا مختار مدعیہ نے باعث تکفیر وارتداد قرار دیئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا مفصل ومدلل جواب دے دیا گیا اور ثابت کر دیا ہے کہ ایک وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے احمدیوں کو مرتد قرار دیا جاسکے۔ اس لئے گواہان مدعیہ کی یہ رائے اور شہادت کہ: ''جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت ووحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود مانے وہ بھی اس کے حکم میں ہے اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد وعورت کے ساتھ جائز نہیں۔'' (شہادت گواہ مدعیہ نمبر۳)

۲...... ''مرزا صاحب کافر ومرتد ہے اور ان کے عقائد معلوم ہونے کے بعد جو مرزا صاحب کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر، کسی مسلمان مرد وعورت کا کسی مرزائی مرد وعورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہوگا تو فوراً فسخ ہو جائے گا۔ (گواہ مدعیہ نمبر۲)

۳...... مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ اس کو حرہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے۔ (گواہ مدعیہ نمبر۴)

بالکل باطل اور نا قابل التفات ہے۔ کیونکہ احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمودہ پر صمیم قلب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے مطابق تمام اعمال بجالاتے ہیں اور اسی میں اپنی نجات سمجھتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں:

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین　　دل سے ہیں خدام ختم المرسلین